با ایک نئے ضمیمے کے

# جہانِ غالب

قاضی عبدالودود

خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ

# اِنّما الأعمالُ بالنیات

تقدیم: ڈاکٹر مختار الدین احمد

تقسیم کار:

○ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی - ۱۱۰۰۲۵

صدر دفتر:

○ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی - ۱۱۰۰۲۵

شاخیں:

○ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، اردو بازار، دہلی - ۱۱۰۰۰۶

○ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، پرنسس بلڈنگ، بمبئی - ۴۰۰۰۰۳

○ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، یونیورسٹی مارکیٹ، علیگڑھ - ۲۰۲۰۰۲

اشاعت : ۱۹۹۵ء

لبرٹی آرٹ پریس (پروپرائٹرز مکتبہ جامعہ لمیٹڈ) پٹوڈی ہاؤس، دریا گنج، نئی دلّی میں طبع ہوئی

# جہانِ غالبؔ

قاضی عبدالودود

# حرفے چند

قاضی صاحب کے کارناموں کو ان کی خواہش کے مطابق یکے بعد دیگرے پیش کرنے کا منصوبہ بن گیا، جس میں اوّلیت مختصر / مستقل بالذّات تحریروں کو دی جاتی تھی۔ ان میں بحیثیت محقق محمد حسین آزاد، عبدالحق اور غالب کا جائزہ تھا، کلام دلدآرا اور دیوان رضا عظیم آبادی کی تدوینات تھیں؛ اور ایک منتخب مجموعہ 'اثبات بہار' کی ترتیب تھی جس میں ان کی ہر نوع کی ایک تحریر شامل رہے۔ بحیثیت محقق محمد حسین آزاد والا جائزہ اور دیوان رضا کی تدوین، مکتبہ جامعہ کے لائق سربراہ شاہد صاحب کی جانسوزی سے جنوری ۸۴ء میں قاضی صاحب کے ہاتھوں میں پہنچ چکی تھیں۔ اثبات بہار کی وہ صرف پہلی کاپی دیکھ پائے (کہ یہ ابھی کتابت کی منزلوں سے گزر رہی تھی)۔ رہے نام ذات حق کا! اور رہے نام حق کی جستجو کرنے والے اس بے لاگ محقق کا جس نے سچ کی تلاش میں، سچ سننے، سچ دیکھنے اور سچ کہنے کی ایک بار قسم کھائی تو موت تک اس کو نبھا دیا!! سچ، صرف سچ، اور سچ کے سوا کچھ بھی نہیں!!

○

قاضی صاحب جہانِ غالب کے عنوان سے ۱۹۵۱ء سے ۱۹۷۳ء تک مختلف رسالوں میں اور ایک کتاب (عیار غالب) میں اپنی جستجو اور تحقیق کے نتائج شائع کراتے رہے۔ یہ سب مآخذ کے ذیل میں دیے جا رہے ہیں۔

یہ بیس سال سے اوپر زمانہ کو محیط جہانِ غالب کی تیئیس قسطیں، انھیں ہم نے زمانی طور سے رکھنا مناسب سمجھا ہے، یعنی جیسے جیسے وہ چھپتی گئیں، کہ کوئی اور ترتیب (مثلاً الفبائی) آسان نہ تھی۔ ایک الفبائی اشاریہ البتہ ہم نے اضافہ کر دیا ہے۔ (تاہم ایک جامع تر اور بہتر اشاریہ کی گنجائش اب بھی باقی ہے)۔ یہ اشاریہ عام دستور کے خلاف شروع ہی میں دیا جا رہا ہے کیونکہ یہ اشاریہ تو ہے ہی، اشخاص، اصناف اور تصنیفات کی حد تک ایک قسم کی 'فہرست' بھی ہے۔

آخر کے پندرہ بیس برس میں تو یہ ہو گیا تھا کہ لکھتے تھے اور پھینک دیتے تھے۔ کبھی کسی کی فرمائش آتی تھی تو اس رسالے کو

بھیج دیے تھے، اور بھیجنے کے بعد بھول جاتے تھے کہ کن کن مباحث پر لکھا جا چکا ہے۔

مختلف اوقات اور طویل دورانیوں میں لکھے جانے کے سبب سلسلۂ مضامینِ 'جہانِ غالب' میں کئی بار تکرار بھی ہو جاتی تھی۔ یہ تکرار ملاحظہ ہو مثلاً صفحہ ۱۷۲ اور صفحہ ۲۰۰ پر شفیق خواجہ کا مضمون 'غالب اور تلامذۂ غالب تذکرہ 'بشیر' میں'؛ جو الا ہمائے کے سلسلے میں صفحہ ۱۷۷ اور صفحہ ۲۰۷ پر کنز تواریخ صفحہ ۱۷۲ اور صفحہ ۲۰۱۔ ہم نے تکرار کو برقرار رکھا ہے کہ دونوں ورژن سامنے رہیں۔

جہان غالب میں ایک تحریر 'خاش و خماش اور غالب' شامل کر لی گئی ہے کہ جہان غالب سے بہتر جگہ اس مضمون کیلیے اور کہیں نہیں مل سکتی تھی۔ اسی طرح ایک اور عنوان متفرقات کے تحت قاضی صاحب متنوع قسم کی چیزیں لکھتے رہتے تھے لیکن ایک بار (نقوش، اکتوبر ۱۹۵۸ء میں) اس عنوان کے تحت آٹھ متفرق امور چھیڑے تو اس میں پانچ غالب کے بارے میں تھے، وہ سب بھی ہم نے جہان غالب میں لے لیے ہیں۔ (اور بقیہ تین اپنے متعلقہ مجلدات میں چلے گئے۔)

قاضی صاحب اپنے مضامین کا پروف بیشتر خود دیکھتے تھے (یہ اور بات ہے کہ مصنف بہتر پروف ریڈر نہیں ہوا کرتا)۔ جس نوعیت کے ان کے مضامین ہوتے ہیں، اس میں غلط در غلط ہونے کا امکان رہتا ہے۔ اس لئے کوشش یہ کی گئی ہے کہ جسطرح رسائل میں یہ مضامین چھپتے رہے، انکا عکس لیکر جوں کا توں چھاپا جائے کہ طباعت اوّل کے اغلاط کو، اگر کچھ ہیں، (ضرور ہوں گے)، ٹھیک کرنے کا مطلب ہے مزید چھ ماہ، جو ہم افورڈ (Afford) نہیں کر سکتے، اسلیے یہ ہم ذہین قاری پر چھوڑتے ہیں 'جہان غالب' پڑھنے والے جس سطح کے لوگ (گنتی کے لوگ!) ہوں گے وہ آسانی سے صحیح اور غلط کی تمیز کر سکتے ہیں۔ تاہم ایک مضمون کو دوبارہ لکھوانا ناگزیر ہو گیا، یہ صفحہ ۲۱۰ سے ۲۲۷ تک ہے۔

ابھی پچھلے دنوں جب ہمارے محترم ڈاکٹر نذیر احمد صاحب تشریف لائے تو ان کے سامنے 'جہان غالب' کا ذکر ہوا، ڈاکٹر مختار الدین احمد نے، جو ان کے ساتھ تشریف لائے تھے، فرمایا کہ وہ بھی 'جہان غالب' کی ترتیب کا منصوبہ بنائے ہوئے تھے۔ ڈاکٹر احمد کا کام ابھی ابتدائی مراحل میں ہے، لیکن ان کا ذوق شوق ہم سے میلوں آگے ہے۔ ان کا منصوبہ بھی ہم سے قدیم تر رہا ہوگا۔ اس لیے الفضل للمتقدم کے مطابق اس کی تقدیم میں ڈاکٹر مختار الدین احمد کا نام شامل سمجھنا چاہیے۔ لیکن وہ ہمارے اغلاط یا نواقص میں شریک نہ سمجھے جائیں کہ وہ بلا شرکت غیرے اسے ترتیب دیتے تو بات ہی کچھ اور ہوتی۔

———— ع۔ ب

# اشاریہ/فہرست

# مآخذ

- معاصر، پٹنہ: حصہ ۱ = ۱۹۵۱ء، حصہ ۲ ـ ۱۹۵۲ء، حصہ ۴
  حصہ ۷، حصہ ۹ ۔ حصہ ۱۶، حصہ ۲۳ (عہد جدید)
- خاور، ڈھاکا: جنوری ۹۵۳ء
- نقوش، لاہور: ۱۹۵۴ء، اکتوبر ۱۹۵۸ء، فروری ۱۹۶۹ء
- اردو ادب، بمبئی: مارچ ۱۹۵۵ء
- فکر و نظر، علی گڑھ: اپریل ۱۹۶۲ء
- اشارہ، پٹنہ: جولائی ۱۹۶۳ء
- تحریک، دہلی: دسمبر ۱۹۶۴ء
- شاعر، بمبئی 'غالب نمبر': ۱۹۶۹ء
- مطالعہ، پٹنہ: مئی۔جون، ستمبر۔اکتوبر ۱۹۶۹ء،
  مارچ۔اپریل ۱۹۷۱ء
- معیار غالب
- نیا دور 'غالب نمبر': فروری۔مارچ ۱۹۶۹ء
- آجکل، دہلی: جون ۱۹۶۴ء، فروری ۱۹۷۳ء

آذری (وفات ۸۶۶ھ) : آذری ایران کے صوفی شعرا میں ہے جو ہندوستان بھی آیا تھا۔ غالب کی تحریروں میں اس کا نام نہیں آیا، لیکن غالب نے ایک خط میں (عودِ ہندی ص ۴۲) اس کے قطعہ ذیل کے اشعار ۱ و ۲ و ۶ بہ اختلافِ الفاظ نقل کیے ہیں۔ یہ قطعہ آذری کی جواہر الاسرار (مشرقیہ ورق ۲۱۴) میں ہے، لیکن بعض تذکروں میں بھی ہے۔ قرینہ ہے کہ غالب نے کسی تذکرے سے لیے ہیں۔ قطعہ: "اگرچہ شاعران از روی اشعار زیک جام اند در بزم سخن مست ÷ ولی در بادهٔ بعضی حریفان فریب چشم ساقی نیز پیوست ÷ دہانِ طوطیِ گفتار ایشان زبان از نکتهٔ صورت فرو بست ÷ کمند فطرت ایشان کز نظمست بدریای حقیقت فکند شست ÷ ہمہ غواص دریا اند لیکن ز در حقیقت یافتند دست ÷ نہ یکساں کہ در اشعار این قوم ورای شاعری چیزی دگر ہست"

آرزو (۱۰۹۹ھ تا ۱۱۶۹ھ) : خان آرزو ہندوستان کے مشہور فارسی داں اور شاعر تھے۔ حزیں سے توان سے نہیں بنی، لیکن امید، والہ وغیرہ ایرانی جو ان کے زمانے میں وارد ہند ہوئے تھے ان کے قدر شناس تھے۔ غالب ایک خط میں جہاں ہندوستانی فارسی گویوں کی نسبت کسی قدر تفصیل کے ساتھ رائے ظاہر کی ہے خسرو اور فیضی کے ذکر کے بعد لکھتے ہیں "رہا یہ سیاہی قالیبر (کذا) آرزو، فقیر اور شید اور بہار وغیرہم انھیں میں آگئے۔ ناصر علی اور بیدل اور غنیمت ان کی فارسی کیا! متت اور مکین اور واقف اور قتیل یہ تو اس قابل بھی نہیں کہ ان کا نام لیجیے۔۔ وارستہ سیالکوٹی نے خان آرزو کی تحقیق پر سو جگہ اعتراض کیا ہے اور ہر اعتراض بجا ہے" (عودِ ہندی ص ۴۳)۔ وارستہ نے اپنی مصطلحات میں (اور اس کا ثبوت موجود نہیں کہ وارستہ کی کوئی اور کتاب غالب کی نظر سے گزری تھی) آرزو کو کہیں سراج المحققین ص ۲۹۵ اور کہیں سراج المدققین ص ۳۲۲ لکھا ہے اور ان کے اشعار کی سندیں دینے میں تامل نہیں کیا (ص ۲۵ و ۶۵ وغیرہ)۔ آرزو پر جو وارستہ کے اعتراضات ہیں ان کی تعداد ۵ سے زیادہ نہیں (ص ۲۱، ۹۵، ۲۲۵، ۲۹۵، ۲۹۶)۔

آرزو نے ہزاروں الفاظ سے بحث کی ہے، اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ وارستہ کے کل اعتراض بجا ہیں، جب بھی ان کا مرتبہ کم نہیں ہوتا۔ ہاں، اغلاطات کے یہاں بہت زیادہ نکلیں تو اور بات ہے۔ غالب نے ایک

خط میں ایک محاوری کی بحث میں یہ بھی لکھا ہے کہ "جب تک کلام اہل زبان میں نہ دیکھ لیں۔۔ جائز نہ جانیں اگر کلام سعدی و نظامی و حزیں اور ان کے امثال اور نظائر کا معتمد علیہ ہے نہ آرزو اور واقف اور قتیل وغیرہم کا" (عود صـ ۱۳۳) قاطع برہان میں غالب نے ایک حکایت لکھی ہے کہ برسات کی اندھیری رات تھی، مینہ برس رہا تھا، تیز ہوا چل رہی تھی کہ آرزو نے ایک مصرع کہا "مے کشاں مژدہ کہ ابر آمد و بسیار آمد" (حقا کہ اگر گویند کہ ایں زمزمہ از فغانیست یا از نظیری کیست کہ باور نہ کند؟) اور پیش مصرع یہ سوجھا "تند و پُرشور و سیہ مست ز کہسار آمد" اسی وقت میرزا مظہر کے پاس گئے، مطلع سنایا اور داد لی۔ مطلع شہر میں مشہور ہوا، اور ایک سوداگر نے بھی جو شیراز سے تازہ تازہ آیا تھا، اسے سنا۔ آرزو اپنا یہ مطلع سنانے لگے، پہلا مصرع ان کی زبان سے نکلا تھا کہ سوداگر خوب ہنسا اور بولا کہ میں جانتا ہوں آپ دوسرے مصرع میں کیا کہیں گے۔ آرزو کو ناگوار معلوم ہوا، بولے کہ بتائیے کیا کہوں گا، جواب دیا "خواہی گفت کہ خرس آمد" آرزو نے زہرخند کیا اور اپنا مصرع پڑھا۔ شیرازی سوداگر نے دوسرے مصرع کی تعریف کی اور پہلے کے بارے میں کہا کہ اگر یوں ہوتا تو بہتر تھا "قطرہ افشاں بہ سوے شہر ز کہسار آمد" غالب اپنی رائے یہ دیتے ہیں کہ "با آنکہ میرزاے شیرازی سخنور نبود۔۔ لطف طبع را میرم کہ تندی و پُرشوری و سیہ مستی کہ میان ابر و خرس مشترک ست نہ پسندید و مصرع صدر را از مصرع استاد نغز تر و خوشتر بہ بدیہہ گفت" صاحب مؤید برہان کے اس خیال سے مجھے اتفاق ہے کہ آرزو کا مصرع بہ مراتب بہتر ہے، اور اعتراض لغو۔ انھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ حکایت اختراعی ہے۔ غالب نے تیغ تیز میں اس کا کچھ جواب نہیں دیا۔ قاطع برہان کے سوا یہ حکایت کہیں اور نہیں ملتی اور اس میں کچھ شک نہیں کہ بالکل بے بنیاد ہے۔ اسی کتاب میں غالب نے یہ بھی تحریر کیا ہے کہ کسی شخص نے آرزو سے خاقانی کے شعر ذیل کے معنی پوچھے:

"پرویز ترنج زر کسریٰ و ترہ زریں      زریں ترہ گو برخوان رو کم ترکوا برخوان"

آرزو نے جو معنی بتائے سائل نے لکھ لیے اور حزیں کو جا کر دکھائے، حزیں نے کہا کہ مصرع یوں ہے: "زریں ترہ کو برخوان رو کم ترکوا برخوان" اور معنی یہ: "پرویز ترنج از زر داشت۔ ہر پیکرے کہ می خواست ازاں می ساخت، چوں خسروی ایراں بہ نوشیرواں۔۔ رسید فرمود تا آں زردست افشار را پس کردند بیس تنک داند کا زیبا ازبرگ پودینہ و گندنا بریدند و ہنگام گستردن خوان آنرا برخوان می نہادند پس معنی ایں باشد کہ۔۔ پرویز را ترنج زر برخوان بود و کسریٰ را ترہ زر۔ اکنوں بنگر کہ۔۔ کجاست ای شنوندہ ۔۔ عبرت پذیر واز مصحف مجید آیۂ کم ترکوا برخوان" صاحب مؤید نے صحیح لکھا ہے کہ یہ ایک شعر کے دو مصرع

ہیں دو مختلف شعروں کے دو مصرعے ہیں جن کے درمیان ایک اور شعر ہے۔ اشعار جو خاقانی کے ایک مشہور
قصیدے کے ہیں یہ ہیں: کسریٰ و ترنج زر پرویز و تره زریں برباد شده یکسر با خاک شده یکساں :: پرویز بہر
بزمی زریں تره آوردی کردی ز بساط زر زریں تره را بستاں :: پرویز کنوں گم شد زاں گم شدہ کمتر گو زریں تره کو بر خواں
رو کم ترکوا برخواں" صاحب مؤید نے اس حکایت کو افسانۂ محض کہا ہے اور غالب سے تیغ تیز میں اس کا کچھ جواب
نہ بن آیا۔ غالب پر یہ اعتراض بھی ہے کہ انھیں یہ بھی معلوم نہیں کہ پرویز نوشیرواں کا پوتا تھا۔ (غالب نے
قاطع کی اشاعت ثانی میں اس اعتراض سے بچنے کے لیے عبارت میں ترمیم کر دی ہے۔) اس حکایت کی اگر کچھ
بنیاد ہے تو یہ ہے کہ کسی شخص نے حزیں سے خاقانی کے کچھ اشعار کے معنی دریافت کیے تھے۔ حزیں کے جواب میں مصرعہای
زیر بحث بھی ہیں۔ حزیں لکھتے ہیں:

"طومار مرسلہ متضمن سوال معانی از ابیات حکیم خاقانی ... و اشکال و اعتراض بر آنہا بود رسید۔
از نظر گذشت و بر شگفت افزود۔ چہ آن عزیز را بفکر اشعار حکیم مذکور افتادن و متعرض بحث و حل آن شدن
حاصلے و ثمرہ نبخشد۔۔ درین جزو زمان خاصہ در مملکت ہند حقیقت احوال اینست از دانستن اشعار
خاقانی بلکہ از ندانستن عدد نمازہای پنجگانہ و جمیع آنچہ از ضروریات ملت و کمال نفس و انتظام معاش
است اصلاً نقص و مضرت دنیوی و عیب و حقارت معنوی متصور نیست۔۔ دیگر این دو بیت نگاشتہ اند:
کسریٰ الخ پرویز کنوں الخ بسیاری الفاظ این دو بیت را بہ تصحیف کلمات مہملہ نوشتہ اند۔۔" (یہ نہیں
لکھا کہ مکتوب الیہ نے کس طرح لکھا تھا۔ حزیں نے اشعار کے معنی بھی بتائے ہیں)۔ اس خط میں جو کچھ ہے
اور غالب کی بیان کردہ حکایت میں بدیہی فرق ہے۔ اس خط کے مکتوب الیہ علی گوہر کے ایک مجموعۂ مکاتیب
حزیں کے بہ موجب (بہ قول آرزو صاحب) "شمس الدین فقیر" اور بہ قول تمنا (منشورات تمنا مشرقیہ ۲۳۵
ورق ۱۵۵ +) آرزو ہیں۔ خلاصۃ الافکار میں بھی یہ خط ہے، مگر اس میں مکتوب الیہ کا نام نہیں۔ یہ خط
اور جس کے نام ہو آرزو اور حزیں کے تعلقات کو دیکھتے ہوئے آرزو کے نام نہیں ہو سکتا۔ غالب نے وارستہ و بہار
کے ساتھ آرزو پر بھی یہ الزام لگایا ہے کہ یہ لوگ ہر اس شخص کو جو ہندوستان کے پچھم سے آتا تھا خواہ وہ کابلی ہو
یا قندھاری ایسا ہی یا کراتی جس طرح خود اپنے کو زبان داں جانتے تھے اہل زبان سمجھتے تھے، مگر اس کا کوئی ثبوت
انھوں نے نہیں دیا۔ آرزو وغیرہ اہل زبان صرف ایرانیوں کو تصور کرتے تھے، لیکن سند ہر اس شخص کی دیتے تھے
جس کی زبان دانی ان کے نزدیک مسلم ہو، خواہ وہ کہیں کا رہنے والا ہو۔ حزیں کے ساتھ جو سلوک آرزو،
بہار اور وارستہ نے کیا تھا غالب اس کے متعلق اسی کتاب میں رقم طراز ہیں: "حاشا کہ بعد از صائب و کلیم
چوں حزیں دیگرے از خاک پاک ایران خاستہ باشد۔ می بایست مقدم اور اگرامی داشتن و بخشش بر ورق

دل نگاشتن ۔ غواص تعلق پارسی از دو فرامی گرفتند و زنگار شک از آئینۂ دانش بمقولۂ ارشاد وے می زدودند' چہ مدح و وجود بادے چہرہ بستند و بر تخلص انگشت نہادند .. ہے ہے ایں نیز خبر از فرہنگ ناطق و برہان قاطع را کہ حرفے بود بنشناختند و قیمت ناشناسی لے، ابسا فر آرزوی جمع کردند" (جواد منشبہ و بہارؔ کے متعلق جو کچھ کہا ہے اس سے بحث دوسری جگہ ہوگی )۔ ظہوری کے شعر میں دریچہ تصحیح در نے آیا غالب کو اصرار ہے کہ یہ دریچہ بہ فتحۂ یا ہے ۔ آرزو نے چراغ ہدایت میں اس کے بارے میں لکھا ہے کہ بفتح .. یائے موحدہ .. درحرف کہ دریچہ باشد معروف نیز گویند و بہ بیں شہرت دارد اول خالی از غرابت نیست" دلیل کے لیے آرزو نے ظہوری کا شعر نقل کیا ہے ۔ غالب لکھتے ہیں "تحفہ .. یارائے تصرف دارند کہ آں ساکن را حرکت متحرک ساختند و ہم اہرمن پیشہ بے بنیاں را در ضمیر انداختند کہ در خرد را بچہ دماند بشند و دریچہ را .. دریچہ گویند" اس کا امکان ہے کہ چراغ ہدایت غالب کی نظر سے گزری ہو اور اہرمن پیشہ' پیشینیاں سے جن اصحاب کی طرف اشارہ ہے' ان میں آرزو بھی ہوں ۔ آخری عبارت جو آرزو سے متعلق غالب کے قلم سے نکلی ہے یہ ہے "مولوی پسند لاتا ہے آرزو کے کلام کو . راقم ان اوراق کا آرزو کا ایسا معتقد کب ہے کہ اس کے ہر قول کو معتبر جانے" غالب کی تحریروں میں آرزو کی کسی کتاب کا نام نہیں آیا۔

**باطن** : حکیم میر قطب الدین' باطن کے والد ظاہر دہلوی تھے لیکن یہ خود آگرہ میں رہتے تھے اور ممکن ہے وہیں پیدا بھی ہوئے ہوں ۔ ان کے والد سے (بہ قول باطن ) غالب کے دوستانہ تعلقات تھے اور باطن غالب کے دوست کالے صاحب کے مرید بھی تھے' لیکن انھوں نے اپنے تذکرے گلشن بے خزاں معروف بہ نغمۂ عندلیب میں غالب کو بہت بری طرح یاد کیا ہے ۔ یہ تذکرہ ۱۲۶۵ھ میں مکمل ہو چکا تھا' اور اس تاریخ میں جیسا کہ اسعد الاخبار آگرہ سے پتا چلتا ہے' اس کی کوشش بھی ہوئی تھی کہ یہ معرض انطباع میں آئے لیکن' اس کی کوئی صورت نہ نکلی ۔ غالب کی وفات کے کئی سال بعد یہ تذکرہ خود مصنف کی فرمایش سے ۱۸۷۵ء میں چھپا تھا ۔ شیفتہ نے گلشن بے خار میں نظیر کا جس طرح ذکر کیا تھا وہ باطن کو جو نظیر اور غالباً ان کے بیٹے اسیر کے بھی شاگرد تھے' ناگوار گزرا تھا' اور یہ تذکرہ گلشن بے خار کے رد میں لکھا گیا تھا ۔ باطن نے ان ہم عصروں کو جن کی شیفتہ نے خاص طور پر تعریف کی ہے چن چن کر سخت و سست کہا ہے ۔ اس کے علاوہ بھی غالب سے عداوت کی کوئی وجہ تھی یا نہیں' اس کے بارے میں میں کچھ کہنے سے قاصر ہوں ۔ باطن لکھنے کا مطلق سلیقہ نہیں اور اس کی تحریر میں صریح تناقض موجود ہے ۔ نظیر کا استاد غالب ہونا بھی قابل قبول نہیں ۔ غالب کا ترجمہ بعد حذف زوائد یہ ہے : "آپ دو تخلص کرتے ہیں' کچھ تو

سبب ہے کہ دو تخلص پر ڈال دھرتے ہیں۔ از تبادرۂ غلام حسین خاں کمیدان۔ قبل اس کے جد دہلی (آگرہ) میں.. سکونت تھی۔ خلیفۂ معظم خور بڑے معظم و مکرم اور ہادی شعرا (نظیر).. سے تعلیم پائی۔ ایام صبا سے بہ برکت.. ان استادوں کے یہ مرتبۂ علم پہنچا.. کیوں نہ خوش گو ہوں جن کے ایسے استاد ہوں ؟ متانت فحوائے کلام میں لاکلام کلام کے بنیاد کلام کو استحکام۔ چوں کہ وہ استاد مر گئے یہ جد دہلی سے ادھر گئے اب خواہ شاگردی کے انکار کریں یا شاید اقرار کریں۔ ہاں خود استاد ہیں، مرغان مضامین کے صیاد ہیں، ہاں ان کا فراخ حوصلہ ہے، پھر تنخیر کا کیا گلہ ہے۔ گو فارسی میں حسین ہیں، پر ہندی میں تو ذوق ہی کا پر نکتہ چیں ہیں۔ اب بعد وفات ذوق ان کو شاعری میں کمال ہو.. مگر زمانہ خالی نہیں.. انتخاب زماں ہیں۔ جس طرف طبیعت آئی اسی کی خاک اڑائی چناں چہ دختر رز سے جو آنکھ لگائی تو وہ طرف پیدا کیا کہ مینائے گردوں میں شراب شفق قاضی آفتاب.. پیش کش لایا، اور قمار بازی پر جو دھیان آیا تو وہ چھٹے جواری ہوئے کہ میر بساط اور بکھیڑے (کذا) داو کھانے لگے۔ شعر کم قدر ان کا کبھی کسی کان سے نہ سنا، نہ اپنی آنکھ سے دیکھا۔ لفاظی اور جودت زبان.. عیاں ہے، کلام شیریں وصف سرمہ چشم فرہاد میں جس نے سنا حلاوت سخن اور گلو گیری سرمہ سے باد ای صفت شعر نہ رہا.. جو شخص ان کے کلام سے بہرہ ور ہوا بے ساختہ سبحان اللہ اس کی زبان پر ہوا.. اب یہ دہلی والے ہیں اور بڑے امادی والے ہیں۔ شاید قدیم (استادان قدیم ؟) کی نظم و نثر کو خفیف جانتے ہیں۔ غرور کی راہ جو چاہیں سو فرمائیں، مگر دل میں تو ان کا لوہا مانتے ہیں۔ دہلی والے صاحب کسی کو اپنے روبرو خاطر میں نہیں لاتے، مارے خود ستائی کے جی میں پھولے نہیں سماتے، پر جب کسی سے مقابلہ ہو، تو دم بھر میں فیصلہ ہو۔ ان کو شراب و کباب چاہیے، خلاف شرع کا (کذا) نے حساب چاہیے۔ روزے کے نام سے اجتنب کیا کام، نماز کو ان کا ہر دم سلام۔ اصحاب تذکرہ کی تحریر دیکھی، کیا غرور ہیں، اپنے نزدیک کتنے دور ہیں، یاران ہم صحبت ان سے زیادہ مغرور ہیں (کذا) ان کے اسد فکر کا نخچیر مضمون پر غلبہ ہے۔ دیوان فارسی ضخیم ہے مگر اردو کا دیوان قلیل و قدیم ہے۔ اسد فکر نیستان کا غذ میں ڈکاریں مارتا ہے (کذا)، روباہ مضامین کو ناحق جان سے مارتا ہے" (غالب کے ۱۴ شعر دیے ہیں)

برق (وفات ۱۸۵۷ء): مرزا محمد رضا، برق ناسخ کے مشہور شاگردوں میں تھے، غالب کے صرف ایک خط میں ان کا نام آیا ہے، غالب نے صفیر بلگرامی کو لکھا ہے کہ آپ نے ترجمۂ بوستان خیال کے دیباچے میں برق کا خطاب لکھا اور میرانہ لکھا (جلوۂ خضر جلد ۲)

برکات حسن : صفیر بلگرامی جلوۂ خضر جلد ۲ (صفحہ ٦) میں لکھتے ہیں کہ سید برکات حسن ابن سید محمد امیر سجادہ نشین مارہرہ، جو صفیر کے بہنوئی اور ان کے دادا کے بھائی تھے "غالب .. کی ملاقات کو دہلی گئے اور حضرت نے کچھ اپنا کلام سنایا۔ اس مقطع کو بھی پڑھا "ضعف نے غالب نکما کر دیا، ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے" حضرت برکات حسن نے کہا کہ دیوان میں تو 'عشق نے غالب نکما کر دیا' لکھا ہے، فرمایا یہ 'عشق' کا لفظ اسی زمانے کے واسطے تھا، اب اس لفظ سے شرم آتی ہے" غالب کے ایک خط (بنام سرور مارہروی) میں شاہ صاحب عالم کو مخاطب کرتے ہوئے لکھتے ہیں "ارشاد ہوا کہ مولوی سید برکات حسن تیری بہت تعریف کرتے رہتے ہیں۔ جناب یہ ان کی خوبیاں ہیں، ایسا نہیں ہوں جیسا وہ کہتے ہیں۔ کاش وہ میری رنجوری کا حال کہتے، ضعف قویٰ و اضمحلال کہتے تاکہ میں ان .. کی تصدیق کرتا۔ ان کی غم خواری اور درد مند نوازی کا بھرتا"

"معاصر" حصہ ا

---

باقر علی' باقر بیربگیھوی (۱۲۴۷ تا ۱۳۲۶ھ) : باقر سخن کے دوست تھے۔ ان کے پاس غالب کی تصانیف دیکھ کر غالب کی فارسی دانی اور شاعری کی عظمت" کے معترف ہوئے اور بہ تعین غالب ۱۲۷۶ھ میں ان سے خط و کتابت شروع کی اور کلام پر اصلاح لینے لگے۔ مقدمہ نگار دیوان باقر شاہ عطا حسین خلف باقر کا بیان ہے کہ "حضرت باقر نے بر سبیل تذکرہ ایک بار مجھ سے فرمایا کہ سال ڈیڑھ سال خط و کتابت کے بعد میں نے ایک غزل بھیجی۔ انھوں نے اس.. کو بغیر.. اصلاح۔ واپس فرمایا اور .. پورے ایک صفحہ میں اس کی تعریف لکھ کر لکھا کہ اگر تم خود کو میرا شاگرد خیال کرتے ہو تو.. میں جس قدر سنت فخر کروں کم ہے۔ مبدء فیاض نے تم کو شاعری کا ایسا جوہر عطا کیا ہے اور فارسی.. کے ساتھ.. ایسی مناسبت دکھائی ہے اور مطالعے اور غور و فکر سے اس زبان کے محاورات و نکات پر.. اس قدر حاوی ہو چکے ہو کہ.. اصلاح کی کوئی ضرورت نہیں" ص۱۲۰ شاہ ظہور الحق مرحوم (خلف شاہ غلام اصدق صاحب) کی زبانی بھی وہ لکھتے ہیں کہ "تقریباً ہر خط میں.. غالب ان کی فارسی دانی اور شاعری کی تعریف.. کیا کرتے تھے" اور امداد امام اثر مرحوم کا قول نقل کیا ہے کہ میں غالب کے خطوط جو حضرت باقر کے نام آتے تھے پڑھ لیا کرتا تھا۔ وہ غزل جو بے اصلاح واپس آئی تھی اور جس کی تعریف ایک صفحے میں لکھی تھی اس کی ردیف نیست کہ نیست اور قوافی 'اثری' 'خبری' تھی۔ مقدمہ نگار کہتے ہیں کہ دوران گفتگو میں اثر نے (جنھیں وہ باقر کا شاگرد بتاتے ہیں) یہ رائے بھی ظاہر کی تھی کہ "فارسی گوئی اور شاعری" دونوں اعتبار سے باقر غالب سے کم نہ تھے؛ بل کہ "درد و اثر" جو ان کے کلام میں ہے' غالب کے یہاں نہیں ص۱۲۱۔ غالب و باقر میں کبھی ملاقات نہ ہوئی' مگر مراسلت غالب کی وفات سے کچھ قبل تک جاری رہی ص۱۲۲۔ مقدمہ نگار کا بیان ہے کہ اب غزلیں جن پر غالب نے اصلاح دی تھی' وہ غزل جو بغیر اصلاح واپس کی تھی' اور غالب کے کل خطوط ضائع ہو گئے' اور چوں کہ وہ اصحاب بھی جو بہ طور شاہد پیش کیے گئے ہیں' دیوان باقر کی اشاعت سے پہلے ہی اس دنیا سے رخصت ہو چکے تھے مقدمہ نگار کے بیشتر بیانات کی تصدیق کا کوئی ذریعہ باقی نہیں۔ میں نے دیوان باقر کا مطالعہ کیا ہے اور بے تامل کہہ سکتا ہوں کہ اس میں ایک مصرع بھی نہیں جو غالب

کے رنگ میں ہو باقرؔ۔ اگر غالب کی زندگی ہی میں ان کی شاگردی کا دعویٰ نہ کیا ہوتا تو مجھے اس کے قبول کرنے میں دشواری ہوتی کہ انھیں غالب سے تلمذ تھا۔ باقر نے جن اشعار میں غالب کو اپنا استاد مانا ہے ان میں سے ایک یہ ہے:

ہم چو غالب در جہاں یک نکتہ سنج پر نخاست     من فدای لطف او باقر کہ استادِ منست

اس دعوے کے ثبوت میں کہ باقر "وجدانِ صحیح" رکھتے تھے مقدمہ نگار نے شاہ ظہور الحق مرحوم کی زبانی یہ واقعہ بیان کیا ہے جس کا تعلق غالب سے بھی ہے: باقر کے سامنے ایک دن کسی نے یہ شعر پڑھا:

مجلسِ وعظ تو تا دیر رہے گی غالبؔ[1]     پاس ہی مے خانہ ہے پی کر ابھی آتے ہیں

انھیں بڑی حیرت ہوئی کہ یہ شعر اور غالب کا ہو! اسی وقت غالب کو خط لکھ کر حقیقت دریافت کی۔ غالب کا جواب بعینہٖ قول مقدمہ نگار شاہ ظہور الحق مرحوم کو لفظ بہ لفظ یاد تھا یہ ہے: "اگر یہ شعر میرا ہو تو مجھ پر ایک ہزار لعنت، ورنہ جس نے اس کو یہ غلط میری جانب منسوب کیا ہے اس پر دس ہزار لعنت! مجھ پر کیا شامت آئی تھی کہ پاس ہی مے خانہ ہوتے ہوئے مجلس وعظ میں جا کر بیٹھتا" (ص۲)۔
باقر نے غالب کی اس رباعی کے جواب میں جس کا مصرعِ آخر "مہ جای نشین مہر باشد نہ نجوم" ہے تین ابیات کا ایک قطعہ کہا ہے جس کی آخری بیت یہ ہے:

تو اجماع چو منکر تو شدی ای نادان     حاصل چہ ز گردیدنِ تنہا بہ علی

غالب کے قطعے مولوی احمد علی کے جواب میں فدا نے جو قطعہ لکھا تھا، اس کے رد میں ایک قطعہ[3] اسی زمین میں باقر نے لکھا تھا۔ فدا نے اسی زمین میں باقر کے قطعے کا جواب دیا تھا اور اس نعت کا خاتمہ باقر کی طرف سے جواب الجواب پر ہوا تھا۔ اسی زمین میں جواہر سنگھ جوہر شاگرد ناطق نے بھی ایک قطعہ نظم کیا تھا، اس کا جواب بھی باقر نے دیا تھا۔ آغا علی شمس لکھنوی کی اردو تحریر کا جواب بھی فارسی میں دیا تھا، جس میں غالب پر شمس کے اعتراضات کی تردید کی تھی، اور قتیل کے بعض اشعار کے نقائص دکھائے تھے۔ یہ نظم و نثر ہنگامۂ دل آشوب میں جو ان کی اور سحر کی مشترک تصنیف تھی چھپ چکی ہے، اور ان کے کلیات مطبوعہ میں بھی موجود ہے۔ ہنگامۂ دل آشوب (مکمل) رسالۂ اردو میں بھی شائع ہو چکا ہے۔

---

[1] یہ شعر دراصل یوں ہے: مجلسِ وعظ تو تا دیر رہے گی قائم    یہ ہے مے خانہ ابھی پی کے چلے آتے ہیں، اور کچھ لوگ اسے قائم کی تصنیف سمجھتے ہیں، مگر "قائم" لازماً یہاں بطور تخلص نہیں آیا اور نہ یہ شعر دیوان قائم (انڈیا آفس) میں ہے۔ حکایت کے صحیح ہونے کا میں ضامن نہیں۔ [2] مصرعِ آخر قطعہ: کہ مرا تلمیذِ غالب حق تعالیٰ کردہ است۔

ظاہر (۱۲۵۹ھ) : حکیم میر مہدی، ظاہر باطن کے والد تھے اور معروف کے پیر بھائی۔ مجموعۂ نغز (سال اختتام ۱۲۲۱ھ) میں ہے کہ دہلی کے ہیں، لیکن آگرہ میں توطن گزیں ہو گئے ہیں۔ باطن نے لکھا ہے کہ "مدت مدید نواب احمد بخش خاں۔۔ کو ان کی خدمت کی سعادت سے توقیر" (ص۱۵۲)۔ غالب کی کسی تحریر میں ان کا ذکر نہیں، لیکن باطن کا بیان ہے کہ غالب کی "بندے کے والد مرحوم سے کمال ملاقات تھی، اور از حد اتحاد کی بات تھی" ص ۱۷۲۔

افصح : غالب ایک خط میں جو پنج آہنگ کی پہلی اور بعد کی اشاعتوں میں ہے امیر اللہ سرور کو لکھتے ہیں " اوراق اشعار بنظر اجمالی نگریستہ ام واز جملہ بزرگانی کہ دراں تذکرہ ماند مرزا حیدر علی، افصح را فرد کامل دیدہ ام۔ روش پسندیدہ وطرزے گزیدہ دارد و ہمانست شیوۂ۔۔ ناسخ و۔۔ آتش و دیگر تازہ خیالان لکھنؤ۔ غزلے از ان فرزانہ بزرگوار مخمس کردہ اید اما ندانم کہ درحسن مطلع تصرف شماست یا سہو کاتب چہ در رکن اخیر مصرع اول۔۔ زحاف بیمزہ واقع شدہ۔۔ دانم دراصل مصرع این چنین خواہد بود، فرد :

نہ خریدار کا حصہ ہوں نہ حق بائع کا
میں وہ دانہ ہوں جو گر جائے کف میزان سے

ظاہراً اشعار کا کوئی مطبوعہ مجموعہ غالب کو سرور نے بھیجا تھا۔ شعر زیر بحث باطن کے تذکرے میں اسی طرح ہے جس طرح غالب نے لکھا ہے۔ افصح لکھنوی تھے، لیکن ان کا قیام آگرہ میں بھی رہا تھا۔ غالباً یہ وہی افصح ہیں جن کا نام ریاض الفصحا میں نہیں، لیکن جنھیں شاگرد علیشی لکھا ہے۔ جانان سے "میزان سے" کی اس زمین میں ان کی ایک غزل بھی ریاض میں ہے، لیکن اس میں وہ دو شعر نہیں جو تذکرۂ باطن میں ہیں۔

بحر، شاگرد ناسخ (وفات ۔۔۱۳۰ھ) : رام پور سے بحر کے تعلقات یوسف علی خاں کے زمانے میں قائم ہو چکے تھے، لیکن میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ ان کے یا جانشین کے عہد میں غالب جو رامپور گئے ہیں تو بحر وہاں موجود تھے یا نہیں۔ بحر کا ذکر غالب کی کسی تحریر میں نہیں آیا۔ لیکن صفیر کا بیان ہے کہ غالب نے بحر کا مصرع ذیل ان کے سامنے اس دعوے کے ثبوت میں پیش کیا تھا کہ لکھنؤ کا مضمون مستند نہیں : " نہاتا ہے وہ جب دریا میں کپڑے خود دھوتی ہے" غالب نے بہ قول صفیر اس مصرع کے متعلق یہ بھی کہا تھا کہ " یہ معشوق کی تعریف نہیں ہوئی بلکہ ایسا عجیب معشوق ہے کہ کھڑے گھاٹ کپڑے دھلواتا ہے" جلوۂ خضر جلد ۱ ص ۱۳۷۔ لیکن ریاض البحر (دیوان بحر) میں "دریا" کی جگہ "کوثر" ہے اور پیش مصرع یوں ہے "کسی کا ہم نے یہ عالم نہیں دیکھا نہانے میں" بحر کا دیوان غالب کی وفات سے کچھ ہی قبل شعبان ۱۲۸۵ھ میں شائع ہوا تھا، غالب کی نظر سے نہ

گزرا ہوگا۔

ظہور علی ظہور (۱۲۲۱ تا ۱۲۸۶ھ) ظہور دہلوی شاعری میں نصیر، احسان، ذوق، اور مومن کے شاگرد تھے۔ ان کے ایک بیٹے کا بیان ہے کہ ظفر نے انھیں شمس الشعرا کا خطاب دیا تھا، اور یہ "دہلی کی تاریخ مجسم تھے"۔ انھوں نے ان کے متعدد لطیفے بھی لکھے ہیں۔ (دیباچۂ دیوان ظہور) غالب نے ان کے ایک دوسرے بیٹے کے تذکرے پر جو تقریظ لکھی ہے وہ پنج آہنگ میں ہے اور اس میں یہ عبارت ظہور سے متعلق ہے: "آن دیرین آموزگار یگانۂ روزگار سخن را بہ بیان و معنی را از روی شرف جناب قدسی مآب مولانا محمد ظہور علی صاحب زاد مجدہ آن کہ بر نثرہای پیشینیان چنان حاشیہ ہای خرد افزا نوشت کہ ہر ماتن در کنج لحد آفرین گوی اوست۔ شرح نگاری این چنین ہمہ دان را سزد، نہ از چیار از چیار ناشناسان را اگر چون خواہند در شرح کلام سلف کوس شہرت زنند پنج رقعہ و ترانہ یادداشت خان، واضح را تراویدہ رگ (کذا) پروین نگار... مولانا ظہوری وا نمایند"۔ ظہور کی لکھی ہوئی شرحیں میری نظر سے نہیں گزریں اور دیوان مطبوعہ میں غالب کا نام نہیں آیا، لیکن یہ کل کلام پر حاوی نہیں۔

اوحدی: اوحدی ایران کے مشہور صوفی شاعر ہیں۔ ان کی مثنوی جام جم چھپ گئی ہے مگر دیوان غیر مطبوعہ ہے۔ غالب کے یہاں ان کا ذکر نہیں آیا۔ لیکن ان کی مثنوی کے چند اشعار غالب نے سنائی کی طرف منسوب کر دیے ہیں (آوارہ گرد اشعار (۲) ملاحظہ ہو)۔

قائم: قائم کا شعر ذیل جو خفیف لفظی تغیر کے ساتھ گلشن بے خار میں ہے، غالب نے عبدالغفور سرور کے نام ایک خط میں یہ لکھ کر "ہاں اردو زبان میں اہل ہند نے وہ چیز پائی ہے" میر اور سودا کے ایک ایک شعر کے ساتھ نقل کیا ہے:

قائم اور تجھ سے طلب بوسے کی کیوں کر مانوں — ہے تو نادان مگر اتنا بھی بد آموز نہیں

غالب نے قائم کا ایک اور شعر یہ لکھے بغیر کہ قائم کا ہے، بے خبر کو لکھا ہے۔ غالب لکھتے ہیں "ایک شعر استاد کا مدت سے تحویل حافظہ چلا آتا ہے:

ظالم تو میری سادہ دلی پر تو رحم کر — روٹھا تھا تجھ سے آپ ہی اور آپ من گیا

میں نے ازراہ تصرف اس شعر کی صورت بدل ڈالی:

ان دل فریبیوں سے نہ کیوں اس پہ پیار آئے — روٹھا جو بے گناہ تو بے عذر من گیا۔

قائم کا یہ شعر بھی گلشن بے خار میں ہے، غالب نے دیوان قائم دیکھا ہو یہ قرین قیاس نہیں، اشعار شیفتہ کے تذکرے میں دیکھے ہوں گے۔

سروری : سروری ایک ایرانی شاعر اور فرہنگ نگار تھا۔ وحدی صاحب تذکرہ و مؤلف "سرمۂ سلیمانی" کا معاصر ہے، کچھ دنوں کے لیے ہندوستان بھی آیا تھا۔ یہاں آنے سے پیشتر اس نے اپنی "مجمع الفرس" مشہور فرہنگ سروری کی روایت اول لکھی تھی جو فرہنگ جہانگیری کے ماخذوں میں ہے۔ اس کتاب سے جس کی دو یا تین روایتیں ہیں صاحب برہان قاطع نے بھی کام لیا ہے، چنانچہ اس کا ذکر خاص طور پر اس کے دیباچے میں ہے۔ محرق قاطع برہان میں اس کے مصنف نے فرہنگ جہانگیری کے دیباچے سے اس کے ماخذوں کی فہرست نقل کر دی ہے جس میں سروری کے بعد لفظ "کاشی" مرقوم ہے۔ دیباچۂ مؤید برہان میں فرہنگ جہانگیری کی فہرست ماخذ کے علاوہ مجمع الفرس کا الگ سے بھی ذکر کیا ہے (ایضاً) اور لکھا ہے کہ اس کی روایت اول فرہنگ جہانگیری کے ماخذوں میں ہے، مگر روایت دوم میں سروری نے فرہنگ جہانگیری سے بھی کام لیا ہے۔ اس موقع پر یہ صراحت کر دی ہے کہ اس کا اعتراف خود سروری نے کیا ہے اور ہندوستان سے فرہنگ جہانگیری کے آنے کا حال لکھا ہے، مگر اسے بالکل نظر انداز کر کے قاطع کی دوسری اشاعت میں غالب نے بہ بانگ دہل یہ دعویٰ کیا کہ کسی ایرانی نے فارسی کی فرہنگ نہیں لکھی۔ اس کتاب میں یا تیغ تیز میں جو خاص طور پر مؤید برہان کی تردید میں لکھی گئی ہے، غالب نے فرہنگ سروری کا ذکر نہیں کیا لیکن، بہ قول مہیش پرشاد صاحب (غالب نمبر، گڑھ میگزین ۱۹۴۹) مؤید کے ایک نسخے کے حاشیے میں جو پبلک لائبریری دہلی میں ہے غالب کی تحریریں ہیں۔ ایک جگہ سروری کے بارے میں لکھا ہے: "کوئی اپنی کے بزرگوں میں سے کاشان سے آیا ہوگا" ورنہ خود مثل غالب کے ہندوستانی تھا ہے۔

سعید نفیسی : سعید نفیسی ایران حاضر کے مشہور ادیب اور ناقد ہیں۔ ابھی حال میں غالب سے متعلق ایک مقالہ ان کے قلم سے نکلا ہے، جس کے اقتباسات ذیل ملاحظہ ہوں: "امروز ما بہ مناسبت صد سالگی رحلت یک تن از یں سخن سرایان بزرگ یاد آوری می کنیم۔ ایں مرد کہ یکے از توانا ترین منادیان زبان فارسی در ہند و پاکستان بودہ، نہ تنہا یکے از مہم ترین شاعران... اردو ست بلکہ در... فارسی ہم شاعر زبردست توانائی بودہ... غالب خود بیشتر از ہمہ کس کار بزرگی را کہ در جہان کردہ نشان دادہ است، می گوید فارسی بیں تا بہ بینی نقشہائے رنگ رنگ بگذر از مجموعۂ اردو کہ بیرنگ من است"

را سبک هم گذشته از دیوان اردو، دیوان فارسی او دریائیست که هزاران موج می زند و گلبنیست
که انواع و اقسام گلهای رنگارنگ در خود می پرورد.. بیش از شصت قصیده دارد که در اغلب
آنها ردیفهای مشکل را بعهده گرفته و بمنتهی درجه خوب از عهده بر آمده است.. غالب هم مثل
سایر شاعران بزرگ این هفتصد سال اخیر ایران شاهکارهای او در غزلیات اوست. پیداست
که غالب باید در غزل بیشتر پیرو سبک معروف به سبک هندی یعنی امپرسیونیسم باشد. اما.. همهٔ
غزلهای او درین سبک نیست یعنی بسیاری غزلهای او به سبک عراق یا باصطلاح ما کلاسیسیم و سمبولیسم دارند
و تازه در سبک هندی هم همیشه تندروی و مبالغه و غلو نمی کند. فقط گاهگاهی امپرسیونیسم او بدرجهٔ
غلیظ می شود که بپای دیگران مثل کلیم و صائب می رسد گاهی هم از آنها می گذرد و به بیدل شبیه
می شود. من خودم باید بگویم که.. سبک هندی.. را خیلی دوست می دارم و آن را حد کمال
و اوج سخنوری می دانم.. اما متاسفانه در زمان حاضر همه با من هم عقیده نیستند و هنوز
در غزل سبک عراقی یعنی ناتورالیسم و احیاناً هم گاهی سبک فخر الدین عراقی و حافظ یعنی سمبولیسم
را بیشتر دوست می دارند" سعید نفیسی نے غالب کے جن قصائد کے اشعار نقل کیے ہیں وہ یہ ہیں:
ردیف "گریستن"، "دولت گره"، قوافی ساغر و توانگر وغیرہ ردیف "گرفته ایم"۔ غزلوں کے اشعار جو دیے
گئے ہیں وہ زیادہ تر طرز عراقی کے ہیں۔ دو غزلیں جو کلاً یا جزءً نقل ہوئی ہیں ان کے قوافی = ق اور
ردیف = ر یہ ہیں: احتسابی عتابی ق، بیش نیست ر، آتشین آفرین ق، پیداست ر،
جهان روان ق، می بایست ر، فراوان ارزان ق، شده است ر، آسمان زبان ق، نگردانیم
ر ("درین غزل تقریباً همه اشعار ابهام یکی که اکنون بیشتری پسندند سروده است") مانند چند
ق است ("درین غزل هم چند شعر لطیف دارد") کهن، "من ق فرو ریزد" ر ("چند شعر استادانه
از یکی از غزلیات") "صبا" یا ق ندارد ر ("درین غزلش هم افکار بسیار نازک رقیق دارد")
ایام سالم ق ندارد ر ("از غزلیات بسیار خوب") جان مهربان ق "نبود" ر ("درین غزل باز چند شعر
بسیار خوب دارد") راز آواز ق "ندارد" ر ("چند شعر بلند") شادی خزانی ق "بمن آر" ر ("یکی از شاهکار
های او") آسمان جهان ق "نامیدش" ر ("این غزل.. را من شخصاً خیلی دوست دارم و بسیار
مضمون تازه در آن هست") اعتباری غذایی ق "داشتم" ر ("از غزلهای تمام و پر مغز") جوانان
آنان ق ("درین غزل هم بیان شیرینی دارد") ایمان آسمان ق "داشتن" ر ("چند شعر بسیار بلند")

دو رباعیوں کے جو اس مقالے میں ہیں پہلے مصرع : " ای آن کہ براہ کعبہ روی داری " (" این بانی ذکاہی اثنا اشعار او خوبست ") "یارب نفس شرارہ پرزم بخشی ." این... ہم شور مخصوصی دارد چراغ دیگر ، اشعر دیے ہیں اور ان کی تعریف کی ہے ۔ مصرع " سوادش پای تخت بت پرستان " مصرع آخر گلستان در گلستان تو بہارش ' واضح رہے کہ سعید نفیسی نے آن سخن سرایان بسیار توانا میں جو ہندوستان اور پاکستان میں پیدا ہوئے ہیں یا جنھوں نے اپنی زندگی کی " قسمت عمدہ " ان دو ممالک میں سے کسی میں صرف کی ہے حسب ذیل کے نام لیے ہیں : مسعود سعد سلمان ' ابوالفرج رونی ' ضیا نخشبی ' خسرو ' حسن ' عرفی ' فیضی ' ناصر علی ' نظیری ' ظہوری ' طالب ' عالی ' واقف بیدل ' واقف ' حزیں ' غالب ' شبلی ' آرزو ' آزاد بلگرامی اور اقبال ۔ سعید نفیسی نے غالب کے جو حالات دیے ہیں ۔ وہ اغلاط سے خالی نہیں ۔ ۱۱ مئی ۵۱ء

"معاصر" حصہ ۲

صدرالدین خاں آزردہ (۱۲۰۴-۱۲۸۵ھ) آزردہ اپنے عہد کے برگزیدہ فضلا اور نغزگو شعرا میں تھے، لیکن افسوس ہے کہ ان کی نظم و نثر کا بہت بڑا حصّہ ضائع ہو گیا۔ غالب و آزردہ کے تعلقات کا آغاز کب اور کس طرح ہوا اس کا پتا نہیں، لیکن یہ معلوم ہے کہ آزردہ کے تذکرۂ شعرائے اُردو (نسخۂ کیمبرج) میں غالب کا ذکر نہیں۔ یہ خواہ اس وجہ سے ہو کہ اس کی تصنیف کے وقت (تیرھویں[1] صدی کے ربع دوم کا ابتدائی حصّہ) تک آزردہ غالب سے واقف نہ تھے، یا انہیں اس کا مستحق نہ سمجھتے تھے کہ تذکرے میں شامل کئے جائیں۔ آزردہ کی کسی اور تحریر میں بھی جو اب تک محفوظ ہے، غالب کا نام نہیں آیا، لیکن غالب کے یہاں ان کا ذکر بہ کثرت ہے، اور ان کے نام کے دو[2] خط بھی پنج آہنگ میں ہیں۔ ایک میں لکھا ہے "ملنے گیا تھا، مگر آپ کے ملازم سے معلوم ہوا کہ آپ ساعت المقدمہ میں معروف ہیں، واپس چلا آیا (آزردہ آخر میں صدر الصدور تھے ممکن ہے کہ ابتدا میں کسی اور عہدے پر ہوں)۔ (کلیات نثر صفحہ ۱۰۱) دوسرے خط کا یہ اقتباس توجہ طلب ہے:-

"اگر ایں بندۂ اندک شنو بسیار گوئے زود گستاخ دیر پشیماں ناحق بندگی نیست، از کجا کہ بریں بے بضاعتے نتواں بخشود؟ ... شور کرشمۂ تعقد مخدوم بر روائی کار شفیق مرزا اسد بیگ، از خم ستان آں دورباش راکہ بپاسخ سپارش۔ مرزا زین العابدین خاں بمن رسیدہ بود، نمک انباشت و باد دامن رشک آتش یاس را شعلہ ور کرد۔ ہنوز ایں جراحت بہ پنبۂ مرہمے در خور چارہ پذیری و ایں آتش بدم آبے آمادۂ نہ دمیر لیست۔ سخن کوتاہ، ہر گونہ عنایت کہ در آں کار سازی بکار رفتہ، باقی آں در حق کرمی مرزا فاضل بیگ صرف گردد، اگرچہ آں صرف از اسراف بجائے رسد کہ بہرۂ از بہر من نماند۔" (کلیات صفحہ ۱۳۳)

غالب کی پہلی سفارش بے کار گئی تھی، بلکہ ظاہراً سخت جواب ملا تھا، لیکن پھر دوسری بار سفارش کرنے سے مانع نہ آیا۔ پنج آہنگ میں شیفتہ کے نام کے متعدد خطوں میں آزردہ کا ذکر ہے۔ ایک خط میں جو گلشن بے خار کا مسودہ دیکھ کر لکھا گیا تھا، دریافت کرتے ہیں کہ ردیف الف میں آزردہ کے "اشعار پروین نثار" سے تذکرے کی تزئین کیوں نہ کی گئی، اور اس کے بعد یہ اضافہ کرتے ہیں: "ہر چند ذکر خدام بر جبیں مقام در جریدۂ ایں فن نہ سزاوار شان فضیلت باشد، لیکن اگر بمقتضائے فرط محبت، جرأتی بکار میرفت گناہے نبود۔" (کلیات صفحہ ۱۰۱) بعد کو شیفتہ نے آزردہ کا ترجمہ اور کلام داخل تذکرہ کیا۔ دوسرے خط میں ایک مشاعرے میں اپنی شرکت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "دیدار مخدوم معظم۔ محمد صدر الدین خاں بہادر تلافی رنج راہ کرد۔" (صفحہ ۲۰۱) تیسرے خط میں شرکت مشاعرہ سے قبل آزردہ کے یہاں جانے کا حال لکھ کر ان کے نزلہ و زکام کا ذکر کرتے ہیں، اور اسے بیداری شب کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ (صفحہ ۲۰۱) چوتھے خط میں ایک مشاعرے کی روداد ہے، جس میں آزردہ ذرا دیر سے آئے تھے۔ اُن کے آنے سے جو خوشی ہوئی اس کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے: "اما آمدند و دلم را صفا و زبانم را نوا بخشیدند۔ بندہ را در زمین "گریستن" نگارش قصیدہ اتفاق افتادہ بود، آں می سنجیدم کہ زیں ورق را چوں برات نامقبول باز برم۔ از آمدن حضرت آزردہ دل بخود بالید و زبان بزمزمہ دستوری یافت۔" (صفحہ ۲۰۲) پانچویں خط میں لکھتے ہیں، میں نے غزل مشاعرے سے ایک ہفتہ پہلے آزردہ کو بھیج دی تھی، لیکن خود شریک مشاعرہ نہ ہوا۔ (صفحہ ۲۰۲)

کلیات نظم فارسی کی سیر سے پتا چلتا ہے کہ غالب نے آزردہ کی مدح میں ۷۸ اشعار کا ایک قصیدہ کہا ہے اسکے چند اشعار یہ ہیں:-

آنکہ برکیتائی وے[3] در فن فرزانگی — متفق گردید رائے بوعلی با رائے من

---

[1] میری نظر سے جو نسخہ گذرا ہے وہ ناقص الآخر ہے اور سال تصنیف اس میں نہیں۔ زمانۂ تصنیف کے بارے میں میں نے قیاس سے کام لیا ہے۔
[2] دونوں خط پنج آہنگ کی اشاعت میں بھی ہیں۔
[3] یہ قصیدہ ۱۲۴۳ھ اور ۱۲۵۰ھ کے لکھے ہوئے نسخ کلیات میں نہیں مگر کلیات مطبوعہ دہلی میں ہے۔ [4] ؟ کثرت کے یہاں کیا معنی ہیں، میں نہیں کہہ سکتا۔

آنکہ چوں خواہد بنامش نامہ نامی ساختن ۔۔۔ برلگارد عقل فعالش کرم فرمائے من
دل بدیں و صنعم نیاساید سخن کوتہ کنید ۔۔۔ آنکہ ننگ اوست بودن در سخن ہمتائے من
صدر دین و دولت و صدر الصدور روزگار ۔۔۔ خیر مخدوم و مطاع و والی و مولائے من
مو کیش چوں مرجع عامست با فرم چہ بحث ۔۔۔ پرستشے وارد ارسطو می دود ہمپائے من
عاجزم چوں در ثنائے دوست بار خشکم چہ کار ۔۔۔ می روم از خویش تا گیرد عطارد جائے من
خاک کویش خود پسند افتاد در جذب سجود ۔۔۔ سجدہ از بہر حرم بگذاشت در سیمائے من ص۳۲۲

کلیات کی ایک غزل میں یہ قطعہ شامل ہے۔

"ہند را خوش نفسانند سخنور کہ بود ۔۔۔ باد در خلوت شاں مشک فشاں از دم شاں
مومن و نیر و صہبائی و علوی وانگاہ ۔۔۔ حسرتی اشرف و آزردہ بود اعظم شاں ص۱۷۴

عود ہندی میں صرف دو جگہ آزردہ کا نام آیا ہے۔ "خدا کرے تم کو یاد آجاوے کہ مفتی جی شگفتی کو شگفت کا مزید علیہ مسلم نہیں جانتے تھے، سکندر نامہ میں دیکھا۔ 'بسے در شگفتی نمودن طواف ۔۔۔ عنان سخن را کشد در گزاف'۔ (مکتوب الیہ شیفتہ ص۱۷۰) حسن اتفاق سے اصلاح خمسہ کے وقت دوست دوست غمگسار یار وفاشعار علامۂ روزگار ختم العلماء المتبحرین مولوی مفتی صدر الدین خاں صاحب بہادر صدر الصدور سابق دام بقاءہ و زاد علاءہ۔ غریب خانے پر تشریف لائے ہوئے تھے۔ خمسے کو دیکھ کر پسند فرمایا۔ (مکتوب الیہ عبدالرزاق شاکر ص۳۰۵)

اردوئے معلیٰ میں کئی جگہ نام آیا ہے۔ ازاں جملہ: "حضرت جناب مولوی صدر الدین صاحب بہت دن حوالات میں رہے آخر صاحبان کورٹ نے جاں بخشی کا حکم دیا۔ نوکری موقوف، جائداد ضبط، ناچار لاہور گئے۔ فائنشل کمشنر اور لفٹنٹ گورنر نے نصف جائداد واگذاشت کی۔ اب نصف پر قابض ہیں، اپنی حویلی میں رہتے ہیں، کرائے پر معاش کا مدار ہے، ان کے گذارے کو کافی ہے۔ ایک آپ اور ایک بی بی، تیس چالیس روپے مہینے کی آمد، لیکن امام بخش چپراسی کی اولاد ان کی عترت ہے اور وہ دس بارہ آدمی ہیں۔ لہذا فراغ بال سے نہیں گذرتی۔ ضعف پیری نے بہت گھیر لیا ہے، خدا سلامت رکھے غنیمت ہیں"۔ (مکتوب الیہ سید احمد حسن مودودی ص۱۶۱) "پرسوں مولوی صدر الدین خاں صاحب کو فالج ہوگیا۔ میں اپاہج ہوں جا نہیں سکتا۔ جو ان کو دیکھ آتا ہے اس سے ان کا حال پوچھا جاتا ہے۔ (مکتوب الیہ علائی ص۳۳۰)

ابھی حال میں خواجہ احمد فاروقی صاحب نے غالب کا ایک خط آج کل دہلی (فروری ۱۹۵۲ء) میں شائع کرایا ہے۔ آزردہ نے مرنے سے پہلے نواب کلب علی خاں کو ایک خط لکھا تھا جس میں اپنی بی بی اور "خواہرزادے" کو ان الفاظ میں ان کے سپرد کیا تھا۔ "مجھ کو زندگی سے یاس ہے۔ ایک میری زوجۂ ضعیفہ اور دوسرا خواہرزادہ محمد احسان الرحمٰن خاں نام جس کو میں نے فرزندانہ پیش (پرورش؟) کیا ہے۔ ان دونوں کو آپ کے سپرد کئے جاتا ہوں۔ اگر ناگوار خاطر عاطر نہ ہو تو میرے بعد ان کی خبرگیری کسی قدر فرماتے رہیں۔ یہ ایک نوع کا حسن سلوک میرے بعد بھی مجھ سے ہوگا"۔ (آج کل ص۲۷) معلوم ہوتا ہے کہ غالب کو کسی طرح اس کی خبر مل گئی۔ پہلے تو انھوں نے نواب مرزا خاں (داغ) کو ایک خط لکھا پھر اس خیال سے کہ ممکن ہے وہ کلب علی خاں کو نہ دکھائیں انہوں نے موخر الذکر کے نام سے ایک خط بھیجا جس کی عبارت ذیل توجہ طلب ہے۔

'میں نے ایک خط نواب مرزا خاں کو لکھا ہے، خدا جانے وہ حضرت کی نظر سے گذرے یا نہ گذرے۔ اس خط میں میں نے زوجۂ مفتی جی کا حال یہ لکھا ہے کہ وہ لاولد ہے، اور ساٹھ روپے کے کرائے کے مکان اس کے تحت میں ہیں۔ امین الرحمٰن اس کا بھانجا ہے، مفتی جی کا کوئی نہیں ہے۔ اس کے بعد التماس کی ہے کہ میرا قرض میری زندگی میں ادا ہو جائے، حسین علی خاں کی شادی کے لئے کچھ عطا کیا جائے، اور میرا مہینا اس کے نام پر اس کے حین حیات قرار پائے"۔ خواجہ احمد فاروقی صاحب نے لکھا ہے کہ "غالب نے مرحوم دوست کی بیوہ کے کام میں کاوش پیدا کرنے کی کوشش کی ہے اور ان کی ضرورت کو غیر اہم ثابت کرکے اپنا کام نکالنا چاہا ہے"۔ امور ذیل بھی قابل غور ہیں۔ آزردہ نے احسان الرحمٰن اور غالب نے امین الرحمٰن لکھا ہے۔ ممکن ہے موخر الذکر مقدم الذکر کے بھائی ہوں یا غالب نے نام غلط لکھا ہو۔ پہلے غالب نے آمدنی تیس چالیس روپے ماہوار لکھی تھی، اس خط میں ساٹھ ہوگئی ہے۔ امام بخش کی اولاد میں جو خرچ ہوتا تھا، اس کی طرف بھی اس میں اشارہ نہیں۔ غالب اس پر زور دیتے ہیں کہ امین الرحمٰن آزردہ کی بیوی کے بھانجے ہیں خود انکے

کوئی نہیں" اور ساتھ ساتھ حسین علی خاں کے لئے جوان کا کوئی نہیں" ان کی بی بی کے بھانجے کا بیٹا ہے۔ یہ چاہتے ہیں کہ وہ رقم جو خود انہیں ماہانہ ملا کرتی تھی، اس کے نام پر اس کے حین حیات قرار پائے"

آب حیات میں ہے کہ آزردہ کی عدالت میں غالب کے قرض خواہوں نے نالش کی تھی، پیشی میں گئے تو یہ شعر پڑھا،

قرض کی پیتے تھے مے لیکن سمجھتے تھے کہ ہاں      رنگ لائے گی ہماری فاقہ مستی ایک دن

آزاد نے اس حکایت کو یہیں پر ختم کر دیا ہے۔ لیکن جناب مہر نے غالب طبع دوم میں اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ آزردہ نے فیصلہ مدعیوں کے موافق کر کے سارا روپیہ خود ادا کر دیا۔ (ص۲۴۴) انہوں نے یہ حکایت آزاد کے حوالے سے نہیں لکھی۔ اس کی ابتدا ان الفاظ سے کی ہے۔ "مشہور ہے کہ" راوی کی حیثیت سے آزاد جس قدر قابل اعتبار ہیں ظاہر ہے۔ رہی شہرت عام، تو تعجب کیا ہے اگر کچھ دنوں کے بعد یہ بھی سننے میں آئے کہ آزردہ نے اس خیال سے کہ غالب کی آمدنی کم اور خرچ زیادہ ہے۔ ان کا ایک معقول وظیفہ مقرر کر دیا تھا آزاد نے یہ بھی لکھا ہے کہ صہبائی نے مشاعرے میں، غالب کے مصرع "بوادیے کہ دراں خضر را عصا خفت است" پر جو اعتراض کیا تھا وہ آزردہ کی تحریک سے تھا۔ (ص۵۲۱)

یادگار غالب میں کئی حکایتیں ہیں، جن سے غالب و آزردہ کے تعلقات پر روشنی پڑتی ہے۔ (۱) حالی یہ لکھ کر کہ "مولانا آزردہ مرزا کی طرز خاص کو جو انہوں نے ابتدا میں اختیار کی تھی، ناپسند کرتے تھے۔ اور جو خیال ابتدا میں خاطر نشین ہو گیا تھا۔ وہ اخیر تک ان کے دل میں کسی نہ کسی قدر باقی رہا۔ چنانچہ مرزا نے ایک فارسی قصیدے میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مولانا ان کی شاعری کو تسلیم نہیں کرتے۔ ص۲۳۔ یہ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ غالب کی وفات سے چھ سات برس قبل ایک دن شیفتہ کے یہاں غالب کو اپنے دیوان فارسی کے کچھ اوراق پڑے ہوئے مل گئے! اور غالب نے اس تمہید کے ساتھ کہ "دیکھئے کسی ایرانی شاعر نے کیا زبردست غزل کہی ہے! اپنی ایک غزل پڑھنی شروع کی۔ آزردہ نے جو مخاطب خاص تھے دو تین شعروں تک تو داد دی لیکن قرائن سے یہ سمجھ کر کہ یہ خود غالب کا کلام ہے حسب عادت متبسم ہو کر بولے" کلام مربوط ہے مگر نو آموز کا معلوم ہوتا ہے"، مقطع کی نوبت آئی تو غالب نے دردناک آواز میں آزردہ کی طرف خطاب کر کے پڑھا۔

تو اے کہ محو سخن گستران پیشینی      مباش منکر غالب کہ در زمانہ تست

حاضرین بہت متاثر ہوئے اور آزردہ شرمندہ

(۲) لاکھوں لگاؤ ایک چرانا نگاہ کا      لاکھوں بناؤ ایک بگڑنا عتاب میں

آزردہ غالب کی طرز کو نام رکھتے تھے، مگر انہوں نے یہ شعر کسی سے سنا تو "وجد کرنے لگے"۔ پوچھا کس کا ہے، اور جب یہ معلوم ہوا کہ غالب کا ہے، تو اس بنا پر کہ وہ کبھی غالب کے شعر کی تعریف نہ کرتے تھے۔ "بہ طور مزاح" کہا "اس میں مرزا کی کیا تعریف ہے، یہ تو خاص ہماری طرز کا شعر ہے"۔ (ص۱۲۲) اس شعر کی ستائش تو خیر لاعلمی میں کی تھی، مگر خود یادگار غالب سے ثابت ہے کہ وہ غالب کے شعر۔

گدا سمجھ کے وہ چپ تھا مری جو شامت آئی      اٹھا اور اٹھ کے قدم میں نے پاسباں کے لئے

کے "انداز بیان پر پروانہ تھے"۔ (ص۱۰۱) (۳) آزردہ نے "دور نہیں" "نور نہیں" کی زمین میں ایک بہت اچھا مطلع کہا تھا، نظیری کا ایک مطلع اردو میں ترجمہ کرنے سے اسی زمین میں ہو گیا۔ خیال ہوا کہ یہ دیکھیں غالب ان دونوں میں کسے ترجیح دیتے ہیں، پہلے نظیری کا مطلع سنایا گیا۔ سنتے ہی غالب نے اس قدر تعریف کی کہ آزردہ کو اس کی امید نہ رہی کہ وہ ان کے مطلع کو بہتر کہیں گے، اور انہوں نے اپنا مطلع نہ سنایا۔ ص۶۹۔

حالی نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ غدر کے بعد غالب نے ایک دوست کو جو کبھی امیر تھے، چھینٹ کا فرغل پہنے دیکھا اور اس کی بہت تعریف کر کے اس کے بدلے میں انہیں اپنا مالیدے کا چغہ دے دیا۔ (یادگار ص۷۶) جناب مہر جناب ابوالکلام آزاد کی زبانی لکھتے ہیں کہ "آزردہ کا واقعہ ہے"۔ خواجہ حالی کہتے تھے کہ میں نے نام لکھنا پسند نہ کیا کہ شاید ان کے عزیزوں پر گراں گذرے" (غالب ط۲)

جناب آزاد نے یہ صراحت نہیں کی کہ یہ بات انہیں خود حالی سے معلوم ہوئی تھی یا کسی اور سے۔ تذکرۂ حالی ص۲۰۸ میں ان کا ایک خط حالی کے نام کا درج ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ الہلال کے کچھ بعد تک حالی سے ان کے تعلقات نہ تھے۔

آب حیات اور یادگار غالب دونوں میں ہے کہ دہلی کالج میں غالب کے تقرر کی بھی تجویز تھی (آب حیات ص۵۰۰) مگر آزاد

یا حالی نے یہ نہیں لکھا کہ غالب و مومن و صہبائی کا نام پیش کرنے والا کون تھا۔ کریم الدین کے تذکرے میں ہے کہ یہ آزردہ تھے "غالب کے غیر مطبوعہ لطیفے اور شعر" کے عنوان سے احتشام الدین دہلوی مرحوم کا ایک مضمون "ماہ نو" (فروری ۱۹۵۰ء) میں شائع ہوا جس میں یہ حکایت درج ہے کہ آزردہ کے مکان پر غالب اور دوسرے لوگ موجود تھے کہ ایک قطعہ جس کا ایک مصرع "یہ منادی ہے کشور عشق میں اب" ہے پڑھا گیا۔ یہ اعتراف سب کو تھا کہ موزوں ہے مگر تقطیع کسی سے نہ ہو سکی۔ یہاں تک کہ آزردہ عدالت اور دوسرے لوگ اپنے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ غالب کو راہ میں تقطیع سوجھ گئی۔ سیدھے عدالت پہنچے۔ ان کی پالکی کے آنے کی خبر آزردہ کو ملی تو وہ گھبرا کر باہر نکل آئے اور پوچھا خیر باشد۔ جواب میں غالب نے تقطیع اس طرح سنائی:-

یہ منادی ہے کش دھنا تاک دھنا ور عشق میں اب دھنا تاک دھنا راہ

راوی نے یہ نہیں بتایا کہ خود اسے یہ حکایت کیوں کر معلوم ہوئی۔ اس بنا پر کہ قطعۂ مذکور ایک معروف اور آسان بحر متدارک مثمن مخبون (فعِلن فعِلن فعِلن فعِلن) میں ہے یہ حکایت جس طرح بیان کی گئی ہے، صحیح نہیں ہو سکتی۔

معمّا۔ اردوئے معلیٰ حصہ دوم میں سیّاح کے نام کا ایک خط ہے جس میں غالب نے لکھا ہے "تمہاری جان اور اپنے ایمان کی قسم کہ میں فن تاریخ گوئی و معما سے بیگانہ محض ہوں" ص۳۳۳۔ صغیر بلگرامی نے انہیں لکھا تھا کہ "پٹنہ کے لوگ آپ کے معمے اور چیستان کے مشتاق ہیں کہ ان لوگوں نے آپ کو معموں میں کامل سنا ہے" (جلوۂ خضر جلد ۲۔ ص۲۲۳۔) غالب نے اس کا جواب ان الفاظ میں دیا ہے "یاربّ وہ کون بزرگ ہیں جو سودائی کو معمائی سمجھتے ہیں؟ اصل فطرت میں میرا ذہن تاریخ و معما کے ملائم و مناسب نہیں پڑا ہے۔ جوانی میں ازراہ شوخیٔ طبع گنتی کے عامیانہ معمے لکھے ہیں، وہ مبادی کلیات فارسی میں موجود ہیں" ایضاً۔ کلیات نظم فارسی کے قلمی نسخوں میں تین معمے ہیں جو آثار غالب کے ص۱۲ میں بھی مندرج ہیں

مرزا فاخر مکیں۔ (۱۱۳۸ تا ۱۲۲۱ھ) مکین دہلوی تھے، لیکن ان کی فارسی گوئی کا شہرہ ان کے لکھنؤ جانے کے بعد ہوا ہے۔ غالب ان کی فارسی کے مطلق قائل نہ تھے۔ عبدالغفور سرور کو ایک خط میں لکھتے ہیں: "ناصر علی اور بیدل اور غنیمت ان کی فارسی کیا؟ منت اور مکین اور واقف اور قتیل یہ تو اس قابل بھی نہیں کہ ان کا نام لیجئے"۔ (عود ہندی ص۶۶) غالب نے مکین کے بارے میں بے خبر کو لکھا ہے۔ "ایک شاعر تھا شجاع الدولہ اور آصف الدولہ کے عہد میں، اس نے سعدی و نظامی و حزیں کے اشعار کو اصلاحیں دی ہیں"۔ (ص۱۲۳) مکین کی شاعری کا زمانہ عہد شجاع الدولہ سے پہلے شروع اور وفات آصف الدولہ کے کئی سال بعد ختم ہوا ہے۔ اس کا کوئی ثبوت موجود نہیں کہ انہوں نے نظامی و سعدی کے اشعار کی اصلاح کی ہے۔ حزیں کے بعض اشعار میں البتہ ترمیم کی تھی۔ حال آں کہ ان کے بڑے معتقد تھے۔ (عبرت الغافلین سودا اور سودا و مکین از راقم معاصر حصہ ۱) غالب نے علائی کو لکھا ہے "کیا اچھی رباعی ہے کسی کی

مومن[1] بخیال خویش مستم داند کافر بگمان خدا پرستم داند

مردم ز غلط فہمی مردم مردم اے کاش کسے ہر آنچہ ہستم داند" (اردوئے معلیٰ ص۲۹)

یہ رباعی دیوان مکیں (نسخۂ کتب خانۂ مشرقیہ پٹنہ) میں ہے، غالب نے لاعلمی میں تعریف کی ہے۔

طرہ باز خاں۔ طرہ باز خاں کا نام نادرات غالب (ص۱۰ و ص۱۵) میں دو جگہ آیا ہے اور دونوں جگہ ان کی طرف سے حقیر کو سلام لکھا ہے دونوں خط ۱۸۵۱ء کے ہیں اور پہلے میں ان کے نام سے پہلے لفظ "بھائی" موجود ہے۔ خبر نہیں واقعی کسی کا نام تھا یا ظرافتاً کسی کو طرہ باز خاں کہا ہے۔ گلشن بے خار میں طرہ تخلص کے تحت ایک شاعر کا ذکر ہے جس کے متعلق صرف اتنا مرقوم ہے کہ "طرہ باز خاں یکے از مردم بنارس است"

سید عبداللہ۔ آب حیات میں ہے کہ "ساطع برہان کے اخیر میں چند ورق سید عبداللہ کے نام سے ہیں وہ بھی مرزا صاحب کے ہیں"۔ ص۵۲۰ ساطع برہان میں سید عبداللہ کا نام بھی کہیں موجود نہیں۔ یہ کتاب قاطع برہان کی رد میں لکھی گئی تھی اس کے آخر میں غالب کی کوئی تحریر ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ میرے علم میں اس نام کا کوئی شخص نہیں جس کے غالب سے تعلقات ہوں۔

شیخ مومن علی۔ غالب ستمبر ۱۸۵۳ء کے ایک خط میں حقیر کو لکھتے ہیں۔ "ایک شیخ مومن علی صاحب صدر امین کول کے یہاں آئے تھے۔ ایک دن تشریف لائے، میں سوار ہو گیا تھا، نہ ملا، دو دن کے بعد میں ان کے ہاں گیا۔ تمہاری بہت تعریف کرتے تھے۔ میں منتظر کہ پھر آئیں گے

---

[1] دیوان مکیں ورق ۲۵۴ "مومن" کی جگہ "زاہد" اور یہ بہتر ہے۔

دن چار ایک ہوئے کہ میں نے حکیم امام الدین خاں سے پوچھا کہ صدر امین جن کا آپ علاج کرتے تھے وہ اب کیسے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ وہ کول کو گئے۔ غرض یہ کہ اگر ملاقات ہو تو فرمائیے گا کہ اسد اللہ روسیاہ بعد سلام عرض کرتا ہے کہ وہ رتبہ میرا تو کہاں کہ میں آپ سے شکوہ کروں کہ مجھ سے مل کر نہ گئے مگر ہاں، افسوس کرتا ہوں کہ مجھ کو خبر کیوں نہ ہوئی ورنہ میں تو دیع کو پہنچتا (نادرات غالب ص۲۲)
صدیق حسن خاں نے شمع انجمن میں انہیں مومن علی خاں صدر الصدور، ساکن سندیلہ لکھا ہے۔ (ترجمۂ حسرتی) جناب ابوالکلام آزاد کا یہ بیان کہ غالب نے صدیق حسن خاں کو لکھا تھا کہ ان سے شیفتہ کی سفارش کریں (غالب مصنفہ جناب مہر طبع ثانی ص۲۹۲) بالکل صحیح نہیں حقیقت کیا تھی اس کا ذکر صدیق حسن خاں کی بحث میں ملے گا۔ غالب کے یہاں مومن علی خاں کا ذکر کہیں اور نہیں آیا۔

نئے نواب :- یہاں دلّی میں ایک اصطلاح (ہے)، نئے نواب کی' اور یہ لفظ عام ہے' ہندو ہو یا مسلمان' اس پر صادق آجاتا ہے۔ صورت یہ کہ جہاں کوئی مرا بہ شرطے آں کہ دولت مند ہو' اس کا بیٹا مال پر متصرف ہوا' بدمعاش لوگ فراہم ہوئے' اور اس کو خداوند نعمت اور جناب عالی کہنا شروع کیا' فلانی رنڈی آپ پر مرتی ہے' فلانا امیر اپنی مجلس میں آپ کی یوں تعریف کرتا تھا۔ آپ کو لازم ہے اس رنڈی کا بلانا اور اس امیر کی دعوت کرنی۔ دنیا اسی واسطے ہے' روپیہ ساتھ نہیں جاتا' آپ کے باوا کیا لے گئے جو آپ لے جائیں گے۔ بندہ آج تک تین نئے نواب دیکھ چکا ہے"۔ (مکتوب الیہ حقیر' نادرات غالب ص۵۵)

مرزا احسن علی بیگ رسالہ دار۔ مرزا احسن علی بیگ غالب اور حقیر کے دوستوں میں تھے اور ان کا ذکر مارچ ۱۸۵۱ء سے کر مئی ۱۸۵۵ء تک کے خطوں میں ملتا ہے اور حقیر کے نام کے ان خطوط کے علاوہ جو نادرات غالب میں ہیں ان کا ذکر کہیں نہیں آیا۔ دہلی و کول دونوں جگہوں سے ان کا تعلق معلوم ہوتا ہے۔ (نادرات ص۱، ص۱۵، ص۲۳، ص۴۲) ۱۸۵۱ء کے ایک خط میں غالب نے حقیر کو لکھا کہ "حسن علی بیگ کو سمجھا دو کہ یہ کیا طور ہے کہ ایک لونڈے (مگر دراصل یائے معروف سے ہوگا۔) کے واسطے بی بی کو چھوڑ دیا ہے۔ والدہ بھی تمہاری اس کی بات نہیں پوچھتیں۔ اپنی خالہ کے ہاں پڑی ہے۔ اپنی ماں کو کہو کہ بہو کو منا کر لے آئیں"۔ (ص۱۵) مگر انھیں کو ۱۸ جون ۱۸۵۵ء کے خط میں لکھتے ہیں کہ ان کی بی بی ایک مکارہ کے فریب میں آکر "نیا نواب" بن گئی ہے اور پانچ چھ ہزار نقد و جنس ضائع کر چکی ہے

زن بد در سرائے مرد نکو      ہم دریں عالم ست دوزخ او      ص۵۸

اس کے بعد کے ایک خط میں رسالہ دار کی بی بی سے متعلق حقیر کی غلط فہمی کو ان الفاظ میں رفع کرنے کی کوشش کی ہے "اس نیک بخت نے ضد سے یہ کام نہیں کیا۔ ایک زن بد روش نے اس کو لوٹا کھایا۔ مہمان داری ہر روزہ دگل و میوہ و نقش و نگار و رنگ و بو" ص۵۹
دیوان ظہور دہلوی میں ان کے ایک رشتہ دار شیخ حسن علی کی وفات (۱۲۵۲ھ) کا قطعہ تاریخ ہے۔ ظہور سے نام میں غلطی نہیں ہوسکتی غالب نے ممکن ہے کہ جان بوجھ کر غلط نام لکھ دیا ہو۔ اگر یہ نہیں تو دونوں مختلف شخص ہیں۔

مجہول الاسم ڈومنی ۔ غالب مرزا مہر کو لکھتے ہیں "مغل بچے بھی غضب ہوتے ہیں' جس پر مرتے ہیں اس کو مار رکھتے ہیں۔ عمر بھر میں ایک بڑی ستم پیشہ ڈومنی کو میں نے بھی مار رکھا ہے۔ خدا ان دونوں (ایک مہر کی معشوقہ' دوسری ڈومنی) کو بخشے۔ اور ہم تم دونوں کو کہ زخم مرگ دوست کھائے ہوئے ہیں۔ چالیس بیالیس برس کا یہ واقعہ ہے' با آں کہ یہ کوچہ چھٹ گیا۔ اس فن سے میں بیگانۂ محض ہو گیا ہوں، لیکن اب بھی کبھی کبھی وہ ادائیں یاد آتی ہیں۔ اس کا مرنا زندگی بھر نہ بھولوں گا۔ (اردوئے معلی ص۱۵۰)۔
اس خط کا مہر کے نام کے ایک دوسرے خط سے تعلق جس میں اپنی عمر ۶۵ برس بتائی ہے۔ (ص۱۹۱) اور دونوں ایک ہی زمانے کے ہیں۔ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ غالب کے دیوان اردو کی غزل جس کی ردیف "ہائے ہائے" اور جس کا ایک شعر یہ ہے ؎

شرم رسوائی سے جا چھپنا نقاب خاک میں      ختم ہے اُلفت کی تجھ پر پردہ داری ہائے ہائے

اُسی ڈومنی کا مرثیہ ہے۔ لیکن جناب حمیدہ سلطان (مرزا باقر علی خاں کامل کی نواسی) نے اس سے اختلاف کیا ہے:۔

"جس انداز کا یہ مرثیہ ہے اور جس شخصیت کا وہ اس میں ذکر کرتے ہیں' وہ کوئی خاندانی پردہ نشین' باعزت خاتون ہے۔ کسی ڈومنی کے لئے غالب یہ نہیں لکھ سکتے تھے "شرم رسوائی الخ" کسی ڈومنی کے لئے غالب کا محبت کرنا باعث فخر ہوتا وہ اس کو نمایاں کرتی چھپاتی کیوں؟ مرزا صاحب نے جس کی جواں مرگی پر نوحہ لکھا وہ کوئی انکی ہم خیال باذوق اور ایسی خاتون تھی جس کو خود مرزا صاحب سے محبت تھی جس نے عمر بھر کے لئے پیمان وفا باندھا تھا اور غالب جیسے عالی ظرف انسان کو سمجھنا اور ان کی محبت حاصل کرنا کسی ستم پیشہ ڈومنی کے بس کی بات نہ تھی، وہ کوئی اور ہی پردہ نشین ماہ رو تھی جس کی موت کے بعد غالب کی دنیا اجڑ گئی اور ان کی زندگی بالکل بے کیف

ہو گئی۔ نانی اماں نے ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ مرزا صاحب سے ۱۸۵۷ء سے پہلے ایک بیگم اصلاح لیا کرتی تھیں۔ یہ بہت خاندانی اور پردہ نشین تھیں۔ ان کی ماما چوتھے پانچویں روز کلام لاتی اور اصلاح کرا کے لے جاتی۔ مرزا صاحب ان کا کلام دیکھ کر اکثر وجد کرتے اور کہتے تھے خوب کہتی ہیں۔ ان کا انتقال غدر کے کچھ مہینے بعد ہو گیا۔ وہ بھی اپنے عزیزوں کے ہمراہ شہر سے نکلیں، راستے کی صعوبت اور غریب الوطنی کے مصائب نے ان کو بیمار کر دیا۔ دہلی واپس آتے ہی پیغام قضا آیا۔ ان کی جواں مرگی کا مرزا صاحب پر اثر ہوا کہ ان کی صحت بھی اس کے بعد تا دم مرگ خراب رہی۔ ممکن ہے کہ یہ نوحہ ان کے لئے ہی لکھا گیا ہو۔ نانی اماں نے یہ واقعہ اپنی سسرال کی پرانی مغلانی سے سنا تھا۔ (شاعر صلہ۲۲) (سلہ)

اس سلسلے میں امور ذیل توجہ طلب ہیں۔ (۱) ڈومنی عصمت فروش عورت کو نہیں کہتے۔ مؤلف فرہنگ آصفیہ جو جناب حمیدہ سلطان کی طرح دہلوی ہیں۔ لکھتے ہیں "ڈومنی زن مطرب، مغنیہ، میراثن، ڈوم کی بی بی، پردہ دار عورتوں میں ناچنے گانے والی عورت (جلد ۲ صد۳۲۶)۔ اگر اتفاقاً اسے کسی سے ناجائز جنسی محبت ہو جائے، اور فریق ثانی اگر کوئی بڑا آدمی ہے تو ممکن ہے کہ وہ اس پر دل میں فخر کرے۔ لیکن عام حالات میں وہ کسی طرح اس کا بہ بانگ دہل نہیں اعلان کر سکتی۔ (۲) غالب "افراسیابی" ہونے کے باوجود اس ڈومنی پر جس کی موت کا ذکر مہر کے بعد کے خط میں ہے، خود اپنے لفظ میں مرتے تھے۔ یہ محبت ایسی نہ تھی کہ اس کی موت نے ان کی آئندہ زندگی کو بالکل بے کیف کر دیا ہو۔ لیکن عبارت منقولہ سے بالکل ظاہر ہے کہ اس کا کسی نہ کسی قدر اثر چالیس بیالیس برس بعد بھی باقی تھا۔ اس صورت میں اگر محض اس بنا پر کہ میں افراسیابی ہوں اور میری محبوبہ ایسی عورت تھی جس کی سوسائٹی میں کوئی وقعت نہ تھی، وہ اس کا مرثیہ لکھنے سے احتراز کرتے تو مذہب عشق میں یہ ایک ناقابل عفو گناہ ہوتا۔ اور ایک شاعر سے اس کا ارتکاب اس کی رسوائی جاوید کے لئے کافی ہے۔ (۳) یہ عالی خاندان (یہ صرف ماحول میں، شاعر میں نہیں) پردہ نشین شاعرہ جو اس پائے کی شاعرہ ہیں کہ اکثر مرد بھی ایسی شاعری نہیں کر سکتے"، اس دنیائے آب و گل کی ایک ہستی نہیں، مقالہ نگار ماحول و شاعر کی ذہنی مخلوق ہیں۔ (۴) غالب کی ان سے فرضی محبت کا جو زمانہ بتایا جاتا ہے، اس میں غالب کا جو عالم تھا اس کی تصویر انہوں نے شعر ذیل میں کھینچی ہے۔

"فرخ دم پیری کہ کند در نظرم خوار — خوبان قمر طلعت ناہید نغم را" (کلیات صد۱۵)

خط کی عبارت منقولہ میں بھی یہ فقرہ ہے "یہ کوچہ چھٹ گیا، اس فن سے میں بیگانہ محض ہو گیا ہوں"۔ (۵) شاعرہ ایک جوان پردہ نشین عالی خاندان عورت ہے۔ غالب کو اس کے دیکھنے اور اس سے ملنے کا موقع کس طرح ملا اور مئی اور دسمبر میں "عمر بھر کا پیمان وفا" کس طرح باندھا گیا؟ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ خط و کتابت محبت تھی۔ مگر یہ بھی تو اس کے اقربا روا نہ رکھ سکتے تھے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ محبت بالکل خفیہ تھی اور کسی کو اس کا علم نہ تھا اسلئے کہ غالب کے گھر کی مغلانی تک اس سے واقف تھی۔ (۶) یہ بات کہ غالب کی غدر کے بعد کی زندگی بے کیف محض تھی، صحیح نہیں جیسا کہ ان کے خطوط کے پڑھنے والوں پر ظاہر ہے۔ یہ امر خاص طور پر توجہ طلب ہے کہ زندگی بے کیف اس کی موت کی وجہ سے ہوتی ہے۔ لیکن مہر کے نام کے خط میں ذکر کرتے ہیں ڈومنی کی موت کا۔ (۷) مرثیہ کس کا ہے اس سے قطع نظر پردہ نشین شاعرہ کا نہیں اسلئے کہ یہ بھوپالی دیوان میں موجود ہے جو ۱۲۳۷ھ کا لکھا ہوا ہے اور اس میں یہ شعر بھی ہے جس میں اسد تخلص ہے اور جو دیوان کے مروجہ نسخوں سے غائب ہے۔

گر مصیبت تھی تو غربت میں اٹھا لیتے اسد — میری دہلی ہی میں ہونی تھی یہ خواری ہائے ہائے

مرثیہ ۱۲۳۷ھ یا اس سے بھی کچھ پہلے نظم ہوا ہے اور یہ وہی زمانہ ہے جو خط سے ثابت ہے۔ غالب نے محبت اوروں سے بھی کی ہو گی مگر وہ ڈومنی کے سوا کسی اور محبوبہ کو مار رکھنے کا ذکر نہیں کرتے۔ قریب بہ یقین ہے کہ مرثیہ اسی کا ہے۔ یہ بات مرثیے اور خط سے واضح ہے کہ طرفین کو ایک دوسرے سے محبت تھی۔ اور غالب اپنی محبوبہ کے وصال سے کامران تھے "شرم رسوائی الخ" سے مترشح ہے کہ اس کی موت میں محبت کو بھی دخل تھا، کس طرح؟ اس کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا "گر مصیبت الخ" سے گمان ہوتا ہے کہ اس سلسلے میں غالب کی بدنامی بھی ہوئی تھی ورنہ غم کے موقع پر "خواری" کا کیا محل ہے؟

"خاور" ڈھاکا۔ جنوری ۱۹۵۳ء

---

لہ عنوان مضمون "غالب کی شاعری میں عورت کا تصور" جو پہلے ماحول دہلی (ماہ و سال نامعلوم) میں اور بعد ازاں بعض لفظی اختلافات سے شاعر بمبئی (نومبر ۱۹۵۰ء) میں شائع ہوا۔

سلہ یہ الفاظ ماحول میں غالب کی طرف منسوب ہیں، مگر شاعر سے غائب ہیں۔ اگر واقعی لکھنے والے نے اپنی نانی صاحبہ سے سنے ہوتے تو وہ بدل نہ کرتیں۔

جناب غالب (غالب انسائیکلو پیڈیا) کو جامع بنانے کی ہر ممکن کوشش کی جا رہی ہے اور
اندازہ کیا جاتا ہے کہ مکمل کتاب کم و بیش بارہ تیرہ سو صفحوں کی ہوگی۔ اس کے مختلف ٹکڑے
معاصر، نادر وغیرہ میں شائع بھی ہو چکے ہیں۔ ضرورت ہے کہ وہ اصحاب جو اس کی تصنیف میں
اعانت کر سکتے ہیں، اس کے لئے تیار ہو جائیں۔ میرا پتہ یہ ہے: پٹنہ ۴، ہندوستان۔

---

**نواب سید امیر علی خاں** ۔ باڑھ ضلع پٹنہ کے متوطن اور واجد علی شاہ کے زمانۂ قیام کلکتہ میں ان کے وزیر تھے۔ یہ فارسی کے شاعر اور ناثر تھے اور ان کی متعدد کتابیں معرضِ انطباع میں آ چکی ہیں۔ سیاح نے غالباً کلکتہ سے ان کے متعلق کچھ لکھا تھا۔ غالب نے جواباً تحریر کیا ـــ
"جناب منشی میر امیر علی صاحب سے مجھ سے شاید ملاقات نہیں، لیکن ان کے محامد و مکارم سنتا ہوں" (اردوئے معلیٰ، کریمی صفحہ ۱۱۱) سید امیر علی خاں اوائل اکتوبر ۱۸۶۷ء میں سفر کے لئے نکلے تھے اور دہلی بھی گئے تھے۔ امیر نامہ، تصنیف ۱۸۷۱ء طبع ثانی میں غالب سے ملاقات کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

"دریں معمورہ، از ملاقات حامد، خورسندیہائے فراواں حاصلم شد و از اخلاق و مہماں نوازیہائے ہر یکے گلہائے مسرت دامن دامن برچیدم اعلی الخصوص از لطفِ صحبت برگزیدۂ روزگار، یگانۂ دور، مدار مرزا اسد اللہ خاں غالب" صفحہ ۳۰۴ ۔ اس کے بعد ضیاء الدین احمد خاں، حکیم احسن اللہ، سید الدین وغیرہ کا ذکر ہے۔

**پان** ۔ جناب حمید احمد خاں نے بگا بیگم مرحومہ زوجہ باقر علی خاں و دختر ضیاء الدین احمد خاں نیر کی زبانی لکھا ہے کہ غالب "پان نہیں کھاتے تھے میں نے کبھی کھاتے نہیں دیکھا" (احوال غالب صفحہ ۲۶) ظاہر ہے کہ یہ آخر عمر کے بارے میں ہے، جب بگا بیگم بہو بن کر غالب کے یہاں گئی تھیں۔ قریب بہ یقین ہے کہ جس زمانے میں دانتوں میں مسی لگاتے تھے (اردوئے معلیٰ، کریمی صفحہ ۱۸۹) پان سے احتراز نہ کرتے ہوں۔

**تمباکو** ۔ آثارِ غالب کے بعض خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانۂ قیام کلکتہ میں غالب کو نیچہ بند کی خدمات کی ضرورت پڑی تھی صفحہ ۲۲۔ دہلی میں بھی ان کے گھر میں حقے کا انتظام تھا، اور ان کی ایسی تصویر بھی ہے جس میں حقہ مع لوازم سامنے ہے اور نے ان کے ہاتھ میں ہے۔ صفیر بلگرامی جب ۱/۲ پہلی دہلی میں غالب کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں تو ان کا بیان ہے کہ وہ "گلی" پی رہے تھے (جلوۂ خضر جلد ۱)۔ یہ پتہ نہیں کہ انہیں کس قسم کا تمباکو پسند تھا۔

**تضمینِ گلستاں** ۔ جو گلستانِ سعدی کے اشعار کی تضمین ہے، تفتہ نے اپنے "فرزند کوچک" "پیمبر" کی وفات کے بعد اس کی یادگار کے طور پر سات آٹھ ہفتوں میں ۱۲۷۲ھ میں لکھی تھی۔ تاریخ لفظ تضمین = ۱۳۰۰ سے نکلتی ہے بشرطیکہ "ایرانیے" کا ۲۸ اس سے خارج کر دیا جائے (سنبات ۴، ۶، ۱۰۹)۔ غالب کے ایک خط میں ہے کہ اس کے کچھ نسخے ایک پارسی کو ایران بھیجنے کے لئے ارسال کئے گئے تھے (۵ جنوری ۱۸۵۹ء، اردوئے معلیٰ، لاہور صفحہ ۳۹) اور دوسرے خط میں جو ۱۸۶۲ء کا ہے سابق میں اس کے انطباع کا ذکر ہے (اردوئے معلیٰ صفحہ ۴۹)۔ یقین کامل ہے کہ یہ کتاب پہلی بار ۱۸۵۸ء میں چھپی تھی، مگر طبع اول میری نظر سے نہیں گذری۔ ۱۸۶۳ء کا مطبوعہ نسخہ (نولکشور، کانپور) میرے سامنے ہے۔ تفتہ کے بعض اشعار ملاحظہ ہوں:

اگر خواہد کہ بر من غالب آید　　خلل اندر دماغ طالب آید
حزیں گر ماندم نافہم و نارس　　فتد از لا بجاں اندر بنارس　ص۸

غالب کی مدح کے اشعار بعد حذف بعض یہ ہیں:

دراز غالب سخن راندن ترانی　　من و منطقی و عجبہ آنکہ دانی
بہ پیش ہر یکے دارم لبے تدر　　ولے من آستان غالب بود صدر
بتائیدش کنم کارے کہ بینی　　نمایم طرفہ گلزارے کہ بینی
نیستانِ سخن را طرفہ شیرے　　اسد یعنی بہ ہر میدان دلیرے　ص۸
قصائد زو چناں کش دید باید　　گل از باغ غزلہا چید باید

رباعیات وقطعات کی تعریف کے بعد:

ز نثر او ظہوری را جگر خوں　　ابوالفضل است اندر خاک مدفوں
دگر انداز اخلاقش کہ گوید　　ہماں داند کہ در راہش بپوید
ہر آنچہ از وے بود قربان یاراں　　بجان وے دعائے مے گساراں
دگر از سیم و زر کاملا ندارد　　وگر دارد چو آبہ از کیسہ بارد　ص۹
نباشد صرفہ اش ہرگز در اسراف　　اگرچہ حرف ہا باشد بر اسراف
بود تا میرزا غالب ز من شاد　　خراب من سراسر باشد آباد
بہ اہلِ فارس غالب غالبِ ما　　بہ از عرفی و طالب غالبِ ما
چہ کریم تا چہ رحمت کرد با من　　وگرنہ کو جناب من کجا من
رسد نازش چہا بر فرق دانم　　رسانید از زمیں بر آسمانم
بماند تا ابد یا فتہ علی خاں　　کہ از پرماں او پرنجوش است آں

جلالائے طباطبائی - ایک مشہور ایرانی نثار ہے جو عہدِ شاہجہانی میں ہند آیا تھا۔ شیدا نے قدسی کے قصیدہ پر جو متعلقہ اعتراض کئے تھے، ان کے بارے میں جلالا نے شیدا کو ایک طویل خط لکھا تھا جسے ہیں نے سامر حصہ ۵ میں شائع کر دیا ہے۔ غالب اس کی نسبت ایک جگہ رقم طراز ہیں:

"جلالائے طباطبائی رحمۃ اللہ علیہ نے شیدا کو ایک رقعہ لکھا ہے۔ عبارت یاد نہیں..... مگر یہ مضمون..... ہے کہ ایک دن مولانائے عرفی علیہ الرحمۃ اور ابوالفضل میں مباحثہ ہوا۔ شیخ نے عرفی سے کہا کہ ہم نے تحقیق کو بسرحد افراط پہنچایا اور فارسی میں خوب کمال پیدا کیا۔ عرفی نے کہا کہ اس کو کیا کریں کہ ہم نے جب سے ہوش سنبھالا اپنے گھر کی بڑھیوں..... اور لونڈیوں سے جو بات سنی فارسی میں سنی۔ شیخ گفت "ما فارسی را از انوری و خاقانی گرفتہ ایم و شما از پیرزالان آموختہ اید" عرفی فرمود "انوری و خاقانی نیز از پیرزناں آموختہ باشند" (عود ہندی طبع ۱۳۳۱ھ)، دوسری جگہ اسی خط کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں: "شیدا نے حاجی محمد جان قدسی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک شعر پر اعتراض کیا ہے۔ جلالا... علیہ الرحمۃ نے شیدا کو خط لکھا ہے، سر آغاز خط کا ایک قطعہ جس میں صحرا و دریا قافیہ اور برساند ردیف، شعر اخیر کا مصرع ثانی... "یعنی بہاو لیہ مقوتی برساند" خلاصہ مضمون یہ کہ تو صاحب زبان نہیں..... زباندان ہے یعنی مقلد اور کار ریس اہلِ ایران ہے۔ حاجی محمد جان کے کلام کو سند پکڑ، تجھے کس نے کہا ہے کہ اس سے لڑ۔ کیا تو نے سنا نہیں جو عرفی و فیضی میں گفتگو ہوئی ہے اور..... ابوالفضل کے روبرو ہوئی ہے، لغات فارسی اور ترکیب الفاظ میں کلام تھا۔ عرفی نے کہا کہ جب سے ہوش سنبھالا..... اور نطق آشنا ہو گیا ہوں، اپنے گھر کی بڑھیوں سے لغات فارسی اور یہی ترکیبیں سنتا رہا ہوں۔ فیضی بولا کہ جو کچھ تم نے اپنے گھر کی بڑھیوں سے سیکھا، ہم نے خاقانی و انوری سے اخذ کیا..... عرفی نے فرمایا کہ تقصیر معاف، خاقانی و انوری کا ماخذ بھی تو سلسلۂ پیرزالوں کا ہے" (عود ص۱۳۱) غالب کے بیانات میں جو تضاد ہے، اس سے قطع نظر، امور ذیل قابلِ توجہ ہیں: (۱) قطعے میں روی ضرور الف ہے مگر صحرا و دریا بطور قافیہ نہیں آیا (۲) جلالا نے ابوالفضل کا نام صراحۃً نہیں لیا، یہ لکھا ہے کہ "ہیچکے از سیاہ بامان بوالفضول" (۳) جلالا کے بیان فیضی کا نام مطلقاً نہیں آیا۔ (۴) جلالا نے یہ نہیں لکھا کہ ابوالفضل اور عرفی میں گفتگو کیوں ہوئی (۵) انوری.... باشند" عرفی نہیں، جلالا کا قول ہے۔ (۶) یہ حکایت جلالا سے قبل کسی نے نہیں لکھی، اس کے بعد اگر کسی نے اس کا ذکر کیا ہے تو خود جلالا

سے لیا ہے۔ غالب جلالا کی انشا پردازی کے قائل ہیں۔ کلب علی خاں کو اس کا متبع سمجھتے ہیں (اردوئے معلیٰ ص۲۲۶) مگر یہ فراموش کرکے کہ کلب علی خاں ہندوستانی ہیں اور ہندوستانیوں کی فارسی نظم و نثر سے متعلق ان کی رائے کیا ہے، کلب علی خاں کی عبارت کو جلالا کی عبارت پر ترجیح دیتے ہیں (مکاتیبِ غالب طبع ۲ ص۵۵) جلالا کے حالات اور اس کے متعلق راقم کی رائیں راقم کے مقالے "عہدِ شاہجہانی کا ایک ادبی مناقشہ اور غالب" میں ملاحظہ ہوں (معاصر حصہ ۵ ص۱۵۱)

**جرأت** کا ایک مصرع غالب نے بہ تبدیل بعض الفاظ مکاتیبِ غالب ص۱۲۸ میں نقل کیا ہے: "جو تم پھر آؤ تو حضرت بھر رہ جائے دن" اس موقع پر جرأت کا ذکر نہیں کیا، بقول "استاد" لکھا ہے اور "پیارے" کو "حضرت" سے بدل دیا ہے۔ اردوئے معلیٰ ص۲۹۰ میں بھی ان کا ایک مصرع موجود ہے: "گرنہ ملتے تھے پاک شہر میں تو رہتے تھے" مگر اس جگہ بھی جرأت کا ذکر نہیں۔

**چائے** کے متعلق غالب کی نظم و نثر میں کچھ نہیں ملتا اور ان کے زمانے میں دلی میں چائے نوشی عام تھی۔ یہ کہنا ممکن نہیں کہ انہوں نے کبھی چائے پی تھی یا نہیں اور پی تھی تو انہیں پسند تھی یا نہیں۔ یادگارِ غالب (طبع لکھنؤ) میں ہے کہ وحشت شیفتہ سے ملنے گئے تھے، غالب نے اس زمانے میں شیفتہ کو خط لکھا تو حافظ کے شعر کا پہلا مصرع اس طرح بدل کر لکھا تھا:-

چو با حبیب نشینی و چائے پیمائی   بیاد آر حریفانِ بادہ پیما را   ص۵۵

**دستورِ شنگرف**، معنونہ بیربت رائے (کتب خانہ مشرقیہ پٹنہ ۲۲۲۲) کی ایک عبارت صاحب عالم مارہروی نے غالب کو بھیجی تھی، غالب اس کے متعلق ایک خط میں جو سرور مارہروی کے نام ہے یہ لکھتے ہیں:

"آپ کے خط کو دیکھا اور ایک بات دستورِ شنگرف کی عبارت میں نظر آئی: "مرجز کلامیست منثور کہ وزن دارد و سجع ندارد" اس تعریف کو دیکھیے اور نمونے کی نثر کو دیکھیے، وہ موزوں کہاں ہے، جو "وزن دارد" اس پر صادق آئے۔ وزن بمعنی تقطیع شعر سو مفقود، سجع ندارد، خدا جانے یہ بزرگ سجع کس کو کہتا ہے۔ سجع ہم وزن ہونا دو لفظوں کا فقرتین میں یا مصرعین میں، سو اس نثر میں موجود ہے، موجود کو مفقود اور مفقود کو موجود لکھا ہے۔ ۔ ۔ ۔ غیاث الدین لکھتا ہے: "پس مرجز نثرے باشد کہ کلمات فقرتین اکثر جا باہمہ ہموزن باشند در تقابل یکدگر بدون رعایت سجع" خدا کے واسطے سجع تو اس کو کہتے ہیں کہ کلمات فقرتین یا مصرعین ہموزن یکدگر ہوں۔ سو اس نثر میں موجود ہے کہ بدون رعایت سجع کے کیا معنی، مگر یہ دونوں صاحب وزن کو برابر ہونا کلمات کا سمجھتے ہیں اور سجع تقطیع شعر کو کہتے ہیں اس عقیدے کی رکاکت اظہر من الشمس ہے۔ صاحب دستورِ شنگرف کا کلام نص اور ۔ ۔ ۔ ۔ غیاث الدین کا کلام حدیث نہیں" (عودِ طبع ۱ ص۱۹)

دستورِ شنگرف میں عبارت منقولۂ بالا موجود ہے (ورق ۹۹) مگر نثر اور اس کی تعریف غلط نہیں، مرجز کی جو مثالیں دی ہیں مثلاً "عزیز اشرف اوقات بے ذکر واہب کار ساز و حرج انفاس بے فکر قادر کردگار ضبن تمام۔ خسران کمال دارد" ان پر تعریف صادق نہیں آتی (غیاث الدین نے بھی غیاث اللغات میں جو مثال دی ہے وہی ہے جو دستورِ شنگرف میں ہے)

**ریاضِ لطیف** ملقب بہ تذکرۂ اساتذہ "فضیلت مآب المعی فاضل، عمدۃ المحققین، زبدۃ المدققین مولوی ابوالمنیف، محمد لطیف، پروفیسر عربی و فارسی جنرل اسمبلیز انسٹی ٹیوشن و سینٹ زیویرس کالج و اکزامنر یونیورسٹی کلکتہ" نے مدارس ہند کے طلبہ کے استفادے کے لیے (غالباً خود) مطبع سعیدی کلکتہ میں سنہ ۱۹۰۳ء میں چھپوائی تھی یہ عمدۃ المحققین نے غالب کی نسبت جو کچھ لکھا ہے ملاحظہ ہو:

"مرزا پسر علی بخش خاں سمرقندی در سنہ ۱۲۱۲ھ بہ آگرہ پیدا شدہ و در دہلی زیرِ ظلِ عاطفت بہادر شاہ، مائدۂ فضل و کمال حاصل کرد بخطاب نجم الدولہ دبیر الملک نظام جنگ بہادر مخاطب گردید و مشہور بنام نوشاہ (کذا) شد۔ او از سخنوران نامی شاہجہان آباد و صاحب قوتِ فکر خداداد است در نظم و نثر طرزِ خاص مے دارد۔ بسیارے از معاصرانش قائل بکمال او در شاعری و نثاری اند و یکے از وظیفہ خواران بہادر شاہ ۔ ۔ ۔ ۔ بود و مذہب شیعی داشت و خود می سراید: "غالب نام آورم نام و نشانم مپرس الخ" (ص۱۱۵)

**شیدا**۔ عہدِ جہانگیری و شاہجہانی کا مشہور ہندوستانی فارسی گو ہے جس کے حالات اور جس کے کلام سے متعلق رائیں راقم کے مقالے "عہدِ شاہجہانی کا ایک ادبی مناقشہ اور غالب" میں ملیں گی۔ غالب کا یہ بیان کہ اس نے قدسی کے صرف ایک شعر پر اعتراض کیا تھا صحیح نہیں، ایک قصیدے کے اگر سب نہیں تو بیشتر اشعار میں سقم نکالا تھا، گو جلالا نے صرف ایک اعتراض سے بحث کی ہے۔ غالب نے شیدا کی شاعری کے متعلق لکھا ہے: "ذی یہ سیاہی فالیز (درست ہے "سیاہی فالیز" نکتا) فقیر اور شیدا اور بہار وغیرہم انہیں میں آ گئے ناصر علی اور بیدل اور غنیمت ان کی فارسی کیا؟ ۔ ۔ ۔ ۔ اور مکین اور واقف اور قتیل اس قابل بھی نہیں کہ ان کا نام لیجیے" (عودِ ہندی طبع ۱ ص۱۱۲) غالب کے ایک اردو شعر میں جو خاص نکتہ ہے وہ شیدا سے ماخوذ ہے:

حریفِ مطلبِ مشکل نہیں فسونِ نیاز — دعا قبول ہو یارب کہ عمرِ خضر دراز

گفتن و مانئے زلف از تحصیلِ حاصل است — با خضر کسے نگفت کہ عمرت دراز باد

**طلسمِ راز** مصنفہ میر مہدی مجروح کا دیباچہ غالب نے لکھا ہے جو پنج آہنگ میں موجود ہے۔ اس دیباچے میں رنگین لفاظی ہی ہے کام کی بات کچھ نہیں۔ یہاں تک کہ یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ فارسی گریزوں کا تذکرہ ہے یا ریختہ گریزوں کا۔ آخر میں قطعۂ تاریخ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سال اتمام ١٢٣٦ھ ہے۔ پنج آہنگ میں صرف "میر مہدی" ہے۔ مصنف کا تخلص نہیں۔ لیکن کلیاتِ نواب خاقان حسین دہلوی تخلص بہ عارف جلد دوم ١٩٢٩ء سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مجروح ہی تھے۔ عارف نے بھی قطعۂ تاریخ لکھا تھا۔ مصرعِ تاریخ یہ ہے: "تماشائے زندگانی گلشنِ شوق = ١٢٠٠ (صفحہ١) اس سے ظاہر ہے کہ مجروح ١٢٦٦ھ کے بہت بعد تک اضافے کرتے رہے۔ یہ کتاب نایاب ہے اور زمانۂ حال کے مصنفین میں سے کسی نے اس کا ذکر تک نہیں کیا۔

**عیشی**، طالب علی خاں (متوفی ١٢٤٢ھ)، لکھنوی استاد قتیل کے شاگرد تھے، تلمذِ مصحفی کا ثبوت موجود نہیں۔ یہ فارسی اور اردو دونوں کہتے تھے۔ غالب نے اپنے ایک خط میں جو چودھری عبدالغفور کے نام ہے، ان کے متعلق لکھا ہے: "عیشی بےچارہ لائق اس کے نہیں کہ مستندِ علیہ و کدام چیسے مگر یہ لفظ (ظاہرا ماشا) غلط نہیں لکھا" عودِ ہندی الہ آباد صـ٢)

**عماد** کی نسبت غالب نے ایک خط میں ذکا کو لکھا ہے کہ "عمائدِ شعرائے قدیم میں سے ہے اس کی پانچ سات بیت کی ایک غزل ہے مطلع یہ ہے:

پاسے سرتا نشود راہ تو رفتن نتواں — جز بجاروبِ مژہ کوئے تو رُفتن نتواں

پہلے مصرع میں رے مفتوح اور دوسرے مصرع میں مضموم، باقی اشعار میں گفتن و سفتن وغیرہ قافیے ہیں استاد دو مصرعوں میں حرکتِ ماقبلِ روی مختلف لایا اگر ہم نے پچاس شعر کے قصیدے میں ایک شعر ایسا لکھا تو کیا غضب ہوا؟" (اردوئے معلی ص٢٤٠)

عماد معاصرِ حافظ تھے، ان کا شمار متقدمین نہیں متوسطین میں ہے۔ غزل زیرِ بحث دیوانِ عماد نسخۂ کتب خانہ مشرقیہ پٹنہ ورق ١٢٤ میں ہے۔ مصرع ١ کے ابتدائی الفاظ یوں ہیں: "گر نہ سرپائے شود" رفتن بالفتح اور رُفتن بالضم کا قافیہ صحیح ہے۔ روی ف نہیں ت ہے جو حرفِ وصل ن سے مل کر متحرک ہوگئی ہے۔ اس صورت میں ر کی حرکت داخلِ قافیہ نہیں۔ یہ مسلمات سے ہے (المعجم فی معاییر اشعار العجم، معیار الاشعار وغیرہ)

**فقیر**، شمس الدین دہلوی، اواخرِ عہدِ عالمگیر میں پیدا اور اوائلِ عہدِ شاہ عالم ثانی میں راہیِ عدم ہوئے۔ ان کی فارسی شاعری کے ان کے معاصرین قائل تھے اور بعض ایرانی بھی مثلاً والہ داغستانی بھی ان کے معتقد تھے۔ غالب ان کے متعلق کیا رائے رکھتے تھے، شیدا کی بحث میں ملے گی۔

**فخر گرگانی** (پانچویں صدی ہجری)، کی ویس و رامین تیغ تیز کی اشاعت سے پہلے ہندوستان میں طبع ہو چکی تھی۔ غالب نے اس کے متعلق لکھا ہے کہ اس نے "قیدِ حرکاتِ ثلٰثہ اعتقادی ہے، گشتہ و کشتہ قافیہ" (ص١٩ تیغ تیز) یہ صحیح نہیں کہ قیدِ حرکات اعتقادی ہے، مگر گشتہ و کشتہ کا قافیہ قطعاً درست ہے (رجوع بہ عماد) غالب نے قاطع برہان کی اشاعتِ ثانی میں آوازہ گشتن کی بحث میں لکھا ہے:

"اگر گفتہ آید کہ فخر گرگانی میفرماید ..... گوئیم این نادرست و رنادر حکم نتوان کرد۔ کلامیکہ ہیں در کیہا مذکور باشد .... خلاف عقیدۂ جمہور پذیرفتن آں از دے کدام دستور باشد؟" ص٤٠ ویس و رامین آوازہ گشتن ایک جگہ نہیں دو جگہ آیا ہے، اور یہ بالکل صحیح نہیں کہ مشہور ہونے کے معنی میں اس کا استعمال خلافِ جمہور ہے۔

**فرہنگ قطران**۔ فرہنگِ جہانگیری کے ماخذوں میں ہے اور احمد علی صاحب مؤید برہان نے اس کا ذکر کیا تھا۔ غالب اس کے متعلق تیغ تیز ص٣ میں لکھتے ہیں:

"مولانا ...... اسدی طوسی اور حکیم قطران کو دو فرہنگوں کا مؤلف بتاتے ہیں۔ بھلا صاحب اگر اسدی طوسی نے فرہنگ لکھی ہوتی، تو محمود غزنوی کے عہد سے لے کر آج تک سب فرہنگ نگاروں کا ماخذ وہی ہوتا اور اختلافِ لفظ و معنی کسی لغت میں راہ نہ پاتا۔ بس قلیس۔"

غالب نے فرہنگ قطران کا نام تو لیا، لیکن آگے چل کر پھر اس کے متعلق کچھ نہ لکھا، ظاہرا وہ اس کے وجود کے منکر ہیں۔ یہ فرہنگ آج کل ناپید ہے، لیکن عہدِ اکبری و جہانگیری میں موجود تھی اور فرہنگِ اسدی کے ایک قلمی نسخے کے دیباچے میں بھی اس کا ذکر ہے (احوال و اشعار رودکی مصنفہ سعید نفیسی جلد ١) یہ استدلال بھی عجیب ہے کہ اسدی کی فرہنگ اس بنا پر وجودِ خارجی نہیں رکھتی کہ فارسی لغات کے

بارے میں اختلافات پائے جاتے ہیں۔

**کاشف الحقائق** مصنفہ شمس العلما نواب امداد امام اثر کی جلد اول ۱۸۹۷ء میں طبع ہوئی تھی اور جلد ۲ اس کے بہت بعد چھپی ہے۔ اثر عربی، فارسی کے علاوہ انگریزی سے بھی واقف تھے اور انھوں نے مغربی ادب کا اپنے معاصر ناقدوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ مطالعہ کیا تھا۔ کاشف الحقائق میں عربی فارسی اور اردو شاعری پر نظر ڈالی گئی ہے اور جا بجا مغربی شاعری سے بھی بحث کی گئی ہے۔ جلد اول میں غالب کے اشعار دو چار جگہ آ گئے ہیں اور ان کی تعریف کی ہے، اصلی بحث ان کی شاعری سے جلد ثانی میں ہے۔

جلد ثانی میں ایرانی غزل سراؤں کے ذکر کے بعد بیدل و ظہوری و آرزو و قتیل کے باب میں چند سطریں لکھی ہیں اور پھر ۶ صفحوں میں غالب کی فارسی غزلوں سے بحث کی ہے:

"غالب فارسی کے اچھے غزل سرا نظر نہیں آتے..... فارسی کی معلومات بہت ہیں اور شاعری کا مادہ بھی بہت رکھتے تھے.... مگر ان کی تمام فارسی غزلوں میں صرف دس پانچ ہی شعر ہوں گے جو غزلیت کا لطف رکھتے ہوں گے....... اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ استعارات وغیرہ سے بہت کام لیتے ہیں جو کہ غزل گوئی کی شان سے بہت بعید ہے۔ فقیر حضرت کا بہت معتقد ہے.... مگر ان کی فارسی کی غزل سرائی کو اپنے دل پر تاثیر پیدا کرتے نہیں پاتا..... بیشتر اشعار قصیدہ کے معلوم ہوتے ہیں اور کچھ ایسی خاص ترکیب رکھتے ہیں کہ ان سے وہ حظ.. نصیب نہیں ہوتا ہے جو غزل سرائی کا تقاضا ہے۔"

اس کے بعد غزل "دل تو خستہ اثر التماس کیست الخ" جس کے متعلق یہ رائے ظاہر کی ہے کہ بے تاثیر محض ہے۔ وجہ یہ کہ کوئی مضمون ایسا نہیں جو کسی "بڑی معاملۂ قلبی سے خبر دیتا ہو اور کوئی معاملۂ قلبی بیان بھی ہوا ہے تو کیفیت فطرت سے علیحدہ ہو کر اور...... زبان بے ضرورت دشوار..... ہے۔"

اس کے بعد یہ غزل نقل کی ہے: "بتان شہر ستم پیشہ شہریار اند الخ" مطلع کا حافظ کے مطلع سے مقابلہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "چراغ مردہ کجا شمع آفتاب کجا" بعض اور اشعار کے موازنے کے بعد بحث کا خاتمہ اس پر کرتے ہیں کہ "موازنہ ہی فضول ہے" اس کے بعد ایک تیسری غزل "دلستاناں نہ خلد ارچہ جفا نیز کنند" دی ہے اور صرف شعر ذیل کو قابل توجہ قرار دیا ہے:

اندراں روز کہ پرسش رود از ہر چہ گذشت    کاش با ما سخن از حسرت ما نیز کنند

سعدی کی بھی غزل اس زمین میں ہے، اس کے متعلق لکھا ہے کہ اس سے "موازنہ ہی فضول ہے" کیوں..... غالب نے اس زمین میں غزل لکھی، اس کی ضرورت معلوم نہ ہوئی۔" غالب کی فارسی غزلوں کا ذکر ان الفاظ پر ختم ہوتا ہے:

"حضرت غالب پر بہت تعجب گذرتا ہے کہ آپ اردو کے نہایت اچھے غزل گو ہیں.... اردو غزلیں سوز و گداز خستگی و نشتریت.... سے بھری ہوئی ہیں، مگر فارسی کی غزلیں ان صفات سے.... تمام تر معرا نظر آتی ہیں۔ فقیر کی دانست میں.... غالب فارسی کی غزل گوئی کے اعتبار سے فارسی کی قصیدہ گوئی میں زیادہ دخل رکھتے ہیں جیسا کہ آئندہ ظاہر ہوگا (ص۱۲۳ تا ص۱۱۸)

غالب کی اردو غزل کی بحث طویل تر ہے اور ص۱۲۳ سے شروع ہو کر ص۱۳۳ پر ختم ہوتی ہے:

"غالب ان شاعروں میں ہیں جو ہر صنف شاعری سے مناسبت رکھتے تھے"

صفیر نے غالب کی زبانی اپنے اور مومن کے تتبع ناسخ اور بالآخر خود رنگ میر اختیار کرنے کی نسبت جو کچھ لکھا ہے اس کے ذکر کے بعد (بغیر اس کے کہ صفیر کا حوالہ دیا جائے) فرماتے ہیں:

"یہ دونوں..... داخلی شاعری کے برتنے کی قابلیت رکھتے تھے۔ پس ناسخ کی شاعری جو محض خارجی رنگ رکھتی ہے کیونکر۔ برافق پڑتی؛ غالب کا یہ فرمانا کہ ہم میر کے رنگ میں در آئے واقعات سے بہت بعید نہیں.... غالب کی غزل سرائی میں میر کی جھلک نمایاں ہے...... واردات قلبیہ اور امور ذہنیہ کے مضامین..... قریب قریب میر... کی پُرتاثیری کے ساتھ باندھ جاتے ہیں مگر.... ان کے مختصر دیوان میں بہت کم شعر ہیں جو میر صاحب کی سادگی کلام کا لطف دکھاتے ہیں۔ زیادہ کلام.... استعارات سے بھرا ہوا ہے۔ اضافتوں کی وہ بھرمار ہے کہ بعض وقت جی گھبرا اٹھتا ہے کہ..... سلسلہ کب ختم ہوگا۔ الفاظ فارسی کی وہ کثرت ہے کہ یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اردو کے اشعار ہیں یا فارسی کے ان کے علاوہ کبھی کبھی اغلاق مضامین کا وہ عالم.. ہے کہ ادراک اپنے فعل میں قاصر ہونے لگتا ہے.... ان معائب سے گذر کر اگر اس یکتائے روزگار کے کلام کو..... دیکھیے تو پھر حسن کی کوئی انتہا... نہیں واقعی جو سوز و گداز، خستگی درد، برشتگی، نشتریت، بلند پروازی، نازک خیالی، تمکنت، متانت، جلالت، تہذیب شوخی غالب کے کلام میں ہے بہ استثنائے درد و میر کسی استاد کے کلام میں نہیں.... نشتریت تو

ایسے غضب کا ہے کہ میر صاحب کے کلام میں بھی اس سے زیادہ نہ ہوگی۔۔۔ شوخی کا وہ عالم۔۔۔۔۔ کہ طبیعت بے چین ہو جاتی ہے۔ عالی مذاقی معراج کو عالمِ بالا کی سیر دکھاتی ہے۔ وارداتِ قلبیہ کے مضامین کی خوبی جذباتی معاملات کے تماشے پیشِ نظر کر دیتی ہے۔۔ حضرت کے کمالاتِ گوناگوں کا وہی قائل نہ ہوگا جسے قلبی نعمتوں سے فطرت نے محروم کر رکھا ہے۔"

غالب کے ۲۰ متفرق اشعار دینے کے بعد ۱۲ غزلیں:

"دردِ منت کشِ دوا نہ ہوا الخ"

"ہوئی تاخیر تو کچھ باعثِ تاخیر بھی تھا الخ"

"عرضِ نیازِ عشق کے قابل نہیں رہا الخ"

"جور سے باز آئیں پر باز آئیں کیا الخ"

"عشرتِ قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا الخ"

"سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں الخ"

"دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت درد سے بھر نہ آئے کیوں الخ"

"کسی کو دے کے دل کوئی نوا سنجِ فغاں کیوں ہو الخ"

"دل سے تری نگاہ جگر تک اتر گئی الخ"

"کوئی دن گر زندگانی اور ہے الخ"

اور "مدت ہوئی ہے یار کو مہماں کئے ہوئے الخ"

نقل کر کے لکھتے ہیں کہ ایسی صرف ۱۲ غزلیں بھی کوئی لکھ دے تو دیوانِ ضخیم کی حاجت نہیں۔ ان کے علاوہ اور منتخب غزلیں بھی دیوانِ غالب میں ہیں۔ ان کی رائے میں غالب اردو کے بڑے غزل سرا ہیں، مگر ان کا مرتبہ اس صنعت میں درد و میر سے کمتر ہے۔ آخر میں غالب کے ایک شعر:

عمر اپنی جو اسی طرح سے گذری غالب!
ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے

سے ایک بار غیر معمولی طور پر متاثر ہونے کا ذکر کرتے ہیں اور غالب کے چند ایسے اشعار جن میں لطفِ غزلیت نہیں پیش کرتے ہیں۔ ایک جگہ (ص۹) غالب کی طرف (ظاہراً بہ تقلیدِ صفیر) یہ رائے منسوب کی ہے کہ زبانِ اردو کو اہلِ لکھنؤ نے درست کیا مگر مضمون آفرینی میں دلی والوں کے برابر نہ ہو سکے۔ اثر کا خیال ہے کہ مضمون آفرینی کی لکھنؤ میں کمی نہیں، مگر دلی میں اثر زیادہ ہے۔ ناسخ و غالب کی ایک ایک غزل بمقابلہ پیش کرنے کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ناسخ غالب سے "قابلیتِ شاعری میں کبھی کم نہیں" مگر خارجیت کی وجہ سے غزلیت پیدا نہیں ہوتی ـــــ آتش کے متعلق لکھا ہے کہ اگر وہ دہلی کے ہوتے اور داخلی رنگ میں لکھتے تو "درد و میر کے جواب ہوتے یا مومن اور غالب کے ہمسر یا ان دونوں سے بھی بہتر غزل سرا نکلتے" ص۱۵۱ قصائدِ فارسی کی بحث میں "یادِ جوئے مولیاں آید ہے" سے رودکی کا جو قصیدہ شروع ہوتا ہے، اس کی زمین میں غالب کا جو قصیدہ ہے اس کی تعریف کی ہے مگر یہ اضافہ کیا ہے کہ اس کا انداز اتنا فطری نہیں جتنا رودکی کے قصیدے کا ہے۔ ص۱۵۲۔ غالب کے قطعاتِ فارسی کی نسبت لکھا ہے کہ بیشتر درباری رنگ کے ہیں، حکیمانہ مضامین پر کم تر مشتمل ہیں۔ ص۲۶۹۔ سہرے کی بحث میں ذوق کے سہرے کو غالب کے سہرے پر ترجیح دی ہے ص۱۵۵ اس سلسلے میں غالب نے جو قطعۂ معذرت لکھا ہے، اس کی تعریف کی ہے اور لکھا ہے کہ ذوق ایسا قطعہ نہیں لکھ سکتے تھے ص۱۵۶۔

گلشنِ بے خار مصنفۂ شیفتہ بقول مصنف ۱۲۴۸ھ میں شروع اور ۱۲۵۰ھ میں ختم ہوا لیکن کچھ اضافے سال دو سال تک ہوتے رہے۔ (تفاصیل راقم کے مقالے "گلشنِ بے خار" شائع کردہ "نوائے ادب" میں ملیں گی)، قبل اس کے کہ تذکرہ انجام کو پہنچے غالب نے اس کے دیکھنے کی خواہش ظاہر کی اور شیفتہ نے ناتمام تذکرہ انہیں بھیج دیا (مکتوب شیفتہ بنام غالب، کلیات طبع بدایوں ص۳)، غالب نے تذکرے کی تعریف کے بعد شیفتہ کو دو امور کی طرف متوجہ کیا۔ ایک تو یہ کہ آشوب کے متعلق تسامح ہوا ہے، دوسرے یہ کہ آزردہ کا ذکر نہیں۔ (پنج آہنگ، کلیاتِ نثر طبع ۲ ص۱۰۶)، شیفتہ نے اس کا شکریہ ادا کیا، غلطی کی اصلاح کر دی اور آزردہ کا ترجمہ تذکرے میں شامل کر دیا۔ (تذکرہ و پنج آہنگ ص۱۰۹)، غالب نے تا ہر اخود شیفتہ کی فرمائش سے جیسا کہ ایک خط سے پتہ چلتا ہے (پنج آہنگ ص۱۰۹) تقریظ لکھی جو پنج آہنگ میں موجود ہے اور جس نے تذکرے کے آخر میں مومن و آزردہ کی تقریظوں کے بعد اور صہبائی و علوی کی تقریظوں سے قبل جگہ

پانی ہے۔ یہ تقریظ غالب کے خاص انداز میں ہے، یعنی نفسِ موضوع سے بحث کم اور لفاظی زیادہ۔ اس کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

"نواب بالاین آثار عالی شان و خان فرو ہیدہ فرہنگ پسندیدہ گفتار، آزادۂ داد گر لئے دانش اندوز و سخن گوئے گرامی نہاد مبارک نفس، دوست مہر پیشہ و گوہر نواب مصطفیٰ خان بہادر کہ گلبن خیالش فرشتہ بلبل است و چراغ فکرش پری پروانہ سخنش سرخوشی را بادہ بخشش وافسردگی را زہر ہلاہل!.....
بہ فراہم آوردن تذکرۂ ریختہ گویاں قدسی انجمنے برآراستہ و از تازہ پود فیض ازل و حیات ابد نوآئیں، مجلسے بداں بزم درافگندہ۔ رفتگان بدرازی آں تار بہ آیندگاں ہمنفس اند و آیندگان بہ پہنائے آں پود بارفتگاں ہم نوا"

غالب کا ترجمہ جو اس تذکرے میں ہے بعد حذف بعض الفاظ ذیل میں نقل کیا جاتا ہے:

"از خاندان فخیم است و از رؤسائے قدیم۔ سابقاً..... اکبرآباد از استقرارش سرگرم..... ناز بردا کنوں..... شاہجہان آباد بدیں نسبت غیرت افزائے صفاہان و شیراز ..... پیش بلندی خیالش اوج فلک پستی زمین است و در جنب تہ نشینی غورش سرفرازی عارف کرسی نشین۔ شاہین فکرش جز بشکار عنقا نپردازد و اشہب طبعش جز بر فلک نتازد۔ اگر امروز بتلاش متاع نفیس شتابی جز بدکان مرزا نیابی..... در اوائل ..... بتقاضائے طبع دشوار پسند بطرز ..... بیدل سخن مے گفت ..... آخر الامر از اں طریقہ اعراض کردہ اندازے مطبوع ابداع کردہ دیوانش را بعد ترتیب و تکمیل دیگر نگریست فراواں ابیات۔ از آں حذف ..... کردہ اند و قطعہ انتخاب زدہ و قناعت کہ بنظم ریختہ سرے ندارد۔ در فارسی نیز دستگاہے بلند و مایۂ وافر بہم رسانیدہ پایہ اش از فحول استاداں کم نیست، غزلش پہلو بغزل نظیری و قصیدہ اش چوں قصیدۂ عرفی دل پذیر۔ مضامین شعری راکما ہو حقہٗ خوب و بجمیع نکات و لطائف بے میسر و ایں فضیلتے است کہ مخصوص بعض بعض اہل سخن است ..... چہ خوش فکر اگرچہ کمیاب است اما خوش فہم کمیاب تر ..... بالجملہ چنیں نکتہ سنج نغز گفتار کمتر مرئی شدہ، و بینش ہرچند گاہ گاہ صورت مے بندد اما پیوند معنی مستحکم است، دیوانش بنظر رسید و ایں ابیات از آں منتخب گردید" (اس کے بعد ۴۸ اشعار)

واضح رہے کہ معاصرین غالب میں شیفتہ نے آزردہ و مومن کی غالب سے بھی زیادہ تعریف کی ہے اور مومن کے اشعار غالب کے مقابلے میں بہت زیادہ منتخب کیے ہیں۔ یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ غالب نے شیفتہ کو یہ بھی لکھا تھا کہ تپاں کے اشعار و حالات تفتہ سے مل سکیں تو ان کا حال بھی تذکرے میں شامل کریں، مگر تذکرہ ان کے ذکر سے خالی ہے۔ ظاہرا شیفتہ کو تپاں کے اشعار نہ مل سکے۔ غالب نے تذکرے کا قطعۂ تاریخ بھی لکھا ہے جو تقریظ میں شامل ہے اور سبد چیں میں داخل۔

**گرامی۔** "دیاندھاں پنڈت گرامی تخلص بہ تحصیل فیض صحبت طرفے سے بندد، از زبان آوراں ست، سخن مے گوید وی شناسد، سزاوار خطاب است و از منتسبان ایں ہیچ مدان حساب۔ گوش التفات بکلامش باید نہاد و چشم لطف بروئش گشاد" (مکتوب شیفتہ بنام غالب کلیات شیفتہ ص ۳۷) گرامی کے بارے میں شیفتہ نے جو کچھ لکھا ہے اس سے زیادہ مجھے معلوم نہیں۔

**محبوب الالباب فی تعریف الکتب والکتاب** مصنفہ خدا بخش خاں بانی کتبخانہ مشرقیہ پٹنہ اس زمانے میں چھپی تھی جب مصنف حیدرآباد میں "مدیر مجلس عدالت عالیہ" تھے۔ اس کتاب میں کلیات غالب (فارسی) کی نسبت مرقوم ہے:

"چھاپ دہلی محتوی است بر قصائد و غزلیات مرزا اسد المعروف بمرزا نوشہ المتخلص بہ غالب..... یکبار بغرض سیاحت رخت بجانب بنگالہ کشیدہ و چندے در کلکتہ ہم قیام داشت۔ روزے در یک مشاعرہ عزیزے اعتراضے بر شعر مرزا..... وارد کرد و مثنوی باد مخالف در جواب ہماں اعتراض است۔ باآنکہ یکدامے کار ہائے دنیا تعلق نداشت مگر با غایت عزت و مکنت میزیست۔ در شعر فارسی در عصر سے دیگرے مثل وے نبودہ۔ دیوان بزبان اردو ہم دارد۔ در شعر اردو ہم روش شعر فارسی نگہداشتہ۔ بہر حال ہرچہ از میرزاست خیلے خوب است..... دستنبو..... بزبان فارسی بلا آمیزش کلمات الفاظ عربی نوشتہ باین قید..... ہم خوب نوشتہ۔ مرزا محض بروش شعرا میزیست و اقدام باقدام راحت مے کرد و در آخر عمر ثقل سماعت ہم داشت۔ در سنہ ۱۲۹۴ھ (کذا) در دہلی وفات

"یافت۔ مطلع قصیدۂ اوّل: "اے ندیم غیر خوغا و رجہاں انداختہ الخ" مطلع دیوان: "اے بگلاد ملاخوئے تو ہنگامہ زنا الخ" صہ ۶۲۹

اسی کتاب میں کلیاتِ میر کے بیان میں ہے: "اسد اللہ خان غالب کہ در عصر خود در شاعری نظیر خود نداشت فرمودہ:

میر کے شعر کا کیا حال کہوں میں غالب ‌ ‌ ‌ ‌ اس کا دیوان کم از گلشنِ کشمیر نہیں

ریختے کا وہ ظہوری ہے بقولِ ناسخ ‌ ‌ ‌ ‌ آپ بے بہرہ ہے جو معتقدِ میر نہیں ‌ ‌ صہ ۶۳۲

اغلاط سے قطع نظر دو باتیں قابلِ ذکر ہیں: (۱) کلیاتِ غالب مطبوعۂ دہلی کا کوئی نسخہ اب کتب خانۂ شرقیہ پٹنہ میں نہیں (۲) غالب کے جو اشعار دیئے ہیں وہ مروجہ دیوان مطبوعہ میں نہیں، مگر بھوپالی دیوان مطبوعہ میں ہیں۔ خدا بخش خاں کو یہ اشعار کہاں سے ملے؛ اس کی خبر نہیں، ان کے کتب خانے کی کسی قلمی کتاب میں یہ اشعار نہیں۔

"نقوش" ۱۹۵۴ء ۴۵، ۴۶

---

جہانِ غالب (غالب انسائیکلو پیڈیا) زیر تحریر ہے اور اس کے کچھ اجزا معاصر، خاور، نقوش وغیرہ میں شائع ہو چکے ہیں؛ میں ممنون ہوں گا اگر وہ اصحاب جو اس معاملے میں میری اعانت کر سکتے ہیں، مجھ سے مراسلت فرمائیں گے۔

قاضی عبدالودود پٹنہ ۴ — ۱۹ دسمبر ۵۴ء

آذر کیواں کے حالات کا سب سے اہم مأخذ دبستان مذاہب ہے جو بہ اقرب احتمالات خود اس کے بیٹے کی تصنیف ہے[1]۔ اس کے آبادی تلامذہ کی کتابوں میں بھی اس کے متعلق کچھ باتیں معلوم ہوتی ہیں، لیکن غیر آبادی معاصر یا قریب العصر مصنفوں کے یہاں اس کے بارے میں ایک لفظ بھی نظر نہیں آتا۔ دبستان میں مرقوم ہے کہ یہ متاخر آبادیوں کا سرگروہ تھا اور اس کا سلسلۂ نسب ساسان پنجم[2] تک پہنچتا تھا۔ ابھی اس کی عمر ۵ برس ہی کی تھی کہ اس نے کم خوری اور شب بیداری شروع کر دی تھی؛ ۲۸ سال "خم نشیں" رہا اور جس زمانے میں "ریاضت شگرف" میں مصروف ہوتا اس کی غذا ایک "درم" رہ جاتی۔ ابوالفضل کو اس سے "اعتقاد تمام" تھا، اور عہد اکبری میں اسے خطوط لکھ کر ہندوستان آنے کی دعوت دی گئی تھی، لیکن اس نے معذرت کر دی اور ۱۴ اجز کی ایک کتاب جو واجب الوجود و کواکب وغیرہ کی ستایش اور نصائح پادشاہ" پر مشتمل تھی، بھیج دی۔ اس کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ "ہر اول سطر آں پارسی بجبت (بحت) دری بود و تصحیف آں... عربی میشد، چوں قلب می کردند؛ ترکی بود، چوں تصحیف آں میخواندند، ہندی میگشت"

اپنے آخری زمانے میں ("در باز پسیں روزہا") یہ ہندوستان آیا اور کچھ دن ("چند گاہ") پٹنہ میں مقیم رہا، جہاں بعمر ۸۵ سال ۱۰۲۷ھ میں راہی عدم ہوا[3]۔ صاحب دبستان نے فرزانہ بہرام کے حوالے سے لکھا ہے کہ حکمائے "یونان و ہند و پارس" نے اسے خواب میں "حکمت" سکھائی اور چونکہ مشکلات علمی کے حل پر قادر تھا، ملقب بہ ذوالعلوم ہوا۔ ایک دوسرے شخص سے روایت کی ہے کہ پیمبر اسلام نے ایک صوفی کو خواب میں ہدایت کی تھی کہ اس سے جا کر ملو اور اس موقع پر اس کی بہت تعریف کی تھی؛ وقت ملاقات صوفی کو یہ پتا چلا کہ آذر کیواں کو اس خواب کی پہلے ہی سے اطلاع تھی۔ دبستان میں آذر کیواں اور اس کے تلامذہ کی کرامتوں کا ذکر ہے اور اس کا یہ دعویٰ مرقوم ہے کہ میں جب چاہوں میری روح میرے بدن سے جدا ہو سکتی ہے اور جب چاہوں اس میں واپس آ سکتی ہے۔ دبستان[4] سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی روح نے سیر افلاک بھی کی ہے اور اس کے متعلق اس کے کچھ اشعار بھی دبستان میں نقل ہوئے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے:

---

[1] اس کے شواہد کسی اور موقع پر پیش ہوں گے [2] زرتشتی شخص، ساتیر کا آخری نبی اور معاصر خسرو پرویز۔ دبستان میں جو نسب نامہ درج ہے اس کے مطابق آذر کیواں اور ساسان پنجم کے درمیان ۸ اشخاص ہیں۔ یہ بہت مستبعد ہے کہ معاصر خسرو پرویز اور ہمزبان اکبر کے درمیان اتنی ہی پشتیں ہوں۔ [3] اس کتاب کا کسی اور نے ذکر نہیں کیا اور غالباً وجود خارجی سے محروم تھی [4] عہد جہانگیری میں آنا ہوا ہوگا۔

چو زابد[54] اہما بر افشتم رواں      رسیدم سوے پاک فرخ رواں

دبستان میں ایران کے دو شہروں، اصطخر و شیراز سے آذر کیوان کا سروکار دکھایا ہے؛ لیکن صراحۃً کہیں یہ نہیں بتایا کہ اس کا وطن کہاں تھا۔ اس میں یہ بھی درج ہے کہ اس سے خلفاے ثلثہ پر حضرت علی کی ترجیح کی نسبت سوال کیا گیا تھا، تو جواب میں یہ شعر زبان پر لایا تھا:

ہر چار چار حد بناے پیمبری      ہر چار چار عنصر ارواح انبیا

دبستان میں اس کے ۱۲ آبادی تلامذہ کا حال لکھا ہے جو مرتبۂ کمال کو پہنچ چکے تھے، اور بعض غیر آبادی شاگردوں کا بھی ذکر ہے۔ مصنف کا بیان ہے کہ بہاءالدین محمد آملی اس سے ملنے کے بعد اس کے کمال کے اس قدر معترف ہو گئے تھے کہ اپنے کو "پژدہندۂ کیواں" کہا کرتے تھے اور میرزا ابوالقاسم قندرسکی نے "ترک آزار جاندار" اور آفتاب پرستی اس کے شاگردوں کی صحبت میں سیکھی تھی۔ (دبستان طبع نول کشور ۱۸۸۱ء ص۳۲۴-۱ ص۵۵ و ص۳۲۶)

آذر کیواں کو زردشتی روایات سے زیادہ واقفیت معلوم نہیں ہوتی اور ظاہر ہے ایران کی قدیم زبانوں کا علم بھی نہ تھا۔ عربی سے وہ ضرور آگاہ ہوگا اور وہ ہندوؤں کے معتقدات سے بھی کسی حد تک باخبر تھا۔ میرا خیال ہے کہ اس نے بہت سی کتابیں لکھی تھیں، لیکن، جہاں تک میرا علم ہے ایک مثنوی کے سوا کوئی ایسی چیز موجود نہیں جو خود اس کی طرف منسوب ہو۔ مثنوی کی حامل المتن شرح، مسمیٰ بہ جام کیخسرو طبع ہو چکی ہے، لیکن میری نظر سے اس کا خطی نسخہ گزرا ہے جو کاماہور ئیل انسٹی ٹیوٹ[55] بمبئی کے کتب خانے میں ہے۔ اس میں سیر افلاک کا مفصل بیان ہے اور "جو ابدا اہما الخ" اسی میں ہے۔ قرائن اس پر دلالت کرتے ہیں کہ دساتیر اسی کی تصنیف ہے اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں آبادی مذہب کا اصلی بانی یہی ہے۔ دبستان میں اس کی روحانی عظمت کا ذکر ہے، لیکن یہ نہیں لکھا کہ اس کے بعض تلامذہ اس کی نبوت کے قائل تھے۔ کچھ تعجب نہیں اگر وہ خود بھی اس کا مدعی ہو اور مصالح کی بنا پر اس کے اعلان عام سے محترز رہا ہو۔

لطائف غیبی میں ہے کہ آذر کیواں نے فرہنگ نہیں لکھی، "اگر اس کی فرہنگ ہوتی اور ہم اس کو نہ مانتے .. تو عقل کے فتوے کے مطابق کافر ہو جاتے" قاطع برہان کی اشاعت ثانی کے دیباچے میں بھی اس نے یہ کہا ہے کہ اس نے فرہنگ نگاری کی ہے؟ یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر اس سے اس کی امید ہی کیوں تھی۔ غالب نے دبستان میں اس کا حال دیکھا ہوگا، لیکن دیباچۂ مذکور کی عبارت ذیل کا صحیح مطلب اس کے سوا نہیں ہو سکتا کہ ان کے نزدیک اس کا زمانہ رودکی سے بھی قبل تھا:-

"در نام آوران پارس از .. جاماسپ .. تا .. پنجمیں ساسان و در واپسیاں بحر العلوم آذر کیواں، و در سخن گستران ایران .. کہ پیش از آں روشن ضمیران و بیش از ما فروغ پذیراں بودہ اند، از .. رودکی (کذا) تا .. قاآنی .. ہیچ کس فرہنگ طراز نگشتہ"

ظاہر ہے کہ "آں" کی ضمیر جاماسپ و ساسان و آذر کیوان کی طرف یکساں راجع ہے اور کوئی قاعدہ ایسا نہیں جس کی بنا پر یہ دعویٰ کیا جا سکے کہ آذر کیواں کا معاملہ جداگانہ ہے۔ اس کا البتہ مجھے اعتراف ہے کہ ممکن ہے غالب کا مافی الضمیر وہ نہ ہو

---

[54] ابدام مثنوی میں ایک سے زیادہ مقام پر آیا ہے لیکن غالب معترض ہیں کہ یہ کوئی لفظ نہیں، اندام یا ابدان کی تصحیف ہے حقیقت یہ ہے کہ یہ دساتیری لفظ ہے اور فارسی نہیں۔ دساتیر کے ماننے والوں کو اس پر اعتراض کا حق نہیں پہنچتا۔ یہ خبر نہیں کہ قاطع برہان میں اعتراض جڑتے وقت غالب کو یہ بات یاد تھی یا نہیں کہ ابدام آذر کیواں کا مستعمل ہے۔ [55] اس کا ثبوت بحث دساتیر میں دیا جائے گا۔

جو ان کی عبارت سے نکلتا ہے۔ (تفاصیل "غالب بہ حیثیت محقق" طبع ۲) ۔

ایک عجیب بات یہ ہے کہ غالب آذر کیواں کے سامنے بے چون و چرا سر تسلیم خم کرتے ہیں، حالانکہ اس کی زباندانی یا علم و فضل کا کوئی ثبوت صاحب دبستان یا اس کے بعض تلامذہ کے اقوال کے سوا، ان کے پاس موجود نہیں[۵۷]۔ لیکن اس کے شاگردوں کو اس بنا پر کہ وہ منافقین ایران کے اخلاف و اعقاب ہیں، "نا قابل اعتبار قرار دیتے ہیں (لطائف غیبی)، حالانکہ یہی بات خود آذر کیواں کی نسبت بھی کہی جا سکتی ہے۔

اختر قاضی محمد صادق خاں متوطن دہلی، شاگرد قتیل ۱۲۱۰ھ میں پیدا اور شورش ۱۲۷۳ھ کے بعد راہی عدم ہوئے تھے (حواشی تذکرۂ ابن طوفان)۔ ان کے تذکرے کے لیے، سراج الدین احمد نے غالب کا حال اور کلام مانگا تھا غالب کا جواب یہ ہے:

"مرا ایں پایہ کجا.. کہ ستودگاں مرا ستایند و گفتار مرا در تذکرۂ شعرا جا دہند.. دیوانے ترتیب دادہ جا بجا دفرستادہ ام.. سواد ہر غزلیکہ خواہند از آں اوراق بردارند.. انتخاب... اشعار حوالہ بہ رائے نامہ گرد آور است، نہ بہ اشارہ و ایمائے سخنور، خاصہ جائیکہ نامہ گرد آور چشم و چراغ دودمان سخن باشد، مہر و ماہ آسمان ہنر یعنی صاحب دل دیدہ ور، حضرت قاضی محمد صادق خاں، اختر، آنکہ فرود آمدن سخن از آسمان بذوق پیوند اندیشۂ والا اوست، و سجدہ ریز خرامیدن خامہ در نگارش بہ سپاس آشنائی بنان گوہر آمائے او" (پنج آہنگ اشاعت اول)

آفتاب عالمتاب کا سال آغاز ۱۲۳۳ھ اور سال انجام ۱۲۶۹ھ ہے (حواشی تذکرۂ ابن طوفان) اور عبارت منقولہ کا زمانۂ تحریر کسی طرح ۱۲۶۵ھ (سال طبع پنج آہنگ اشاعت ا) کے بعد نہیں ہو سکتا۔ "آفتاب عالمتاب میں غالب کا ترجمہ اور کلام ہے یا نہیں، اس باب میں، میں کچھ کہنے سے قاصر ہوں، اس لیے کہ اس کے مطالعے کی اب تک نوبت نہیں آئی۔ اختر کے اور تصانیف جو میری نظر سے گزرے ہیں، ان میں غالب کا ذکر مطلقاً نہیں۔ خود غالب نے دوسری جگہ جو رائے اختر کی شاعری کی نسبت ظاہر کی ہے، وہ امر عقیدے کے لیے بڑی تباہ کن ہے کہ غالب کی تنقید ہمیشہ بے لاگ ہوا کرتی تھی۔ عود ہندی کے ایک خط میں اختر کے متعلق لکھتے ہیں: "عالم ہوں گے، شاعری سے ان کو کیا علاقہ" (ص ۵۵)۔ صاحب عالم مارہروی غالب کے قیاس کے بموجب اس سے "آزردہ" ہوئے تو انھوں نے ایران کے مختلف اسالیب کے ذکر کے بعد یہ الفاظ حوالۂ قلم کیے:

خالصاً قتیل، ممتاز و اختر وغیرہم کا کلام ان .. میں سے کس طرز پر ہے .. فرماؤ گے یہ طرز اور ہی ہے .. اچھی طرز ہے، مگر فارسی نہیں .. ہندی ہے، دار الضرب شاہی کا سکہ نہیں .. ٹکسال باہر ہے" (ص ۶۰)

اسار دہلوی آزاد لکھتے ہیں: "جھجر میں کوئی فرومایہ سا شخص اسد[۵۸] تخلص کرتا تھا، ایک دن اس کا مقطع کسی نے پڑھا:

اسد تم نے بنائی یہ غزل خوب ارے او شیر رحمت ہے خدا کی

سنتے ہی اس تخلص سے جی بیزار ہو گیا" مگر آزاد نے نہ تو اسد کا وطن صحیح بتایا ہے اور نہ شعر کی اصلی شکل پیش کی ہے (یہاں اس سے بحث نہیں کہ شعر زیر بحث کا سننا تبدیل تخلص کا باعث ہوا یا نہیں) خود غالب کا بیان ہے۔

حاشا ثم حاشا اگر یہ غزل میری ہو: "اسد اور لینے کے دینے پڑے" اس غریب کو میں کچھ کیوں کہوں، .. یہ غزل میری ہو تو مجھ پہ ہزار لعنت۔ اس سے آگے ایک ایک شخص نے یہ پڑھا اور کہا کہ قبلہ آپ نے کیا خوب کہا ہے:

---

[۵۷] آذر کیواں کی کوئی چیز جسے وہ سمجھتے ہوں کہ اس کی ہے، مثنوی کے چند اشعار کے سوا جو دبستان میں ہیں، غالب کے پیش نظر نہ تھی۔

[۵۸] جھجر میں غالب تخلص کا ایک معمولی شاعر تھا۔ عجب نہیں کہ حافظے کے فریب نے اسی کو اسد بنا دیا ہو۔

اسد اس جفا پر بتوں سے وفا کی　　　مرے شیر شاباش رحمت خدا کی

میں نے بھی ان سے کہا کہ اگر یہ مقطع (کذا) میرا ہو تو مجھ پر لعنت .. ایک شخص میر امانی، اسد ہو گزرے ہیں، یہ مطلع اور غزل ان کے کلام معجز نظام میں سے ہے اور تذکروں میں مرقوم ہے .. تم طرز تحریر اور روش فکر پر بھی نظر نہیں کرتے میرا کلام اور ایسا مزخوف!" (مجموعۂ نسخ ص۳)

میر امانی، اسد بقول قاسم سودا کے "شاگرد رشید" تھے۔ "اسد اس جفا الخ" واقعی انھیں کا ہے اور دوسرے تذکروں کے علاوہ گلشن بیخار میں موجود ہے، لیکن "اسد اور لینے کے دینے پڑے" غالب کے خط کے سوا کسی اور جگہ ان کے نام نظر نہیں آیا۔ مجھے یاد آتا ہے کہ یہ مصرع اسی طرح یا باضافہ "ہیں" اور بہ تغیر تخلص میر حسن کے کلام میں میں نے دیکھا ہے۔ (عود ص۲۱۲ میں یہ مصرع باضافہ "ہیں" درج ہے) ۔

**امیر اللغات** مؤلفۂ امیر مینائی کے مطبوعہ حصص (سال انطباع ۱۸۹۱ء و ۱۸۹۲ء) میں غالب کے اشعار سے جابجا استناد کیا گیا ہے لیکن شعر ذیل جو میر امانی، اسد کا ہے، حصہ ۲ ص۱۲۳ میں غلطی سے ان کی طرف منسوب کیا گیا ہے:

افعی زلف تو رہتا نہیں بن جان لیے　　　زہر ہے کیا ہی بلا لیت ترا کاٹا نہ جیے

شعر کی یہ شکل بالواسطہ یا بے واسطہ نکہت کی مخزن فوائد سے ماخوذ ہے، اصلی شکل جو تذکرۂ قاسم میں ہے کسی قدر مختلف ہے۔ واضح رہے کہ نکہت کے یہاں شعر اسد کی ملک بتایا گیا ہے، اسد سے یہ سمجھ لینا کہ یہ اس اسد کا ہے جس کا اسد غالب بھی ہے، امیر کا فعل ہے۔

**انتخاب یادگار** امیر مینائی کا تذکرہ ہے جو وفات غالب کے چند سال بعد لکھا گیا تھا۔ امیر کا بیان ہے کہ اس تذکرے میں جو کچھ ہے وہ کلب علیخاں کے حکم کے مطابق ہے۔ اس تذکرے میں جو غالب کا ترجمہ ہے ذیل میں درج کیا جاتا ہے، بعض باتیں مثلاً غالب کے دادا کا جے پور سے تعلق اور آگرہ کا قیام نئی ہیں، مگر بعض باتیں غلط بھی ہیں:-

"غالب، اسد اللہ خاں، عرف مرزا نوشہ، خلف مرزا عبداللہ بیگ خاں عرف مرزا دولھا قوم .. ایک .. جد اعلیٰ انکے ماوراء النہر سے ہندوستان آئے اور .. نجف خاں کے عہد میں منصب دار شاہی رہے؛ جب ریاست مغلیہ برہم ہوئی ملازم مہاراجہ جے پور ہوئے اور بود و باش .. آگرہ میں اختیار کی۔ مرزا عبداللہ بیگ خاں .. خواجہ غلام حسین کمیدان متوطن شہر آگرہ کے یہاں منسوب ہوئے اور مرزا نوشہ وہیں پیدا ہوئے اور تا سن شعور وہیں مشغول کتب درسیۂ عربی و فارسی رہے۔ ابتدا میں شیخ معظم نامی ایک معلم سے کچھ تعلیم پائی پھر ایک ایرانی آتش پرست سیاح سے جس کا نام آتش پرستی میں اور مزد اور بعد قبول اسلام عبدالصمد تھا تلمذ ہوا، دو برس وہ ان کے مکان پر مقیم رہا اور زبان فارسی سکھائی۔ جب سن تمیز کو پہنچے مرزا الٰہی بخش خاں، معروف کے یہاں منسوب ہوئے اور .. دہلی میں توطن اختیار کیا۔ معلومات ان کی زبان فارسی کالشمس فی رابعۃ النہار آشکار ہے۔ نثر و نظم اردو کی چار دانگ ہندوستان میں پکار ہے۔ تالیفات و تصنیفات کے نام .. فارسی کلیات .. قادر نامہ جو خالق باری کی طرز پر موزوں کیا ہے، مہر نیمروز اور ماہ نیم ماہ .. تاریخ اول میں .. تیمور سے ہمایوں تک کا حال لکھا ہے اور تاریخ ثانی میں .. اکبر .. سے بہادر شاہ تک کے عہد تک احوال ضبط کیا ہے۔ دستنبو .. قاطع برہان جس میں برہان قاطع کے بعض لغات پر خدشات ہیں، پنج آہنگ .. فارسی ... کے منشآت .. اردو میں ایک دیوان اور اردوئے معلیٰ اور عود ہندی .. مرزا صاحب کی طباعی اور ذکاوت ان کے نتائج افکار سے پیدا ہے، بات سے بات پیدا کرنا تمام کلام سے ہویدا ہے۔ اس سرکار کے نمک خوار قدیم ہیں .. نواب یوسف علی خاں .. کو ان سے تلمذ ہے۔ اس عہد دولت میں بھی وظیفہ خوار رہے .. ولی نعمت .. (کلب علیخاں)

...کے عہدِ دولت میں بھی جب تک زندہ رہے ، محمود پرورشِ بے شمار رہے ۔ ۹۲ برس کی عمر پائی ۱۲۰۵ ہجری میں ذیقعدہ کی دوسری تاریخ وفات پائی ، سلطان نظام الدین کی درگاہ میں دفن ہوئے ۔ یہ ان کے کلام کا انتخاب ہے جس کا ہر حرف لاجواب ہے " ( اردو ۱۱۳ ، فارسی ۲۹۷ )

اسدی " حکیم ابو نصر علی بن احمد اسدی طوسی گویندۂ گرشاسپ نامہ و مؤلف لغت فرس از شاعران .. قرن پنجم می باشد نظر باینکہ دولت شاہ[1] .. او را نقل کردہ از آنجملہ فردوسی .. را شاگرد او میداند و نویسد : " در روزگار .. محمود .. استاد فضلائے شعرائے خراساں بودہ است و او را کرات تکلیف نظم شاہنامہ کردہ اند .. پیری و ضعیفی را بہانہ ساختہ .. گرشاسب نامہ .. از مشہور است و مناظرہ با بغایت نیکو گفتہ " گفتار مؤلف مزبور مورد بحث دانشمنداں .. شدہ و نظر بعدم تطبیق تاریخ انجام شاہنامہ کہ آخرین بار بسال .. ہجری تمام شدہ و تاریخ انجام گرشاسپ نامہ ( ۴۵۸ھ ) و زمان زندگی این دو گویندہ ، برخے .. بوجود دو اسدی قائل شدہ اند ، یکے را بنام اسدی پدر خواندہ و او را صاحب مناظرات چہارگانہ دانستہ و دیگرے را اسدی پسر و مصنف گرشاسپ نامہ و لغت فرس خواندہ اند ۔ ولے مولفان تذکرہ ہا فقط از یک اسدی یاد کردہ اند کہ ہم گویندۂ مناظرات و ہم ناظم گرشاسپ نامہ بودہ است و محققان معاصر نیز پس از تحقیقات باین نتیجہ رسیدہ اند کہ فقط یک اسدی بودہ کہ ہم مصنف گرشاسپ نامہ و مؤلف لغت فرس و ہم گویندۂ مناظرات است منتہی استاد فردوسی نبودہ است " ( رجوع کنید بتاریخ ادبیات تالیف آقائے بدیع الزماں فروزاں فر .. و مقدمۂ گرشاسپ نامہ )"

تذکرہ نگاروں سے قطع نظر ، براؤن ، قزوینی ، آشتیانی وغیرہ اس کے قائل ہیں کہ اسدی تخلص کے دو شاعر تھے ، مگر اب اس کی طرف میلان ہے کہ اس تخلص کا ایک ہی شاعر گزرا ہے ۔ غالب اسدی صاحبِ فرہنگ کو محمودی عہد کا شاعر سمجھتے تھے ، اور اس کے غلط ہونے میں مطلقاً شبہ نہیں ۔ فرہنگ اسدی فرہنگ جہانگیری کے ماخذ میں ہے ، اور جہاں تک مجھے یاد ہے ، محرق قاطع برہان میں مکمل فہرست ماخذ نقل کر دی گئی ہے ۔ صاحب مؤید برہان نے بھی اس کا ذکر کیا تھا کہ یہ اور فرہنگ قطران فرہنگ مذکور کے ماخذ میں ہے ؛ غالب نے تیغ تیز میں جو مؤید کا رد ہے ، اس کے متعلق لکھا ہے :

" پھر مولانا ( یعنی صاحب مؤید برہان ) .. اسدی طوسی اور حکیم قطران کو دو فرہنگوں کا مولف بتاتے ہیں ۔ اگر اسدی .. نے فرہنگ لکھی ہوتی تو محمود .. کے عصر سے آج تک سب فرہنگ نگاروں کا ماخذ وہی ہوتا اور اختلاف لفظ و معنی کسی لغت میں راہ نہ پاتا " ( تیغ تیز ص )

غالب کا ضعف استدلال بدیہی ہے ۔ فرہنگ اسدی فرہنگ جہانگیری کے علاوہ فرہنگ سروری کا ماخذ بھی رہ چکی ہے ، اور غالب کی وفات کے چند سال بعد یورپ میں طبع بھی ہوئی تھی ۔ اس نسخے میں کچھ ایسی باتیں جو کسی اور شخص نے بڑھائی تھیں ، ضرور ہیں ، لیکن ایران سے دوسرا نسخہ آقائے عباس اقبال آشتیانی کا مرتب کیا ہوا شائع ہوا ہے ۔ وہ دیباچے میں لکھتے ہیں :

" بر نگارندہ واضح شدہ کہ اسدی در حدود اواسط نیمۂ ماۂ پنجم ہجری کتابے .. جمع آوردہ بودہ .. ہمینکہ این کتاب بدست دیگراں افتادہ ہر کس بقدر فہم و سلیقۂ خود در آں دست بردہ .. ہنوز نمی توانیم با اطمینان کامل بگوئیم کہ نسخۂ اصلی اسدی را احیا کردہ ایم "

---

[1] دولت شاہ نے یہی لکھا ہے کہ فردوسی کے آخری دن تھے اور شاہنامہ ناتمام ، فردوسی بہت رنجیدہ تھا کہ اسدی نے اتمام کا وعدہ کیا اور " آں شب ؛ آں روز تا نماز دیگر چہار ہزار بیت باقی شاہنامہ را بنظم آورد " ص ۳۶ ۔ دولت شاہ کو تحقیق سے مطلق سروکار نہیں ۔ اس کے متعلق ملک الشعرائے ایران بہار کی رائے سبک شناسی جلد ۳ ص ۱۹۱ میں ملاحظہ ہو ۔ ماخوذ از مزدیسنا و تاثیر آں در ادبیات پارسی مصنفۂ دکتر محمد معین ص ۳۲۳

مگر کوئی ایسی خطی نسخہ ہو، اسناد شعرائے قدیم کے کلام سے دیے گئے ہیں؛ اور تصرف کا عمل جو کچھ ہوا ہے ایران میں ہوا ہے۔ میں ایران کے کسی محقق سے واقف نہیں جو محض اس بنا پر[۳۵] کہ اس میں الحاقی باتیں ہیں، اس کا منکر ہو کہ اسدی نے فرہنگ لکھی تھی، اور تمام محققین (قزوینی، بہار، پور داؤد وغیرہ) بے تکلف اس کے حوالے دیتے ہیں۔

گرشاسپ نامہ غالباً غالب کی نظر سے نہیں گزرا۔ غالب "چینود" کو منافقین ایران کا اختراع کردہ لفظ سمجھتے تھے، مخالفین نے سند دی تو لطائف میں انھوں نے لکھا کہ یا اس کا مصحف اسدی کے یہاں ایک آدھ جگہ آیا ہے (لطیفہ ۱۱) مگر چینود یا چینود گرشاسپ نامہ (طبع ایران) میں کم از کم ۵ جگہ آیا ہے: ص ۳۰، ص ۱۳۰، ص ۲۳۱، ص ۳۳۴، ص ۴۰۲۔

بلوک مین ایک المانی مستشرق تھا جو غالب کے عہد میں ہندوستان آکر اقامت پذیر تھا، اور یہاں کے علمی اور تعلیمی اداروں سے تعلق رکھتا تھا۔ فارسی لغات پر اس کا ایک طویل مقالہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کے رسالے میں شائع ہوا تھا، جس کا ایک اقتباس درج ذیل ہے:

"غالب اس زمانے میں ہندوستان کے بہترین فارسی لکھنے والے ہیں، لیکن قاطع برہان نے ان کی شہرت کو سخت نقصان پہنچایا ہے۔ وہ دشنام طرازی ہی پر اکتفا نہیں کرتے فحش گوئی پر اتر آتے ہیں۔ غالب صاحب برہان قاطع کو "دکھنی" اور "مرد الکن" لکھتے ہیں اور یہ ظاہر کرتے ہیں اس کی فرہنگ دوسری فرہنگوں سے آزاد رہ کر تالیف ہوئی ہے، حالانکہ وہ دیباچے میں صاف لکھتا ہے کہ "فقیر جامع لغات و تابع ارباب لغت است نہ واضع" غالب کے بیشتر اعتراض فرہنگ جہانگیری و فرہنگ سروری کی مدد سے رد کیے جا سکتے ہیں۔ غالب کی کتاب ارادی غلط بیانیوں سے مملو ہے اور اشتقاق لغات سے متعلق اس کی چند رائیں ہندوستانیوں کے نقطۂ نظر سے بھی ایک عالم کے شایان شان نہیں۔ آغا احمد علی نے انھیں خوب آڑے ہاتھوں لیا ہے۔ ان کی کتاب مؤید برہان دو برس قبل کلکتہ میں چھپی تھی؛ آغا میں جو ناقدانہ چھان بین کا مادہ اور علمی صداقت شعاری ہے وہ ہندوستانی مصنفین میں کمیاب ہے۔ مؤید کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ ۳۰ غلطیوں کا برہان خود ذمہ دار ہے، ۱۰ لغات جن پر غالب نے اعتراض کیے ہیں مشتبہ ہیں، اس لیے کہ فرہنگ جہانگیری و فرہنگ سروری میں موجود تو ہیں، لیکن ان کی سند نہیں دی گئی۔ غالب نے ۱۰۰ الفاظ پر اعتراض کیے ہیں، اور کچھ مزید اعتراضات صاحب سراج اللغۃ کے یہاں بھی ہیں، لیکن وہ اغلاط جن کا خود برہان ذمہ دار ہے، کہ ان کے باوجود بھی وہ ایک محتاط مؤلف کہا جا سکتا ہے۔ غالب نے جواب الجواب تیغ تیز (طبع ۱۸۶۱) لکھ کر غلطی کی ہے۔ وہ خارج از بحث باتیں پیش کرکے موضوع گفتگو کو بدلنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں، اور کتاب کے آخر میں کچھ بااثر لوگوں کی رائیں نقل کرتے ہیں کہ میرے ہم خیال ہیں، یہ لوگ آج کل دہلی میں ہیں، اور ان میں بعض نواب بھی ہیں۔"

جرأت کے متعلق جو کچھ لکھا جا چکا ہے (نقوش ستمبر و اکتوبر ۱۹۵۲ء) اس پر میں اتنا اضافہ کرنا چاہتا ہوں کہ انھوں نے نواکی ہجو میں جو مخمس لکھا تھا، اس کا ایک بند لطائف غیبی میں مصنف محرق قاطع برہان پر منطبق کیا گیا ہے۔

درد و داغ دیوان فارسی طبع لکھنؤ کی دوسری مثنوی ۱۰۸ اشعار پر مشتمل ہے۔ اس کے اول و آخر میں علی الترتیب یہ شعر ہیں:

بے ثمری برزگری پیشہ داشت۔ — در دل صحرائے چنیں ریشہ داشت

عالم تقدیر چنیں است و بس — حاصل تحریر ہمین است و بس

---

[۳۵] خود شاہنامۂ فردوسی میں اس قدر تصرفات ہوئے ہیں کہ آذر صاحب آتشکدہ نے لکھا ہے کہ ایک شعر بھی نہیں جسے یقین کے ساتھ فردوسی کی طرف منسوب کیا جا سکے۔ یہ مبالغہ ہے، مگر تصرف بہت ہوا ہے اور مختلف قسم کا۔

غالب کا دعویٰ ہے کہ محرومیِ ازل کا علاج نہیں اور انھوں نے ایک حکایت کے ذریعے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ ایک مزارع تنگ حالی سے مجبور ہو کر ماں باپ کے ساتھ تارکِ وطن ہوا اور راہ میں بڑی تکلیفیں اٹھا کر ایک درویش کے تکیے پر پہنچا۔ درویش نے ان لوگوں کا حال سن کر کسی تدبیر سے جو اسے معلوم تھی ان کے طالع معلوم کیے تو یہ پتہ چلا کہ "در قسمت شان ہیچ نیست" مگر اس کے باوجود اس نے ان کے لیے دعا کی۔ اس پر غیب سے آواز آئی کہ

قسمت شان از کرم ماہیشت ــــ سابقۂ روز ازل این چنیست
باش کہ شرحوز تسلی دہیم ــــ پرتوے از جلوۂ معنی دہیم
در خم محراب فریب آرزو ــــ باسہ تن این مژدۂ دلکش بگو
کز اثر عاجزیم در جناب ــــ شد سہ تمنائے شما مستجاب
ہر یکے از شوق نوائے زند ــــ دست بدامان دعائے زند
باز سرو کار دعا یا ببیں ــــ چشم بخوابان و تماشا ببیں

درویش نے انھیں بتایا کہ تم میں سے ہر ایک کی ایک دعا قبول ہوگی، جو مانگنا ہو، مانگو۔ سب سے پہلے عورت نے یہ دعا کی کہ میں جوان اور خوبصورت ہو جاؤں اور اس کی یہ تمنا حاصل ہوئی۔ باپ کو دولت کی آرزو تھی، مگر باپ بیٹے نے فوراً دعا نہ کی اور اسے گھر واپس آنے پر ملتوی رکھا۔ مگر تھوڑی دور رہ گیا تھا کہ ایک نوجوان شاہزادہ گھوڑے پر سوار نظر آیا۔ عورت نے اسے دیکھ کر شور مچایا کہ مجھے بچاؤ، ڈاکو مجھے پکڑ لائے ہیں، شاہزادے نے اسے اٹھا کر اپنے ساتھ سوار کر لیا اور روانہ ہو گیا، شوہر نے اس کے لیے بد دعا کی کہ

ساز تلافی سلوکش بساز ــــ مسخ کن و مادۂ خوکش بساز

شاہزادے نے یہ دیکھا اسے زمین پر پٹک کر اپنی راہ لی۔ ماں کا یہ حال اور اس کی نوحہ وزاری سے متاثر ہو کر بیٹے نے دعا کی کہ یہ اپنی اصلی صورت پر آ جائے اور یہ دعا بھی مستجاب ہوئی۔

سیاست نامۂ نظام الملک (طبع ایران ص۱۳۶) میں یہ حکایت کسی قدر مختلف طور پر موجود ہے: بنی اسرائیل میں جو شخص ۴۰ سال فرائض انجام دیتا اور گناہ سے بچتا خدا اس کی تین خواہشیں پوری کرتا تھا۔ یوسف اسی قسم کا ایک شخص تھا۔ اس نے اپنی زوجہ سے صلاح کی، اس نے کہا کہ یہ دعا مانگو کہ میں ایسی حسین ہو جاؤں کہ کوئی دوسری عورت ایسی نہ ہو، دعا تو مقبول ہوئی، لیکن عورت اتنی بدمزاج ہو گئی کہ اس کے ساتھ نباہ مشکل ہو گیا، یوسف نے دعا کی کہ خدایا، اسے ریچھ بنا دے، یہ دعا بھی مستجاب ہوئی، مگر عورت کے بغیر اولاد کی پرورش دشوار ہو گئی، اس مرتبہ اس نے یہ دعا کی کہ عورت اپنی ابتدائی حالت پر واپس ہو جائے اور اس کی یہ خواہش بھی پوری ہوئی۔ غالب کے یہاں حکایت بہتر شکل میں ہے۔ غالب نے غالباً تصرف نہیں کیا، واقعہ کسی دوسری جگہ سے لیا ہے۔

جوہر منظم کلیات ناطق مکرانی میں مثنوی کے شعر ذیل پر اعتراض کیا گیا ہے:

"خوک شد و پنجہ زدن ساز کرد ــــ باسر و دو عربدہ آغاز کرد

"کاتب لفظے بصورت پنجہ بقلم دادہ است، آیا اینجا پنجہ لفظ است؟ چہ اگر فی نفس الامر پنجہ باشد خوک سم دارد، نہ پنجہ۔ واگر مجالست خطی با پنجہ دارد یا آنکہ نزد شعرا اطلاق سم و پنجہ، بمحل ہمدیگر جائز الاستعمال است بس اعلام باید فرمود، تا بے

بحقیقت آں بردہ باشم" ص۳۹۔ غالب کا جواب پنج آہنگ اشاعت ا و ۲ میں تو نہیں، لیکن اشاعت ۳ (شامل کلیات نثر) میں موجود ہے: "ہیئت پائے خوک در نظرم نبودہ است؛ اگرچہ .. در .. خرابہ ہا بسیار دیدہ ام.. اکنوں از روے نوشتۂ شما در نظر جادہ کرد کہ خوک سم دارد و پنجہ ندارد۔ کاش نامۂ شما پیش ازآں کہ کلیات نقش انطباع پذیرد بمن رسیدے تا.. بجاے "پنجہ زدن" "بدنفسی"[۵] نوشتمے۔ مرا.. غمیں نتواں بود.. ناشناسا بودن سخنور از چگونگی پاے خوک مرا و رازیاں ندارد"

شاد عظیم آبادی کی حیات فریاد میں ہے: ملا گل محمد نکرانی .. آصف الدولہ کے زمانۂ سلطنت (کذا) میں لکھنؤ آکر مقیم ہو گئے.. میں یہ نقل ایک ایسے شخص سے بھی سُن چکا تھا جو اس صحبت میں شریک تھے جس کو.. حالی.. نے تحریر کیا ہے اور وہ یہ ہے.. غالب.. جب کلکتہ.. جانے لگے تو لکھنؤ میں بھی کچھ دن قیام کیا، کسی صحبت میں اپنی فارسی مثنوی پڑھ رہے تھے، کسی گوشے میں ملّا.. بھی.. تھے۔ مرزا.. نے.. کسی مقام پر کسی شخص کے غصہ آجانے پر کہا تھا: "خوک شد و پنجہ زدن ساز کرد".. ملا.. نے فوراً ٹوکا کہ "واے واے اینچہ فارسی است، خوک پنجہ دارد، بگو "خرس شد (د) پنجہ زدن ساز کرد" .. مرزا خاموش ہو گئے" (ص۹)۔ نہ ناطق مکرانی آصف الدولہ کے عہد کے آدمی ہیں، نہ غالب نے کسی مشاعرے میں ناطق کے سامنے مثنوی پڑھی تھی، اور نہ حالی نے کسی صحبت مشاعرہ کا ذکر کیا ہے۔ حالی نے صرف وہی لکھا ہے جو انھیں پنج آہنگ سے معلوم ہو سکا تھا۔ کوئی شخص جو درد و داغ کو پڑھ یا سُن چکا ہے، وہ اصلاح نہیں دے سکتا جو شاد نے ناطق کی طرف منسوب کی ہے۔

ذوق (۱۲۰۴ھ تا ۱۲۷۱ھ) کی شعر گوئی کا آغاز جب بھی ہوا ہو، ۱۲۲۱ھ میں جو قاسم کے تذکرے کا سال اختتام ہے، یہ محض نو مشق تھے، چنانچہ قاسم نے ان کے صرف دو شعر دیے ہیں اور ان کا ترجمہ یوں لکھا ہے: "ذوق تخلص نو مشقے است از شاگردان.. تقصیر کہ گاہ گاہ در مجلس شعرا حاضر میشود و غزل طرحی ہم سرانجام میدہد" آزاد جن کی داستانِ اُردو کے قہرمان ذوق ہیں، فرماتے ہیں کہ اکبر ثانی نے انھیں ۱۹ برس کی عمر میں خاقانی ہند کا خطاب دیا تھا اور ان کی عبارت متعلقہ سے بہ تصریح ہوتا ہے کہ ظفر اس کے "چند" سال قبل ہی ان سے اصلاح لینے لگے تھے، لیکن قاسم کا بیان ہے کہ ۱۲۲۱ھ میں ظفر "اکثر" میر عزت اللہ، عشق سے "استشارہ" کرتے تھے۔ انھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ کبھی کبھی اوروں کو بھی اپنا کلام دکھاتے تھے مگر "جوہریان جوہر شناس" میں ذوق جنھیں وہ "نو مشق" کہتے ہیں آسکتے ہیں، اس کا فیصلہ ناظرین کے ہاتھ میں ہے۔ میری رائے میں کریم الدین کا یہ بیان کہ ذوق و ظفر کے تعلقات کا آغاز سال تصنیف گلدستۂ نازنیناں، ۱۲۶۱ھ سے ۳۰ سال قبل ہوا، آزاد کے قول کے مقابلے میں کہیں زیادہ قابل قبول ہے۔ حالی نے لکھا ہے کہ مشہور ہے غالب و ذوق میں "چشمک" تھی اور آزاد بھی کہتے ہیں کہ بعض اصحاب کا یہ خیال[۶] ہے۔ اس کی صحت میں شک نہیں اور اس کی ابتدا اس وقت ہوئی ہوگی، جب ریاست کے نشے کا اتار تھا، اور غالب کو شاعری کو مادی فوائد حاصل کرنے کا ذریعہ بنانے کی ضرورت کا احساس ہو چلا تھا۔ بہرحال قریب بہ یقین ہے کہ قطعہ "ایکہ در بزم الخ" میں ذوق سے خطاب ہے۔ اس کے ۱۹ اشعار میں سے ۹ درج ذیل ہیں:

---

[۵] مؤید برہان میں اس پر اعتراض ہے، مگر "بدنفسی" بہ فتح فا "بدنفسی" بہ سکون فا کی جگہ جائز ہے۔

[۶] مگر یہ ایک خاص قطعے کے بارے میں لکھا ہے "ایکہ در بزم الخ" کے اشعار کی تعداد آبحیات میں غلط بتائی گئی ہے۔

اےکہ در بزم شہنشاہ سخن رس گفتہ ٔ | کے بہ مجرگوئی فلاں در شعر ہم سنگ من است
راست گفتی لیک میدانی کہ نبود جائے طعن | کمتر از بانگ دہل گر نغمۂ چنگ من است
نیست نقصاں یک دو جزو است از سواد ریختہ | کاں دژم برگے ز نخلستان فرہنگ من است
فارسی بیں تا بہ بینی نقشہائے رنگ رنگ | بگذر از مجموعۂ اردو کہ بیرنگ من است
دوست یوئی شکوہ سر کردم دلے جرم تو نیست | کایں ہمہ بیداد بر من از دل تنگ من است
دشمنی راہم تعفف شرط است واں ای کہ نیست | از تو نبود نغمہ در سازیکہ در چنگ من است
در سخن چوں ہمزبان و ہمنوائے من شدٔ | چوں دست را پیچ و تاب از ناخن آہنگ من است
راست می گویم من و از راست سر نتواں کشید | ہرچہ در گفتار فخر تست آں ننگ من است
دیدہ ور سلطاں سراج الدین بہادر شہ کہ او | آں شرر بیند کہ پنہاں در رگ سنگ من است

اس قطعے سے ظاہر کہ غالب و ذوق میں دوستانہ تعلقات تھے اور یہ ذوق و معروف کے روابط کے پیش نظر تعجب کی بات نہیں۔ میری رائے میں اس کا زمانۂ تصنیف اواخر ۱۲۵۶ھ یا اوائل ۱۲۵۷ھ ہے، وجوہ حسب ذیل ہیں:
(۱) کلیات فارسی نوشتہ ۱۲۵۴ھ و ۱۲۵۵ھ[۲] (۱۵ ذیقعدہ تاریخ اتمام) میں یہ قطعہ نہیں ہے، لیکن کلیات مطبوعہ کی اشاعت اول میں موجود ہے۔ (۲) دیوان اردو پہلی بار ۱۲۵۷ھ میں چھپا ہے اور بہ قرین قیاس ہے کہ اس کے متعلق گفتگو انطباع و اشاعت کے کچھ ہی بعد ہوئی ہو۔

سہرے کے معاملے میں بھی غالب و ذوق میں بے مزگی پیدا ہوئی۔ آزاد کا بیان ہے:
"نواب زینت محل کو بادشاہ کے مزاج میں بہت دخل تھا۔ مرزا جواں بخت .. کی شادی کا موقع آیا تو .. مرزا نے یہ سہرا کہہ کر حضور میں گزرانا ....

ہم سخن فہم ہیں غالب کے طرفدار نہیں | دیکھیں اس سہرے سے کہہ دے کوئی بڑھ کر سہرا

مقطع کو سن کر حضور کو خیال ہوا کہ .. ہم پر چشمک ہے .. ہم نے جو .. ذوق کو استاد اور ملک الشعرا بنایا ہے یہ سخن فہمی سے بعید ہے، بلکہ طرفداری ہے .. اسی دن استاد .. جو .. حضور میں گئے تو بادشاہ نے وہ سہرا دیا .. انھوں نے پڑھا اور بموجب عادت .. عرض کی پیر و مرشد بجا و درست۔ بادشاہ نے کہا کہ .. تم بھی ایک سہرا کہہ دو .. اور ذرا مقطع پر بھی نظر رکھنا۔ استاد .. وہیں بیٹھ گئے اور عرض کیا ...

جس کو دعویٰ ہے سخن کا یہ سنا دے اس کو | دیکھ اس طرح سے کہتے ہیں سخنور سہرا

ارباب نشاط .. ملازم تھیں، اسی وقت انھیں ملا، شام تک .. گلی گلی .. میں پھیل گیا، دوسرے ہی دن اخباروں میں مشتہر ہو گیا۔ مرزا .. سمجھے کہ تھا کچھ اور ہو گیا کچھ اور، یہ قطعہ حضور میں گزرانا ...

سو پشت سے ہے پیشۂ آبا سپہگری | کچھ شاعری ذریعۂ عزت نہیں مجھے
آزادہ رَو ہوں اور مرا مسلک ہے صلح کل | ہرگز کبھی کسی سے عداوت نہیں مجھے ...
استاد شہ سے ہو مجھے پرخاش کا خیال | سوگند اور یہ تاب یہ مجال یہ طاقت نہیں مجھے ...

---

[۲] محمد مصطفیٰ خان بہادر (شیفتہ) کے لیے نقل ہیں، یہ نسخہ غالب کا تصحیح کردہ ہے۔ نسخۂ ۱۲۶۳ھ کے حاشیے میں قطعہ ہے، مگر یقیناً بعد کا اضافہ ہے۔

میں کون اور ریختہ، ہاں اس سے مدعا — جز انبساطِ خاطرِ حضرت نہیں مجھے
سہرا لکھا گیا ز رہِ امتثالِ امر — دیکھا کہ چارہ غیر اطاعت نہیں مجھے
مقطع میں آ پڑی ہے سخن گسترانہ بات — مقصود اس سے قطعِ محبت نہیں مجھے
روئے سخن کسی کی طرف ہو تو روسیاہ — سودا نہیں جنوں نہیں وحشت نہیں مجھے ..."

غالب خود اس سہرے کے متعلق لکھتے ہیں،

"از دیر باز سرودستان سرائی اردو ندارم، ہمانا از رضاجوئی شہریار سلیماں پیشکار است گاہ گاہ ناگاہ رنگے ریختہ ریختن ویژہ بفرمان بانوے بلقیس پرستار (زینت محل؟)' در ریختہ بدیں ردیف ناروا دل آویختن، مگر در مقطع غزل سرستانہ ہوئے زدہ باشم۔ آں یکے کہ گمان کمالیکہ نداشت داشت، پنداشت کہ روئے سخن سوے اوست، در مقطع غزلیکہ سرود ہنجار ستیزہ گام زدہ دانست کہ گفتار مرا پاسخ سازد من بہ سیہ مستی ایں تہ جرعہ کہ فرد ریختہ' اشارہ من است ع "ہرچہ در گفتار فخر تست آں ننگ من است" سر سخن فرود نیاوردم و قطع نظر از دلیل قطعی اقتیاز شمردم۔ آہ از من کہ مرا زیاں زدہ و سوختہ خرمن آفریدند، نہ بہ آئین نیاگاں خویش۔۔ سنجر در کلاہ و کمرے و نہ بفرہنگ فرزانگاں پیش بوعلی آسا علم و ہنرے۔۔۔ سفینہ در بحر شعر کہ سراب است رواں کردم، قلم علم شد و تیرہاے شکستہ آں با قلم بیا خود بروزگار دیدہ ورے بود یا بود و بمن نپرداخت۔ ہمانا در تیرگی روزگار من اندازۂ شگرفی کار من کس نشناخت۔ فرجام کار، اکنوں کہ دنداں فرو ریخت۔۔ موے سپید است و روے پر آژنگ، دست بلرزہ است و پاے در رکاب، از آں ہمہ سودا کہ در سر بود جاں کندنی و نان خورنی بمن ماند"

آزاد نے جو جزئیات بیان کیے ہیں، ان میں سے کچھ (مثلاً ذوق کا فی البدیہہ جواب کہنا) صحیح نہ ہوں، مگر غالب کے قطعے سے ثابت ہے کہ سہرے کا مقطع ظفر کی برہمی کا باعث ہوا تھا۔ غالب کے خط سے پتا چلتا ہے کہ انھیں ذوق کا جواب بہت ناگوار ہوا تھا۔ غالب کی فارسی عبارت پنج آہنگ طبع اول سنہ ۱۲۶۵ھ میں نہیں، لیکن طبع دوم سنہ ۱۲۵۳ھ میں ہے۔ جواں بخت کی عمر کا لحاظ کیا جائے تو شادی کا زمانہ سنہ ۶۵ھ کی بہ نسبت سنہ ۱۲۵۳ھ سے زیادہ قریب متصور ہو سکتا ہے۔ عبارت بالا میں ذوق کے کمال سے انکار ہے، لیکن، یادگارِ غالب میں ہے کہ غالب ان شعرا کو جو قصیدہ نہیں لکھ سکتے شاعر نہیں سمجھتے تھے اور اسی بنا پر ذوق کو پورا شاعر اور نصیر کو ادھورا کہتے تھے (نصیر کے کلیات قلمی نسخۂ رامپور میں متعدد قصائد موجود ہیں) ۔ حالی نے یہ بھی لکھا ہے کہ غالب شطرنج کھیل رہے تھے کہ غلام علی خاں (وحشت؟) نے ذوق کا یہ شعر پڑھا:

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے — مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

غالب کے کان میں جو بھنک پڑی، بار بار پڑھوا کر سنا اور سر دھنتے رہے، اور مصنف کا نام معلوم ہوا تو نہایت متعجب ہوئے۔ حالی نے غلام علی خاں کی زبانی یہ حکایت بیان کرنے کے بعد اپنی طرف سے اضافہ کیا ہے "مرزا نے اپنے اردو خطوں میں اس شعر کا جابجا ذکر کیا ہے، جہاں عمدہ شعر کی مثالیں دی ہیں وہاں اس شعر کو ضرور لکھا ہے" غالب کے صرف ایک خط میں اس کی تعریف ہے اور اس میں مصنف کا نام نہیں، بلکہ یہ گمان ہوتا ہے کہ غالب کو اس کا پتا نہیں کہ کس کا ہے غالب کے ایسے کسی موقع پر جہاں اچھے شعر کی مثالیں دی ہیں یہ شعر درج نہیں کیا۔ حالی نے کسی سند کے بغیر یہ بھی تحریر

کیا ہے کہ غالب ایک صحبت میں میر کی ستایش کر رہے تھے، ذوق سودا کو ترجیح دینے لگے، غالب بولے کہ "میں تو تم کو میری سمجھتا تھا، مگر اب معلوم ہوا کہ آپ سودائی ہیں" غالب نے ایک مشاعرے میں ذوق کی شرکت کا ذکر بھی کیا ہے:
"سلطان الشعرا شیخ محمد ابراہیم ذوق .. غزل سلطان را بداں نوا برخواند کہ زہرہ از سپہر فرود آمد" (کلیات ص۲۳۵)
اس مشاعرے میں ذوق نے دو غیر طرحی غزلیں اپنی بھی پڑھی تھیں، لیکن غالب کہتے ہیں کہ میں اس سے پیشتر ہی مشاعرے سے رخصت ہو چکا تھا۔ ڈاکٹر بجنوری مرحوم نے لکھا ہے کہ بعض اصحاب کا خیال ہے کہ غالب کے مصرعے "یہ بھی تیرا ہی کرم ذوق فزا ہوتا ہے" میں ذوق پر چوٹ ہے، مگر یہ صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ آزاد نے لکھا ہے کہ ذوق سے غالب کی نازک خیالی کا ذکر آیا تو کہنے لگے کہ "مرزا کا شعر ہوتا ہے اس کی لوگوں کو خبر بھی نہیں ہوتی" اس موقع پر کئی شعر پڑھے تھے جن میں سے صرف ایک آزاد کو یاد رہا:

دریاے معاصی تنک آبی سے ہوا خشک      میرا سر دامن بھی ابھی تر نہ ہوا تھا

یہ واقعہ صحیح ہو سکتا ہے، مگر طالب کا یہ قول کہ ظفر نے ذوق سے پوچھا تھا کہ اردو کا بہترین شعر کون سا ہے اور انھوں نے جواب میں یہی شعر پڑھا تھا، کسی طرح تسلیم کیے جانے کے قابل نہیں۔

صفیر بلگرامی نے جلوۂ خضر میں غالب سے ناسخ اور شعراے دہلی پر اس کے اثر کے متعلق گفتگو کا حال لکھا ہے۔ ان کا بیان ہے کہ غالب کہتے تھے کہ ناسخ کا کلام دہلی پہنچا تو لوگ اس پر گرنے لگے اور اس کلام نے "جن کو علم درکار تھا اور قاعدے کے پرتو پر ڈالا گیا تھا" "سب کو حیران کر دیا۔" اس وقت ہم شاعر با مذاق نام بر آوردہ تھے: میں.. مومن.. اور ذوق۔ ذوق نے ادھر کم رغبت کی، کیونکہ ان کو اپنے مضمون ہی کے باندھنے میں وقت پڑتی تھی، زبان کی طرف کب خیال کر سکتے تھے.." (ص۲۳۹) صفیر ناسخ سے غلو رکھتے تھے اور اس کے اثر کی ہمہ گیری لگانی کے لیے مبالغے سے بھی کام کر سکتے تھے۔ مجھے یقین ہے کہ ذوق کی نسبت جو قول غالب کی طرف منسوب ہوا ہے، وہ غالب کا نہیں بلکہ خود صفیر کی راے ہے۔

وفات ذوق کے بعد غالب نے ذیل کا قطعہ لکھا جو سبد چیں سے نقل کیا جاتا ہے:

تاریخ وفات ذوق غالب      با خاطر دردمند مایوس
خوں شد دل زار تا نوشتم      خاقانی ہند مرد افسوس

مصرع آخر = ۱۲۷۲ تخرجہ ۱ ( "دل" "زار" الف)۔ ذوق کی موت کے دو چار بعد ایک خط میں ذوق کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے کہ گویا یہ ان شعرا میں سے تھے جن سے دہلی کا نام روشن تھا۔ (اردوے معلی ص۱۳۶)

**ریاض الافکار** مصنفہ امیر وزیر علی، عبرتی عظیم آبادی، معاصر غالب، نثر نگاران فارسی کا تذکرہ ہے جو ۱۲۶۰ھ میں مکمل ہوا۔ اس نے نسخۂ کتب خانہ مشرقیہ سے غالب کا ترجمہ نقل کیا ہے۔ اس میں صرف ایک بات کام کی ہے اور وہ یہ کہ عبرتی نے اس شخص کا نام لکھا ہے جس نے کلکتہ میں غالب پر اعتراض کیا تھا، عبرتی کے بعض بیان مثلاً ولادت دہلی صریحاً غلط بھی ہیں۔ غالب کی نظم و نثر کے متعلق غالب کی راے بھی قابل توجہ ہے، وہ اپنے زمانے میں بہار و بنگالہ کے مسلم الثبوت فارسی داں تھے۔ اس تذکرہ میں غالب کا ایک خط بھی ہے۔ یہ سراج الدین احمد کے نام کا ہے اور پنج آہنگ میں موجود ہے:

"اسم حنیف آں میر آہنگ قافلۂ نغز کلامان ہند، مرزا اسداللہ خاں است، و مولدش دہلی، بتقریبے.. بکلکتہ پیوستہ، مذاق نشناسان کلکتہ بسیف لسانی و موشگافی آں سخن رس نکتہ پیوند خار حسرت در دلہا شکستہ در صدد آویزش بہ آں مغتنم روزگار گشتند، خصوصاً مرزا امان علی خاں کہ اصلاً بہ آں مستعد روزگار جادہ زبان نسبتے ندارد۔ ازآنجا کہ آں معنی نگال خیلے ماہر ایں فن بودہ، بہ نیروے طبع رسا بر ہمہ غالب آمد۔ ہر چند سن بکر داوراق دادولت ہم بزمی آں جان سخن نصیب نہ گشت مگر پارۂ نظم و نثر آں خوش تلاش کہ از بیاض شفقی میرزا ذوالفقار علی.. بچشم درآمد ایں قدر دریافت گشت کہ چہ در نظم و چہ نثر در ہمہ پارسی زباں استاد طرز خاص است۔ با ہمعصراں را.. چہ یارائے حرف زدن بر روے او۔ خیلے آزادانہ وضع زیست فرمودے و ہر انجمن کہ رفتے برنگیں مقالی ہر رنگ چمن ساختے۔ تادم تحریر.. شاہجہاں آباد بعیش مے گذارند"

**زردشت** پیمبر ایران کا نام گاتا میں زرتھوشترہ آیا ہے۔ پہلے مستشرقوں کا خیال تھا کہ وہ بلخ میں پیدا ہوا تھا، لیکن اب زردشتیوں کے قدیم عقیدے کو کہ مغربی ایران اس کا مولد ہے، غلبہ ہے۔ معتقدین زردشت میں زمانۂ پیدائش کے متعلق مشہور تر روایت یہ ہے کہ وہ ۶۶۰ سال قبل مسیح متولد ہوا تھا، لیکن، اب مستشرقین کا خیال ہے کہ اس کا زمانۂ ولادت ۱۰۰۰ سال قبل مسیح سے "پائیں تر" نہ تھا۔ اس عقیدے کی بھی کہ اس کے یہاں ثنویت ہے اب تردید کی جارہی ہے اور وہ موحد سمجھا جاتا ہے۔ غالب نے مہر نیمروز میں اس کے متعلق لکھا ہے: "نیرنگ سازے و جادوگرے زردشت نام ہنرورے بروزگار.. گشتاسپ از پردہ بروں آمد و زند و استا آورد و مردم را سوئے خود خواندے و گفتے کہ من فرستادۂ یزدانم و یزداں۔ ہپرستیدن آتش فرماں دادہ است، و ژند کہ قانون احکام آتش پرستی است برمن از سپہر فرود فرستاد.. ایں حکایت الغوچہ است از خصمی دیو با بنی آدم" (کلیات نثر ص ۲۹۳)

**قاضی سراج الدین علی خاں** جن کا نام صبح گلشن میں سراج الحق بھی لکھا ہے، بعض دوسرے عہدوں پر مامور رہنے کے بعد قاضی القضات کلکتہ ہوگئے تھے اور وہیں بقول صاحب صبح گلشن (جس کا ماخذ عجب نہیں کہ قاضی محمد صادق خان اختر کا تذکرہ ہو) ۱۲۴۳ھ میں راہی عدم ہوئے تھے۔ ان کا تخلص موجد اور یہ فارسی میں صاحب دیوان تھے۔ چنانچہ اس کا خطی نسخہ کتب خانۂ مشرقیہ پٹنہ میں موجود ہے۔ یہ کبھی کبھی اُردو شعر بھی کہا کرتے تھے جس کا نمونہ مشفقی نے اپنے تذکرے میں دیا ہے۔ راسخ عظیم آبادی نے انھیں اپنے محسنین میں شمار کیا ہے اور ان کی مدح میں شعر کہے ہیں (کلیات راسخ)۔ ان کی وفات غالب کے کلکتہ پہنچنے سے قبل ہی ہوچکی تھی، لیکن ان کے مزار پر مسجد اور امام باڑا تعمیر ہو رہا تھا، اور انھوں نے ان سے متعلق قطعات تاریخ کہے ہیں۔ ایک (۵ ابیات) کا عنوان دیوان فارسی مکتوبہ ۱۲۵۰ھ میں یہ ہے: "جنبش قلم بہ نگارش تاریخ امام باڑہ کہ در کلکتہ بجلا اثالی بر مزار قاضی سراج الدین علی خاں مرحوم واقع است" (دیوان مطبوعہ میں عنوان مختلف)؛ دوسرے قطعے (ابیات ۴) کا عنوان مذکورۂ بالا خطی نسخے میں یہ ہے: "تاریخ اساس پذیرفتن مسجد بمقبرۂ قاضی سراج الدین علیخاں مرحوم" (مطبوعہ میں عنوان مختلف)۔ پہلے قطعے سے ۱۲۴۴ نکلتا ہے؛ دوسرے سے بھی یہی مستخرج ہوتا ہے، لیکن اردوے معلی ص ۳۸۴ میں غالب جو صورت بتاتے ہیں اس سے ۱۲۴۳ برآمد ہوتا ہے: خوشا خانۂ خدا ۱۱۰۸، خاشاک بقول غالب ۹۲۱ (دراصل ۹۲۲) پاے ادب ۲ (۹۲۳ کا تخرجہ)۔ اس

موقع پر انھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ تاریخ سراج الدین علی خاں کے بھتیجے کی فرمائش پر لکھی گئی تھی۔ غالب سے ان کی ملاقات نہیں ہوئی، ان کی وفات غالب کے کلکتہ پہنچنے سے قبل ہی ہو چکی تھی۔

**سودا** غالب نے نواب علی بہادر کو جس خط میں صائب و عرفی و نظیری و حزیں کے کلام کے مطالعے کی صلاح دی ہے، سودا و میر کے اشعار دیکھنے کا بھی مشورہ دیا ہے (کلیات نثر ص ۲۳۲) اور جہاں میر و قائم و مومن کا ایک ایک شعر نغز گوئی کی مثال میں نقل کیا ہے سودا کا شعر ذیل بھی پیش کیا ہے:

دکھلائیے لے جاکے تجھے مصر کا بازار  خواہاں نہیں لیکن کوئی واں جنس گراں کا" عود ص ۹۰

سودا کا ایک دو شعر کسی امر کے ثبوت یا توضیح میں بھی دیا ہے، لیکن کسی جگہ یہ نہیں کہا کہ سودا و میر میں سے کسی کو ترجیح حاصل ہے۔ حالی نے سودائی و میری کا جو لطیفہ لکھا ہے، اس سے البتہ کسی قدر یہ مترشح ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک میر کو سودا پر تفوق ہے۔ غالب نے خود اپنے کلام کو ایک جگہ سودا و میر دونوں کے کلام سے بہتر کہا ہے: غالب اپنی غزل (قوافی پریشاں، گریباں وغیرہ، ردیف ہوگئیں) حقیر کو بھیجتے ہوئے لکھتے ہیں: "بھائی.. غزل کی داد دینا۔ اگر ریختہ یہ ہے تو میر و میرزا کیا کہتے تھے۔ اگر وہ ریختہ تھا تو پھر یہ کیا ہے؟" (نادرات غالب ص ۲۶)

**غیاث الدین** رامپوری صاحب غیاث اللغات کے متعلق انتخاب یادگار میں ہے، اسے دراصل امیر نہیں بلکہ خود کلب علی خاں کا قول سمجھنا چاہیے:

"نواب محمد یوسف علیخاں.. اور بندگان دارا دربان (کلب علی خاں).. کو ان سے تلمذ ہے.. ایسی ذات مجمع الصفات نہ دیدہ نہ شنیدہ... اڑسٹھ برس کی عمر تھی کہ بائیسویں.. ذیحجہ کو ۱۲۶۹ھ میں انتقال فرمایا" ص ۲۲۶۔

کہا ہے، ہندوستان میں بہت مقبول ہوئی، مگر غالب اس سے اور اس کے مصنف سے سخت بیزار ہیں[1]: "اصل فارسی کو.. قتیل نے تباہ کیا، رہا سہا غیاث الدین.. نے کھو دیا۔ خرد کردکہ وہ خران ناشخص کیا کہتے ہیں.. نہ کہ قتیل فارسی شعر کہتا ہے اور نہ غیاث الدین فارسی جانتا ہے.. ان نخولوں پر لعنت کرو" (عود ص ۲۸) "غیاث اللغات ایک نام مؤقر اور معزز جیسے القریہ خواہ نخواہ مرد آدمی۔ آپ جانتے ہیں یہ کون ہے؟ ایک معلم فرومایہ.. فارسی سے ناآشنائے محض اور صرف و نحو میں ناتمام، انشائے خلیفہ و منشآت مادھورام کا پڑھانے والا، چنانچہ دیباچے میں اپنا ماخذ بھی.. خلیفہ شاہ محمد و مادھورام و غنیمت و قتیل کو لکھا ہے" (عود ص ۹۳) "طرح بالفتح بمعنی نمونہ اور بمعنی قریب (کذا) سچ لیکن طرح بشخستین اور.. ہے.. غیاث الدین.. ایک ملائے مکتبی تھا، ناقل ناعاقل، جس کا ماخذ اور دستور علیہ (کذا) قتیل کا کلام ہوگا اس کا فن لغت میں کیا فرجام ہوگا؟" (عود ص ۲۱۱) "میں برہان کا خاک اڑا رہا ہوں، چہ رسد بہ غیاث اللغات کہ جس کا لغت سمجھتا ہوں" (اردوئے معلی ص ۱۵۳) اگر غالب جامع غیاث اللغات کو آدمی جانتا ہو تو وہ خود آدمی نہیں۔ ایک بار.. سراسر دیکھ لیا، جب دیکھا کہ جابجا قتیل کے کلام کا حوالہ دیتا ہے.. کتاب اور مولف پر لعنت بھیجی.. جو میاں انجو کو نہ مانے گا وہ میاں جی غیاث الدین کو کیا جانے گا؟ بارے جب رامپور.. کے صاحبزادگان عالی تبار اور رؤسائے نامدار سے ملاقاتیں رہیں تو.. معلوم ہوا کہ ایک ملائے مکتبدار تھا نہ رئیس کا روشناس نہ کا بشہرۂ آشنا۔ ایک گمنام ملا.. چند صاحب مقدور لڑکے اس کے مکتب میں پڑھتے تھے، انھوں نے صرف زر میں اس کو مدد دی۔ چھاپ بندر کے جس نے

---

[1] نثر مرجز کی جو مثال غیاث میں ہے، اس پر بھی غالب معترض ہیں (رجوع بہ قتیل)۔

بخار کی تقلید کی تھی ایک فرہنگ لکھ کر چھپوائی" (تیغ تیز ص۱۶)

(۱) غیاث میں ہے "طرح بالفتح انداختن و دور کردن و قائم کردن بنائے مکان و نمونۂ عمارت نو و مبنی نقاشی و کنارہ گرفتن از کارے ..." طرح بفتحتین کا اس میں ذکر ہی نہیں، کوئی بات ایسی نہیں جس پر اعتراض وارد ہو سکے۔ (۲) انشائے خلیفہ وغیرہ کا ذکر دیباچۂ غیاث میں اس لیے ہے کہ یہ کتابیں صاحب غیاث کے زمانے میں درس میں شامل تھیں۔ قتیل کے علاوہ اس نے ان لوگوں میں سے جن کے نام غالب نے لیے ہیں کسی سے استناد نہیں کیا۔ (۳) غیاث الدین کے متعلق عمائد رامپور کے حوالے سے جو کچھ لکھا ہے وہ صریحاً غلط ہے اور ممکن نہیں کہ غالب نے ان سے سنا ہو۔

فرہنگ سروری یا مجمع الفرس تقی اوحدی نے اپنے تذکرے (نسخۂ پٹنہ) میں لکھا ہے کہ محمد قاسم سروری کاشانی اکثر اوقات اصفہان میں رہتے تھے (ظاہرا مرآۃ العالم نسخۂ پٹنہ میں اسی وجہ سے سروری کو صفاہانی بتایا ہے) اور شعرا کے کلام پر ان کی بڑی نظر تھی۔ (فہرست مخطوطات فارسی برٹش میوزیم میں تقی کاشی کے تذکرے سے منقول ہے کہ تیس ہزار اشعار سے زیادہ یاد تھے)۔ انھوں نے ایک سودمند فرہنگ لکھی ہے اور سماعت میں آیا ہے کہ بعد اختتام کتاب، اس میں تغیر بھی کیا ہے۔ میری فرہنگ، بسرزہ سلیمانی اصفہان میں اتمام کو پہنچی تو سروری نے رشک و حسد سے "حاکم عراق" کے سامنے مجھ پر سرقے کا الزام لگایا، مگر ان سے اس نے مسکت جواب پایا۔ یہ بات شہر میں پھیل تو لوگ انھیں چھیڑنے لگے اور یہ شرم سے وطن چلے گئے، مگر اب سننے میں آیا ہے کہ بہت دن سے پھر اصفہان میں ہیں۔ سنہ ۱۰۳۰ھ کے بعد خبر ملی ہے کہ لاہور میں مقیم ہیں۔ برٹش میوزیم کی فہرست میں حوالے کے ساتھ مرقوم ہے کہ یہ ۱۰۳۲ھ میں اصفہان میں تھے جہاں (Pietro della Valle) ان سے ملا تھا۔ میوزیم کے ایک نسخے کے خاتمے سے پتا چلتا ہے کہ یہ ۱۰۳۶ھ میں لاہور میں تھے اور مرآۃ العالم میں ہے کہ عہد شاہجہاں میں ہند آئے، مکہ جا رہے تھے کہ راہ میں وفات پائی۔

انڈیا آفس کے فارسی مخطوطات کی فہرست میں فرہنگ سروری کے ایک مطبوعہ نسخے کا ذکر ہے، لیکن یہ میری نظر سے نہیں گزرا! میں نے اس کے جو دو نسخے دیکھے ہیں، وہ کتب خانۂ مشرقیہ پٹنہ میں ہیں۔ ایک کے دیباچے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فرہنگ ۱۰۰۸ھ میں ۴۴ مجہول المصنف رسالوں اور حسب ذیل ۱۲ کتب کی مدد سے مکمل ہوئی تھی: شرف نامہ، معیار جمالی، تحفۃ الاحباب، فرہنگ وفائی، رسالۂ اسدی طوسی، نسخۂ ابراہیم صفاہانی، رسالۂ محمد ہندوشاہ، مؤید الفضلا، شرح سامی فی الاسامی، رسالۂ ابوحفص سغدی، ادات الفضلا، جامع اللغات منظوم نیازی حجازی (دوسرے نسخے میں ہے کہ بعض نسخوں میں حجازی کی جگہ بخاری)۔ دیباچے میں ابوالمظفر شاہ عباس کی مدح بھی ہے۔ دوسرا نسخہ پہلے سے بہت زیادہ ضخیم ہے، مگر ناقص الطرفین۔ فہرست مآخذ میں ۴۴ مجہول المصنف رسالوں کی جگہ کتب ذیل کا ذکر ہے:

زفان گویا، ترجمۂ صیدنۂ ابوریحان بیرونی، نسخۂ لطف اللہ بن یوسف حلیمی اور لسان الشعرا! باقی مآخذ وہی ہیں، جو نسخۂ اول میں مذکور ہیں۔ احمد علی احمد نے شمشیر تیز تر میں فرہنگ سروری کا جو دیباچہ نقل کیا ہے (ص۶) وہ نسخۂ ۲ کے مطابق ہے، مگر احمد کا بیان ہے کہ اس نسخے میں جو ان کے پیش نظر تھا، ایک "سرنامہ" ملحق ہے، جس کا ایک ٹکڑا یہ ہے "چوں در ۱۰۳۸ مؤلف .. بشرف مطالعۂ فرہنگ نواب .. جمال الدین حسین انجو (مراد از فرہنگ جہانگیری) کہ دریں سال از ہند آوردند، مشرف شد، ایں نسخہ را بالحاق بعضے از لغات و فوائد آں مزین گردانید و فرہنگ مطلق ہر جا مذکور

میشود کہ یا از آنست و .. شامل اللغۃ قرا حصاری .. و .. تحفۃ السعادت نیز دریں سال بنظر رسید" یہ سرنامہ پٹنہ کے نسخے سے غائب ہے، لیکن، نسخۂ دوم میں بہت جگہ "فرہنگ" کے حوالے ہیں۔ ۱۲۳۰ھ محل نظر ہے؛ اور برٹش میوزیم کی فہرست میں صراحتہً مرقوم ہے کہ ۱۲۳۵ھ صحیح نہیں، ۱۲۲۳ھ درست ہے بعض قرائن اس پر دلالت کرتے ہیں کہ فرہنگ سروری کی دو سے بھی زیادہ روایتیں ہیں۔

روایت اول فرہنگ جہانگیری کے مآخذ میں رہی ہے اور یہ فرہنگ برہان قاطع کے ان خاص ماخذوں میں ہے جن کا ذکر اس کا دیباچے میں ہے۔ یہ فرہنگ رشیدی کے ماخذوں میں بھی ہے لیکن عبدالرشید سروری کی بے احتیاطی کا شاکی ہے۔ میری رائے میں انجو اور سروری نے بڑا کام کیا ہے اور ان کی کتابیں آقائے پورداؤد کی توصیف کی مستحق ہیں (فرہنگ ایران باستان)۔

غالب نے قاطع برہان میں اعتراف کیا ہے کہ وقت تحریر برہان کے خاص مآخذ میں سے ایک بھی پیش نظا نہ تھا؛ اس اقرار میں اس کی گنجائش ہے کہ یہ فرہنگ زمانۂ سابق میں انھوں نے دیکھی ہو، لیکن قرائن اس کے بالکل خ ۲۳ بڑا اہم سوال یہ ہے کہ غالب کے نزدیک سروری ایرانی تھا یا نہیں، اس کا جواب بہ آسانی حاصل ہو سکتا ہے، بشرطیکہ امور ذیل پر ٹھنڈے دل سے غور کیا جائے: (۱) غالب نے قاطع برہان میں کسی جگہ یہ نہیں لکھا کہ ہندوستانیوں کے سوا کسی نے فرہنگ نہیں لکھی؛ یہ بات پہلی بار ان کے قلم سے لطائف غیبی میں نکلی ہے (۲) احمد نے مؤید برہان کی تصنیف میں فرہنگ سروری سے کام لیا تھا اور دیباچے سروری "کاشانی" کے متعلق لکھا تھا کہ اس نے اپنے خطبے میں بتایا ہے کہ "چون در ۱۰۲۸ .. فرہنگ جہانگیری از ہند آوردند .. بعضے لغات و فوائد آں نیز درج کردم" (مث) اس سے بالکل واضح ہے کہ سروری ایرانی ہے اور اس کی کتاب ایران میں تالیف ہوئی تھی۔ (۳) غالب نے جب مؤید کے رد میں برہان لکھی تو صاحب مؤید کے حوالے سے قطران و اسدی کی فرہنگوں کا ذکر کیا اور مقدم الذکر کے متعلق کچھ کہے بغیر مؤخر الذکر کی نسبت فیصلہ کر دیا کہ یہ وجود خارجی سے محروم ہے۔ اس موقع پر یا تو انھیں سروری کے ایرانی ہونے کی تردید کرنی تھی، یا اس کا اقرار کرنا تھا کہ لطائف اور دیباچۂ درفش کاویانی میں میں نے ایرانیوں کے فرہنگ نہ لکھنے کا جو دعویٰ کیا ہے وہ صحیح نہیں، لیکن وہ اس بارے میں بالکل خاموش رہے اور فرہنگ سروری کا تو تیغ تیز میں کہیں نام بھی نہیں لیا۔ (۴) مہیش پرشاد مرحوم نے غالب نمبر علیگڈھ میگزین میں لکھا ہے کہ مؤید کا ایک نسخہ دہلی کی ہارڈنگ لائبریری میں ہے، جس کے حاشیے پر غالب نے خود اپنے قلم سے لکھا ہے کہ سروری کا باپ دادا کاشانی ہو تو ہو، وہ خود غالب کی طرح ہندی المولد ہے۔ میری رائے میں ایرانی ہونے کے شواہد اس قدر قوی تھے کہ غالب علانیہ انکار کی جرات نہ کر سکے، اور وہ اس قدر آگے بڑھ چکے تھے کہ مراجعت کی راہ بھی مسدود تھی۔

غالب نے ایک جگہ لکھا ہے کہ "لیکور" (شراب کی ایک قسم) فرہنگ سرد میں ہو تو ہو۔ فرہنگ سروری میں تو اس کے ہونے کی کوئی وجہ نہیں؛ فرہنگ سرور شاید برعایت شراب ظرافتہً کہا ہے۔

قتیل غالب سے کم و بیش ۴۰ برس قبل پیدا ہوئے تھے، اور جس زمانے میں ان کی شعر گوئی کا آغاز ہوا ہے، ایک فارسی گو و فارسی داں کی حیثیت سے ہندوستانگیر شہرت کے مالک تھے۔ قتیل کی موت کے وقت غالب کم و بیش ۲۰ سال کے تھے، اور چونکہ اس وقت تک غیر مشہور تھے، قتیل نے ان کا نام بھی کبھی نہ سنا ہو تو عجب نہیں۔ غالب کے ورود لکھنؤ سے

برسوں پہلے قتیل راہی عدم ہو چکے تھے، مگر اس زمانے میں لکھنؤ قتیل کے معتقدوں اور شاگردوں سے مملو تھا۔ غالب کے ان لوگوں سے کیسے تعلقات رہے، اس کی خبر نہیں، مگر جب یہ کلکتہ پہنچے ہیں، تو وہاں عین مشاعرے میں قتیل کے کسی شاگرد یا معتقد نے ان پر اعتراض کیا تھا۔ غالب نے خود تو کہیں یہ نہیں لکھا کہ اس موقع پر میں نے کیا جواب دیا تھا، لیکن، حالی کا بیان ہے کہ "انھوں نے قتیل کا نام سُن کر ناک بھوں چڑھائی اور کہا کہ میں دادالی[1] سنگھ، فرید آباد کے کھتری کے قول کو نہیں مانتا، اور اہل زبان کے سوا کسی کے قول کو قابل استناد نہیں سمجھتا" (یادگار غالب ص۲۲) حالی یہ بھی کہتے ہیں کہ اس پر "زیادہ جوش و خروش بڑھا اور مرزا پر اعتراضوں کی بوچھاڑ پڑنے لگی .. انھوں نے تنگ آکر .. باد مخالف لکھی" اس مثنوی کی روایت اولیں میں قتیل سے متعلق جو اشعار ہیں وہ بعد حذف بعض درج ذیل ہیں:

| | |
|---|---|
| دینکہ در پیشگاہ بزم سخن | بزبانہا فتادہ است از من |
| کہ[2] فلاں باقتیل نیکو نیست | مگس خوان نعمت او نیست |
| خود کسے نا سزا چرا گوید | نا سزا آنکہ نا سزا گوید |
| فیضے از صحبت قتیلم نیست | رشک بر شہرت قتیلم نیست |
| نہ ہوا خواہیے نہ دشمنے | درمیانست پاے ہم فنے |
| حاش للہ کہ بد نمیگویم | واں ہم از پیش خود نمیگویم |
| مگر آنانکہ پارسی دانند | ہم بریں قول و عہد و پیمانند |
| کہ ز اہل زباں نبود قتیل | ہرگز از اصفہاں نبود قتیل |
| لاجرم اعتماد را نسزد | گفتہ اش استناد را نسزد .. |
| دوستاں را اگر زمن گلہ است | کہ خرامش خلاف قافلہ است |
| میرویم از پے قتیل ہمہ | ساختہ مرد را دلیل ہمہ .. |
| می[3] شوم خویش را بصلح دلیل | می سرایم نواے مدح قتیل |
| تا[4] نماند دگر ز من گلہ | اسد از پیروان وے صلہ .. |

---

[1] غالب کی تحریروں میں دیوانی سنگھ، اور غالباً یہی صحیح؛ اسلامی نام محمد حسن ہے دریاے لطافت مرتبہ ڈاکٹر عبدالحق کے سرورق میں غلط نام درج ہے۔ غالب نے ایک جگہ فرید آبادی (عود ص۱۵۳) اور دوسری جگہ ظاہرا بلحاظ قیام لکھنوی کہا ہے (ص۲۰۳) لیکن قتیل بلدی الولد اور اصلاً پنجاب کے تھے۔ [2] اس شعر کے بعد روایت آخر میں یہ شعر:

| | |
|---|---|
| زلہ بردار کس چرا باشم | من بنام مگس چرا باشم |

[3] اس سے کچھ قبل روایت آخر میں یہ شعر:

| | |
|---|---|
| آنکہ طے کردہ ایں مواقف را | چہ شناسد قتیل وواقف را |

[4] اس کے بعد روایت آخر میں یہ اشعار:

| | |
|---|---|
| گفتن آئین ہوشیاری نیست | لیک دانستن اختیاری نیست |
| گرچہ ایرانیش نخواہم گفت | سعدی ثانیش نخواہم گفت |
| لیک از من ہزار بار بہ است | از من و ہم چو من ہزار بہ است |

قتیل نے ایک جگہ اپنے کو سعدی ثانی کہا ہے۔

نخلبند[۵] حدیقۂ معنی ‏ ‏ ‏ پادشاہ سلیقۂ معنی +
بہ تنومندی خیال دقیق ‏ ‏ ‏ موشگاف غوامض تحقیق +
طرز تحریر را نوی از وے ‏ ‏ ‏ صفحہ ارتنگ معنوی از وے
نثرش آئینۂ صفاے وحید ‏ ‏ ‏ نظمش آہنگ بربط ناہید ..
بر بساط سخنوری نامی ‏ ‏ ‏ درسخن ہم پیالۂ جامی +
چو مے گفتگو بکاس کند ‏ ‏ ‏ زہر در جام بو نواس کند +
بکلامش ثیا ز حسان را ‏ ‏ ‏ ہم زبانیش فخر سحبان را +
بدرش انوری و خاقانی ‏ ‏ ‏ آیں بدرو نیرۂ ایں بدربانی +
بوجود چنیں شگرف بیاں ‏ ‏ ‏ رشک دارد عجم بہ ہندستاں +
وصف او حدچوں منے نبود ‏ ‏ ‏ ہر در خور د روزنے نبود
من کف خاک داد سپہر بلند ‏ ‏ ‏ خاک را کے رسد بہ چرخ کمند"

یہ تعریف نہیں، ہجو ملیح ہے اور روایت آخر میں یہ بات واضح تر ہوگئی ہے ۔ مناقشۂ کلکتہ کے بعد سے غالب کو قتیل سے عداوت سی ہوگئی تھی اور وہ اس کی تذلیل و توہین کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتے تھے ۔ کمال یہ کہ اپنی وسعت مشرب اور نامقیدی کے باوجود، قتیل کا اسلام بھی ان کے نزدیک نامقبول تھا، اور وہ اس کے بھی روادار نہ تھے کہ اسے "مرحوم" کہا جائے ۔ ان کی نثر کے کچھ اقتباسات ملاحظہ ہوں :

" اس کے خرافات پڑھے جائیں اور جو میں عرض کروں اس پر آپ غور کریں تب معلوم ہو کہ یہ کتنا لغو اور فارسی دانی سے کتنا بیگانہ ہے " (عود ص۱۹) اصل فارسی کو اس کھتری بچے علیہ ما علیہ نے تباہ کیا، رہا سہا غیاث الدین .. نے کھو دیا .. خر کرد وہ خران ناشخص کیا کہتے ہیں اور میں .. کیا بکتا ہوں .. ان غولوں پر لعنت بھیجو " (ص۲۸) "واقف و قتیل ۔ تو اس قابل بھی نہیں کہ ان کا نام لیجیے " (ص۵۶) " راہ سخن " کا " غول " (ص۶۳) " لالہ قتیل " (ص۱۳) " نظامی اب ایسا ہوا کہ جب تک فرید آباد کا کھتری ، دیوانی سنگھ ثم متخلص بہ قتیل جن کو حضرت نے مرحوم لکھا ہے ، اس کی تصدیق نہ کرے .. اس کا کلام قابل استناد نہ ہو " (ص۱) " لالہ دیوانی سنگھ ، قتیل متوفی (ص۱۹) " الّو کا پٹھا قتیل " (اردوے معلیٰ ص۳۹۱) " چار شربت (قتیل کی تصنیف) .. کو میں حیض کا لتہ سمجھتا ہوں (ص۳۸۱)

پنج آہنگ میں حکیم احسن اللہ خاں کے نام کا ایک خط ہے، جس کا ایک ٹکڑا یہ ہے: " بدعوی گاہیکہ توانائی قتیل را بفرو ہیدگی فرہنگ مسلم داشتہ .. باشند باکہ باید گفت کہ نتائج طبع ما کجا نیست " (کلیات ص۱۱۱)

---

[۵] ان دو اشعار کی جگہ روایت آخر میں یہ اشعار :

نظمش آب حیات را ماند ‏ ‏ ‏ در روانی فرات را ماند
نثر او نقش بال طاؤس است ‏ ‏ ‏ انتخاب صراح و قاموس است
پادشاہیکہ در قلمرو حرف ‏ ‏ ‏ کردہ ایجاد نکتہ ہاے شگرف
خامہ جندوے پارسی دانش ‏ ‏ ‏ ہندیاں سربخط فرمانش

وہ تمام اشعار جن کے مقابل صلیب نما نشان ہے روایت آخر میں نہیں ہیں ۔

کلیات نظم میں یہ بیت ملتی ہے:

غالب سوختہ جاں راچہ بگفتار آری  بدیاریکہ نداتند نظیری زقتیل

غالب نے کسی سے یہ سن کر کہ صاحب مؤید برہان نے قتیل کی تعریف کی ہے اس کے بارے میں اپنے قطعے میں جو سبد چیں میں شامل ہے، لکھا:

درجہاں توام بود روے وے ولپشت قتیل  پیشواے خویش ہندو زادۂ راکردہ است
باقتیل دجامع برہان و لالہ ٹیک چند  لابہ دسوگیری ولطف و مداراکردہ است
داورگیاہے بنا فرمودہ دروے ہر سہ را  منصف وصدر امین وصدر اعلیٰ کردہ است

اب قتیل پر غالب کے جو اعتراضات والزامات ہیں ان پر ایک نظر ڈالیے:

(۱) جامہ گذشتن = مردن کے استعمال کی نسبت لکھا ہے کہ اس میں بہت احتیاط کیا کرو، حالانکہ بے تکلف جہاں مردن آئے وہاں یہ آسکتا ہے۔ قتیل نے ہرگز یہ نہیں کہا کہ احتیاط ضروری ہے (تفاصیل "غالب بحیثیت محقق" طبع ثانی)

(۲) یک وجب خاک بکوے تو زخوں پاک نبود کشتہ برکشتہ تپاں بود دگر خاک نبود۔

اعتراض یہ ہے کہ "خاک نبود" ہندی کا ترجمہ ہے "ہیچ نبود" کا محل تھا، قتیل چاروں شانے چت گرا ہے" قتیل نے بہت پہلے یہ کہہ دیا تھا کہ اس شعر میں "خاک نبود" اصلی معنی میں آیا ہے، بطور محاورہ نہیں (تفاصیل غالب بحیثیت محقق)

(۳) "یکے از پرورش آموختگان قتیل نومسلم در کلکتہ بمن گفت استاد .. جز اسمے چند کہ شمار آں از پنج یا شش نگذرد، ماقبل کدہ آوردن .. جائز نہ مے شمارد۔ پاسخ گزاردم کہ بیخبراں نگفتہ، چوں خودے کار برخود تنگ گیرند، آگاہ دلاں راچہ افتادہ کہ توقیع ناروا راپذیرند۔ حیرتکدہ وظلمت کدہ .. وامثال اینہا در نظم و نثر اہل عجم بسیار است" (قاطع ص۱۳۷)

"کدہ" کا ذکر بادمخالف میں نہیں، مگر بقول خود تلمیذ قتیل کو جو جواب انھوں نے دیا ہے اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ مشاعرے میں قتیل کے قول کی بنا پر اعتراض ہوا ہو گا تو کس قدر بپھر گئے ہوں گے۔ لفظ زیر بحث کے متعلق قتیل نے نہرالفصاحت[1] میں لکھا ہے کہ "کدہ" ۵ لفظوں، بت، غم، آتش، مے، گلشن کے ساتھ ملحق ہوتا ہے۔ ان کے علاوہ مسموع نہیں؛ آبکدہ نہ جانے درست ہے یا غلط ص۲۵ حاشیے کی عبارت یہ ہے: "یعنی ایں باصول اند وسواے ایں .. آنچہ در کلام اساتذہ یافتہ شود فروع اینہا باشد، حصر بمقصود نیست و فروع در اصل داخل است" یہ حاشیہ نہ معلوم کس کا لکھا ہوا ہے، اگر قتیل کا ہے تو گویا انھوں نے اپنا دعویٰ واپس لے لیا ہے۔ اس صورت میں متن میں جو کچھ ہے وہ لاحاصل ہے۔ یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ قدما کے یہاں صرف مرقومہ بالا الفاظ کے ساتھ کدہ آیا ہے۔

---

[1] نہرالفصاحت کا ایک قلمی نسخہ ۱۲۳۳ھ کا لکھا ہوا کتب خانۂ شرقیہ میں ہے، جس کا تعلق قتیل کے ایک شاگرد، میرزا احمد شفیع سے رہ چکا ہے، اس میں حواشی ہیں، مگر "کدہ" سے متعلق کوئی عبارت حاشیے میں نہیں۔

دقیقی کے اشعار میں جو شامل شاہنامہ ہیں پرستشکدہ موجود ہے، اور خاقانی کے یہاں عیسیٰ کدہ (ص۳۵) ملتا ہے۔

(۴) قاطع میں جہاں "کدہ" ذکر ہے "ہمہ بھی آیا ہے اور لکھا ہے کہ اجتہادِ قتیل کے بموجب اسم موذر کے ساتھ اس کا استعمال روا نہیں۔ غالب کہتے ہیں کہ ہر روز، ہمہ شب، ہمہ عالم، ہمہ جا گرا نمایہ شعرا کے یہاں ہزار جگہ ملے گا (قاطع ص۳۱) غالب کے مصرع: "جزوے از عالمم و از ہمہ عالم بیشم" پر برسرِ مشاعرہ اعتراض ہوا تھا، اور اس کا ذکر بادِ مخالف میں بھی ہے۔ یہ بات کہ ہمہ عالم وغیرہ غلط ہیں مجھے قتیل کے تصانیف میں کہیں نہیں ملا، مؤید برہان میں اس کی تردید بھی کی گئی ہے کہ یہ قول قتیل کا ہے (ص۳۰۴) اور غالب نے تیغِ تیز میں جو مؤید کا رد ہے اس کا کچھ جواب نہیں دیا۔ قتیل کے دو مصرع جن میں "ہمہ عالم" آیا ہے یہ ہیں: "دگر نہ در ہمہ عالم صفا کجاست کہ نیست" "فغاں ز دستِ فراقست در ہمہ عالم" (مؤید ص۳۰۴)

(۵) قدر نے جامک (جام + ک) لکھا تھا، غالب مانع آئے اور اعتراضاً کہا کہ "یہ طرز قتیل کی ہے کہ وہ ایرانیوں کی تقریر کے موافق تحریر بناتا ہے" (اردوئے معلیٰ ص۴۰۲)۔ یہ ضروری نہیں کہ تقریر و تحریر میں ہمیشہ فرق ہو، اور یہ کہنا مقصود ہے کہ قتیل کی تحریر التزاماً تقریر کے مطابق ہوتی ہے تو یہ صحیح نہیں۔ "جامک" ایک مستند ایرانی شاعر، طغرا کے یہاں بھی آیا ہے "جامکے در دست مینا در بغل" (تفاصیل غالب بہ حیثیت محقق)

(۶) مولوی جی (صاحب مؤید برہان) نے قتیل کی پیروی کی ہے کہ وہ غلط غلط محاورے لکھ کر اس کی تصحیح کرتا ہے، مثلاً "نان از مربائے سیب خوردم" کو غلط کہتا ہے اور ہدایت کرتا ہے کہ "نان با مربائے سیب خوردم" کہو" (تیغ تیز ص۹) صاحب مؤید کا جواب یہ ہے: "نان از مربائے سیب خوردم"... فرضی نیست، چنانچہ عبدالرحیم دہری در فرہنگ بستان ایں غلط عوام را نشان دادہ و گفتہ کہ نادانان ترجمۂ ہندی زباں مے کنند" (شمشیر تیز تر ص۴۳) ایسے جھوٹ سے قتیل کو کیا فائدہ پہنچ سکتا تھا، اعتراض نادرست ہے "(نان الخ نہر الفصاحت میں ہے)

(۷) "حسب لیاقت خود کافی است، "خودم" چہ محل دارد؟ مگر ہماں شیوۂ قتیل! "بندۂ مجبورم" ہماں سکۂ قتیل" (اردوئے معلیٰ ص۴۰۴) اعتراض غلط ہے: "برائے ادائے "تکلیف وجدانی خود با نہایت قلت بضاعت بجز و ضعیف خودم" (بیست مقالۂ قزوینی جلد ا ص۸) "نگارندۂ ایں سطور چوں اضعف افراد ایرانیانم" (ایضاً ص۱)

(۸) غالب نے صراحتہً نہیں لکھا لیکن ان کے بعض عبارات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ قتیل نے نثرِ مرجز کی تعریف صحیح نہیں لکھی یا اس کا نمونہ غلط دیا ہے۔ چار شربت کی تعریف اور مثال ملتی ہے: "مرجز نثرے باشد کہ از قافیہ پاک بود، اما فقرۂ اولیٰ با فقرۂ ثانی مساوی الوزن باشد مثلاً "چشم کوکبہ مشتاق فیض از جمال پاک آں اختر لشکر است و دست دولت محتاج خیر از عطائے عام آں دار حشمت است" چوں مروج و مستعمل در تحریر نیست مثالش نشاں دادن ضرور بود" (نسخۂ کتب خانۂ مشرقیہ)

غالب کے نزدیک نثرِ مرجز اور نظم غیر مقفیٰ میں فرق نہیں (مثال کے لیے عود ص۱) قتیل کی رائے میں الفاظ کا فرداً فرداً ہم وزن ہونا اور آخر میں قافیے کا نہ ہونا ضروری ہے؛ عروض کے مطابق فقروں کی تقطیع ہو سکتی ہو یا نہ ہو سکتی ہو؛ اس سے انھیں بحث نہیں۔ انھوں نے جو مثال دی ہے، وہ عروضی نقطۂ نظر سے موزوں نہیں، لیکن فقرتین میں ہر لفظ

مقابل کے لفظ کے برابر ہے۔ میں نے "دستور شگرف" کی بحث (نقوش لاہور) میں جو رائے ظاہر کی ہے، اسے قطعی نہ سمجھا جائے۔ "میں نثر مرجز" کی بحث میں اس کے متعلق تحقیق کے بعد لکھوں گا۔

(۹) غالب نے ظاہراً قتیل پر ایک اعتراض (تفاصیل نامعلوم) خود لکھ کر اشرف الاخبار میں سیاح کے نام سے چھپوایا تھا۔ ایک خط میں سیاح کو اس کی اطلاع دی گئی ہے (اردوے معلّٰی ص۱۳۰)

**منتہی الارب** مؤلفہ عبدالرحیم بن عبدالکریم صفی پوری کے دیباچے میں ہے: "چناں خطور میکرد کہ لغات قاموس را بزبان فارسی بیان سازد لیکن قلت بضاعت۔ مانع آمد تا آنکہ ہمت۔۔ مدرس مدرسہ فورٹ ولیم جناب یوسف ازلی۔۔ اقتضاے آں کرد کہ کتابے حاوی لغات عربی از کتب معتبرہ مانند قاموس وصحاح اللغات و شمس العلوم و نہایت الجزری و مجمع البحار و دیوان الادب و حیات الحیوان و تاج الاسامی و تاج المصادر بیہقی و مہذب و مزہر و معرب وغیرہ مستخرج۔۔ گردیدہ بر وشتے تدوین پذیرد کہ ہر طالب۔۔ بلا تردد۔۔ بمطلب خود پے برد۔۔ چوں حل لغات قاموس۔۔ مرکوز خاطر بود تدوین لغات بطرز ترجمۂ آں بعبارت فارسی سلیس بنحویکہ ہر کس از آں بہرہ یاب تواند شد اختیار آمد و ہر معنی یا لغتے کہ در قاموس۔۔ نبود آنرا از کتب سابق الذکر برآوردہ بجایش افزود و بنظر تسہیل استخراج لغت۔۔ بر حرف اول و ثانی ترتیب داده وچوں۔۔ باعتبار ترتیب الفاظ و کثرت معانی و لغات کتابے است جداگانہ مسمّٰی بہ منتہی الارب فی لغات العرب گردید" مؤلف تو اسے "جداگانہ" کتاب کہتا ہی ہے، اس کے دیکھنے سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ قاطع میں قاموس کے ساتھ اس کا نام بھی آیا ہے (ص۹۹) اور غالب پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ جب فارسی لغات کے لیے غیر ایرانی کی لکھی ہوئی فرہنگوں کو قطعاً غیر معتبر قرار دیتے ہیں تو منتہی الارب سے عربی الفاظ کے لیے استناد کے کیا معنی! منتہی الارب ترجمۂ محض ہوتی جب بھی اعتراض اپنی جگہ پر رہتا؛ اول تو اس لیے کہ خود قاموس غیر عرب کی تالیف ہے، دوسرے یہ کہ منتہی الارب میں معانی فارسی میں دیے ہیں؛ قاموس میں عربی الفاظ کے فارسی بدل موجود نہیں۔ مثلاً قاموس میں کمثری ہے، لیکن اس کا فارسی بدل جو منتہی الارب میں ہے اس کا ذمہ دار خود اس کا مؤلف ہے۔

**مناقب العارفین** احمد افلاکی کی تصنیف ہے جو نامور صوفی و شاعر، جلال الدین رومی کے پوتے امیر عارف (متوفی ۷۱۹ھ) کا مرید تھا۔ مناقب میں صرف ان اصحاب کے حالات ہیں جو رومی سے تعلق رکھتے تھے اور یہ طبع بھی ہو چکی ہے، مگر میں کتب خانہ مشرقیہ پٹنہ کے خطی نسخے سے کام لے رہا ہوں۔ غالب کا قول ہے: "در مناقب العارفین دیدہ ام کہ یکے از بنات ملوک کہ در حبالۂ نکاح مولوی روم بود، کرا کا نام داشت۔ ہمانا ایں جہر خوان خواہد بود و اسم دراے ایں" (قاطع ص۱۲۶) مناقب میں رومی کی ۲ بیبیوں، گوہر خاتون (دختر خواجہ شرف الدین لالاے سمرقندی) اور کرا خاتون (قونوی ورق ۱۲۱) کا ذکر ہے، اور ان دونوں کا کسی شاہی خاندان سے تعلق ثابت نہیں۔ مناقب میں رومی کے دادا جلال الدین حسین خطیبی اور دختر شاہ خراسان) کے عقد نکاح کا حال البتہ لکھا ہے، شاید یہی وجہ اشتباہ کی ہو۔ کرا اور کرا کا دو مختلف خواتین ہیں، پہلی ساس ہیں اور دوسری بہو۔ بہو صلاح الدین (رومی کے دوست) کی بیٹی تھیں اور ان کے حالات سے جو اس کتاب میں ہیں، مطلقاً ثابت نہیں کہ ان کا کسی شاہی خاندان سے دور کا بھی سروکار تھا۔ افلاکی نے کہیں صراحۃً نہیں بتایا کہ کرا کا عرف اور فاطمہ خاتون اصلی نام ہے، مگر ایک ہی بحث میں دو، تو اس طرح آئے ہیں کہ اس میں شبہے کی گنجایش

نہیں رہتی کہ دونوں ایک ہی خاتون کے نام ہیں۔ کراکا کے شوہر بہاء الدین ولد اور بیٹے امیر عارف تھے۔ اقتباسات ذیل ملاحظہ ہوں:

(۱) "چوں حضرت سلطان ولد (بہاء الدین) مراہق شد... حضرت مولانا دختر شیخ صلاح الدین، فاطمہ خاتون را بسلطان ولد نامزد کردند... روزے درمیان اصحاب فرمود کہ چوں فاطمہ خاتون را بہ بہاء الدین ما عقد کردند، تمام فرشتگان... وحوران شادیہا میکردند" (ورق ۱۴۲) (۲) بیان ولادت نبیرۂ رومی: "مشتے زر بر سر فاطمہ خاتون نثار کردہ فرزند... را درخواست و از دست قابلہ قبول کرد... در ثلث شب باز آورد و بدست خاتون داد۔ گویند و (کذا) بخدمت... والدۂ کراکا سپرد و زرے چند ہم در کنار پیراہن بستہ بود... و خدمت کراکا آں مجموع را سالہا برائے تبرک نگاہ میداشت، و گویند مایۂ جہاز مطہر خاتون و شرف خاتون (دختران کراکا) از آں دینارہا بود" (ورق ۲۷۶) (۳) "روزے حضرت کراکا... حکایت کرد کہ چوں حضرت خداوندگار (رومی) از عالم قدم نہادہ، ہمانا... شب و روز نالہ و زاری و قرارے نداشتم، از آنکہ در حق من از حالت صغر تا حالت کبر عنایت موفور داشت، و پادشاہی و پدری مینمود و بیم آں بود کہ خود را از آں ضجرت ہجرت کنم و سہ شبانہ روز بر سر امیر عارف ہرگز نرفتم و او را شیر ندادم و او نیز... شیر، ہیچ دایہ را قبول نکرد و چیزے نخورد... شبے حضرت مولانا را در خواب دیدم فاطمہ خاتون چرا بجد مینالی و مویہ میکنی، اگر... برائے من است، من... نرفتہ ام مراد عہد عارف طلب کن، من آنجایم و فیضان انوار من بر اوست... از ہیبت آں اشارت از خواب بیدار شدم و شیر ہا از پستانہائے من رواں شدن گرفت، چنانکہ جامہ ہائے من تر شد... بر سر عہد عارف آمدم... بر روئے من نظر کرد... و از چشمان مبارک او پرتو نور جلال خداوندگار بر من تافتن گرفت، نعرۂ زدم و بیخود شدم" ورق ۲۷۷

محمد علیخاں کے متعلق صبح گلشن میں ہے: "محمد علیخاں رئیس... موہان و سراج الدین علیخاں موجد... برادر بزرگ اوست۔ از جانب حکام انگریزی بعہدۂ جلیلۂ افتائے بوندیل کھنڈ عز امتیاز داشت و در شہر باندا ۱۲۴۷ھ بطریق آخرت قدم گذاشت" اس تذکرے میں ان کے ۴ فارسی شعر ہیں جن میں سے ایک یہ ہے:

دامن کشان ز صحبت من یار میرود  کارم ز دست و دست من از کار میرود

پنج آہنگ میں ان کے نام کے ۸ خطوط ہیں۔ غالب باندہ ہو کر کلکتہ گئے تھے اور یہ وہاں اس زمانے میں صدر امین تھے (پنج آہنگ، کلیات نثر ص۱۶۴)، اور غالب سے ان کی ملاقات میر کرم علی کی بدولت ہوئی تھی، ایک خط میں رقم طراز ہیں: "از عہدۂ سپاس میر کرم علی کہ مرا تا بآں آستاں رہنمونی کردہ اند و بداں سر منزل خضر راہم گردیدہ بیروں آمدن نتوانم، چہ جائے آنکہ مدح ملازمان گویم، حاشا ثم حاشا ع "خاموشی از ثنائے تو حد ثنائے تست" " (کلیات ص۱۷۱)۔ غالب سے یہ عمر میں بہت بڑے تھے اور غالب انھیں اپنا بزرگ سمجھتے تھے، چنانچہ ایک خط کا آغاز اس طرح کیا ہے: "حضرت قبلہ گاہی ولی نعمی را (کذا) مدظلہ العالی گرد سر میگردم" (کلیات ص۱۷۰)۔ یہ اس سے بھی ظاہر ہے کہ غالب نے محمد علیخاں کے نام کے ایک خط میں سید ولایت حسین خاں کو جو ان کے بیٹے یا بھتیجے تھے، "اخوی" لکھا ہے ظاہرا (کلیات ص۱۹۸)۔ مؤخر الذکر اور نواب علی اکبر خاں طباطبائی اور عاشق علیخاں، سفیر اودھ سے تعلقات کا آغاز انھیں کی وجہ سے ہوا اور غالب اس کے لیے ان کے بڑے احسان مند تھے: "ہر گونہ لطفے کہ از صحبت ایں بزرگاں برمیداشتم ہذا من برکۃ البرامکہ... حقا کہ در نورد ایں آوارگی بشما نرسیدی خستگی مرا مرہم و شستگی مرا مومیائی از کجا پدید آمدے" (کلیات ص۱۷۱)۔ ۸ خطوط میں سے ۳ مختلف

مقامات سے جو کلکتہ کی راہ میں پڑتے ہیں، ۴ کلکتہ سے اور ایک دہلی سے لکھا گیا ہے۔ ان میں اشخاص مذکورسے ملاقات، مشاعرہ کلکتہ، سفر کے حالات اور مقدمے کی کیفیت اور بعض دیگر امور مرقوم ہیں۔ سید ولایت حسین کے نام کے ایک خط سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے غالب کو دو سو روپے بھی بھیجے تھے: "والا نامہ .. مع سہ قطعہ نوٹ دو صد روپیہ وصول آوردہ .. ایما رفتہ بود کہ فرستادن کاغذ زر بپایہ حضرت مولوی محمد علیخاں انسب، از آنجا کہ جناب قبلہ گاہی در عنایت نامۂ خویش حرفے ازیں عالم بہ نگاشتہ اند، شگرف حیرتے رو داد .. پذیرفتن عطیہ روان و خرد را سرمایہ تیرگی (کذا) و رد عطاے بزرگاں بیحیائی و خیرگی است؛ ناچار ہر سہ قطعہ با خود نگاہداشتہ ام، تا بخدمت زرسم و ماجراے خویش سر بسر نگذارم و طرز تحریر جناب قبلہ گاہی کہ مشعر کیفیت ایں عطاست نہ بینم و حالہا در نیابم روا نم نیاساید .. بامداد روز یکشنبہ بملازمت میرسم" (کلیات ص ۱۲۹)

**میخانۂ آرزو سرانجام** علی بخش خاں نے پنج آہنگ کے دیباچے میں لکھا ہے:

"در آغاز سال یکہزار و دو صد و پنجاہ و یک شمس الدین خاں را بقضاے آسمانی آں پیش آمد کہ بیخ آفریدہ بنیاد۔ بعد آں ہنگامہ ہم در آں ہنگام از جے پور بدہلی رسیدم .. چوں در آں ایام دیوان فیض عنوان کہ مسمّی بہ میخانۂ آرزو سرانجام است تازہ فراہم آمدہ و پیرایۂ اتمام پوشیدہ بود، آنچہ از نثر در آں ہمایوں صحیفہ صورت ارقام داشت ہمہ را .. خواندم بخاطر چناں گذشت کہ ہمگی نثر از دیوان برچیدہ یکجا کنم و عبارات متفرقۂ دیگر باں ربط دہم و سواد اوراقیکہ نزد من است ضمیمۂ آں سازم .. لاجرم ایں ارادہ صورت ظہور گرفت، و ساز سخنے مشتمل بر پنج آہنگ آراستہ شد"

یہ تو ظاہر ہے کہ علی بخش خاں دہلی پہنچے ہیں، تو دیوان کی ترتیب کو بہت تھوڑے دن گزرے تھے اور اس میں نظم کے علاوہ کچھ نثر بھی تھی جو بعد کو پنج آہنگ میں شامل ہوئی، لیکن، شیخ محمد اکرام صاحب نے (ظاہرا) نشانزدہ عبارت کی بنا پر جو یہ لکھا ہے کہ نام میخانۂ آرزو تھا، صحیح نہیں، عبارت صاف کہتی ہے کہ میخانۂ آرزو سرانجام نام تھا۔ یہ بات کہ اچھا ہے یا برا خارج از بحث ہے۔ تعجب نہیں کہ ترکیب کے کڈھب ہونے ہی کی وجہ سے انطباع کے وقت یا اس سے بھی قبل یہ نام ترک کر دیا گیا ہو۔ شیخ صاحب نے کتب خانۂ مشرقیہ پٹنہ میں ۱۲۵۴ھ کا لکھا ہوا جو نسخہ ہے اس کی نسبت کہا ہے کہ یہ میخانۂ آرزو ہے، مگر اس میں یا کسی اور قلمی نسخے میں جو میری نظر سے گزرا ہے یا جس کے بارے میں میں نے اوروں سے معلومات حاصل کیے ہیں، یہ نام نہیں۔ اسے میخانۂ آرزو کہنے کی شاید یہ وجہ ہے کہ اس میں تھوڑی نثر (دیباچہ و خاتمہ کے علاوہ) بھی ہے، جو دیوان مطبوعہ میں موجود نہیں، مگر اس سے یہ غلط فہمی ہوتی ہے کہ یہ دیوان کا وہ اصلی نسخہ جس کا ذکر علی بخش خاں نے کیا ہے۔ یہ نسخہ قعر گمنامی میں پڑا ہو تو اور بات ہے، ورنہ قرائن اس پر دلالت کرتے ہیں کہ ضائع ہو گیا ہے۔

**میستا بیگ** دیوان فارسی مطبوعہ میں میستا بیگ کا قطعۂ تاریخ وفات ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی موت ۱۲۴۸ھ (۳-۱۸۳۲) میں ہوئی تھی۔ دیوان مکتوبۂ ۱۲۵۴ھ میں بھی یہ قطعہ ہے، اور عنوان سے پتا چلتا ہے کہ میستا بیگ کو توال لکھنؤ تھے اور قطعہ آزردہ کی فرمایش سے لکھا گیا تھا۔ غالب نے اس قطعے کی طرف ایک خط (اردوے معلّٰی لاہور ۱۹۲۲ء ص ۳۸۴) میں اشارہ بھی کیا ہے۔ میستا بیگ کا نام تاریخ محتشم میں بھی آیا ہے: "میستا بیگ کوتوال منادی ایں شادی (جلوس نصیر الدین حیدر) کردہ" ص ۱۷۵۔

نصیرالدین حیدر اپنے باپ غازی الدین حیدر کی وفات کے بعد ربیع الاول ۱۲۴۳ھ میں بعمر ۲۵ سال شاہ اودھ ہوئے
یہ غازی الدین حیدر کی طرح فاتر العقل تو نہ تھے، لیکن اس میں کچھ شک نہیں کہ حد درجہ خود رائے، مسرف اور معاملہ نافہم تھے۔
کلیات نظم غالب میں ۲۵ ابیات کا ایک لامیہ قطعہ ہے جس کا عنوان یہ ہے: "قطعہ، ۴ در تاریخ طوے کتخدائی پادشاہ اودھ"
قطعے میں شاہ مذکور کا نام آیا ہے اور ابیات ذیل میں سے بیت اسی ہجری اور بیت ثانی سے عیسوی سنہ نکلتا ہے:

زد رقستم بزم عشرت پرویز ۔۔۔ دیگر گفتم بود زروے وصال
شاہد بخت پادشاہ نویس ۔۔۔ دانگہش بر فزاے حسن کمال

بزم عشرت پرویز + و = ۱۲۴۴ + ۶ = ۱۲۵۰ھ، شاہد بخت پادشاہ + حسن کمال = ۱۶۲۵ + ۲۰۹ = ۱۸۳۴ء
کرم حسین خاں سفیر اودھ کو غالب اسی قطعے کی نسبت لکھتے ہیں:
"آنچہ من در حیلۂ نگارش ایں قطعہ دست مزد خویش مے سنجم روشناس خسرو است، و تشریف قبول و نوید التفات و عطیۂ فتوح، اما کشایش طلسم ایں مدعا در گرو آنست کہ پایہ و مقام ستایشگر بحضرت ممدوح برشمردہ شود، تا بہ اندازہ ارزش شے عطا تواند کرد ورنہ پیداست کہ جائزۂ بادخواناں تا چہ قدر است و بآبروے مدح گستراں تا کجا۔ اندیشہ فتوی میدہد ... کہ پیدائی ایں مراتب بہ اندازۂ گفتار سبحان علی خاں صاحب نباشد، چہ ایشاں آبروے خاکسار بہاے سائل درنظر ندارند وجز شاعر صلہ جو نشمارند۔ اگر مخدوم مرا سر بیکس نوازیست، قطعہ در نورد عرضداشت شاہی فرو پیچید و آنچہ ... در خور دانند ... رقم فرمایند .. اگرچہ پایۂ فرمانروہ اودھ بالا تر از آنست کہ چوں منے لب بہ ستایش تواند گشود، لیکن من ہم در ... ثناخوانی .. تنگ دودمان خویشم .." (پنج آہنگ، شامل کلیات نثر ص۱۴۳)۔ غالب نے جس شادی کی تاریخ کہی ہے وہ قدسیہ بیگم کے حسرتناک انجام کے بعد، مرزا باقر خلف حسین علیخاں چکلہ دار کی دختر سے بتاریخ ۱۳ رجب ۱۲۵۰ھ ہوئی تھی۔ لڑکی کا باپ اس تعلق کو پسند نہ کرتا تھا، لیکن روشن الدولہ نے سمجھا بجھا کر راضی کیا۔ شرط یہ قرار پائی کہ بادشاہ سہرا باندھ کر برات لے کر جائیں، جس میں "سفیر" (رزیڈنٹ؟) اور کل امرا و اعزہ شامل ہوں۔ روشن الدولہ نے لڑکی کو اپنی منہ بولی بیٹی قرار دیا اور برات انھیں کے گھر گئی۔ بادشاہ نے کل رسوم بھی انجام دیے تھے، اور شادی بڑے تکلف کے ساتھ ہوئی تھی، مگر لڑکی کے باپ کے اندیشے صحیح نکلے، بادشاہ نے جو بے حجاب عورتوں کو پسند کرتے تھے، تو عروس کو اپنے مذاق کے مطابق نہ پایا اور اس کی طرف سے انھیں وہم بھی پیدا ہو گیا کہ میری جان لینا چاہتی ہے۔ تھوڑے ہی دن کے بعد بادشاہ کے حکم سے بڑی ذلت کے ساتھ خواص پورہ بھیجی گئی۔ (بصد خواری بقید ظلمت انداختند) (تاریخ محتشم و سوانح سلاطین اودھ)
غالب نے نصیرالدین حیدر کی مدح میں ۱۰۴ ابیات کا ایک قصیدہ بھی لکھا تھا جس کا عنوان ۱۲۵۲ھ و ۱۲۵۶ھ کے مکتوبہ نسخ کلیات میں یہ ہے: "گزارش خیال بہ لکھنؤ بسر و برگ ذریعۂ ایں قصیدہ و نگارش پذیرفتن مدح شاہ اودھ در جریدہ دبورق یادگار ماندن مدح بممدوح نارسیدۂ از عالم مستی ببوے بادۂ ناکشیدہ"
یہ قصیدہ کلیات کے کل نسخوں میں جو میری نظر سے گزرے ہیں موجود ہے اور اس کے چند شعر یہ ہیں:

لکھنؤ دام نشاطے بسر راہے گسترد ۔۔۔ بیخود از ولولۂ شوق بافشاں رفتم ..

---

۱ میرزا باقر علیخاں، دحشت ۔ والد بزرگوارش میرزا حسین علیخاں برادر مہدی علیخاں صوبہ دار بانس بریلی .. ریاض الفصحا ص۲۵۰

از جفاے فلک آہنگ تظلم کردم ۔۔۔ بدر بارگہِ خسرو گیہاں رفتم
خواستم پایۂ قدرش بخیال آوردن ۔۔۔ بہ تنزل سوے اورنگ سلیماں رفتم
در دل افتاد رہ بارگہش سر کردن ۔۔۔ اولیں گام فسا از سرِ کیواں رفتم
شرحے از وسعتِ اخلاق تو آمد بضمیر ۔۔۔ تا ز بالیدم و از عالمِ امکاں رفتم
چوں شنیدم کہ ترا نائبِ مہدی گویند ۔۔۔ بہر تسکیں بہ طلبگاریِ برہاں رفتم
خاکِ نقشِ کفِ پاے تو نشاں داد مرا ۔۔۔ چوں بہ عیسی مریم پے درماں رفتم
بر امیدِ کرمت بود کہ در عالمِ ضعف ۔۔۔ ایں چنیں راہ دراز ایں ہمہ آساں رفتم
بزمِ دستور ترا قلعۂ گلشن گفتم ۔۔۔ چوں بدیدم ہم از آں گفتہ پشیماں رفتم
حالتش گفتم و شرمندۂ نقصاں رفتم ۔۔۔ روشن الدولہ بہادر کہ بہ ایثار و عطا
برکشید ند ہمہ برمکیاں زہر ز رشک ۔۔۔ چوں ثنا خوان سخایش بہ آناں رفتم
تو سلیمانی و او آصف و من مور ضعیف ۔۔۔ راہِ نسبت طلبی بیں کہ چہ شایاں رفتم
بویم بسپر و بنویس براتم بر وے ۔۔۔ تا بدانم کہ بہ آصف ز سلیماں رفتم
صلہ جو نیستم و شعر فروشی نکنم ۔۔۔ راہِ مدحِ تو بہ سرگرمیِ ایماں رفتم
مدتے در وطن از کثرتِ سرمستیِ شوق ۔۔۔ جادۂ مرحلۂ عمر پریشاں رفتم
ساز ہنگامہ نہ اندر خورِ طاقت کردم ۔۔۔ راہِ مستی نہ بہ اندازۂ ساماں رفتم
قطرہ ام قطرہ و لے حال خرابم دریاب ۔۔۔ کہ ز دریا دلیِ خویش بطوفاں رفتم
چشمہ و جو نکند چارۂ لب تشنگیم ۔۔۔ آبجویاں بلبِ قلزمِ درماں رفتم
من ہم از خیلِ گدایانم و خجلت نبود ۔۔۔ گر بدریوزہ بدرگاہِ کریماں رفتم
آمدم بر درِ گنجورِ علی مدح سراے ۔۔۔ نہ بدر کوبیِ گنجینۂ خاقاں رفتم
آب و رنگِ سخنم بنگر و معذورم دار ۔۔۔ گرچہ عرفی رہ فخریہ بہ ہذیاں رفتم
شرفِ ذاتِ من ایں بس کہ ثنا خوانِ توام ۔۔۔ عزت فخر و نسب رانہ ثنا خواں رفتم

یہ قصیدہ ایک عرضداشت کے ساتھ جو روشن الدولہ کے نام تھی (یہ عرضداشت مفقود ہے) غالب نے سبحان علیخاں کو جو مقدم الذکر کے نسں ناطقہ تھے بھیجا تھا، غرض یہ کہ وزیر کے توسط سے بادشاہ کی خدمت میں پیش ہو۔ غالب سبحان علیخاں کو لکھتے ہیں: "دیراست کہ قصیدہ و عرضداشت بداں حضرت رسیدہ و ہم ایں قدر شنیدہ ام۔۔ کہ آں ابیات بہ۔۔ انجمن وزیر اعظم خواندہ شد، دیگر ندانستہ ام کہ نیر التفات نظر تا کجا گسترد و کشایش کار آں قصیدہ را تا بہ بارگاہ شہریار بکدام دستور برد ہر چند سخنم را طالع رسائی نیست لیکن چنانکہ از خان والا شان تا وزیر۔۔ خطوہ افزوں نبود از آنجا تا شاہ۔۔ نیز البتہ قدمے بیش نباشد" (کلیات نثر ص ) ۔ غالب نے ۱۸۳۶ء کے ایک خط میں تفتہ کو جس قصیدے کے متعلق لکھا ہے، وہ میری راے میں قطعاً یہی ہے:

"بڑا پرانا قصہ تم نے یاد دلایا، داغ کہنہ حسرت کو چمکایا۔ یہ قصیدہ منشی محمد حسن کی معرفت روشن الدولہ پاس اور روشن الدولہ کے توسط سے نصیر الدین حیدر کے پاس گزرا، اور جس دن گزرا اسی دن پانچ ہزار روپے بھیجنے کا حکم ہوا۔ متوسط یعنی منشی محمد حسن نے مجھ کو اطلاع نہ دی، مظفرالدولہ.. لکھنؤ سے آئے، انھوں نے یہ راز مجھ پر ظاہر کیا اور کہا خدا کے واسطے میرا نام منشی محمد حسن کو نہ لکھنا۔ ناسخ کو لکھا کہ تم دریافت کر کے لکھو.. انھوں نے جواب لکھا کہ ۵ ہزار ملے ۳ ہزار روشن الدولہ نے کھائے، ۲ ہزار منشی محمد حسن کو دیے اور فرمایا کہ اس میں سے جو مناسب جانو غالب کو بھیج دو، کیسا اس نے ہنوز تم کو کچھ نہ بھیجا.. میں نے لکھ بھیجا کہ.. پانچ روپے بھی نہیں بھیجے.. انھوں نے لکھا کہ اب تم مجھ کو خط لکھو.. کہ میں نے بادشاہ کی تعریف میں قصیدہ بھیجا ہے اور.. معلوم ہوا.. کہ وہ قصیدہ حضور میں گزرا مگر میں نے یہ نہیں جانا کہ اس کا صلہ کیا مرحمت ہوا، میں کہ ناسخ ہوں اپنے نام کا خط بادشاہ کو پڑھوا کر ان کا کھایا ہوا روپیہ ان کے حلق سے نکال کر تم کو بھیج دوں گا.. آج خط روانہ ہوا تیسرے دن شہر میں خبر اڑی کہ نصیر الدین حیدر مر گیا۔ اب کہو میں کیا کروں اور ناسخ کیا کرے" (اردوئے معلیٰ ۳۶۴)

متفرقات غالب میں ناسخ کے نام ایک خط ہے۔ اس کا اقتباس ذیل ملاحظہ ہو:

"مشکیں رقم صحیفہ بشام آرزو را غالیہ سا.. آمد۔ سخت در معرض استفسار کمیت زر ذگری و آنگاہ برہمنوئی سفر دکن۔ نہفتہ مباد آنچہ کہ در عہد میعت نامہ پیشیں ازیں عالم گفتہ شدہ بود سیرابی بیان داشت ورنہ مرا کہ باکشاکش تقاضا خو کردہ.. ام، ازیں ہنگامہ.. گزندے نیست و خود ابنایہ زر کہ از من بداء القضا خواستہ مے شود، بداں نمی ارزد کہ خاطرم را پراگندگی دہد.. آنچہ کہ مرا مے باید از چہل ہزار افزونتر واز پنجاہ ہزار کمتر است۔ حاشا کہ بدیں وجہ آرزوے امر اگر دول گردد، یا خود مناسب حالم بودہ باشد، مگر ایں قدر از دست بہم دہد تا نشینم دشت مشت بر مدعیان فشانم و خود را ازیں بلا کہ دنیاش نامند بر کراں کشیدہ قلندر گردم.. اینکہ لختے از عمر تلف نمودم و مدح شاہ اودھ سرودم، آرایش بساط ایں تمنا بود.. چوں کار ساختہ نشد و زمزمۂ من بدلہاے سخت شاہی فرو نیامد، روے گرد اندم و برخود دریغ خوردم۔ اکنوں من کجا و سفر دکن کجا!" (ص۱۱۰)

(۱) یہ خیال ظاہر کیا گیا ہے کہ اس قصیدے کے معتد بہ اشعار غالب نے دوران قیام لکھنؤ میں کہے تھے، اس کا امکان ضرور ہے، مگر کوئی قطعی بات اس کے متعلق نہیں کہی جا سکتی۔ شاعر لکھنؤ میں موجود نہ ہونے پر بھی یہ تصور کر سکتا ہے کہ وہاں تھا۔ یہ بھی یاد رہے کہ غالب نے ایک نثر کی تمہید میں جو لکھنؤ میں قلمبند ہوئی تھی لکھا ہے: "طبع از فکر قصیدہ تشنگی کرد"

(۲) قصیدہ روشن الدولہ کے عہد وزارت میں جس کا آغاز ۴ جمادی الاخری ۱۲۴۳ھ سے ہوتا ہے، نصیر الدین حیدر کی وفات (۲۷ ربیع الثانی ۱۲۵۳ھ) سے قبل بھیجا گیا، اور غالب کے اردو خط کا لحاظ کیا جائے تو اس سے بہت پہلے نہ تھا۔

(۳) یہ تو ثابت ہے کہ قصیدہ روشن الدولہ کے سامنے پڑھا گیا، لیکن عنوان قصیدہ سے قطعی طور پر یہ مستفاد ہوتا ہے کہ بادشاہ تک نہ پہنچا۔ (۴) ظاہر ہے کہ اس صورت میں صلہ دیے جانے اور روشن الدولہ و محمد حسن کی خیانت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ امر بھی غور طلب ہے کہ اردو خط میں یہ لکھا ہے کہ قصیدہ محمد حسن کی وساطت سے روشن الدولہ کے پاس گیا تھا، اور فارسی خط میں سبحان علی خاں کا نام ہے۔

"اردو ادب" مارچ ۱۹۵۵ء

## امداد علی خاں آشوب دہلوی۔

شیفتہ نے گلشن بیخار کے کچھ اجزا غالب کو اشاعت کے لیے بھیجے تھے اور آشوب کا نام ان کے ترجمے میں اس طرح لکھا تھا کہ یہ سید سے مغل ہو گئے تھے۔ غالب اس باب میں مصنف کو ایک خط میں تحریر کرتے ہیں: "آشوب از اعیان سادات این دیار مد نامش میر امداد علی و نام پدرش میر روشن علی خانست و درین نسخہ بہ امداد علی بیگ مذکور شدہ ـــــ" (پنج آہنگ ص۱۰۶) شیفتہ نے اس غلطی کی تردید کر دی اور نسخۂ مروجہ میں میر روشن علی خاں ہے۔

## کرنیل برون (برن)

غالب دستنبو میں لکھتے ہیں کہ ۲۵ر اکتوبر (۱۸۵۷ء) کو چند گورے میرے گھر میں گھس آئے اور مجھے، دونوں لڑکوں، کچھ (دو تین) ملازموں اور چند ہمسایوں کو اپنے ساتھ کرنیل برون کے پاس لے گئے، جو قطب الدین سوداگر کے گھر میں، جو چوراہے کے اسی طرف (اِیں سوئے چار سوئے ؟) کے فرد کش تھے۔ انہوں نے نرمی سے بات کی اور مجھ سے نام اور دوسروں سے پیشہ دریافت کر کے، اپنا دِل بخوشی رخصت کر دیا۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا اور اس "خجستہ خو" کو آفرین کہی۔ (کلیات نثر ص۳۹۶)

حالی اس واقعے کو اپنے الفاظ میں بیان کرنے کے بعد تحریر کرتے ہیں

"سنا ہے کہ جب مرزا کرنیل کے روبرو گئے، تو اس وقت کلاہ پاپاخ ... سر پر تھی۔ انہوں نے مرزا کی نئی وضع دیکھ کر پوچھا۔ ول! تم مسلمان ؟۔ مرزا نے کہا۔ آدھا۔ کرنیل نے کہا اس کا کیا مطلب ؟۔ مرزا نے کہا۔ شراب پیتا ہوں، سور نہیں کھاتا۔ کرنیل یہ سن کر ہنسنے

لگا۔ پھر مرزا نے وزیر ہند کی چٹھی جو ملکۂ معظمہ کے قصیدۂ مدحیہ کی رسید اور جواب میں آئی تھی، دکھائی۔ کرنیل نے کہا کہ تم سرکار کی فتح کے بعد پہاڑی پر کیوں نہ حاضر ہوئے؟ مرزا نے کہا۔ میں چار کہاروں کا افسر تھا، وہ..... مجھے چھوڑ کر بھاگ گئے، میں کیونکر حاضر ہوتا کرنیل نے نہایت مہربانی سے مرزا اور ان کے تمام ساتھیوں کو رخصت کر دیا۔

اب یہ دیکھئے کہ خود غالب نے انتخاب غالب ص۲۱ میں اس واقعے کو کس طرح قلمبند کیا ہے: "ایک دن آٹھ سات گورے دیوار پر چڑھ کر خاص اس کوچے میں اتر آئے جہاں میں رہتا تھا۔ اس میں یہ مع چہرت پچاس یا ساٹھ آدمی کی بستی ہوگی۔ سب کو گھیر لیا اور اپنے ساتھ لے چلے (دستنبو میں "بتنے چند از ہمسایگاں") مگر گرفتار نہیں کیا اور کسی کو بے حرمت نہیں کیا۔ نرمی سے لے چلے۔ راہ میں سارجن بھی آ ملا۔ اس نے مجھ سے صاحب سلامت کے بعد پوچھا کہ تم مسلمان ہو۔ میں نے کہا کہ آدھا مسلمان ہوں۔ اس نے کہا ول صاحب، آدھا مسلمان کیا۔ میں نے کہا شراب پیتا ہوں، سور نہیں کھاتا۔ غرضکہ وہ.... کرنیل بردن صاحب کے پاس لے گیا۔ وہ چاندنی چوک حافظ قطب الدین سوداگر کی حویلی میں اترے ہوئے تھے، باہر نکل آئے اور میرا شرف نام پوچھا، اور وں سے نام بھی اور پیشہ بھی.... نام میرا سن کر فرمایا کہ اسد اللہ خاں، بڑے تعجب کی بات ہے کہ باڑے پر نہ آئے۔ میں نے کہا آپ سنیں تو کہوں۔ کہا ہاں، کہو میں نے کہا تلنگے دروازے سے باہر..... نکلنے نہیں دیتے تھے..... اگر کچھ فریب کر کے.... نکل جاتا، تو باڑے کے قریب گولی کی زد پر پہنچتا، پہرے والا گولی مار دیتا۔ یہ بھی مانا کہ ...... گولی نہ مارتے، میری صورت کو دیکھیے اور میرا حال معلوم کیجیے۔ بوڑھا، پاؤں سے اپاہج، کانوں سے بہرا، نہ لڑائی کے لائق، نہ مشورت کے قابل۔ ہاں دعا کرتا، سو یہاں بھی کرتا رہا۔ کرنیل صاحب نے اور فرمایا اچھا، تم اپنے گھر جاؤ اور اپنے نوکروں اور اپنے علاقہ داروں کو ساتھ

---

۱؎ غلام حسین خاں نے اپنی فارسی کتاب میں جس کا مختصر ترجمہ غدر کا نتیجہ کے نام سے شائع ہوا ہے، لکھا ہے کہ گورے غالب کو گرفتار کر کے کرنیل برن (کذا) کے پاس لے گئے "مرزا کی زندگی ابھی باقی تھی، ان کے ایک دوست اتفاق سے وہاں بیٹھے تھے، انہوں نے ان کی سفارش کر کے رہائی دلوادی" ص۴۵

پیتے جاؤ، باقی اہلِ محلہ سے غرض نہ رکھو۔ میں خدا کا شکر بجا لایا اور کرنیل کو دعا دیتا ہوا
اپنے گھر آیا۔"

یہ بالکل واضح ہے کہ حالی نے جس راوی پر بھروسا کیا تھا، وہ ہرگز قابلِ اعتماد نہ تھا۔
۲ر فروری ۱۸۵۹ء کے ایک خط بنام مجروح میں بھی غالب نے برن ہی لکھا ہے
(کرنیل برن صاحب بہادر کے زبانی حکم پر اس (غالب) کی اقامت کا مدار ہے۔ ابتک
کسی حاکم نے وہ حکم نہیں بدلا خطوطِ غالب صفحہ ۲۴۳) اور غالب کے کل تذکرہ نگار اسی کو
صحیح سمجھتے ہیں، لیکن یہ دراصل بَرن ہے — MALLESON کی تاریخ بغاوت
ہند۔ جلد ۲ صفحہ میں ہے۔

"کرنیل BURN جو رخصت پر ہونے کی وجہ سے فوج کے ساتھ نہ تھے، مگر اب
آگئے تھے... بہ تاریخ ۲۱ (ستمبر ۱۸۵۷ء) دہلی کے فوجی گورنر مقرر ہوئے۔"

## نواب صدیق حسن خاں

نے اپنے تذکرۂ شعرائے فارسی مسمّٰی بہ شمعِ انجمن میں غالب کا ترجمہ
دیا ہے، جو بعد حذفِ بعض عبارات درجِ ذیل ہے: "غالب از سخنورانِ نامی شاہجہان
آباد و صاحبِ قوتِ فکرِ خداداد است۔ بوجہ معانی خوش و مخترع، معانی دلکش،
شیر بیشۂ سخن پروری، شہریارِ مصرِ معنی گستری در نثر و نظم طرزِ خاص دارد و ترکیبِ
دلنشین ابداع می نماید۔ بسیارے از معاصرانش قائل بکمالِ او در نثاری و نظامی اند
و جمعے از اقران بر طرز و ادائے کلام او اعتراضات کردہ اند، چنانچہ از ملاحظۂ قاطع[1]
برہان و ساطع برہان .... روشن می شود۔ اما شک نیست کہ قدرت او بر اقسامِ
نثر و نظم بیش از دیگران است ... غالب قصائد خوب واقع شدہ، و قصیدہ بہتر از

---

۱۔ قاطع میں بعض دو تین اعتراضات کا ذکر ہے۔ ساطع قاطع کا رد ہے،
اس کا موضوع غالب کی شاعری نہیں؛ اس وقت سامنے نہیں، اعتراض اگر ہے
تو ایک دو سے زیادہ نہیں۔

غزل می سراید... مذہب شیعی داشت، چناں کہ خود ہم می گوید۔ غالب نام آورم نام و
نشانم مپرس ہم اسد اللّٰہم و ہم اسد اللّٰہیم ۵ ہیچ وقت خود را از شرب مدام و گردش جام
معاف نمی گذاشت۔ زبان فارسی بہتری داند و از ایراد الفاظ عربی حتی الامکان گریز
می نماید... محرر سطور در ایام اقامت شاہجہان آباد کرر او را دیدہ و تقریر جادو
تاثیرش گوش کردہ و غزلہا از زبان او شنیدہ۔ قصیدہ و غزل بہ سرعت تمام می گفت
و طرز خود را در سخن سنجی از دست نمی داد۔ احیاناً شعر ریختہ اردو ہم می گفت... مجموع
ابیاتش دہ ہزار و نیم چہار صد و بیست و چار بیت است و ہر یک از شوخی تاثیر و خوبی تقریر
پیرایۂ گلوئے بسمل و آویزۂ گوش دل است ... وفاتش در ۱۲۸۵ھ بود۔ تتبع کلام
ظہوری و عرفی شیوۂ مرضیۂ او ست و استفادہ از سخن طالب و حزیں راہ و رسم دیرینۂ او"
اس تذکرے میں ان کے ۱۱۸ اشعار ہیں، اور کسی معاصر یا قریب العصر شاعر کے اتنے
شعر اس میں مندرج نہیں۔

جناب ابوالکلام آزاد نے کسی کتاب کے حوالے کے بغیر تحریر فرمایا ہے:
"شیفتہ کے مرافعے (قید سے متعلق) کی کامیابی میں... غالب کی سعی... کو بھی دخل ہے۔
نواب صدیق حسن خاں جب دہلی میں پڑھتے تھے، تو... غالب سے بھی رسم و راہ ہو گئی تھی، اور
شاید ان سے فارسی کی بعض چیزیں پڑھی بھی تھیں... ان کے ایک دوست مومن علی خاں
صدر الصدور میرٹھ تھے۔ شیفتہ نے غالب کو لکھا کہ اگر مومن علی خاں کے نام بھوپال سے
سفارشی خط آ جائے تو ان کی مشکل آسان ہو سکتی ہے۔ غالب نے صدیق حسن خاں کو لکھا
اور انہوں نے مومن علی خاں سے سفارش کی۔ اس کے بعد جب جاگیر کی واگذاری کے
لیے مرافعہ کیا گیا تو پھر نواب کو مکرر سفارش کے لیے لکھا گیا، چنانچہ انہوں نے دوبارہ
خط لکھا اور اس طرح علاقہ بھی واگذاشت ہو گیا۔" (غالب اشاعت ۲ ص ۲۹۱)

اب یہ دیکھیے کہ خود صدیق حسن خاں اس باب میں کیا کہتے ہیں "محرر سطور در منزلش
قیام شاہجہان آباد کہ قریب دو سال خواہد بود۔ بتقریب طلب علم در دولت کدۂ ایشاں
(شیفتہ) پائے اقامت افشردہ و تا بقید حیات بود و بخط و کتابت یاد و شادی فرمودیم

ہمت غدر مبتلا شدہ بحبس افتاد، محرر سطور بواسطۂ بعض حکام سعی موفور در اخلاص بلکہ زبردہ حق تعالیٰ نجات بخشید" اس کے بعد مکتوب شیفتہ بنام صدیق حسن خاں کی عبارت دی ہے:۔

"خط ہای کہ در زمان مبتلا بودن مخلص بہ بند بلا بنام صدر الصدور رسیدہ بود برطبق آں صاحب ممدوح ۔ مساعی جمیلہ ۔ فرمودند کہ صورت نجات مخلص بظہور رسید آیسے مقتضائے مجتہائے سای ایں چنیں بود ۔ ایں احسان فراموش شدنی نیست: جائداد وغیرہ ہنوز مطلق واگذاشت نشدہ، ایں مقدمہ ہم باجلاس صدر الصدور موصوف رسید، پس ضرورت افتاد کہ بہ جناب اطلاع کنم تا بنام شاں خط سفارش چنانکہ سابق نوشتہ اند ترقیم فرمائید ۔۔ بار ایں منت بسیار عظیم خواہد بود" (یکم شعبان ۱۲۷۶ھ ہجری) صدیق حسن خاں اضافہ کرتے ہیں کہ سفارش نامہ لکھا گیا اور بڑی کوشش سے نصف جائداد چھوٹی ۔ (ترجمۂ حسرتی و شیفتہ شمع انجمن) جناب آزاد کے بیان میں ہیچ محل نظر ہیں (۱) غالب صدیق حسن خاں کے استاد نہ تھے، اس قسم کا تعلق ہوتا تو وہ خود یا ان کے بیٹے نور الحسن خاں اور علی حسن خاں اپنے تذکروں میں اس کا ذکر کرتے (۲) غالب کا صدیق حسن خاں سے سفارش کے لیے لکھنا، غلط ہے (۳) صدیق حسن خاں سے دو بار سفارش ضرور کی، لیکن یہ پتا نہیں کہ پہلی بار سفارش شیفتہ کے کہنے سے کی تھی یا ان کا حال سن کر خود رہائی کی کوشش کی تھی ۔ (۴) صدیق حسن خاں کامل جائداد نہیں، صرف نصف جائداد کے واگذار ہونے کا ذکر کرتے ہیں۔

## مرزا عاشور بیگ

غالب کے حقیقی بھانجے تھے ۔ گلستان سخن میں ہے کہ ان کا تخلص تنابی، ان کے والد اکبر بیگ ہندی، اور دادا مرزا انجوں بیگ (کذا) بدخشانی تھے ۔ عربی و فارسی سے بہرۂ وافر اور ہیئت و نجوم میں دستگاہ تمام رکھتے تھے؛ قصائد عربی سے دفتر ذخیرہ، مگر صاحب تذکرۂ مذکور نے فارسی کا صرف ایک شعر نقل کرنے پر قناعت کی ہے ۔ احسن الاخبار (۲۷ جولائی ۱۸۴۵ء) میں بحوالۂ کریم الاخبار دہلی مرقوم ہے کہ مرزا عاشور بیگ نے

(والد کا نام درج نہیں) ایک برہمن سے وعدہ کیا تھا کہ میرے گھر میں دفینہ ہے اس کا پتا بتاؤ تو جو کچھ نکلے گا اس کا آدھا دوں گا۔ بارہ ہزار روپے اور ہزار اشرفیاں پائی گئیں، لیکن برہمن کے گماشتے کو رشوت دے کر ملا لیا اور برہمن پر یہ ظاہر کیا کہ صرف دو ہزار روپے تھے (ص ۱۹) غالب کی تحریروں میں صرف ایک جگہ ان کا اور ان کے بیٹے احمد مرزا کا ذکر ملتا ہے "غم مرگ میں قطعۂ نامبارک سے قطع نظر اہل شہر کو گنتا ہوں۔ مظفر الدولہ، میر ناصر الدین، مرزا عاشور بیگ میرا بھانجا اس کا بیٹا احمد مرزا انیس برس کا بچہ" یہ اردوئے معلیٰ میں ہے (بنام یوسف مرزا ص ۲۵۵) اور ظاہرا یہ دونوں فتح دہلی کے بعد قتل عام میں مارے گئے۔ بہرحال غالب نے دستنبو میں ان کے مقتول ہونے کا واقعہ نظر انداز کر دیا ہے۔

## گلستان سخن

جس کا ایک نام آثار المعاصرین بھی ہے، شعبان ۱۲۷۰ھ ہجری میں شروع ہو کر شوال ۱۲۷۰ھ میں تمام اور اسی سال منطبع ہوا۔ سرورق میں قادر بخش، صابر کا نام بہ حیثیت مصنف درج ہے لیکن اس کے بعد ہی یہ مرقوم ہے کہ اس کے عبارات صہبائی کی اصلاح سے مزین ہیں۔ غالب ۱۸۶۲ء کے ایک خط میں ذکا کو لکھتے ہیں "آپ مرزا صابر کا تذکرہ مانگتے ہیں۔ غدر سے پہلے چھپا اور غدر میں تاراج ہو گیا۔ اب یک مجلد کہیں نظر نہیں آتا ــــ" (اردوئے معلیٰ ص ۲۸) لیکن ایک قدیم تر خط میں شفق کو لکھ چکے ہیں کہ صہبائی کے تذکرے کی ایک جلد نذر کرتا ہوں ص ۲۲۱ نساخ اور سرید ام اسے صہبائی کی تصنیف بتاتے ہیں اور قرائن دلالت کرتے ہیں کہ یہ غالب کے قول پر مبنی نہیں۔ میرا خیال ہے کہ مقدمے کے مطالب علمی اور تذکرے کی عبارت صہبائی کی ہے، اور شعرا کے حالات اور اشعار دونوں نے جمع کیے ہیں۔ اس لیئے اگر اسے دونوں کی مشترک تصنیف کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ مقدمے میں (ص ۴۵) جن شعرا کا خاص طور پر ذکر کیا ہے وہ احسان، نصیر، ممنون، ذوق، غالب، مومن، شیفتہ، تیر، سوز پسر صہبائی اور ان سے الگ آزردہ کا ذکر ہے۔ غالب سے متعلق یہ الفاظ ملتے ہیں: "معنی نواز سخن طراز مرزا..

غالب کا کلام ہے یا اعجاز مسیحا اور اس سحر بیان معجز بیان کا قلم ہے یا عصائے موسیٰ؟
غالب کا ایک شعر۔ کی مرے قتل کے بعد الخ ایک جگہ تقریباً نقل ہوا ہے ص۶۲۔ اور ان کے ترجمے کے بعد جو منتخب اشعار دیئے ہیں ان میں ۳۲ فارسی اور ۲۹ اُردو کے ہیں۔ ذیل میں غالب کا ترجمہ بعینہٖ اس تذکرے سے نقل کیا جاتا ہے۔

غالب تخلص شیر نیستان سخنوری، ببر بیشۂ معنی پروری، یکہ تاز عرصۂ کمال، گلِ کشور انفضال، سیّاح زمین سخن، دانائے نوادر فن، زبدۂ کملائے جہاں، مرزا اسد اللہ خاں معروف بمرزا نوشہ سلمہ الرحمن، سخن سنج بیمثل و نظیر اور صاحب طرز دلپذیر ہے خامۂ گوہر بار سے اقلیم سخن میں لوائے جہانگیری بلند کیا ہے اور یوسف معنی کو اس بجم بے ... میں زلیخا منشان مصر سخن کی نظر میں ارجمند کیا ہے۔ فضائل اگر اس قدوۂ افاضل پہ تکیہ نہ کرتے، فضیلت نہ رکھتے، اور کمالات اگر اس زبدۂ کملا سے مدد نہ لیتے، عالم کی تکمیل کا سبب نہ ہوتے۔ سیاہی رقم اس کی رنگینی معنی سے ہمشکل طاؤس، صفحۂ قرطاس اس کے فروغ مضامین سے ہم رنگ فانوس۔ برق طور اگر اس کی تجلی معنی کے مقابل ہوتی، سرمہ ہو جاتی، شمع یمن اگر اس کے شعلۂ فکر کے سامنے آتی، فروغ نہ پاتی۔ ایوان سخن اس کی فکر کی معماری سے آسمان کے ساتھ ہم رفعت، بنائے کلام اس کی طبیعت کی مدد سے قاف کے ساتھ ہم متانت۔ وصف بزم میں رفتار قلم رقص ناہید کے برابر، بنائے رزم میں صریر خامہ نعرۂ شیر سے ہمسر۔ فکر اگر حوصلۂ ہمت کے لائق جہد کرے، فضائے لامکاں مرحلۂ مقصود کے روبرو دیدۂ مور سے تنگ تر نظر آوے۔ خیال اگر اندازۂ قدرت کے موافق بلندی پر جاوے، خزانۂ تحت العرش کو اس جایگاہ رفیع سے گنج قاروں سے پست تر پاوے۔ سخن کی فراوانی اور ہجوم معانی اور متانت تراکیب اور رشاقت اسالیب اور شوخی اشارات اور بے حجتی عبارات، گاہ اجمال کی رعایت سے آفتاب کو لباس ذرہ میں جلوہ دینا اور گاہ تفصیل کے اقتضا سے تخم کو نہال کی صورت میں نشو و نما بخشنا، جدائی کو فصل اور ملاقات کو وصل کے قبیل سے ٹھیرا کر (کذا) مباحث سخن میں بلاغت کے ساتھ ادا اور نشو و نما دے بزم کلام میں مثل صحبت زہاد اجتناب کرنا اور اسی طرح اور باتیں جو لوازم سخن اور مقتضیات

نمے ہیں، جیسی اس ناظم کشورِ کمال میں مشاہدہ ہوتی ہیں، کم کسی میں دیکھی گئیں۔ ابیات ریختہ عمارت ریختہ، دقائق فارسی جواہر تدس کا پختہ۔ ہرچند اشعار ریختہ خد حصر سے خارج اور اندازۂ شمار سے افزوں تھے، لیکن از بسکہ کمریار اور دہان دلدار کا مضمون زیب اشعار ہوتا ہے، انہیں مضامین کی رعایت سے اختصار کو پسند کیا اور چند بیتیں دلبروں کے لب کے مانند، نقطۂ انتخاب کے خال سے مزین کر کے ایک دیوان مختصر مرتب کیا، اور مجموعۂ فارسی کا تو دیوان محشر سے بھی زیادہ اشعار پر غوغا اور ابیات بلند صدا سے مملو اور مشحون ہے ریختے میں گاہ گاہ اسد تخلص بھی کیا ہے، لیکن 'غالب' غالب اور ہر طالب اسی نام سے ہند و فارس میں اسکے نشان کا طالب ہے۔ یہ چند شعر لکھ کر چشم بند غفلت کا چارہ اور جلوۂ شاہد مدعا کو آشکارا کرتا ہے۔

**مثنوی ششم** غالب کے کلیات نظم فارسی (نولکشوری) کی چھٹی مثنوی کا عنوان یہ ہے "بیان نموداری شان نبوت و ولایت که در حقیقت پرتو نور الانوار حضرت الوہیت است" اس کے ابیات کی تعداد ۱۲۸ ہے اور بیت اول یہ ہے۔

بعد حمد ایزد و نعت رسول ۔۔۔ می نگارم نکتہ چند از اصول

پہلی بات جو اس مثنوی میں زیر بحث آئی ہے، یہ ہے کہ انبیا و اولیا سے استمداد جائز ہے یا نہیں۔ غالب کا عقیدہ جس کی تائید ان کے بیان کے مطابق شاہ کلیم اللہ اور "شیخ المشائخ فخر دین" کے اقوال سے ہوتی ہے اشعار ذیل سے ظاہر ہے۔

نور حق است احمد و لمعان نور ۔۔۔ از نبی در اولیا دارد ظہور
ہر ولی پرتو پذیر ست از نبی ۔۔۔ چوں ہمہ از نور مستنیر است از نبی
از نبی ور از ولی خواہی مدد ۔۔۔ تا نہ پنداری کہ ناجائز بود
آنکہ شیخ وقت و خضر راہ بود ۔۔۔ نام و القابش کلیم اللہ بود
گفت استمداد از پیراں رواست ۔۔۔ ہرچہ پیر راہ گوید آں رواست
ہم چنیں شیخ مشائخ فخر دیں ۔۔۔ آفتاب عالم علم و یقیں
ہمبریں ہنجار و آئیں بودہ است ۔۔۔ شیخ ما حق گوے و حق بیں بودہ است

تا نہ پنداری زپیراں خواستیم | حاجت خود را زیزداں خواستیم
نیک در پوزش بدرگاہ رفیع | ما ہمی آزیم پیسراں را شفیع

غالب کے نزدیک وقت "حاجت" یا علی (پہلے یہی) یا محمد یا معین الدین کہنے میں کچھ "باک" نہیں۔ حرف ندا میں گفتگو نادانی ہے، اسے شاہ عبدالعزیز، شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر نے روا رکھا ہے۔ دوسری باتیں جو غالب کے نزدیک جائز بلکہ کار ثواب میں داخل ہیں، انعقاد مجلس میلاد زیارت شہود رد اور پیرہن و نقش قدم پیمبر، بزرگوں کا عرس کرنا اور طریقۂ مروجہ کے مطابق ایصال ثواب ہیں۔ سب سے طویل بحث امتناع نظیر کے باب میں ہے۔ حالی اس مثنوی کے بارے میں تحریر کرتے ہیں:

"مولانا فضل حق.... مرزا کے بہت گاڑھے دوست تھے ... انہوں نے نہایت اصرار کے ساتھ یہ فرمائش کی کہ فارسی میں وہابیوں کے خلاف ایک مثنوی لکھ دو جس میں ان کے مشہور عقیدوں کی تردید اور خاص کر امتناع نظیر خاتم النبین کے زیادہ شرح اور بسط کے ساتھ بیان کرو.... مولانا اسمٰعیل شہید کی رائے تھی کہ... خاتم کا مثل ممکن بالذات اور ممتنع بالغیر ہے، ممتنع بالذات نہیں، مولانا فضل حق کی یہ رائے تھی کہ ممتنع بالذات ہے اور جس طرح خدا اپنا مثل پیدا نہیں کر سکتا، اسی طرح خاتم النبین کا مثل پیدا نہیں کر سکتا۔ مرزا نے اول عذر کیا کہ مسائل علمی کا نظم میں بیان مشکل ہے، مگر انہوں نے نہ مانا۔ لاچار مرزا نے ایک مثنوی لکھ کر سنائی۔ انہوں نے بے انتہا تعریف کی.. گر جو کچھ مرزا نے کسی قدر مولانا کے خلاف رائے لکھا تھا، اس پر سخت ناراض ہوئے مرزا نے صاف صاف تو یہ نہیں لکھا تھا کہ خدا خاتم کا مثل پیدا کرنے پر قادر ہے۔ مگر اس مضمون کو اس پیرائے میں ظاہر کیا تھا کہ اس موجودہ عالم میں تو..... دوسرا.. پیدا نہیں ہو سکتا، لیکن خدا قادر ہے کہ ایک ایسا ہی اور عالم پیدا کر دے اور اس میں خاتم النبین کا مثل جو اس دوسرے عالم کا خاتم ہو خلق فرما دے۔

یک جہاں تا ہست یک عالم بس است | قدرت حق را نہ یک عالم بس است
خواہد از ہر ذرہ آرد عالمے | ہم بود ہر عالمے را خاتمے

ہر کجا ہنگامۂ عالم بود　　رحمۃ للعالمینے ہم بود

کثرت ابداع عالم خوبتر　　یا بیک عالم دو خاتم خوبتر

در یکے عالم دو تا خاتم مجوے　　صد ہزاراں عالم و خاتم بگوے

جب مرزا اول بار مثنوی لکھ کر مولانا کے پاس لائے تو مضمون مذکورہ اس اخیر شعر پر ختم کرکے لائے تھے۔ مولانا نے فرمایا کہ یہ تم نے کیا بکا ہے کہ متعدد عالموں میں متعدد خاتم ہو سکتے ہیں؟... لاکھ عالم خدا پیدا کرے تو بھی خاتم النبیین ایک ہی ہوگا۔ اس مضمون کو بالکل نکال ڈالو اور جس طرح میں کہتا ہوں بیان کرو۔ مرزا کو نہ وہابیوں سے کچھ خصومت تھی اور نہ ان کے مخالفوں سے کچھ تعلق تھا صرف دوست کی رضاجوئی مقصود تھی، انہوں نے جو کچھ پہلے لکھ چکے تھے اس کو تو اسی طرح رہنے دیا، مگر اس کے آگے چند اشعار اور اضافہ کرکے کلام کو اس طرح مربوط کردیا

غالبؔ ایں اندیشہ نپذیرم ہمی　　خردہ ہم بر خویش می گیرم ہمی

ایکہ ختم المرسلینش خواندہٖ　　دانم از روئے یقینش خواندہٖ

ایں الف لامیکہ استغراق راست　　حکم ناطق معنی اطلاق راست

منشأ ایجاد ہر عالم یکیست　　گر دو صد عالم بود خاتم یکیست

اس کے بعد اس مضمون کو اور زیادہ پھیلا دیا ہے اور پھر مثنوی کو ان دو شعروں پر جس میں... ممتنع بالذات ہونے کی تشریح ہے ختم کر دیا ہے۔

منفرد اندر کمال ذاتی است　　لاجرم مثلش محال ذاتی است

زیں عقیدت بر نہ گردم والسلام　　تابہ رادی نوزدم والسلام

اوپر کے بیان سے معلوم ہوا ہوگا کہ مرزا کی طبیعت میں کس قدر سلامت روی تھی اور اوجاج سے کس قدر ان کا ذہن ابا کرتا تھا۔ باوجودیکہ مولانا فضل حق سے جو کچھ ان کی رائے تھی مرزا کے خوب ذہن نشین کر دی تھی اور مرزا اسی کو بیان کرتا

---

۲۔ تعداد میں ۱۵۔ غالب نے خط کے ساتھ سید محمد صاحب مجتہد لکھنؤ کو اس مثنوی کے تیس اشعار بھیجے تھے، ۱۵ یہ اور ۱۵ ان سے قبل کے۔

چاہتے تھے مگر جس طرح ایک ٹیڑھی چیز نلکی میں آکر سیدھی ہو جاتی ہے، اسی طرح مرزا کی راست بیانی نے اس ٹیڑھی مانگے کے تمام بل نکال ڈالے! بغیر اس کے کہ مرزا کو وہابیوں کی حمایت منظور ہو، جو ٹھیک بات تھی وہ ان کے قلم سے بے اختیار ٹپک پڑی۔ پھر اس کے بعد جو کچھ لکھا ہے وہ مولانا کے جبر سے لکھا ہے ان کو مرزا کے اصلی خیالات سے کچھ تعلق نہیں۔"

جناب ابوالکلام آزاد فرماتے ہیں "مولانا اسمٰعیل شہید نے جب تحریک اصلاح شروع کی تو اس کے مخالفوں میں یہ (فضل حق) سب سے زیادہ نامور ہوئے۔ مولانا شہید نے تقویتہ الایمان میں لکھ دیا ہے کہ اگر خدا چاہے تو ایک پل میں کروڑوں آنحضرت کے امثال پیدا کر دے یہ بات ان پر بہت شاق گزری اور ایک تقریر اس کے رد میں لکھی۔ دعویٰ یہ کیا کہ نظیر خاتم النبیین کا پیدا ہونا ممتنع بالذات ہے۔ اور پھر قدرت و مشیت کا فرق فراموش کر کے سارا معاملہ مشیت کے قتل میں لے گئے ... مولانا اسمٰعیل نماز کے لئے جامع مسجد جا رہے تھے کہ راہ میں انہیں یہ تقریر ملی۔ نماز کے بعد مسجد ہی میں بیٹھ گئے اور ... ایک پورا رسالہ اس کے جواب میں قلمبند کر دیا۔ چونکہ ایک ہی دن میں لکھا گیا تھا ... یک روزی کے نام سے مشہور ہو گیا انہوں نے مرزا غالب سے بھی ایک مثنوی مولانا اسمٰعیل کے رد میں لکھوائی تھی۔ آخری مسئلہ (امتناع نظیر) اس درجہ بے معنی تھا کہ مرزا کا ذہن اسے قبول نہ کر سکا اور ایک لطیف پیرائے میں وہی بات کہہ گئے جو مولانا اسمٰعیل کہتے تھے، لیکن چونکہ مولانا فضل حق نے یہ خدمت انکار کیا ... چند نئے اشعار کہہ کر بحث کا رخ بدل دیا۔" (غالب اشاعت ۲ ص ۲۸۲)

جناب مہر کا قول ہے "مولانا فضل حق غالب کے عزیز دوست تھے، انہوں نے اس رند سخن پیشہ کو مذہب و فلسفہ کی اس بحث میں لپیٹ لیا اور باصرار ایک مثنوی شاہ اسمٰعیل کے رد میں لکھوائی ... غالب کی عمر اس وقت زیادہ سے زیادہ پچیس چھبیس ... ہو گی ۱۷۹۷ء میں وہ پیدا ہوئے اور ۱۸۲۲ء میں شاہ اسمٰعیل شہید

اور سید احمد بریلوی جہاد کے لیے دہلی سے روانہ ہو چکے تھے۔ یہ بحث بہر حال سنہ ۱۸۲۷ء سے پیشتر ہوئی ہو گی' لیکن امتناع نظیر کا مسئلہ ایسا تھا کہ غالب کا ذہن قبول نہ کر سکا یہ غالب کی سلامت طبع کا کرشمہ تھا کہ اصل مضمون میں استدلال کی جو خامیاں تھیں انہیں وہ قبول نہ کر سکے۔" (غالب ص ۳۶۲)

حالی اور جناب آزاد و جناب مہر کے عبارات منقولہ کا خلاصہ یہ ہے کہ

(۱) مثنوی شاہ اسمٰعیل کی زندگی میں ان کے عقائد کی تردید کی غرض سے بفرمائش فضل حق لکھی گئی (۲) ابتدا میں مثنوی اس پر تمام ہو گئی تھی کہ اس عالم میں ایک ہی خاتم ہو سکتا ہے' لیکن بعد کو فضل حق کے اصرار سے دو شعر بڑھائے گئے' جن کا مطلب یہ ہے کہ خدا کتنے ہی عالم کیوں نہ پیدا کرے خاتم ایک ہی ہو گا۔ خاتم کا نظیر ممتنع بالذات ہے (۳) غالب کا اصلی عقیدہ وہی ہے جو پہلے انہوں نے ظاہر کیا تھا (۴) غالب کو "وہابیوں" کے رد سے مطلق دلچسپی نہ تھی' مثنوی لکھنے کی واحد غرض دوست کی رضا جوئی تھی (۵) مثنوی جس طرح کہ پہلی نظم ہوئی تھی' غالب کی سلامتی[ؔ] طبع کی بہت بڑی دلیل ہے۔ تیرھی بات ان کے ذہن میں آکر نیدھی ہو جاتی ہے۔

ذیل میں غالب کے ایک خط (بنام سید محمد صاحب مجتہد لکھنؤ۔ تجلیات) کا ایک ٹکڑا ملاحظہ ہو: "دریں ہنگام در شہر دو دانشمند باہم در آویختہ اند۔ یکے می سراید کہ آفریدگار ہمتائے حضرت خاتم الانبیاء تواند آفرید و ایں یکے می فرماید کہ ممتنع ذاتی و محال ذاتی است' بندہ چوں ہمیں عقیدہ دارد نظمے درگیرندہ بدیں مدعا سرانجام دادہ است کہ سوادیہ نور نظر اصلاح روشن شود.... نگاشتہ بست و یکم جمادی الاول سنہ ۱۲۴۰ ہجری۔"

(۱) حالی کی بیان کردہ روایت کا عدم و وجود میرے نزدیک برابر ہے۔ وہ یہ نہیں بتاتے کہ انہیں کس طرح معلوم ہوئی' اور وہ کس طرح ہر رطب و یابس کو

---

ؔ بعض باتیں جو حالی کے متبعین کے یہاں ہیں' حالی کے یہاں صراحتہً درج نہیں۔ ان کے اقوال سے مترشح ہوتی ہیں ؔ سلامت طبع اور وہ بھی اس وقت جب حمیدیہ دیوان مرتب ہوا تھا۔

جس سے غالب کی بڑائی نکلتی ہو، قبول کرنے کے لئے تیار ہیں، اس کا اندازہ کرنیل برن والی روایت سے ہو سکتا ہے (۲) خط سے ثابت ہے کہ مثنوی جمادی الاولی ۱۲۳۶ھ کے لگ بھگ نظم ہوئی تھی۔ اسے اس امر سے بھی تقویت ملتی ہے کہ کلیات کے نسخہائے پٹنہ و ڈھاکہ اور نسخۂ مطبوعہ دہلی اس سے خالی ہے (۳) ظاہرا دہلی کے دو شخصوں میں مناظرہ ہوا تھا، ظاہر ہے کہ جو مناظرہ ۱۲۳۶ھ میں ہوا اس سے شاہ اسمٰعیل کا ذاتی تعلق نہیں ہو سکتا، اور یہ بات بھی کہ فضل حق مناظرے میں ایک فریق تھے، ثبوت طلب ہے۔ جہاں تک مجھے علم ہے وہ اس زمانے میں دہلی میں نہ تھے۔ (۴) یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ غالب نے تسنن چھوڑ کر تشیع اختیار کیا تھا۔ اس لئے وہ "فرقۂ وہابیہ" کے قدرتی دشمن تھے، مگر میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ اس قسم کے مناظرے ان کے مذاق کے مطابق نہ تھے۔ غالب نے جب صراحتہً لکھ دیا کہ امتناع نظیر کے باب میں میرا وہی عقیدہ ہے جو مثنوی میں ظاہر کیا گیا ہے، تو یہ سمجھنے کی کوئی وجہ نہیں کہ انہوں نے کسی دوسرے شخص کی رعایت سے آخر کے ۱۵ شعر اضافہ کیے، اور ان کا اصلی عقیدہ وہ ہے جو حالی نے لکھا ہے (۵) میرے پاس اس کا کوئی ثبوت اس وقت موجود نہیں، لیکن میرا قیاس ہے کہ مثنوی بادشاہ کے فرمایش سے لکھی گئی تھی جن کی توہم پرستی ثابت ہے (۶) غالب نے اس مثنوی کی تصنیف سے شرمندہ تھے انہوں نے اس کے اشعار مجتہد لکھنؤ کو بھیجے اور غدر سے کئی سال بعد پوری مثنوی محی الدولہ کو حیدرآباد روانہ کی ("رد فرقۂ وہابیہ میں ایک مثنوی محی الدولہ کو بھیجی" خط بنام ذکا۔ اردوئے معلیٰ ص ۳۷۴) (۷) عقائد میں اتنی لچک ہو تاکہ دوسروں کی رعایت سے ان کے خلاف خود اپنی طرف سے اشعار لکھے جائیں، قابل ستایش امر نہیں تعجب ہے کہ مداحین غالب کی نظر اس پر نہیں پڑی (۸) اگر ہر شیر میں چیز غالب کے ذہن میں آ کر سیدھی ہو جاتی ہے، تو اس سے ان کی تبدیل مذہب کے بارے میں جو نتیجہ نکلتا ہے، اسے تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں۔

## سیّد محمود

خلف سید احمد خاں کے لکچر دربارۂ اعلیٰ مسلمانان مطبوعہ سنہ ۹۴ء میں یہ عبارت ہے:۔

"فارسی دانی میں کون ... انکار کر سکتا ہے کہ مرزا قتیل ... نہایت اعلیٰ مرتبہ شعرائے فارسی میں اپنے زمانے میں شمار ہوتے تھے، اور ان کا نام اور ... کلام اب تک شہرۂ آفاق ہے، گو کہ مجھ کو معلوم ہے کہ اپنے زمانے کے ملک الشعرائے دہلی، مرزا غالب جن کو میرے والد ماجد بوجہ موروثی روابط خاندانی چچا کہتے تھے اور میں ان کو دادا کے لقب سے مخاطب کرتا تھا۔ انہوں نے ... قتیل کے کلام پر اعتراض کیے، مگر اس قسم کے مباحثے کی نقادی .... صرف عالی مرتبت فارسی ... کے اساتذہ کا کام ہے ... یہ اظہر من الشمس ہے کہ ... جب تک ہندستان کی فارسی دانی کی تاریخ زندہ ہے ... قتیل کا نام صفحۂ روزگار سے نہیں مٹ سکتا۔" ص ۲۳

## سیّد اسمٰعیل حسین منیر

شاگرد ناسخ و رشک تھے تو باشندہ شکوہ آباد، لیکن ان کا تعلق لکھنؤ، کانپور، فرخ آباد، باندہ و رامپور سے رہا ہے اور ان کا شمار دبستان لکھنؤ کے ممتاز اساتذہ میں ہے۔ غالب کی کسی تحریر میں ان کا نام نہیں آیا، اور منیر غالباً کبھی غالب سے ملے بھی نہیں، لیکن انہوں نے اپنے دیوان (تاریخی نام منتخب العالم عطیۂ نواب علی بہادر باندہ) کے دیباچے میں غالب کے دو فارسی شعر دو جگہ تقریباً نقل کیے ہیں اور ان میں سے ایک جگہ انہیں "فخر المتاخرین مولانا غالب دہلوی" لکھا ہے۔ غالب کی وفات کے بعد منیر نے قطعۂ تاریخ لکھا جو دیوان ۲ میں موجود ہے۔

آں غالب دہلوی کلیم دوراں — سلطان سخن غلام آل یٰسین
در نظم و زبان فارسی نامی اہم — در نثر بہ مسند افادات مکیں
بر داشتہ رخت ازیں سرائے فانی — یارب برسانیش بفردوس بریں
دنیاست سیہ بدیدۂ اہل سخن — در برج لحد رفت چو آں مہر جبیں

تاریخ وفات اوچنیں گفت منیرؔ   آہ افسوس عمر حیف ثانی حزیں

اسی دیوان میں ایک نثر ہے جو غالب کے وفات کے بعد کی ہے اور جس کا عنوان یہ ہے "بنام یکے از عزیزان کہ نوبت بفرستادنش نرسید" اس میں غالب سے متعلق یہ عبارت ہے۔

"اور حضرت غالب .... سامحہ اللہ بالمغفرۃ کا جو شعر مثنوی گہربار سے نقل کیا ہے

بہ مے در فرو عیکہ چوں بر دمد   ز سیمائے میخوارہ نیرہ دمد

تحریف پر قابل بحث نہیں۔ اگرچہ تحقیق و تدقیق میں وہ از عدنہ زماں ہوں، جیسا رسالے میں آپ نے اسی بحث میں لکھا ہے اور عندالمواجہہ بھی ذکر کیا تھا، مگر منہیات وجدانیات سے استدلال چاہیے، حالانکہ خود وہ مغفور مفتتح دیوان فارسی میں "بل الانسان علی نفسہ بصیرا" فرماتے ہیں۔ نہ خون مراکم بر گردنست نہ نقش قاموسم بر دوش" اور حیرت تو یہ ہے کہ آپ تو ابوالفضل، فیضی، فقیر، نعمان اکرز و حق کہ امیر خسرو کو ہندی ہونے کے سبب سے نہ مانیں بلکہ شعرائے اہل زبان جو ہندوستان میں آگئے ہوں ان کا کلام بھی مستند نہ جانیں اور یہاں حسب معاملہ سانحہ حضرت مغفور کے کلام کو تکثیر السواد حریف پر حجت گردانیں۔ اِنَّ ہٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ" (ص ٦٥٤)

دو باتیں واضح ہیں۔ (۱) منیر غالب کی عربی دانی کے قائل نہیں (۲) منیر نے غالب کے اردو کلام کی کہیں تعریف نہیں کی۔

نعمان احمد (۱۲۵۷ھ تا ۱۹۰۲ء) تعلقہ دارہیوا ضلع سیتاپور۔ "جامع حدادلہ میں دسترس" اور "طب میں دستگاہ کامل" رکھتے تھے فارسی نظم ونثر پر قدرت تھی اور کبھی کبھی اردو شعر بھی کہا کرتے تھے۔ لیکن کلام بالکل ضائع ہو گیا۔ قدر بلگرامی کو اپنی فارسی نثر سنائی تو انھوں نے صلاح دی کہ غالب کو دکھائیے۔ اگر وہ پسند کریں تو سمجھیے کہ آپ واقعی انشا پرداز ہیں، اور اس طرح دونوں میں مراسلت کا آغاز ہوا۔ نعمان احمد کا کوئی خط تو محفوظ نہیں، لیکن غالب کے ۴ خط ان کے نام کے ان کے اخلاف کے پاس موجود ہیں۔ پہلا ۵ ستمبر ۱۸۶۶ء کا ہے۔ اس سے معلوم

ہوتا ہے کہ مکتوب الیہ نے غالب کی اتنی تعریف کی تھی کہ غالب کو صدائے احتجاج بلند کرنی پڑی۔ "ہرگز نہیں ایسا نہیں کہ خدا نے مجھ سے پہلے کوئی ایسا نہ پیدا کیا ہو۔ غایت ما فی الباب یہ کہ سخنوران گذشتہ کا طرز شناس ہوں اور ان کی تقلید میں پایۂ تحقیق ملا ہے اور میں صاحب طرز جدید ہوں"۔ غالب نے نعمان احمد کی نثر کی داد ان الفاظ میں دی ہے۔ "واللہ میرے ایجاد کیے ہوئے (کذا) طرز میں آپ سے بہتر نثر کسی نے نہیں لکھی۔ نہ یہ مبالغہ ہے نہ تملق" غالب انہیں اس کی اطلاع بھی دی ہے کہ ایک نسخہ درفش کاویانی کا بہت جلد بھیجوں گا۔ دوسرے خط "(۲۱ اکتوبر ۱۸۶۶ء) سے پتا چلتا ہے کہ نعمان احمد اپنی تعریف کو تملق سمجھ کر ملول ہوئے تھے، غالب لکھتے ہیں کہ میں نہیں جھوٹ بولتا، اور خوشامد سے پرہیز کرتا ہوں۔ ظاہراً نعمان احمد نے یہ فرمائش بھی کی تھی کہ غالب فارسی میں خط لکھیں۔ وہ اس سے معذوری ظاہر کرتے ہیں۔ اس خط میں صاحبقران سے متعلق مکتوب الیہ کے سوال کا جواب بھی ہے۔ تیسرے خط (۲۹ر اکتوبر) میں دافع ہذیان، رسالۂ سوالات عبدالکریم مع استفتا اور لطائف غیبی کے بھیجنے کی اطلاع ہے۔ چوتھے خط (۱۷ ستمبر ۱۸۶۶ء) میں ہے کہ خط مرقومۂ ۳۱ر اکتوبر کے بعد (جس میں کتابوں کی رسید اور عازم آگرہ ہونے کی خبر تھی) کوئی خط نہیں آیا۔ غالب نے نعمان احمد کی نظم بھی مانگی تھی۔

جناب سید احتشام حسین رضوی کو یہ خطوط وقار احمد صاحب (نعمان احمد کے پوتے) اور حالات حکیم سید احمد صاحب خلف نعمان احمد سے ملے ہیں، (مرزا غالب کے ۴ خط از سید احتشام حسین آج کل دہلی فروری ۱۹۵۲ء)

نورالعین واقف پنجاب کے رہنے والے تھے اور بارہویں صدی ہجری کے نصف آخر کے مشہور فارسی گو۔ اردو میں بھی ان کے چند اشعار موجود ہیں (چمنستان شعرا) مگر وہ چنداں قابل اعتنا نہیں۔ غالب نے ایک خط میں جو غالباً کلکتہ سے لکھا گیا ہے تحریر کیا ہے "بدعوی نگاہ نیکہ تو انائی قتیل را بہ فرد ہید گو: رنگ مسلم داشتہ دلواے نورالعین، واقف بہ شیوائی شیوہ برافراشتہ باشند باکہ باید گفت کہ نتائج طبع

الجائیست"۔ کلیات نثر ص۱۱۔ مکیں کے ساتھ واقف سے متعلق جو رائے غالب نے ظاہر کی ہے وہ کلیں کی بحث میں نقل ہو چکی ہے۔ باد مخالف کی مروّجہ روایت میں ایک شعر ہے۔

"آں کسے کردہ ایں مواقف را    چہ شناسد قتیل و واقف را"

اور اس کو دیکھ کر شاد عظیم آبادی نے لکھ دیا ہے کہ غالب نے کلکتہ میں بد اخلاقی کا کوئی جملہ ایسا نہ تھا جو ان باکمالوں (قتیل و واقف) وغیرہ کے حق میں اپنی زبان سے نہ نکالا ہو۔۔۔۔ وہاں۔۔۔ اکثر قتیل کے بالواسطہ و بلاواسطہ تلامذہ اور واقف کے معتقدین موجود تھے ان کے خلاف شورش شروع ہوئی تو علی اکبر خاں کے پاس ہو گئی جاکر شکایت کی، وہ بولے کہ آپ کو ضرورت ہی کیا تھی جو قتیل و واقف کو سخت و سست کلمات سے۔۔۔۔ یاد کیا" (حیات فریاد ص۹۱) لیکن، حقیقت یہ ہے کہ اس کا مطلقاً ثبوت موجود نہیں کہ غالب نے کلکتہ میں قتیل کے ساتھ واقف کو بھی سخت و سست کہا تھا۔ باد مخالف کی اولیں روایت میں ان کا نام تک نہیں آیا اور وہ شعر، جو مروّجہ روایت میں ہے، یقین ہے کہ کلکتہ سے واپسی کے بعد بڑھا گیا ہے (ملاحظہ ہو متفرقات غالب اور باد مخالف کی اولیں روایت از راقم نام 'آر' ابسے مسلینی)۔ غالب نے تفتہ کے نام کے ایک خط میں واقف کے شعر ذیل پر اعتراض بھی کیا ہے۔

نے محرم قفس نہ بدام آشنا شدیم    نفریں کلیم ساخت پرواز خویش را

"یہ بھی ہندی کی فارسی ہے، بری گھڑی اور منحوس گھڑی، اہل زبان ایسے موقع پر طالع لکھتے ہیں" (اردوئے معلیٰ ص۲۵۸ خط بنام تفتہ)

حافظ ویران دہلوی شاگرد ذوق کو اپنے استاد سے بڑی محبت تھی۔ اور ان کے ایک خط (مکتوبات آزاد ص۲۵۲) سے ظاہر ہے کہ وہ غالب سے عداوت رکھتے تھے۔

"ہموں (کذا) جان کی کیفیت یہ ہے کہ۔۔۔ صہبائی سے کچھ فارسی پڑھا ہے۔

مرزا سے شاید اصلاح ہو۔ اس کو محاورے سے کیا تعلق؟ ... استاد پر اعتراض کرتا ہے ... اُلّو کا پٹھا محض آفتاب روشن سے خیرگی کرتا ہے ... اس کے مرزا کے ہاں دیکھیے: "چو زر القصد تکاں بزکاں بجنبانند" (کلیات میں "بجنبانند" مصرع ثانی تپد ز رشک دلم تانشاں بجنبانند") یہ زہ جنبانیدن کہاں کا محاورہ ہے؟ ایران کا تو دان کا، یا ہندوستان کا؟ اور ایک جگہ غزل میں ... "عصا خفتا مست" ہے ... یہ کہاں کا محاورہ ہے؟ اور "پہلے ٹھوکی ہے بن ناخن تقدیر میں کیل" کیل ٹھوکی ہے کیا خوب لفظ ہے ... اور ع "بھوں پاس آنکھ قبلۂ حاجات چاہیے" بھوں پاس کیا معنی ہے؟ اور قبلۂ حاجات معشوق کو کہنا، کیا ان کے والد تھے۔

آنچہ در جزیہ گر فلند ز گبراں می باب　　　در شب جمعہ بماہ رمضانم دادند

جزیے میں شراب کہاں لیتے ہیں؟ اور ایسے صدہا الفاظ ہیں"۔

**آزاد بلگرامی** (متوفی ۱۲۰۰ھ) کی بعض کتابیں غالب کی نظر سے گزری ہوں تو عجب نہیں، لیکن غالب کی کسی تحریر سے اس کا ثبوت نہیں ملتا۔ غالب ان کے حسن کلام کے البتہ مداح ہیں۔ ایک خط میں جو قدر بلگرامی کے نام سے ہے، یہ عبارت ملتی ہے، "آپ حضرت علامہ عبدالجلیل اور آزاد مغفور کی یادگار ہیں اور میں ان کے حسن کلام کا معتقد" (خطوط ص۱۷۲)

**عبدالرسول استغنا** (متوفی ۱۲۰۳ھ) ہندوستانی فارسی گویوں میں تھے لیکن یہ امر اس سے مانع نہ ہوا کہ غالب ان کا ایک شعر تقریباً نقل کریں، مگر غالب نے یہ صراحت نہیں کی کہ شعر کس کا ہے۔ قرینہ ہے کہ غالب نے یہ شعر کلمات الشعرا میں دیکھا ہو۔

میتواں آمد ز استغنا سفارش نامہ　　　چرخ بگرد را اگر دائیم از یاران کیست

(خطوط ص۱۳۱)

**نواب اشرف حسین خاں،** اشرف کے بارے میں گلستان سخن میں مرقوم ہے "نوابزادہ الہ آباد،

بالفعل (۱۲۷۰-۱۲۷۱ھ) انقلاب روزگار سے محکمۂ عدالت دیوانی بنارس میں عہدۂ نظارت ... مشورۂ سخن کا مہدی حسین خاں' تصدیق سے" (اشعار فارسی وارد غالب کی عبارت ذیل سیاح کے نام کے ایک خط میں ہے جو بنارس بھیجا گیا تھا۔

"اشرف حسین خاں صاحب میرے دوست ہیں۔ فتنہ و فساد سے بہت پہلے ان کا خط اور کچھ .... کلام میرے پاس آیا ہے ... ان کو میرا سلام کہنا" (اردوئے معلیٰ ص۱)

## عبداللہ خاں' اوج

ساکن سردھنہ کے بارے میں گلستان سخن میں لکھا ہے کہ انہوں نے برائے نام تعلیم پائی تھی' مگر ہمیشہ مضامین بلند کی فکر میں رہتے' گویا بنی" ناتوانی" سے انہیں "باندھ" نہ سکتے طبیعت کجی کی طرف مائل تھی ہی' رفتہ رفتہ" یکتائی کا مضمون ذہن میں جم گیا" "کملائے فن" کے پاس جاکر اپنے اشعار پڑھتے اور حسب دلخواہ داد نہ ملتی' تو" دم اخیر تک شاکی" رہتے۔ ایک شاہزادے کے نوکر اور استاد تھے " بیشتر کاملان سخن بطور ظرافت استاد کہتے" اور اوج اسے حقیقت سمجھ کر" علم مباہات بلند" کرتے۔ ۱۲۷۰-۱۲۷۱ھ سے ایک سال قبل وفات پائی۔ آزاد لکھتے ہیں کہ غالب" ان کے شعر سنتے اور کہتے تھے یہ سب کافر ہیں جو تمہیں استاد کہتے ہیں' شعر کے خدا ہو خدا۔ سجدے کا اشارہ کرتے اور کہتے سبحان اللہ سبحان اللہ۔ ایک دن راستے میں ملے' دیکھتے ہی کہنے لگے آج گیا تھا انہیں بھی سنا آیا' میں نے کہا کیا' کڑک کر کہا۔

ڈیڑھ جز پر بھی تو ہے مطلع و مقطع غائب　　غالب آساں نہیں صاحب دیواں ہونا"

## منشی بنسی دھر

جن کے نام کے آگے دو جگہ لفظ ناظر آیا ہے (ص۲۶۳، ص۲۶۵ "اپنے پیارے یار ناظر بنسی دھر") شیو نرائن کے داد ۔ غالب مؤخر الذکر کو لکھتے ہیں " تمہارے دادا کے والد عہد نجف خاں وہمدانی میں میرے نانا ... کے رفیق تھے۔ جب ... نانا نے نوکری ترک کی ... تو تمہارے پردادا نے بھی کمر کھولی اور پھر کہیں نوکری نہ کی۔ یہ باتیں

میری ہوش سے پہلے کی ہیں مگر جب میں جوان ہوا تو میں نے یہ دیکھا کہ منشی بنی دھر خاں صاحب کے ساتھ ہیں اور انہوں نے جو اپنی جاگیر کا دعویٰ... کیا ہے تو منشی بنی دھر اس امر کے منصرم ہیں اور وکالت و مختاری کرتے ہیں۔ میں اور وہ ہم عمر تھے۔ شاید.... بنی دھر مجھ سے ایک دو برس بڑے... یا چھوٹے ہوں۔ انیس بیس برس کی میری عمر اور ایسی ہی... ان کی، باہم شطرنج اور اختلاط اور محبت، آدھی آدھی رات گزر جاتی تھی، چونکہ ان کا گھر بہت دور نہ تھا.. جب یہ چاہتے تھے چلے جاتے تھے... دامل خاں ایک سپاہی تمہارے دادا کا پیش دست رہتا تھا اور وہ ٹکڑوں کا کرایہ اگاکر ان کے پاس جمع کرواتا تھا... تمہارا دادا بہت کچھ پیدا کر گیا تھا۔ علاقے مول لیے تھے، اور زمینداری اپنا کر لیا تھا، دس بارہ ہزار روپے کی سرکاری مالگزاری کرتا تھا" (اردوئے معلیٰ ص۲۶۲)

## امیر اللہ تسلیم

کے دیوان میں غالب کی غزل "بازیچۂ اطفال ہے دنیا مرے آگے الخ" کا مخمس ہے، جس کا عنوان ہے "مخمس غزل فخر شعرائے روزگار مشہور امصار و دیار جناب نواب اسد اللہ خاں غالب" اس کتاب میں ۱۰۸ ابیات کی ایک مثنوی بھی ہے جس کے مصرع آخر سے قاطع برہان کی اشاعت اکا سال طبع معلوم ہوتا ہے: "عجائب معجزہ تحقیق غالب" یہ اشاعت مذکور میں بھی ہے جس کی کتابت تسلیم نے کی تھی۔ مثنوی بعد حذف چند اشعار درج ذیل ہے۔

ترتیب شد چو این نادر کتابے   زفکر غالب عالی جنابے
زہے غالب شہ ملک معانی   خداوند جہان نکتہ دانی
سخن را اعتبار از نسبت او   دو عالم پر تو از شہرت او
فصاحت ناز پرور در زبانش   بلاغت زادۂ حسن بیانش
چو ہر حرفش طلسم آگہی بود   بدہا شکل حیرت نقش فرمود
خبر نزدیک و دور افسانہ گردید   بشوقے عالمے دیوانہ گردید۔

| | |
|---|---|
| زبسم اللہ تا حرف تمامی | نکندم طرح این نقش گرامی |
| چہ گویم وقت تحریرش چہ افتاد | ہنوزم ہست سینہ نشتر آباد |
| عجب نیرنگ نو پیش نظر بود | کہ من از دل دل از من بیخبر بود |
| گہی دل فتنہ بر حسن زبانش | گہی شیدائے آئین بیانش..." |

قاطع کی اشاعت اغلاط طباعت سے خالی نہیں، لیکن اس کا املا بیشتر غالب کے مسلک کے مطابق ہے، اس کا امکان ہے کہ انہوں نے تسلیم کو اس کے متعلق تحریری ہدایتیں بھی ہوں۔

## ثناء اللہ خاں، ثنا

بقول باطن (تذکرہ نگار) فرخ آبادی تھے، اور باطن ان سے علی گڑھ میں نبی بخش، حقیر کے مکان میں ملے تھے۔ ۱۸۵۴ء میں یہ ظاہرا حقیر کا سفارشنامہ لے کر دہلی آئے تھے۔ غالب ان کے بارے میں حقیر کو لکھتے ہیں کہ یہ "فتحپوری مسجد کے ایک حجرے میں مع... فرزند... رہتے ہیں حکیم احسن اللہ خاں... سے ان کو ملوا دیا... حکیم صاحب میرے دیکھنے کو آئے تھے۔ ثنا... مع قصیدے کے موجود تھے، ان سے قصیدہ پڑھوا دیا، دوسرے دن وہ ان کے گھر گئے انہوں نے پانچ روپے ان کو دیئے، پھر ان کو مع قصیدے کے... ضیاء الدین خاں کے پاس بھیجا، پانچ روپے انہوں نے دیئے... اب وہ چھوٹم نامی ایک رنڈی... مہاراج ہندو راؤ کی نوکر ہے، اس کو وہ اپنا شاگرد بتاتے ہیں... جب وہ کچھ دے گی، تب وہ کول تمہارے پاس روانہ ہوں گے" (نادرات ص ۵۲)

## جوالا سنگھ

ظاہرا علی گڑھ کا باشندہ تھا اور دہلی اپنے مقدمے کی پیروی کے لیے آیا تھا۔ غالب حقیر کو ۱۸۵۲ء کے ایک خط میں لکھتے ہیں: "میں نے رقعہ لکھ کر ایک ایسے شخص کے پاس بھیجدیا کہ مرجع ہے اس محکمے کے اہل مقدمہ کا۔ اگر حاجت ہوگی اور جوالا سنگھ خواہش کرے گا تو میں اس کو مولوی صاحب (انہیں کو اس کے بعد کے خط میں "حاکم" لکھا ہے۔ یہ میرا قیاس ہے۔ نادرات ص ۲۶) کے بھی سامنے کر دوں گا" (نادرات ص ۲۴)۔ غالب نے ایک

دوسرے خط میں جوالا سنگھ کو "ہر زہ کوش" بھی لکھا ہے (نادرات ص۲۶)۔

**پنڈت جوالا ناتھ** نے ظاہرا بوساطت حقیر غالب سے ضلع کول کے قدیم بند دبست وغیرہ کے حالات دریافت کیے تھے۔ غالب ۱۸۵۲ء میں حقیر کو اس باب میں لکھتے ہیں کہ میں ابھی طرح سمجھا بھی نہیں کہ وہ کیا جاننا چاہتے ہیں۔ آئین اکبری کے سوا کسی کتاب سے کچھ معلوم نہ ہو سکے گا۔ ضیاء الدین احمد خاں کی بھی یہی رائے ہے۔ (نادرات ص۲۹) چوتھم رنڈی رجوع بہ تتمہ

**حزیں** کے متعلق گلستان سخن میں مرقوم ہے کہ یہ دلی عہد، میرزا فتح الملک کے ملازم ہیں، پہلے عارف کے شاگرد تھے اور ان کی وفات کے بعد غالباً غالب سے اصلاح لیتے ہیں۔ غالب کی تحریروں میں ان کا ذکر نہیں اور تلمی پر اس کا فیصلہ نہیں ہو سکتا کہ انہیں غالب سے تلمذ تھا یا نہیں۔

**حسن علی** سید تھے اور ان کے باپ جان محمد ملازم شاہی تھے۔ غالب ۱۸۶۱ء میں علائی کو لکھتے ہیں کہ یہ "دوا سازی میں یگانہ، دکا بداری میں یکتا" ہیں۔ یہ ۵ روپے ماہوار پر لوہارو جانے کو آمادہ تھے، لیکن اس شرط پر کہ "روٹی" "دونوں وقت" "سرکار" سے ملے۔ غالب اس معاملے میں انہیں حق بجانب سمجھتے تھے، لیکن بعض اور رعایات کے متعلق باوجود اس کے کہ غالب انہیں ان کا مستحق سمجھتے تھے، وہ کوئی رائے دینا نہیں چاہتے (اردوئے معلیٰ ص۲۱۹)

**میرزا خضر سلطان، خضر** کے بارے میں گلستان سخن میں ہے "جواں سال وجواں دولت فرزند رشید ظل سبحانی، یعنی برادر حقیقی ... فتح الملک ... غالب سے تحصیل کمال میں مصروف اور روز و شب مشق سخن میں مشغوف" ایک شاہی مشاعرے میں خضر نے غزل طرحی پڑھی۔ غالب ایک خط میں جو باستثنائے اشاعت اول پنج آہنگ کی اشاعت ا کے سوا کل اشاعتوں میں ہے، اس کے متعلق تحریر کرتے ہیں۔ شاہزادہ یوسف دیدار۔

مرزا خضر سلطان بہادر غزل طرح بداں لحن سرود کہ پنداری پردیں بر بساط بزم افشاند" (ص ۲۳۸)۔ غالب نے ایک غزل میں بھی انہیں یاد کیا ہے۔

خضر سلطاں کو رکھے خالقِ اکبر سرسبز      شاہ کے باغ میں یہ تازہ نہال اچھا ہے

خضر سلطان۔ شورش ۱۸۵۷ء میں نمایاں طور پر شریک تھے اور ایک رجمنٹ کے کرنیل بنائے گئے تھے۔ یہ ان شاہزادوں میں ہیں جنہیں بہادر شاہ کی گرفتاری کے بعد ہوڈسن نے شہر کے باہر قتل کیا تھا (تاریخ بغاوت ہند جلد ۲ مصنفہ MALLESON ص ۷۹)

**ریختی** کے باب میں غالب نے ایک خط میں جو پنج آہنگ کی اشاعت اول کے سوا کل اشاعتوں میں ہے اور جس کے مکتوب الیہ رحمت اللہ خاں ہیں، لکھا ہے "سنتے چند از ریختہ گویان دہلی و لکھنؤ طرح تازہ ریختہ اندو در تغزل از لسان زناں نواہائے دل آویز انگیختہ، سرایندگان آں پردہ سرمست ہی خرامند این چنیں شعر را ریختی ہمے نامند" (ص ۲۲۲)۔ بخوبی ممکن ہے کہ غالب نے رنگین و انشا کی ریختی دیکھی ہو گلستان سخن سے معلوم ہوتا ہے کہ جس زمانے میں یہ تذکرہ لکھا گیا ہے، جان صاحب کا دیوان ریختی مشہور تھا اور اس کے "اکثر" اشعار نوجوانوں کی زبان پر تھے۔ مرزا علی بیگ، نازنیں دہلوی کی ریختی کے نمونے بھی اس تذکرے میں ہیں۔

**سراپا سخن** محسن لکھنوی، خلف حقیقت کا تذکرۂ شعرائے اردو ہے جو ۱۲۶۹ھ میں مکمل اور ۱۲۷۷ھ میں منطبع ہوا تھا۔ اس میں غالب کے بارے میں سطور ذیل ملتے ہیں: "مرزا اسد اللہ خاں، عرف مرزا نوشہ ولد عبد اللہ بیگ خاں قوم ترک، اولاد میں گشتاسپ کے، مولد اکبر آباد مسکن دہلی دیوان فارسی در ریختہ اور پنج آہنگ ان کی طبعزاد ہے۔ مشاہیر شعرائے دہلی سے ہیں۔ مؤلف کو یہ غزل شیخ فدا حسین فدائی (شاگرد شیفتہ) (نے) قصبۂ دیبائی سے بھیجی تھی۔

دی سادگی سے جان پڑے کوہکن کے پاؤں      ہیہات کیوں نہ ٹوٹ گئے پیرزن کے پاؤں الخ"

کل ۹ شعر ہیں جن میں سے ایک مروجہ دیوان سے غائب ہے۔

کعبے میں کیوں نہ دبائیں ہم برہمن کے پاؤں　　بے چارہ کتنی دور سے آیا ہے شیخ جی

غالب نے اس تذکرے کا 'قطعہ تاریخ طبع' بھی لکھا ہے جو اس تذکرے میں شامل ہے، لیکن دیوان مروجہ میں نہیں۔ یہ خبر نہیں کہ یہ قطعہ کس کی فرمائش پر لکھا گیا تھا۔

**مرزا حاجی، شہرت** | شاہ عالم کے پوتے اور احسان، ممنون و آزردہ کے شاگرد تھے (گلستان سخن)

غالب نے اپنے خط میں جس کی عبارت (۱۳) میں نقل ہوئی ہے، ان کی نسبت لکھا ہے۔ "نمایش ہفتادیت در زمین طرح برسامعۂ انجمن نشینان عرضہ داد۔ من بہ بہانہ۔۔ بیروں آمدم و راہ غمکدہ گرفتم۔"

**کرامت علی شہیدی** | بریلوی دہلی گئے تھے اور اس کا امکان ہے کہ غالب شہیدی سے ملے ہوں۔ غالب نے ۱۸۶۶ء کے ایک خط میں حکیم سید احمد حسن مودودی کو لکھا ہے: "شہیدی کی غزل ان قافیوں میں بہ تغیر ردیف ایسی ہے کہ اب ان قافیوں کا باندھنا ہرگز نہ چاہیے آپ اور غزل لکھیے، اس کو ہرگز دیوان میں نہ رکھیے" (اردوئے معلیٰ ص ۱۸۳)

**مرزا عالی بخت، عالی** | نبیرۂ شاہ عالم و شاگرد ثابت و احسان (گلستان سخن)۔ عالی نے بھی اس مشاعرے میں جس کا ذکر (شہرت میں) ہے اپنا کلام پڑھا تھا، اور یہ غالب کی بغل میں بیٹھے تھے۔

**عبدالجلیل بلگرامی** | (متوفی ۱۱۳۸ھ) رجوع بہ آزاد بلگرامی۔

**عبدالقادر، غمگین** | رامپوری (متوفی ۱۲۶۵ھ) کا ترجمہ امیر مینائی کے انتخاب یادگار اور احمد علی خاں، شوق کے تذکرۂ کاملان رامپور میں ہے حالی نے یادگار غالب میں لکھا ہے۔

"ایک دفعہ مولوی عبدالقادر رامپوری نے جو نہایت ظریف الطبع تھے اور

جن کو چند روز قلعۂ دہلی سے تعلق رہا تھا، مرزا سے کسی موقع پر یہ کہا کہ آپ کا
ایک اردو شعر سمجھ میں نہیں آتا اور اسی وقت دو مصرع خود موزوں کر کے مرزا
کے سامنے پڑھے۔

پہلے تو روغن گل بھینس کے انڈے سے نکال　　پھر دوا جتنی ہے کل بھینس کے انڈے سے نکال

مرزا یہ سن کر حیران ہوئے اور کہا حاشا یہ شعر میرا نہیں۔ مولوی عبدالقادر نے
مزاحاً کہا میں نے خود آپ کے دیوان میں دیکھا ہے اور دیوان ہو تو میں اب
دکھا سکتا ہوں۔ آخر مرزا کو معلوم ہوا کہ مجھ پر اس پیرائے میں اعتراض کرتے ہیں اور
جتاتے ہیں کہ تمہارے دیوان میں اس قسم کے اشعار ہوتے ہیں:

شوق مرحوم کا بیان ہے کہ "۱۸۳۹ء میں ... دہلی گئے، دہلی میں شاہ ظفر کے
پاس ۶ مہینے رہے ایک روز مرزا غالب سے کہا کہ آپ کے دیوان میں یہ شعر دیکھا ہے
مطلب سمجھ میں نہیں آتا ..." پہلے تو الخ" غالب حیران رہ گئے، گھر آ کر دیوان کو دیکھتے
ہیں، پریشان ہو کر ایک ایک سے دریافت کرتے ہیں کہ بھائی یہ شعر کہاں ہے۔ شیفتہ نے
کہا کہ مولوی صاحب نے آپ کے کلام سے ظرافت کی ہے:

حالی و شوق نے اپنا ماخذ نہیں بتایا۔ واقعے کی وہ شکل جو حالی کے یہاں ہے
زیادہ قرین قیاس ہے۔ غالب شاہ صاحب عالم مارہروی کو سردار کے نام کے ایک
خط میں لکھتے ہیں: "یہ مثنوی (باد مخالف) وہاں (کلکتہ میں) لکھی گئی، اور ایک ایک نقل
مولوی کرم حسین بلگرامی اور مولوی عبدالقادر رامپوری اور مولوی نعمت علی اور انکے
امثال و نظائر کے پاس بھیجی گئی، اگر یہ لوگ جگہ پاتے (بحث ایک خاص مصرع سے ہے)
تو میری کھال ادھیڑ ڈالتے" (عود ہندی ص۲۱)

عبدالقادر کا روزنامچہ کتب خانۂ حبیب گنج میں اور وہاں کے نسخوں کی ایک
نقل کتب خانۂ رضائیہ رامپور میں ہے، مگر مجھے اب تک اس کے دیکھنے کا موقع نہیں
ملا۔ ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب آرزو اور جناب عرشی سے یہ معلوم ہوا کہ اس
میں غالب کا ذکر مطلقاً نہیں اور جس زمانے میں غالب کلکتہ گئے تھے، ان کا وہاں ہونا

اس سے ثابت نہیں۔ یہ صحیح ہے تو یہ غالب نے مثنوی انہیں کیوں بھیجی یہ سمجھ میں نہیں آتا بعض اصحاب نے ظاہرا صرف عود کی عبارت کی بنا پر یہ لکھا ہے کہ عبدالقادر وغیرہ ان لوگوں میں ہیں جنہوں نے غالب کو کلکتہ میں مورد اعتراض بنایا تھا۔ اس عبارت سے یہ نتیجہ نکالنا ٹھیک نہیں۔

## عزیز الدین

ابن اساس الدین، نبیرۂ زبدۂ کملائے دہر حافظ ابوالمؤید خاں برادر حقیقی محمد سعید الدین سعید (سعید عزیز الدین سے چھوٹے تھے) اور عارف کے شاگرد۔ گلستان سخن) کا تخلص پہلے عزیز تھا بعد کو صادق ٹھہرا۔ ان کا وطن اصلی بدایوں تھا، لیکن سنہ ۱۲۷۰ یا سنہ ۱۲۷۲ھ سے مدتوں پہلے دہلی میں متوطن ہو گئے تھے۔ تلمذ انہیں غالب سے تھا (گلستان سخن) اردوئے معلیٰ (ص ۱۶۱) میں مولوی "عزیز الدین" کے نام کا ایک خط ہے جس کا آغاز اس طرح ہوتا ہے: "صاحب کیسی صاحبزادوں کی سی باتیں کرتے ہو؟" اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ مکتوب الیہ کا گھر ویران پڑا تھا اور وہ شورش ۱۸۵۷ء کے فرو ہونے کے بعد بریلی میں تھے (یہ اس لئے کہ خط میں قاضی جمیل الدین بریلوی کو سلام ہے) غالب نے ان کی استدعا پر چند اشخاص سے ایک محضر پر دستخط بھی کرا دیئے تھے۔ قریب بہ یقین ہے کہ یہ عزیز الدین، صادق ہی ہیں جنہیں غالب نے خط لکھا ہے۔

## محمد حسن عسکری، عسکری

برادر خرد نادر حسین خاں ہاشمی سے صہبائی نے تذکرے کے لئے اشعار مانگے تھے، عسکری نے منتخب اشعار کے ساتھ ایک قطعہ بھی بھیجا جس میں شعرائے دہلی (ظفر، ذوق، غالب اور صہبائی کی مدح ہے) اشعار متعلق غالب۔

اسد کلک فصاحت کا ہیں اسکے ہوشکار　　شیر غالب ہے نیستان سخن زائی کا
خانۂ دل کے فصاحت کا ہے غالب نے کیا　　شیفتہ دے سخن کی بھے رعنائی کا

(گلستان سخن) غالب کے صرف دو خطوں میں عسکری کا ذکر ہے اور دونوں شفق کے نام سے ہیں: "منشی نادر حسین خاں ... اور ان کے بھائی صاحب (نام نہیں دیا)

اس کو (غزل مرسلہ کو) پڑھیں۔" (۱۲۷۲ھ خطوط ص۱۳۱) "مولانا شفق اور مولانا ہاشمی اور مولانا عسکری متاخرین یعنی صائب و کلیم و قدسی کے انداز کو آسمان پہ لے گئے ہیں۔ اگر بےتکلف اور تملق سے کہتا ہوں تو مجھ کو ایمان نصیب نہ ہو" (خطوط ص۱۵۲)۔ غالب نے عسکری کے مقابلے میں ہاشمی کو بہت زیادہ یاد کیا ہے۔

## علی بخش خاں

الٰہی بخش خاں معروف کے بیٹے اور بی بی سے جو اتنی اولاد ہوئی اس میں سب سے چھوٹے تھے[1] پنج آہنگ[2] کی ترتیب اور غالب سے اپنے تعلقات کی نسبت علی بخش خاں دیباچہ پنج آہنگ میں لکھتے ہیں:

"در ایامیکہ بگوشۂ بساط قرب عم مرحوم ... نواب احمد بخش خاں ... جا داشتم و در سایۂ رافت آں والا پایہ پرورش می یافتم ... غالب اوقات بغیر در زیور میلاد گشت عنوان جوانی و اسباب عیش آمادہ ... از ناز و نعمت و جاہ جہاں کم نداشتم ... ہرگز فکر معاش و غم معاد نبود۔ ہمیں برادر قدسی اثر جناب ... غالب کہ در نظم و نثر یگانہ و در سخنوری مشہور زمانہ است ... سرے بآزموگاری من داشت و چوں بجای این نحیف و آں سخنوریکتا از دو سو پیوند قرابت استوار است و محبت و مودت بسیار است، لاجرم مرا بانواع لطف و مکرمت نواختے و ہموارہ بدانش و بینش رہنمائی کردے، تا اینکہ حسب الالتماس من ورقے چند از آداب و القاب و نثر

---

[1] آزاد لکھتے ہیں کہ معرف کی آرزو تھی کہ علی بخش خاں بذات خود صاحب منصب و امارت ہوں اور چچا اور ان کی اولاد کے دست نگر نہ ہوں سامان و سامان درست کر کے پیشو میں بھیجا۔ مگر کامیابی نہ ہوئی۔ آزاد ذوق کی زبانی یہ بھی کہتے ہیں کہ جوانی میں "خوبصورت و شاندار امیرزادے" تھے۔ خود علی بخش کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ تنگ دستی کی وہ چچا کی موت کے بعد۔ [2] پنج آہنگ میں نورالحسن کے نام کی ایک غلطی عبارت ہے۔ "دریں نزدیکی یکے از برادراں کہ از دوے عزم ترتیب سخنہائے پراگندۂ مرا کہ عبارت از نثر است گرد آوردہ ص۱۱۵

رسید خطوط و شکوہ عدم رسیِ مکاتبات رقم فرمود و بن عطا نمود بعد چندے بخت حضرت اخوان پناہی مد ظلہ العالی بجانب کلکتہ رہگرائے شدند و مقارن آں حال عم نامدار کہ شفقت پدری بلکہ رحمت ایزدی از ذات بابرکاتش لمعۂ ظہور داشت از میخانم... قبل رحیل فرد کوفت. شمس الدین خاں... بجائے پدر نشست۔ کارہا دگرگوں شد... من خود را ازاں میان بکنار کشیدم و ترک وطن کردم۔ چندے بہ لکھنؤ و مدتے بہ بجے پور بناکامی بسر بردم تا اینکہ در آغاز سال یک ہزار و دو صد و پنجاہ و یک ہجری شمس الدین خان را آں پیش آمد کہ ہیچ آفریدہ مبیناد۔ و بعد آں ہنگامہ ہم در آں ہنگام از جے پور بدہلی رسیدم و بکاشانۂ برادر والا شان و آموزگار مہربان مولنا غالب... فرود آمدم۔ در آں ایام دیوان... تازہ فراہم آمدہ... و آنچہ از نثر دراں... بصورت ارقام داشت ہمہ را بخدمت والائے آں خسرو اقلیم سخنوری بخاطر چناں گذشت کہ ہمگی نثر از دیوان چیدہ بجا کنم و عبارات متفرقۂ دیگر... ضمیمۂ آں سازم اما ہجوم افکار... آلام فرصت میسر نمی آمد تا آنکہ از شاد... حکیم رضی الدین حسن خاں بہادر محرک آں داعیہ شد و ابرام... میر محمد حنیفا خاں کہ بدرس ایں نثرہا با من ہم سبق بودہ اند، باعث تقسیم فرصت گر دید و نیز بایں استفادۂ برخوردار... غلام فخر الدین خاں... رغبت خاطر انیکہ بہزار کشیدہ سانسخے مشتمل بر پنج آہنگ آراستہ شد۔“

دہری قرابت یہ ہے کہ علی بخش خان غالب کے حقیقی سالے اور ان کی بہن امراؤ بیگم کے... بھانجی کے شوہر تھے۔ غالب نے پنج آہنگ کے آغاز میں ان کے متعلق جو کچھ لکھا ہے یہ ہے:

”در سال یک ہزار و دو صد و چہل و یک ہجری کہ گیتی ستانان انگلیسیہ بر بھرت پور لشکر کشیدہ اند و آں روئیں دژ را در میان گرفتہ اند، من در یں یورش با... عم عالی مقدار... نواب احمد بخش خاں بہادر... و ہم اقبالۂ رفیع و گرامی برادر ستودہ خوئے مرزا علی بخش خاں بہادر ہم سفر است، لہذا از برفتار ہمقدمیم و خیابۂ یک خیمہ فرود —

یٔ ایمٔ برادر والاقدر کہ سیمائے سعادتمندی و فروغ دانشمندی دارد دامن آرزد کردک برائے نامہ نگاراں دستورالعمل موجزے ساختہ آید... چوں خاطر نازک پژمردہ بندہ عزیز بود فرمایش از راہ گوش بدل دریافت۔"

پنج آہنگ میں ۴ خط علی بخش خاں کے نام سے ہیں، ایک میں لکھا ہے کہ "میر امام علی را با عرضداشت بخدمت نواب (احمد بخش خاں) فرستادہ ام، زنہار با من نشانہ سازی داز نواب محابا مکنید... چوں عرضداشت خواندہ شود، شما ہم... نگارش را بگذارش پیرد ہید و میر امام علی را بسخن دلیری بخشید" ایک میں احمد بخش خاں کی خبر رفعات سننے کے بعد یہ اندیشہ ظاہر کیا ہے کہ "آنچہ شمارا پیش آید دلخواہ نباشد" ایک خط میں کلکتہ سے اپنے مقدمے کے باب میں بعض ضروری ہدایتیں کی ہیں، اس کا خاتمہ ان الفاظ پر ہوتا ہے: زیادہ ازیں چہ گویم کہ یگانگی دوئی و محبت منی و توئی برنتابد۔"

پنج آہنگ کے ایک خط میں جو شیفتہ کے نام سے ہے یہ عبارت ہے: "برادر بجاں برادر علی بخش خاں بہادر رنجور بار از جیپور آمدہ و بکاشانہ نامہ نگار طرح اقامت افگندہ... اوقات بہ بیمار داری ضائع" ص ۱۰۹ مالک رام صاحب وغیرہ نے جو یہ لکھا ہے کہ علی بخش خاں کا تخلص رنجور تھا، ظاہراً اس کی بنا اسی عبارت پر ہے، لیکن اس میں یہ لفظ صریحاً یہ ظاہر کرنے کے لیے آیا ہے کہ وہ جیپور سے بیمار آئے تھے۔ اس بات کا کہ وہ شاعر تھے اور رنجور تخلص کرتے تھے کوئی ثبوت موجود نہیں

نادرات غالب کے بعض خطوں میں علی بخش خاں کا ذکر آتا ہے۔ ان میں سے ایک سے جو ۱۸۶۴ء کا ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک "مکارہ و عیارہ" خانگی ان کے گھر بیٹھ گئی تھی:

"اب بڑھاپے میں اس نے (کذا) میرے حقیقی سالے۔ کو دلم میں لاکران کے گھر میں بیٹھی ہے اور بیگمیں بہو بیٹیوں کو لوٹتی پھرتی ہے۔ اس نے وہاں دار کی بی بی سے مل کر اس کو نیا نواب بنایا اور سارا گھر لٹوایا" (ص ۵۶) مجروح کے نام کے ایک خط سے

پتا چلتا ہے کہ انگریز علی بخش خاں پچاس روپے ماہوار بطور وظیفہ دیا کرتے تھے۔ یکم جنوری ۱۸۶۲ء کے ایک خط میں غالب نے علائی کو ان کے مرنے کی خبر دی ہے:

"بیچارے مرنا کا معاملہ سطے ہو گیا، یہاں پندرہ کا سوال وہاں دس میں سے تین کم کرنے کا خیال۔ متوسط دوسرا جو علی حسین خاں بہادر کے بعد درمیان آئے وہ کیا کرے اور کیا کہے؟ مرزا قانع و متوکل ہیں، نہ پندرہ مانگتے ہیں نہ دس، اللہ بس باقی ہوس۔ جناب تردلیں صاحب بھائی کے دوست دلی دلی آئے۔ لارڈ صاحب کہلاتے ہیں، سنتا ہوں کہ کل اکبر آباد جاتے ہیں۔ بھائی علی بخش خاں مدت سے بیمار تھے، رات کو بارہ پر دو بجے مر گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ تمہارے عم نامدار آج دن کو بارہ بجے سلطان جی گئے ہیں، میں نہ جا سکا، تجہیز و تکفین ان کی طرف سے عمل میں آئے گی۔" (خطوط ص ۳۵۷) غالب اسی سال ۹ جولائی کے خط میں علائی کو تحریر کرتے ہیں: مادہائے تاریخ کو نہ آپ تقالب نظم میں لائیں اور نہ اوروں کو اس امر منکر کی تکلیف دیں۔۔۔ یزید پر لعن محتمل، عبارت سہی، لیکن تقریباً کہہ دیتے ہیں کہ بر یزید لعنت۔ کسی مومن نے اس کی ہجو میں قصیدہ نہیں لکھا۔ ابداع مادہائے تاریخ تمہارے حسنات میں لکھا گیا، ثواب تم ہو چکے، امر یاد گے انشاء اللہ اب اپنے کو بدنام اور کسی کو ملول اور عداوت کو ظاہر اور اگر ظاہر ہو تو محکم نہ کرو۔ علی بخش خاں مرحوم مجھ سے ۴ برس چھوٹا تھا، اس نے ۶۶ برس کی عمر پائی۔ نئی تقریر تحریر کا آدمی تھا۔ اکبر آباد میں میور صاحب سے ملے۔۔ کہنے لگے کہ میں اچھا ۔۔ کے ساتھ جنرل۔۔۔ لیک ۔۔۔ ہولکر سے جو محاسبات ہوئے ہیں اس (کذا) میں شامل رہا ہوں بے ادبی ہوتی ہے، ورنہ اگر قبا و پیرہن اتار کر دکھلاؤں، تو سارا بدن ٹکڑے ٹکڑے ہے، جا بجا تلوار اور برچھے کے زخم ہیں۔ وہ ۔۔۔ ان کو دیکھ کر کہنے لگا کہ نواب صاحب، ہم ایسا جانتے ہیں کہ تم جرنیل صاحب کے وقت میں چار پانچ برس کے ہو گے۔ یہ سن کر آپ نے کہا کہ درست بجا ارشاد ہوتا ہے۔ خدا ایشاں یا مرزا دو بدیں درد عہد شہ بے نمک مگیراد" (خطوط ص ۳۵۹) عود ہندی کے ایک خط میں بنام شاکر

ص۲۷) غالب نے لکھا ہے کہ علی بخش خاں "کذب گزاف میں ضرب المثل" تھے، اور اس بنا پر کہ قاسم علی خاں ان کے دلی دوست تھے، ان کے ایک قول کو صحیح ماننے میں تامل کیا ہے۔

یہ بالکل ظاہر ہے کہ "برادر بجاں برابر" کی وفات سے غالب کا توازن دماغی مطلقاً برہم نہیں ہوا۔ وہ علائی کے خط میں اس کا ذکر بھی سرسری طور پر اور باتوں کے بیان کرنے کے بعد کرتے ہیں، حالانکہ یہ باتیں چنداں اہمیت نہیں رکھتیں۔ مزید یہ کہ غالب ان کے متعلق اچھی رائے بھی نہیں رکھتے، لیکن، ان امور کے باوجود مالک رام صاحب کے اس قیاس کو تسلیم نہیں کیا جا سکتا کہ علائی نے "ہجویہ مادہائے تاریخ علی بخش خاں کی وفات سے نکالے تھے"، اور غالب نے اسے یزید پر لعنت کی طرح، ثواب کا کام قرار دیا تھا۔ مادہائے تاریخ کا یقین ہے کہ کسی اور شخص سے تعلق ہو۔

عیش، حکیم آغاجان دہلوی کا ذکر غالب کی تحریروں میں ایک جگہ آیا ہے۔ وہ ان کے بیٹے کی سفارش کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ان کے والد... میرے پچاس برس کے دوست ہیں، ان کو اپنے بھائی کے برابر جانتا ہوں" (اردوئے معلی مکتوب فردری ۱۸۶۴ء ص۳۴۷)۔ آب حیات میں ہے کہ ایک دفعہ مشاعرے میں عیش نے غالب کے سامنے غزل طرح میں یہ قطعہ پڑھا تھا:

| | |
|---|---|
| اگر اپنا کہا تم آپ ہی سمجھو تو کیا سمجھے | مزا کہنے کا جب ہے اک کہے اور دوسرا سمجھے |
| کلام میر سمجھے اور زبان میرزا سمجھے | مگر ان کا کہا یہ آپ سمجھیں یا خدا سمجھے |

آزاد نہ یہ کہتے ہیں کہ وہ خود مشاعرۂ مذکور میں شریک تھے اور نہ یہ بتاتے ہیں کہ یہ باور کرنے کی وجہ کیا ہے کہ ان اشعار میں لازماً غالب کی طرف اشارہ ہے۔ مرزا فرحت اللہ بیگ مرحوم (مضامین حصہ ۲ ص۱۹۶) لکھتے ہیں کہ "ہیں مشاعرے میں غالب پر چوٹ کرنا اور ایسی ... کہ منہ پھیر جائے ہر اردو داں کے پیش نظر ہے: اگر اپنا الخ"

ان کے علاوہ حکیم صاحب نے دیوان میں کئی جگہ اور بھی غالب پر حملہ کیا ہے:

پسند کریں خواص ان کو سمجھ میں آئے عوام کے بھی ‌ ‌ غرض ہو سب کے پسند خاطر یہی ہے خوبی کلام کی بھی

یہ شعر بھی یا وہ اشعار جو آب حیات میں ہیں، لازماً غالب کے حق میں نہیں کہے گئے۔ اس سلسلے میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ مرزا صاحب نے وہ اشعار تو نقل کیے ہیں جو آبحیات میں ہیں لیکن صراحتاً یہ نہیں بتایا کہ دیوانِ عیش تمام ہو گیا یا نہیں اور نہیں تو دیوان ایں یا دیوان دویں۔ دیوان، سقیم حالت میں تھا، اس بنا پر تاریخ وفات غالب کے ۲ شعر مرزا صاحب کے طرح جو انھوں نے اپنے مضمون میں شامل کر دیے ہیں (بعض اشعار ضائع ہو گئے)

اور بڑے چین سے گزاری عمر — جب تلک وہ یہاں مقیم ہوئے
اب جو یہاں سے وہاں گئے تو وہ عیش — موردِ بخششِ کریم ہوئے
رکھتے دل خوش تھے وہ سدا دل خوش — داخلِ جنت النعیم ہوئے

محمد میر، پسر میر امداد علی "آشوب" کے متعلق ۲۶ ستمبر ۱۸۶۲ء کے ایک خط میں ہے: "شب گذشتہ کو گزر گیا، آج صبح اس کو دفن کر آئے، جوان صالح، پرہیزگار، مومنین کا پیش نماز تھا۔" (خطوط ص ۲۷۹)

منتظر، شاگرد مصحفی کا ایک شعر ذیل انتخاب دیوان مرتبہ حسرت موہانی میں ہے:

یادگار زمانہ ہیں ہم لوگ — سن رکھو تم فسانہ ہیں ہم لوگ

سرور نے فسانۂ عجائب میں اسے ایک جگہ اس فرق کے ساتھ کہ "سن رکھو" کو "یاد رکھنا" بنا دیا ہے، مصنف کا نام دیے بغیر نقل کیا ہے۔ غالب کو یہ علم نہیں کہ شعر کس کا ہے، لیکن انھیں پسند تھا اور ان کے دو خطوں میں آیا ہے، وہ۔ "سرور نے جو افسانہ (کذا) عجائب لکھا ہے آغاز داستان کا شعر اب مجھے مزا دیتا ہے: یادگار الخ" (اردوئے معلیٰ ص کوئی جلا بھنا کہتا ہے: یادگار الخ" (۲ ص ۱۱۲)۔

نسیم اللہ، نسیم ہودی المسلک تھے اور کول کے رہنے والے۔ ۱۹ برس کی عمر میں فارغ التحصیل ہو کر وارد دہلی ہوئے۔ طب امام الدین خاں سے پڑھی، اور باقی علوم کے "استیعاب" کے لیے مفتی صدر الدین خاں کی طرف رجوع کیا۔ اس کے بعد "سند عہدۂ منصفی" حاصل کی اور زمانۂ تصنیف گلستان سخن میں "محکمۂ عدالت" کول میں وکالت کرتے تھے۔ حقیر کے نام کے کئی خطوں میں (۱۲۶۴ھ تا ۱۲۶۹ھ) ان کا ذکر آتا ہے۔ غالب کے ایک خط سے (۱۲۶۴ھ) تلمذ اساتذۂ مذکور کی تصدیق ہوتی ہے، اسی میں؛      نے لکھا ہے ... میاں نے والد کی علاوہ

کی خبر سن کر "اضطراراً" وطن چلے گئے ہیں (نادرات ص۲)۔ ایک دوسرے خط سے جو ۱۸۶۹ء کا ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دہلی میں تھے اور بہت جلد وطن جانے والے تھے (ص۳۰)۔ اس کے کچھ ہی بعد کے ایک خط میں ان کی زبانی حقیر کو پیام بھیجنے کا ذکر ہے (ص۳۱)۔

نصیر الدین کے نام سے غالب کا کوئی خط نہیں، لیکن حقیر کے نام کے خطوں میں وقتاً فوقتاً انھیں مخاطب کیا ہے، دعائیں لکھی ہیں اور ان کی خیریت دریافت کی ہے۔ پہلا خط جس میں ان کا نام آیا ہے ۱۰ جنوری ۱۸۵۰ء کا ہے اور آخری ۲۴ ستمبر ۱۸۵۵ء کا ہے۔ ۱۸۵۱ء میں ان کا بیاہ ہوا تھا، جس کی خود انھیں اور حقیر و ذکیہ کو مبارک باد لکھی ہے۔ (نادرات ص۱۳) ۵ نومبر ۱۸۵۴ء ۱۶ ستمبر ۱۸۵۵ء اور ۲۴ ستمبر ۱۸۵۵ء کے خطوں میں علی الترتیب یہ عبارات ہیں

(۱) "میاں نصیر الدین بھی شاعر ہوئے ہیں، آپ نے تخلص ان کو کیا دیا ہے؟"

(۲) "نصیر الدین کو دعا۔ ہم نے تمہارے اشعار ایک تذکرے میں دیکھے اور جانا کہ تم چھپے رستم ہو۔ اپنے شعر ہم سے اس لیے چھپائے ہوں گے کہ یہ مضمون چرا نہ لے۔" (۳) "نصیر الدین کا حال معلوم ہوا، میں نے ہنسی سے لکھا تھا، ورنہ میں جانتا تھا کہ شعر لکھا سے ہیں۔" گلستان سخن میں نصیر الدین، نصیر خلف بدر الدین و دختر زادہ حقیر کا ترجمہ اور اشعار ہیں، اور وہ تذکرہ جس میں غالب نے نصیر الدین کے اشعار دیکھے ہیں، قریب بہ یقین ہے کہ یہی ہو، لیکن غالب ذکیہ کو نصیر الدین کی بہن اور عبد السلام پسر عبد اللطیف خلف حقیر کی بیٹی لکھتے ہیں (ص۱۳)۔ اس گتھی کا سلجھانا آسان نہیں۔ میرا حافظہ دھوکا نہیں دیتا تو بعض اصحاب نے عہد ذکیہ کے شوہر کا نام بدر الدین بتایا ہے۔

## واصل خاں (رجوع بہ بنّی دھر)

شیخ وزیر الدین کے دادا "معزز آدمی" اور غالب کے "بڑے دوست" تھے (نادرات ص۲۶) اور حقیر کے نام کے خطوں میں (۱۸۵۰ء

تا ۱۲۵۵ھ) ان کا ذکر آتا ہے۔ یہ خبر نہیں کہ ان کے دادا کا نام کیا تھا، اور ان کا اصلی وطن کہاں تھا، ۱۲۵۰ھ کے خط سے مترشح ہوتا ہے کہ یہ دہلی سے یہ کول گئے تھے۔ (ص۵) ۱۲۵۲ھ کے ایک خط میں ہے کہ "وزیر الدین بہت تباہ و خراب ہے ... یہ تمھارا بھی نیاز مند ہے ... اگر کہیں نوکری قرار پا جائے تو گویا مجھ پر احسان ہوگا ... وزیر الدین بیمار ہو کر کراچی ڈاک سے کول روانہ ہوا ... میں ... ان کی خدمت بجا نہ لا سکا اور ان سے شرمندہ رہا۔ ہو سکے تو تو ... اپنے علاقے میں مختارکاری سررشتے کی عرائض نویسی، نقل نویسی کچھ نہ کچھ ان کے واسطے کر دیتا" (ص۷۵) ۱۲۵۵ھ کے ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کول سے دہلی گئے تھے (ص۷۲)، لیکن کسی خط سے یہ پتا نہ چل سکا کہ انھیں نوکری مل گئی تھی یا نہیں۔

عبدالرحمٰن، ہدہد کے بارے میں گلستان سخن میں ہے: "ساکن نواح پورب، مدت سے شاہجہان آباد میں دارد ... خلط چہارم کی رنگ آمیزی نے اس کے مرقع دماغ کو قوت متخیلہ کے واسطے لوح تعلیم بنا لیا تھا، احباب ظریف کو ایک مشغلہ ... اور بازیچہ ہاتھ آیا اور کثرت تحسین سے الفاظ پوچ اور سخن ناموزوں اور بے معنی کو ہم جنس وحی و الہام سمجھنے لگا ایک مدت تک یہ حال رہا۔ احباب کے قہقہہ ہند کو غلغلۂ تحسین جانتا ہے" آزاد نے لکھا ہے کہ شعار دراصل حکیم آغا جان، عیش کے ہوا کرتے تھے۔

۴۰

مرزا فرحت اللہ بیگ مرحوم اس بنا پر اس کے منکر ہیں کہ ان کے نزدیک عیش میں ظرافت کا مادّہ نہیں (مضامین فرحت ۲ ص۱۷۱)۔ یہ دلیل قطعی نہیں، ہدہد کے اشعار میں جو ظرافت ہے، وہ محض آورد ہے۔ آزاد یہ بھی کہتے ہیں کہ "حکیم صاحب کے اشارے پر ہدہد بلبلانِ سخن کو ٹھونگیں بھی مارتا تھا، چنانچہ بعض غزلیں سرِ مشاعرہ پڑھتا ... الفاظ نہایت شستہ اور رنگین، لیکن شعر بالکل بے معنی اور کہہ دیتا کہ یہ غالب کے انداز میں لکھی ہے"۔ اس قسم کا صرف ایک شعر آب حیات میں ہے:

مرکز محور گردوں بہ لب آب نہیں ناخن قوس قزح شبہۂ مضراب نہیں

ہند سے متعلق غالب نے کہیں بالتفصیل اظہار خیال نہیں کیا، لیکن ماسٹر پیارے لال کے ایک مضمون میں غالب کے یہ اشعار مندرج ہیں جو کہیں اور میری نظر نہیں گزرے:

ہندوستان کی بھی عجب سرزمین ہے جس میں وفا و مہر و محبت کا ہے وفور
جیسا کہ آفتاب نکلتا ہے شرق سے اخلاص کا ہوا ہے اسی ملک سے ظہور
ہے اصل تخم ہند سے اور اس زمین سے پھیلا ہے سب جہان میں یہ میوہ دور دور

(دہلی سوسائٹی اور مرزا غالب از جناب ڈاکٹر عبد الستار صدیقی غالب نمبر علی گڑھ میگزین ص ۶۱)

**دستنبو** اشاعت اول کے سرورق میں عبارات ذیل مرقوم ہیں: العلمہ طاقۃً / کتاب مستطاب نایاب بزبان فارسی قدیم بے آمیزش لفظ عربی / تصنیف فردوسی ہند نواب اسد اللہ خاں بہادر غالب تخلص دہلوی موسوم بہ / دستنبو / جس میں مصنف نے اپنی سرگزشت (کذا) ابتدائے ۱۸۵۷ء سے ۳۱ جولائی ۱۸۵۸ء تک / لکھی ہے معہ (کذا) قصیدہ تہنیت فتح ہند کہ وہ بزبان فارسی متعارفہ مرقوم ہے / مطبع مفید خلائق آگرہ میں واسطے افادہ خاص و عام کے بہ اہتمام شیو نارائن کے چھاپی گئی۔ سرورق میں نقش و نگار محض معمولی قسم کا ہے اور اس کی پشت کا صفحہ سادہ ہے۔ اس کے بعد ایک صفحے میں عبارت ذیل: "قصیدۂ برگزیدہ در مدح خداوند روے زمیں 'سایۂ جہاں آفریں' حضرت قدر قدرت ملکۂ معظمۂ انگلستان خلد اللہ ملکہ (کذا) بالعدل و الاحسان مشتمل بر تہنیت فتح ہندوستان" اس کے بعد کے صفحے سے جس کا شمار ۱ ہے ص۷ تک فارسی قصیدہ جس کا مصرع اول یہ ہے: "در روزگارہا نتواند شمار یافت" (یہ قصیدہ کلیات نظم فارسی مطبوعۂ لکھنؤ میں موجود ہے۔ اصل کتاب کے ہندسے الگ ہیں، یہ ص۱ سے شروع ہو کر ۹۷ پر ختم ہوتی ہے۔ ص۱ میں ۹ سطریں ہیں، اولاً دو سطروں میں یہ بیت: "بنام خداوند پیروزگر ہمہ دہر ساز و شب و روزگر" اس کے بعد نثر کی پہلی سطر یہ ہے: "توانا دادر نہ سپہر فراز ہفت اختر و دانا نوائے" حواشی میں از ابتدا تا انتہا مشکل الفاظ کے معانی یا بعض توضیحی امور مندرج ہیں۔ ختم کتاب کے بعد یہ عبارات ہیں: "تمام شد / اس کتاب کو بغیر اجازت مہتمم مفید خلائق کوئی صاحب چھاپنے کا قصد نہ کریں" ص۹۸۔ مہر نے آغاز کتاب اور لغت سے انجام کی تاریخ نکالی ہے۔

مہر: اسداللہ خان غالب مہر — چند از د رقم چہ دستنبو
نامہ خود سال خویش داد نشانی — ید بیضاستم چہ دستنبو ۱۸۵۷

تفتہ: کتابے زود رقم غالب کہ آں را — بجان و دل جہانے گشتہ طالب
نوشتم تفتہ سال اختتامش — بیا بنگر چہ دستنبوے غالب ۱۸۵۸

**سرمۂ سلیمانی** تقی اوحدی کی فرہنگ ہے جو فرہنگ سروری کی روایت اولیں کی تالیف کے بعد وجود میں آئی تھی۔ یہ برہان قاطع کے ان خاص ماخذ میں ہے جن کا ذکر برہان کے دیباچے میں ہے۔ غالب نے قاطع برہان میں لکھا ہے کہ وقت تحریر یہ اور برہان کے دوسرے ماخذ پیش نظر نہیں۔ یہ کتاب بہت کم یاب رہی ہے اور اس کا قرینہ بہت کم ہے کہ کسی زمانے میں بھی غالب نے اسے دیکھا ہو۔ اس وقت دنیا میں اس کا صرف ایک نسخہ موجود ہے جو بقول مرتب معیار جمالی مطبوعہ روس، روس میں ہے۔

**شیریں و خسرو** نظامی غالب نے دیکھی ہو تو عجب نہیں مگر یہ صحیح نہیں کہ

بقصر دولتم مانی وار ژنگ — طراز سحرے بستند بر سنگ

اس مثنوی میں ہے اور شیریں کی زبان سے ہے (قاطع برہان ص ۲۹)۔ یہ شعر خسرو کی مثنوی شیریں خسرو کا ہے اور فرہاد کی زبان سے ہے (خمسۂ خسرو شمار ۱۲۸ کتبخانۂ مشرقیہ پٹنہ ورق ۶۸)۔ اس کے قبل اور بعد کا ایک ایک شعر درج ذیل ہے:

"من اندر نسبت از خاقان چینم — بگوہر صاحب تاج و نگینم"

"برانم داشت ایں طبع ہوسناک — کہ چوں ایشاں بود استاد چالاک"

**کشف اللغات** مؤلفہ عبدالرحیم بہاری فرہنگ جہانگیری کے ماخذوں میں ہے۔ اور اس کا زمانۂ تالیف برہان قاطع سے بہت قبل ہے۔ غالب اسے بہت ناپسند کرتے ہیں اور ان کا قیاس ہے کہ یہ برہان کے بعد لکھی گئی ہے: "کشف اللغات را انگاشتم، طرز گزارش آں را با عنوان تحریر برہان قاطع لختے مانا یافتم۔ کاش دانستمے کہ تقدم زمانی کراست۔ قیاس من چناں بخیلد

کہ صاحب کشف اللغات مؤخر وزر دانستن قواعد عربی از صاحب برہان دو سہ گام بیشتر است۔ باوجود تتبع باعتقاد خویشتن منصب تصحیح و تہذیب دارد۔ اللہ اللہ! ایں ہر دو بزرگ دریں صنعت کہ مدار حل لغت بر رائے و قیاس خویش نہند واز تقلیب و تخفیف و تصحیف قطع نظر فرمایند چہ قدر باہم مساہم اند و دریں بارہ کہ قیاس ہیچگاہ صحیح نبود چہ مایہ بایکدگر انباز" (قاطع برہان ص ۱۱۰) "قیاس ہیچگاہ صحیح نبود" خاص طور پر قابل توجہ ہے۔

**گلشن راز** محمود شبستری کی مشہور صوفیانہ مثنوی ہے۔ غالب نے اس کا مطالعہ کیا ہو تو عجب نہیں، اس کی بیت ذیل کلیات نظم فارسی کے دیباچے میں نقل ہوئی ہے:

"ہر آنکس را کہ اندر دل شکے نیست یقیں داند کہ ہستی جز یکے نیست"

**امید سنگھ** مہاراجہ تکوجی راؤ ہلکر کے اتالیق تھے، اور جب وہ دہلی وغیرہ کے سفر کے عازم ہوئے تو یہ ساتھ تھے، اور اس کا اہتمام ان کے ہاتھ میں تھا۔ اس سفر کا جو روزنامچہ انھوں نے لکھا تھا، وہ مہاراجہ کی فرمائش سے (سید کریم علی ابن عوض علی متوطن راٹھ سرکار کالپی نے ۱۲۶۷ھ میں کیا تھا اور یہ باغ نو بہار کے نام سے ۱۲۶۸ھ میں مطبع مہاراجہ ہلکر بہادر میں طبع ہوا تھا۔ مہاراجہ بتاریخ ۲۵ اکتوبر ۱۸۵۰ء = ۱۹ ذی الحجہ ۱۲۶۶ھ اندور سے رخصت ہوئے تھے اور جنوری ۱۸۵۱ء میں وارد دہلی ہوئے تھے۔ یہاں امید سنگھ کا قیام ان کے ذاتی مکان میں تھا جو محلۂ بلی ماراں میں واقع تھا۔ اور مہاراجہ دوسری جگہ ٹھہرے ہوئے تھے۔ ایک دن امید سنگھ نے مہاراجہ کی دعوت کی اور اس موقع پر قیمتی اور عمدہ کپڑوں کی دس کشتیاں، موتیوں کا ایک مالا جس میں ایک "سبزہ" بھی تھا، اور ۵۰۰ اشرفیاں (ہاتھی کی قیمت) بطور نذر پیش کیں، ایک سو ایک روپے مہاراجہ کے سر پر تصدق کیے اور ساتھ ہی ساتھ اس مضمون کی عرضی گزرانی کہ مکان مع جملہ نقد و جنس نذر ہے، اور زبانی یہ کہا کہ "جو میرے پاس ہے مہاراجہ

کاہے "آیندہ .. محنت مزدوری کرکے پیدا کروں گا" مہاراجہ نے سب کچھ قبول کیا،
مگر یہ کہا کہ قبول کرنے کے بعد میں آپ کو عطا کرتا ہوں؛ اس پر ان کی طرف سے
انکار ہوتا رہا مگر آخر کار مہاراجہ نے صرف کپڑوں ("قماش") کی کشتیاں رکھیں
اور سب کچھ واپس کیا۔ امید سنگھ نے ہمراہیان مہاراجہ کو چار چار پارچوں کا
خلعت اور پانچ پانچ اشرفیاں (قیمت اسپ) دیں۔ اس موقع پر ان کے فرزند
شنکر لعل، گنیش لعل (برادر) اور کچھ اور اصحاب نے بھی جو ظاہراً ان کے اقربا
تھے نذریں پیش کی تھیں۔ امید سنگھ کا مکان دہلی میں ضرور تھا، مگر قطعی طور پر نہیں
کہا جا سکتا کہ دہلی وطن اصلی بھی تھا یا نہیں۔ روزنامچے کی زبان کا باغ نو بہار میں
ذکر نہیں، قرینہ ہے کہ فارسی ہو۔ دتاسی کی تاریخ جلد ۳ ص۲۵۱ میں امید سنگھ
اتالیق مہاراجہ ہولکر کے متعلق مرقوم ہے کہ انھوں نے بھاگوت گیتا کا اردو میں
ترجمہ کیا تھا جو متن سنسکرت و حواشی کے ساتھ دہلی میں ۱۸۶۵ء میں (صفحات
۷۸، سطریں فی صفحہ ۲۱) طبع ہوا تھا۔ غالب نے انھیں کہیں منشی (اردوئے معلی
ص۱۴۰) کہیں رائے (ص۳۷، ص۴۹، ص۵۳) اور کہیں راجہ (ص۶۴ و ص۶۱ و
ص۲۶۱) لکھا ہے۔ ایک جگہ "امیر نامور" کے الفاظ بھی ان کے حق میں ان کے قلم سے
نکلے ہیں (ص۶۵)۔ دہلی میں ان کا گھر غالب کے بیان کے مطابق دسوں کے کوچے
میں تھا (ص۶۵)، لیکن ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ بساون کی گلی میں جو حکیموں کی
گلی کے قریب ہے، جورس صاحب کی کوٹھی (مع زمین افتادہ) خریدی تھی اور اسے
بنوا رہے تھے (ص۶۴)۔ اس کے قبل کے ایک خط میں یہ بھی مرقوم ہے کہ امید سنگھ
کا ارادہ بندرابن میں ایک نیا تکیہ بنا کر اپنی وضع پر رہنے کا تھا (ص۶۱)۔ غالب نے
انھیں ایک جگہ اندور والا لکھا ہے (ص۱۴۰) اور ان کے عزم اندور کا ذکر کیا ہے
(ص۱۴۱)۔ غالب سے ان کی پرانی ملاقات نہ تھی، جولائی یا اگست ۱۸۵۸ء
میں جس وقت دستنبو زیر تحریر تھی ایک دوست پہلی بار انھیں غالب کے
یہاں لے گئے تھے (ص۱۴۰) اور بعد کو بھی یہ غالب سے ملتے رہتے تھے (ص۶۴)،
خود غالب نے بھی دوبارہ ان کے یہاں جانے کا ذکر کیا ہے (ص۴۹)۔ پہلی ملاقات

ہی میں دستنبو کا حال انھیں معلوم ہوا تو انھوں نے اس کی پچاس جلدیں خریدنے کا وعدہ کیا اور جب اس کے انطباع کا انتظام ہوگیا تو انھوں نے ان کی قیمت ادا کر دی۔ ان میں سے صرف دس جلدیں انھیں بھیجی گئیں، باقی خود غالب کو ملیں (ص ۶۶)۔ غالب نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ تفتہ انھیں دستنبو پڑھا دیں گے۔ (ص ۶۶ و ص ۸۹)، اس پر انھوں نے عمل کیا یا نہیں، اس کی خبر نہیں، لیکن امید سنگھ کے تعلقات تفتہ سے بھی ہوگئے تھے اور انھوں نے تفتہ کا کلام کلکتہ بھیجا تھا اور اس کا انتظام کیا تھا کہ طہران بھی جائے (ص ۴۹ و ص ۶۲)۔ ایک جگہ امید سنگھ کے عزم گوالیار کا بھی ذکر ہے (ص ۴۷)۔

**انتخاب یادگار** مصنفہ امیر احمد امیر مینائیؒ کا نام تاریخی ہے = ۱۲۹۰، لیکن کچھ اضافے بعد کو ہوئے۔ ۱۲۹۷ھ سال انطباع ہے۔ امیر نے دیباچے میں لکھا ہے:

"اگر ناخن امداد حضور گرہ کشائی نہ فرماتا ممکن نہ تھا کہ ایسا جامع تذکرہ .. ترتیب پاتا .. اس بے حقیقت کی سعی مانند حرکت خامہ بدست نامہ نگار ہے .. چونکہ یہ تذکرہ حسب الحکم بندگان حضور (کلب علیخاں) مرتب ہوا ہے اور جتنا مادۂ تالیف ہے سب نم ابر فیض و قطرۂ دریائے ارشاد والا ہے" (ص ۷)۔ بخ کے ایک خط میں بھی امیر نے یہ بات لکھی ہے کہ اس تذکرے کے مطالب کے ذمہ دار کلب علیخاں ہیں۔ ذیل میں غالب کا ترجمہ جو اس میں ہے نقل کیا جاتا ہے، اس میں بعض باتیں نئی بھی ہیں:

"خلف مرزا عبداللہ بیگ خاں، عرف مرزا دولھا۔ قوم .. ایبک ہے اقوام ترکمن سے۔ جد اعلیٰ ان کے ماوراء النہر سے ہندوستان آئے اور .. نجف خاں کے عہد میں منصب دار شاہی رہے۔ جب ریاست مغلیہ برہم ہوئی، ملازم مہاراجہ جے پور ہوئے اور بودو باش .. آگرہ میں اختیار کی۔ مرزا عبداللہ بیگ خاں .. خواجہ غلام حسین خاں کمیدان متوطن شہر آگرہ کے یہاں منسوب ہوئے اور مرزا نوشہ وہیں پیدا ہوئے اور تا سن شعور وہیں مشغول تحصیل کتب درسیۂ عربی و فارسی رہے۔ ابتدا میں شیخ معظم نامی ایک معلم سے تعلیم پائی پھر ایک ایرانی آتش پرست سیاح سے۔ جس کا نام

آتش پرستی ہیں اور مزد (کذا) اور بعد قبول اسلام عبدالصمد تھا تلمذ ہوا۔ دو برس وہ ان کے مکان پر مقیم رہا اور .. فارسی سکھائی۔ جب سن تمیز کو پہنچے .. معروف دہلوی کے یہاں منسوب ہوئے اور .. دہلی میں توطن اختیار کیا۔ معلومات ان کی زبان فارسی میں کالشمس فی رابعۃ النہار آشکار ہے، نثر و نظم اردو کی چار دانگ ہندوستان میں پکار رہے، تالیفات و تصنیفات .. فارسی .. کلیات، قادر نامہ جو خالق باری کے طرز پر موزوں ہوا ہے، مہر نیم روز اور ماہ نیم ماہ .. اول میں .. تیمور سے ہمایوں تک کا حال .. ثانی میں .. اکبر .. سے بہادر شاہ کے عہد تک احوال ضبط کیا ہے۔ دستنبو .. قاطع برہان جس میں برہان قاطع کے بعض لغات پر جدفغات ہیں، پنج آہنگ .. اردو میں ایک دیوان اور اردوے معلی اور عود ہندی .. طباعی اور ذکاوت ان کے نتائج افکار سے پیدا ہے، بات سے بات پیدا کرنا تمام کلام سے ہویدا ہے۔ اس سرکار .. کے نمکخوار قدیم ہیں .. نواب محمد یوسف علیخاں .. بہادر .. کو ان سے تلمذ رہے، اس عہد میں بھی وظیفہ خوار رہے۔ بندگان عالی .. کے عہد دولت میں بھی جب تک زندہ رہے مورد پرورش بے شمار رہے۔ ۷۲ برس کی عمر پائی بارہ سو پچاسی ہجری میں ذیقعدہ کی دوسری تاریخ وفات پائی۔ سلطان نظام الدین حضرت محبوب الٰہی .. کی درگاہ میں دفن ہوئے۔ یہ .. انتخاب ہے جس کا ہر حرف لاجواب ہے" (اردو اشعار ۱۱۳ فارسی ۲۹)

**اوستا** مہر نیمروز و قاطع برہان میں اوستا سے متعلق عبارات ذیل علی الترتیب ملتے ہیں: "زردشت .. ژند (کذا) و استا آورد .. و گفتے کہ من فرستادۂ یزدانم و .. ژند کہ قانون احکام آتش پرستی است، برمن از سپہر فرود فرستاد"

(کلیات نثر طبع ۱۸۶۴ء ص ۲۹۳) "پارسیان .. دساتیر و ژند و استا را کلام الٰہی گویند" (طبع ۲ ص ۱۱۵)۔ غالب اوستا و ژند کو ایک ہی کتاب کے دو نام سمجھتے ہیں، یہ نہ ہوتا تو عبارت اول میں دونوں کا فرق ضرور دکھاتے۔ اس خیال کو مزید تقویت اس امر سے ہوتی ہے کہ قاطع میں جس موقع پر ژند و پاژند کے باہمی تعلق اور ان کی

زبان کا ذکر ہے ص ۱۳۵ یا جس جگہ زند کی بتویب کا حال لکھا ہے، اوستا معلق تکلم انداز کردی گئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اوستا اصل کتاب ہے اور زند اس کی تفسیر، اور دونوں مختلف زبانوں میں ہیں۔ غالب کی بے خبری تعجب کی بات نہیں، ابتدا ہی سے بہت کم مسلمان ایسے رہے ہیں جو دونوں کے باہمی تعلق سے صحیح واقفیت رکھتے ہوں۔ اسدی اپنی فرہنگ میں لکھتا ہے: "وستا تفسیر زند است د زند صحف ابراہیم بود" دقیقی کے اشعار ہیں:

بیا د تو، ہستیم و خواہیم زند — فرستی بما شہریار بلند
کہ ما راست گشتیم د ہم دیں پرست — گنوں زند زردشت زی ما فرست

بیان الادیان میں ہے: "در آنجا (فارس) کتابیست کہ زردشت بیرون آوردہ است لسباب زند و پازند و اوستا" (منقول از مزدیسنا و تاثیر آں در ادبیات پارسی ص ۱۲۵)۔ شعرا کا جہاں تک تعلق ہے آقائے سعید نفیسی کا یہ قول صحیح معلوم ہوتا ہے کہ رودکی کے شعر ذیل کے سوا فارسی کے کسی اور شعر میں اوستا و زند کے صحیح علاقے کی طرف اشارہ نہیں:

"ہم چو معماست فخر و ہمت او شرح — ہم چو ابستاست فضل و سیرت او زند"

غالب کا اوستا کو استا کہنا بہ تقلید فردوسی ہے اور اس کے لیے ان پر اعتراض نہیں ہو سکتا:

بہ استا[1] و زند اندروں زردہشت — بگفتہ است دیمو د گرم و درشت

غالب نے "ز ند و استا" لکھا ہے اور تقدم زند کی بھی سند ہے۔ دقیقی کا شعر ہے:

کہ آنجا کنوں زند و استار را — کند موبداں را بداں برگوا

مستشرقین مغرب کے یہاں بھی زند و اوستا ملتا ہے اور یہ بدعت بھی کہ اوستا کی زبان کو زند کہا ہے۔ مشہور مستشرق وسٹ دیباچہ متون پہلوی حصہ ۱ ص ۱۰

---

[1] اوستا کا وہ حصہ جو خود زردشت یا اس کے معاصرین کا لکھا ہوا ہے، بہت مختصر ہے، باقی حصے بعد کے ہیں۔ زند کا زردشت سے تعلق نہیں، مگر زردشتیوں کے نزدیک اسے بھی مذہبی تقدس حاصل ہے۔

میں کہتا ہے:

"European scholars, misled probably by Muhammadan writers, converted the phrase 'Avesta and Zand' into 'Zand and Avasta' this use of the word is quite at variance with the Practice of Parsi writers who have been independent of European influence, as they apply the term 'Zand' only to the Pahlavi translations and explanations of their sacred books,— the original texts of which they call 'Avesta' so that when they use the phrase 'Avesta and Zand' they mean the whole of any scripture both the Avesta text and Pahlavi translation and commentary". ص۱۰

دار مستتر فرانسیسی مستشرق جو خود بھی اوستائی زبان کے لیے لفظ زند استعمال کرتا ہے Erudes Iraniennes میں لکھتا ہے:

"Le mt Zend qui designe a present la langue dans laquelle sont ecrits les livre sacres des parses. ceque nous appellon le zend Avesta, ne designe Pas une langue; zend

signific explications, commentaires; cest la commentaires de Ave-sta.. La languedu zend est Pehlevi". ص ۲۱

اصل کتاب کو اوستا' اور اس کی تفسیر کو زند کہنا چاہیے؛ متقدم الذکر کی زبان کے لیے اوستائی کی اصطلاح ٹھیک ہے اور تفسیر کے لیے پہلوی۔ اس کی خلاف ورزی غلط فہمی کا باعث ہوتی ہے۔

سید بدر الدین احمد المعروف بہ فقیر صاحب خطوط غالب کے مرتب نے فقیر صاحب کا تخلص کاشف لکھا ہے، مگر تذکروں میں ان کا ترجمہ مجھے نہیں ملا۔ اردوے معلی میں ان کے نام کے ۵ خط ہیں۔ ان خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نواب محمد میر خاں کے بھانجے اور حسین مرزا کے دوست تھے۔ غالب نے غلام حسین خاں (چچا عارف) کو ان کا بھائی بھی لکھا ہے؛ مگر رشتے کے تفاصیل کا پتا نہ چل سکا۔ غالب نے ایک خط میں جو غالباً ۳ جنوری ۱۸۵۵ء سے قبل کا ہے ان سے نواب میر علی نقی خاں کی سفارش کی ہے کہ "اہالی سرکار" (۳ جنوری ۱۸۵۵ء کے خط کا اس خط سے تعلق ہے جس میں سفارش ہے، تو راج بھرت پور سے مراد ہے) سے ملادیں، راج میں نوکری ہو جائے تو بہتر ورنہ وہاں سے "بہ آئین شایستہ" رخصت کیے جائیں۔ راج سے ان کا سروکار کس قسم کا تھا، اس کا حال خطوط سے نہیں کھلتا، لیکن یہ معلوم ہوتا ہے کہ "بابو صاحب" سے ان کے تعلقات تھے۔ یہ بابو صاحب کون ہیں، اس کے متعلق کبھی اور لکھا جائے گا۔

اورنگ خاں یا اوزبک جان غالب کے ماموں کے بیٹے تھے اور انھوں نے اپنی پھپی (غالب کی ماں) کا دودھ پیا تھا۔ یہ نواب ذوالفقار بہادر باندہ کی حقیقی خالہ کے بیٹے تھے، اور نواب علی بہادر کے زمانے میں باندہ میں تھے اور اس زمانے میں انھوں نے غالب کو باندہ بلایا تھا اور غالب وہاں جانے کو آمادہ تھے، مگر بہادر شاہ

کی بیماری کی وجہ سے ارادہ ملتوی کرنا پڑا اور چونکہ اس کے بعد ہی یغیو مر گئے، قوت سے فعل میں نہ آ سکا۔ ان کا نام اردوے معلّٰی کی اشاعت اول میں اوزنک جان لکھا ہے، مگر خطوط غالب میں اورنگ خان ہے۔ اگر مرتب خطوط غالب کے پاس غالبؒ اصلی خط تھا اور اس میں اورنگ خاں ہے تو یہ درست ہے، ورنہ اوزنک جان نام ہے۔

**سراج المعرفت** مصنفہ مفتی سید رحمت علی خاں بہادر کا دیباچہ غالب نے لکھا ہے (اردوے معلّٰی حصہ ۲ ص ۳۴۲ تا ص ۳۴۶) یہ کتاب بہادر شاہ کے حکم سے لکھی گئی تھی، اور اس کا موضوع ان "اشغال و اذکار" کا بیان ہے جو عہد رسالت سے "سینہ بسینہ و سفینہ بسفینہ" چلے آئے ہیں۔ بادشاہ کا یہ بھی فرمان تھا کہ جو کچھ لکھا جائے "وابستہ بہ سلاسل فقراء منقول من رسائل العرفا" ہو۔ غالب نے دیباچے کی ابتدا میں توحید وجودی کے ذکر میں لکھا ہے کہ اس کا ادراک "موحدین" کو بآسانی ہو جاتا ہے، لیکن اوروں کے لیے اشغال و اذکار ضروری ہیں۔ دیباچے کی آخری عبارت ہے:

"بادشاہ سے کیا عجب ہے کہ دو برس کی تنخواہ دے کر مجھ کو خانۂ خدا کے طواف کی رخصت دیں کہ۔۔ وہاں جا کر اور اپنے ستاون برس کے گناہ کہ جس میں سوائے شرک سب کچھ ہے بخشوا کر پھر آئے" اس سے صاف ظاہر ہے کہ جس زمانے میں غالب نے دیباچہ تحریر کیا ہے وہ ملازم شاہی تھے اور اس وقت ان کی عمر ۵۷ سال کی تھی۔ چونکہ وہ ۱۲۱۲ھ میں پیدا ہوئے ہیں، دیباچہ لازماً ۱۲۶۹ھ میں سپرد قلم ہوا ہے۔ حالی نے یادگار غالب میں دیباچے کے اسلوب بیان کی تعریف کی ہے، اور نادر خطوط غالب کے خط نوشتہ یکم جنوری ۱۸۵۳ء میں اس کی عبارت نقل ہوئی ہے۔ اس کتاب میں کرامت حسین کے نام کے جو خطوط ہیں، ان کے بنانے والے نے اس کا لحاظ بھی نہیں کیا دیباچہ یکم جنوری ۱۸۵۳ء کے بہت بعد کا لکھا ہوا ہے اور یہ خود دیباچے سے ثابت ہے۔۔

"معاصر" حصہ ۷

---

(۱) **مخطوطہ دیوانِ غالب** کتب خانہ دانش گاہ پنجاب میں دیوانِ غالب کا ایک خطی نسخہ (= پ) ہے جو بشمول صفحۂ اول سادہ دیباچۂ غالب و تقریظ نیّر ۱۲۸ صفحوں پر مشتمل ہے۔

دیباچہ (ص۲ تا ص۸) وہی ہے جو نسخۂ مرتبہ جناب مالک رام (= م) میں ہے مگر پ میں تاریخ تحریر درج نہیں۔ پ میں (ص۸ تا ص۱۰۶) غزلوں کا آغاز و انجام تم (ص۱ تا ص۲۵۸) کی طرح ہے اور غزلوں اور ان کے اشعار کی مجموعی تعداد علی الترتیب ۲۱۶ اور ۱۳۱۲ ہے۔ م میں یہ تعداد علی الترتیب ۲۳۴ اور ۱۴۰۶ ہے۔ غزلہائے ذیل پ سے غیر حاضر ہیں: درخور...... تماشا نہ ہوا[2]، درد... دوا نہ ہوا، کیوں.... جانِ عزیز، نہیں.... اعتقاد نہیں، دل...... آئے کیوں، بھولا...... گلشن کو، قفس.... شیون کو، گئی.... گفتگو کیونکر ہو، کسی.... فغاں کیوں ہو، تغیر.... جامہ کے، پیر.... بہار آئی، نکتہ.... سنائے نہ بنے، دیا.... بشر سے کیا کہیے، بازیچہ..... دیا مرے آگے، کہاں.... مدعا کہیے، بہت.... کہ کیا ہے، روندی.... شہریار کی، ہزار دل...... کم نکلے۔

مشترک غزلوں کے دو شعر پ میں نہیں ہیں: سبزہ.... افعی نہ ہوا، یاں سر پہ شور..... خراب تھا۔ پ میں ایک شعر ایسا بھی ہے جو تم میں نہیں ملتا، مگر یہ نسخۂ شیرانی[3] میں ہے ؎

ہو کر شہیدِ عشق میں پائے ہزار جسم!<br>
ہر موجِ گردِ راہ مرے سر کو دوش ہے

قصائد ۴ ہیں (ص۱۰۶ تا ص۱۱۸) اور یہ وہی ہیں جو تم میں موجود ہیں (ص۲۴۴ تا ص۲۵۹)۔ ماٰئیہ و نونیہ قصیدوں کے عنوان کے لیے دیباچۂ تم ص۳ ملاحظہ ہو۔ قصیدۂ نونیہ کا عنوان یہ ہے "در مدح شہنشاہ جم جاہ سلیماں بارگاہ سراج الدین محمد بہادر شاہ بادشاہ غازی"۔ چوتھے قصیدے میں "ایضاً" بطور عنوان مرقوم ہے۔ اشعار کی مجموعی تعداد ۱۹۲ ہے۔

---

[1] ایک شعر بھی ہے تو غزل قرار دیا گیا ہے۔ [2] ایک مصرع کے چند لفظ جن سے ردیف و قافیہ کا علم ہو سکے۔<br>
[3] اس کے متعلق راقم کا مفصل مضمون معاصر ۱۲ میں ملاحظہ ہو۔

قطعات (ص۱۱۸ تا ص۱۲۱) (۱) گئے وہ دن کہ...... الخ (عنوان دیباچہ م ص۱۵ میں دیکھا جائے) (۲) کلکتہ کا جو ذکر کیا الخ (عنوان دیباچہ مذکور ص۱۶) (۳) چکنی ڈلی والا قطعہ (عنوان دیباچہ ص۱۶) (۴) جیسی روٹی والا قطعہ (۵) اے شہنشاہ فلک...... الخ (۶) منظور ہے الخ اشعار کی مجموعی تعداد ۵۰۔

رباعیات (ص۱۲۱ تا ص۱۲۳) ۱۲ ہیں۔ یہ وہی ہیں جو م (ص۲۷۵ تا ص۲۷۹) میں ہیں۔ م کی آخری ۴ رباعیاں پ میں نہیں۔
پ کے کل اشعار ۱۴۰۸ ہیں مگر تقریظ میں "ہزار و پانصد و پنجہ و اند" ہے۔ !
تقریظ تیر کی لکھی ہوئی ہے (ص۱۲۴ تا ص۱۲۵) اس کا عنوان یہ ہے "دمیدن سپیدۂ سحری از تیرہ شب سیاہ اوراق بفروغ گستری عبارت آمیزی کہ پیدائی آں اثرے است از آثار خرام دلربا برادر بہ دل نزدیک بہ جان برابر عالی دودمان والا گوہر نواب محمد ضیاء الدین خان بہادر سلمہ اللہ تعالیٰ" کاتب اپنا نام اور زمانۂ کتابت بتانے سے قاصر رہا ہے، مگر کب لکھا گیا؟ اس کا ایک حد تک تعین آخری قطعے کے زمانۂ تصنیف پر غور کرنے سے ہو سکتا ہے۔

**(۲) غالب کی ایک عروضی غلطی** نظم طباطبائی نے شرح دیوان غالب میں لکھا ہے کہ غالب کے مصرع "دل رک رک کر بند ہو گیا ہے غالب" میں ایک "رک" زائد ہے۔ جناب مالک رام نے اپنے مرتبہ دیوان کے حاشیے میں تحریر کیا ہے:
"اصل میں رک کی تکرار ہے جو ظاہرا کتابت کی غلطی ہے" اور اس نسخے میں ہے بھی صرف ایک "رک" (ص۲۷۵) غالب استنے بڑے عروضی نہ تھے کہ ان سے غلطی کا احتمال ہی نہ ہو اور دیوان کے کل مطبوعہ اور خطی نسخوں میں جن میں یہ رباعی ہے، بشمول نسخۂ لاہور اور باستثنائے نسخۂ مرتبۂ موصوف "دو رک" موجود ہیں۔

**(۳) میخانۂ آرزو سرانجام** عرشی صاحب نے اپنے کسی خط یا مضمون میں یہ رائے ظاہر کی تھی کہ غالب کے کلیات نظم فارسی کا نام "میخانۂ آرزو سرانجام" ہے۔ وہ تو شاید اس پر قائم نہیں رہے لیکن مجھے اس سے اتفاق ہے اور میں نے اس سلسلے میں جو کچھ لکھا ہے وہ "تا ان غالب تک" اس کڑی میں شامل ہے جو "اردو ادب" میں شائع ہوا ہے۔ شیخ محمد اکرام صاحب اس سے قبل غالب نامہ میں اس کا نام "میخانۂ آرزو" بتا چکے تھے اور حیات غالب میں بھی وہ اسی کے حق میں ہیں۔ "میخانۂ آرزو سرانجام" ان کے نزدیک "بہت طویل بلکہ بے معنی" ہے اور ان کے بیان کے بموجب کلیات نثر فارسی کے کل نسخوں میں میخانۂ آرزو جلی قلم سے نمایاں کیا گیا ہے (ص۱۶۱)۔ میخانۂ آرزو سرانجام "علی بخش خاں (برادر امراؤ بیگم) کے دیباچۂ پنج آہنگ کی عبارت ذیل میں آیا ہے:

"دیوان فیض عنوان کہ مسمّٰی بہ میخانۂ آرزو سرانجام است تازہ فراہم آمدہ و پیرایۂ اتمام پوشیدہ است۔"

پنج آہنگ دو بار شورش ۱۸۵۷ء سے قبل چھپی اور دونوں اشاعتوں میں یہ عبارت اسی طرح ہے۔ غالب کے دوران حیات میں تیسری بار جو یہ طبع ہوئی تو آہنگ سے نہیں بلکہ کلیات نثر فارسی کا جزو ہو کر اور عبارت زیر بحث اس میں بھی کسی اختلاف کے بغیر موجود ہے۔ غالب کی زندگی میں پنج آہنگ خواہ کسی شکل میں ہو، پھر نہیں چھپی۔ کلیات نثر کے جو نسخے ان کی وفات کے بعد طبع ہوئے ہیں، ظاہر ہے کہ غالب ان کے ذمہ دار نہیں قرار دیے جا سکتے۔ پنج آہنگ طبع اول اس وقت پیش نظر نہیں، طبع ثانی اور کلیات کی اشاعت اول "میخانۂ آرزو" سے متعلق شیخ محمد اکرام صاحب کے قول کی مصدق نہیں، ان میں یہ الفاظ ہرگز "جلی قلم سے نمایاں" نہیں کیے گئے ہیں۔ "میخانۂ آرزو سرانجام" اگر طویل ہے تو "سبد باغ دو در" بھی اس عیب سے خالی نہیں اور یہ آخری نام ہے جو غالب نے اپنی کسی کتاب کا رکھا

ہے۔ نامہ کو "بے معنی" کہنا بھی ٹھیک نہیں، قریب بہ یقین ہے کہ غالب نے یہ ترکیب بیدل کی ترکیب "فغانہ کلفت سرانجام" کو دیکھ کر وضع کی ہوگی۔ طلسم حیرت طبع بمبئی میں بیدل کا شعر ذیل دیکھیے ؎

دریں غمخانۂ کلفت سرانجام  نصیب ما نہ شد یک داغ آرام

یہ مسلمات سے ہے کہ غالب نے بیدل کی تقلید کی تھی۔ اگر صرف "بیگانۂ آرزو نامہ ہوتا تو "سرانجام است" کی جگہ "سرانجام شدہ است" اور اس کے بعد واو عطف ہوتا۔ اس صورت میں آخری جملے کی مطلق ضرورت نہ ہوتی۔ عبارت "آمدہ" پر ختم ہو جاتی۔

**(۴) تذکرۂ عشقی عظیم آبادی** "عشقی فارسی انشا پردازی میں بڑا پایہ رکھتے ہیں۔ مرزا غالب نے .... بعض خطوط میں ان کا ذکر کیا ہے۔ عشقی اٹاوہ اور ڈھاکہ وغیرہ میں بھی رہے ہیں، آخر دفعہ جو ڈھاکہ گئے تو پھر واپس نہ آئے اور وہیں انتقال کیا.... تذکرۂ عشقی کے دو[1] نسخے اس وقت تک دستیاب ہوتے ہیں۔ ایک آکسفورڈ میں اور ایک قاضی عبدالودود کے پاس۔ تذکرے کے علاوہ ایک دیوان اور مثنوی یادگار چھوڑی۔ تذکرۂ دتاسی تذکرۂ عشقی سے ماخوذ ہے۔ قاضی عبدالودود کے بقول "عشقی اردو برائے نام کہتے تھے" ممکن ہے کہ روز روشن میں فارسی دیوان کا ذکر ہو..... اسپرنگر کے کیٹلاگ سے پتہ چلتا ہے کہ قلمی نسخہ شاہان اودھ کی لائبریری میں تھا اور بقول دتاسی ایک قلمی نسخہ اسپرنگر کے پاس بھی تھا۔ تذکرۂ عشقی میں جتنے ان کے نام اور حالات معہ اضافہ اسپرنگر کے کیٹلاگ اور تذکرۂ دتاسی میں عشقی کے حوالے کے ساتھ موجود ہیں۔ روز روشن (سنہ ۱۲۹۶ھ) اور عبرتی عظیم آبادی میں مذکور ہے کہ عشقی[2] نے خود عشقی کا دیوان، مثنوی اور دیگر تصنیفات ڈھاکہ میں دیکھیں۔ مگر مجھے اردو نمونۂ کلام نہیں مل سکا۔" (بہار میں اردو زبان و ادب کا ارتقا مصنفہ ڈاکٹر اختر اورینوی ص ۲۲۴)

(الف) عشقی کا فارسی انشا پردازی میں "بڑا پایہ" نہ تھا۔ تذکرے کے تراجم ذیل سے اندازہ ہوگا کہ وہ کیسی نثر لکھتا ہے۔

"آتش تخلص، آتش مرزا غلام حسین ابن مرزا کریم اللہ بیگ خان جوانے خلیق خوش اختلاط ذکی الطبع از شاگردان مرزا جان طپش تخلص است۔ بیشتر صحبت با جوانان ظرافت پیشہ اند مشرب گرم دارد۔ قبل ازیں در ایامیکہ فقیر مولف بطریق سیر و سیاحت وارد شہر جہانگیر نگر بود، مرزاے مرقوم بہ رفاقت

میر اشرف علی کہ از عمدہ مالگزاران و زمینداران آں دیار اند منسلک گردیدہ، اوقات خود بسر نمود، چنانچہ در ہماں ایام چند رسالہ در علم معانی مثل عروض سیفی و دو نسخہ علم قوافی تازہ تالیف و بعضے از دیباجات لفظاً بہ لفظ در حضور ایں بحضور تصحیح و تحقیق نمودہ، استفادۂ ایں فن برداشتہ۔ الحال در شہر مرشد آباد بسرکار یکے از برادران نواب بر جنگ بہادر بفراغی حال میگذراند۔ از وست:

---

[1] عبدالمالک آروی مرحوم نے معاصر (دور قدیم) کے ایک شمارے میں دعویٰ کیا تھا کہ ایک تیسرا نسخہ ان کی دسترس میں ہے۔ اس شمارے میں ان سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ چند شعرا کے تراجم اس نسخے سے پیش کریں مگر وہ یہ نہ کر سکے۔

[2] عبرتی کے جس تذکرے میں عشقی کا ترجمہ ہے اس کا نسخہ کلکتہ میری نظر سے گزرا ہے مگر اس کے متعلق جو یادداشت میں نے لکھی تھی وہ اس وقت تلاش کے باوجود نہ مل سکی۔ اس کا نام معراج الخیال ہے اور مصنف نے بھی اپنی کتاب کے ص ۲۲۳ میں یہی نام لکھا ہے۔ اس کا امکان ہے کہ روز روشن بھی نام ہو مگر یہ بات میرے حافظے میں نہیں۔

فیض ہے مجھ کو یہ اس عارضِ نورانی کا — جوں سحر تن پہ ہے جامہ مری عریانی کا

بیکسی کہتے ہیں اس کو کہ مرا جب آتش — کوئی قطرہ بھی چوانے کو نہ تھا پانی کا

کیسے تھا قتل کر قاتل ہمارا — تڑپتا خوب ہے بسمل ہمارا

برہمن میں ہوا ہوں اس صنم کا — کہ جلوہ جس سے ہے دیر و حرم کا

آوے گا چرخ میں سن شور و فغاں ہمارا — ہم مست کھلا تجھ تو اے آسماں ہمارا

نہ زندگی ہوئی جوں سایہ ایک دست نصیب — ہماری طرح نہ ہوگا کسی بھی پست نصیب

سن کے کہتا ہے وہ مجھ عاشقِ بدنام کی بات — ہم نہیں سنتے کبھی کچھ نہیں کچھ کام کی بات

اشکی[1] تخلص عظیم آبادی اسمش میر ولایت علی ابن شاہ کلب علی جوانے سلیم الطبع، سعادت پیشہ و مردے جوانانہ وضع ارادت اندیشہ از شاگردان و موزوں طبعان نو مشق فقیر است۔ بالفعل بہ تحصیل علم عربی و مشق نثر ہندی اشتغال دارد۔ از وست:

کشتۂ غم ہوں قتل کر ظالم — بار گردن ہے تن پہ سر ظالم

مہرباں ایک ذرا مجھ پہ مرا ماہ نہیں — ہمنشیں بالفعل ہی تاثیر کے آہ نہیں

بیدل تخلص اکبرآبادی، اسمش میرزا عبدالقادر بیدل خلف میرزا خالق از قبیلۂ مغل ارلان (کذا)، نورانی الاصل، پہلوانِ عرصۂ سخنوری و رستمِ میدانِ نکتہ پروری بود، و از چاشنی فقر و تصوف کہ طریقۂ انیقۂ درویشان معرفت کیش است، بہرۂ وافی و حظے کافی داشت۔ در اوائل حال از ملا کمال بتکمیل فنِ شعر و سخن پرداختہ، بارشادِ آں رمز شناس اسرار کمال رمزی تخلص قرار دادہ۔ وقتیکہ بہ سنِ شباب رسید، شرفِ ملاقات شاہزادۂ عالی جاہ محمد اعظم دریافتہ، بہ منصب پانصدی ذات و داروغگی توشک خانہ عز امتیاز یافت، چنانچہ بست سال کامل درین کار بہ بار بکام دل گذرانید و در ہماں ایام بیدل تخلص نامزدہ نمودہ نتائج ذہن صافی خود را بنظر شیخ عبدالعزیز عزت تخلص کہ از مشاہیر شعرائے آں عہد بود، جلوہ افروزی ساخت۔ دریں اثنا برہنمونی خضر توفیق قطع علائق دنیائے فانی و ترک منصب و خدمت سلطانی کردہ، رہ نورد سمت بنگالہ و بہار گردید۔ بعد چندے بحسب آبخورد و تکلیف بعضے از ہوا خواہاں باز بہ ہندوستاں مراجعت فرمودہ، پا بدامن عزلت

---

[1] یہ دہی اشکی ہیں جو فریاد کے استاد شاد عظیم آبادی کے استاد تھے اور جن کے تلمذ درد کی داستان حیاتِ فریاد مصنفہ شاد میں بیان ہوئی ہے تفصیل کے لیے راقم کا مضمون "درد و شاد" ملاحظہ ہو جو "تحریک" اور "آجکل" میں شائع ہو چکا ہے۔

پیچید۔ آخر الامر بتاہل رغبت نمودہ، سی و شش سال دیگر با اہل و عیال بسر برد، بالجملہ مرزائے
عالی مرتبت در جمیع اقسام نظم و نثر فارسی خاصہ در شیوۂ غزل داد معنی پروری میداد، کلیات دیوانش
تخمیناً دو لاک بیت باشد۔ در سال یک ہزار و یک صد و سی در عہد محمد شاہ جنت آرامگاہ چہارم
ماہ صفر بروضۂ رضوان خرامید۔ چہارم شہر صفر تاریخ وفات آں بسرور مغفور است۔ از وست"
زلہ ربائے خوان نعمت خدایان سخن، خوشہ چین ارباب ایں فن، مقیم کیسۂ بے استعدادی
عشقی عظیم آبادی مؤلف تذکرۂ ہذا از متوطنان شہر مرقوم است، و از ایام رضاعت تا عہد شباب
در خدمت کثیر الافادت جناب والد ماجد تجرمہ تخلص دام ظلہٗ تربیت یافتہ و از فیضان صحبت
جامع فنون سخندانی، واقف قانون علم معانی، فخر المتاخرین، اشرف المعاصرین، افصح الفصحا جناب
شاہ محمد وفا، وفا تخلص، شاگرد مرزا عبدالقادر بیدل کہ فروغ جوہر کمال آں روشن و اظہر من الشمس
است، سرمایۂ استعداد فراہم آوردہ۔ اگرچہ فقیر را در فن شعر و شاعری شعورے و دستگاہے نیست
اما بحسب موزونی طبع بیشتر اوقات بہ تصنیف و تالیف نظم و نثر فارسی مے پردازد و بہ شیوۂ
طرز ریختہ اصلا میلے و رغبتے ندارد، اما چند اشعار جستہ جستہ کہ بحسب اتفاق بقلم زبان و زبان قلم
سرزدہ، بسبیل یادگار دریں مقام ایراد یافت :

عشقی اب دل دے کے تو روتا ہے کیا — اے دوانے مفت جی کھوتا ہے کیا
ہیں حرف وفا جب سکھانے لگا — مجھے بے نقطہ وہ سنانے لگا

باعث آہ آہ مت پوچھو — ہوں شہید نگاہ مت پوچھو
دل ہے بیمار دیکھیے کیا ہو — بد ہیں آثار دیکھیے کیا ہو
اب ہجر کی شب ہے لب پہ جاں ہے — اے صبح وصال تو کہاں ہے
گر یہی دل ہے گر یہی دل ہے — زندگی اپنی سخت مشکل ہے

مخفی نماند کہ چوں راقم اوراق را با اشعار ہندی ہیچ علاقہ نبود لہٰذا چند مطلع فارسی نیز برائے تفریح
خاطر دوستان قلمی مے گردد۔ فارسی"

(الف) غالب کی کسی مطبوعہ تحریر میں عشقی کا اشارۃً یا کنایۃً بھی ذکر نہیں۔ کسی غیر مطبوعہ خط میں ہے تو مصنف کو اس کے متعلق تفصیل دینی چاہیئیں تھیں۔

(ب) عشقی کے اٹاوہ جانے کا کوئی ثبوت میرے علم میں نہیں۔

(ج) اشپرنگر نے اپنی فہرست میں ہرگز یہ بات نہیں لکھی کہ تذکرۂ عشقی کا ایک نسخہ شاہان اودھ کے کتب خانے میں تھا۔

خود اس کے قول کے مطابق ایلیٹ کا نسخہ اس کے پیش نظر تھا۔ یہی نسخہ بعد کو آکسفورڈ چلا گیا تھا۔ (فہرست کتب خانۂ دانشگاہ آکسفورڈ)

(د) اگر کوئی شخص فہرست اشپرنگر سے یہ معلوم کرنا چاہے کہ تذکرۂ عشقی میں کن کن شعراء کا ذکر ہے تو وہ ناکام رہے گا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ تذکرے کا جو نسخہ اس کے پیشِ نظر تھا وہ ناقص تھا اور دوسری یہ کہ اس کے خلاصۂ تذکرہ ہائے اردو میں بہت سے ایسے شعرا ہیں جن کے تراجم تذکرۂ عشقی میں درج ہیں لیکن اشپرنگر نے ان کا حال تذکرۂ عشقی کے حوالے سے نہیں لکھا۔

(ہ) یہ عجیب بات لکھی ہے کہ وناسی کی کتاب تذکرۂ عشقی سے ماخوذ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ تذکرہ وناسی نے دیکھا بھی نہ تھا اور اس کے مندرجات کے متعلق اس کے معلومات کا مدار فہرست اشپرنگر پر تھا۔ اس نے یہ التزام نہیں کیا کہ ہر وہ بات جو فہرست میں حوالۂ عشقی سے ہے اس کے حوالے سے لکھے اور نقل کرنے میں کہیں کہیں غلطی بھی کی ہے۔

(و) مصنف نے تذکرۂ عشقی کا ایک فہرست ماخذ میں لکھا ہے، حیرت کی بات ہے کہ انھیں اس میں عشقی کے اردو اشعار نہ مل سکے۔ اس تخلص کے ایک شاعر کا اردو قصیدہ بھی میرے پاس ہے جو سید حسن عسکری صاحب سے ملا ہے، ممکن ہے یہی ہوں۔

(ز) فہرست اشپرنگر میں تذکرے کا زمانۂ تصنیف ۱۲۱۵ھ مرقوم ہے مگر یہ اس سے چند سال قبل شروع ہوا اور ۱۲۳۰ھ کے لگ بھگ تمام ہوا۔ اس میں طپش کی وفات کا ذکر ہے جو ۱۲۳۳ھ (غالباً) میں مرے ہیں۔ اس میں نوا بدایونی (متوفی ۱۲۵۰ھ یا ۱۲۵۸ھ) کا مرنا بھی لکھ دیا ہے لیکن میرا خیال ہے کہ ایک زمانے تک (نوا کے ہند سے باہر چلے جانے کی وجہ سے) ان کے حالات سے بے خبری کی بنا پر عشقی نے فرض کر لیا تھا کہ وہ بقیدِ حیات نہیں۔

(ح) عشقی کے دو مختصر فارسی دیوان جو سنجیدہ کلام پر مشتمل ہیں اور دو دیوان ہزلیات حکیم حبیب الرحمٰن مرحوم (ڈھاکہ) نے ایک زمانے میں مرے پاس بھیجے تھے، فی الحال یہ کتب خانۂ دانشگاہ ڈھاکہ میں ہیں۔ حکیم صاحب نے مجھے لکھا تھا کہ عشقی کی ایک بیاض بھی میرے پاس ہے۔ خبر نہیں یہ آجکل کہاں ہے۔ عشقی کا ایک رسالہ جو عروض یا قافیے پر تھا میرے پاس آیا تھا اور عجب نہیں کہ اس وقت بھی موجود ہو۔

(الف) تنقیدی حیثیت سے سودا وغیرہ کے حق میں جو کچھ کہا ہے وہ صد درجہ قابلِ اعتراض ہے۔ سودا و میر دونوں درد سے افضل تھے۔

(ب) مشاعرہ ہائے درد سے متعلق جو تفاصیل دی ہیں ان کی سند موجود نہیں۔ درد کے یہاں جو ماہانہ مشاعرہ ہوا کرتا تھا وہ نکات الشعرا کی اشاعت سے پیشتر ہی بند ہو چکا تھا اور اس کے چند ہی سال بعد سودا و سوز ہمیشہ کے لیے دہلی سے رخصت ہو چکے تھے۔

(ج) "ہزاروں شاگرد" بہت بڑا مبالغہ ہے، تلاش سے ۲۰ کا بھی پتا مل جائے تو غنیمت ہے۔

(د) تلمذِ میر حسن کا ثبوت موجود نہیں۔ انھوں نے تذکرے میں صرف ضیا کی شاگردی کا اقرار کیا ہے۔ اس کی اشاعت کے بعد سودا سے اصلاح لینے لگے تو کلیات میں اس کا اعتراف بھی کیا۔ زیادہ سے زیادہ اس بات کی سند ملتی ہے کہ دہلی چھوڑنے سے پیشتر میر حسن درد کے یہاں جایا کرتے تھے۔ کلیات (نسخۂ برٹش میوزیم وغیرہ) کے مقدمے نے تو اس امر کو بھی مشتبہ بنا دیا ہے کہ یہاں غزلیں بھی اردو کہتے تھے۔ سحر البیان کی تصنیف کے دو تین سال بعد حسن کا انتقال ہو گیا۔ یہ مثنوی اودھ میں موزوں ہوئی اور درد کا اس سے کچھ سروکار نہیں۔

(ہ) میر حسن کے مستفیدوں کی تعداد بہت کم تھی، آخر عمر میں تو انھوں نے اپنے بیٹے میر خلیق (پدر میر انیس) کو مصحفی سے اصلاح لینے کی ہدایت کی تھی اور وہ اس پر عمل پیرا بھی ہوئے تھے (تذکرۂ ہندی)۔

(۵) دیوانِ مہدی۔ غالب کے ایک دوست نواب مہدی علی خاں جن سے ظاہرا پہلے پہل کلکتہ میں ملاقات ہوئی تھی

اور جن کا ذکر متفرقاتِ غالب اور مآثرِ غالب کے بعض خطوط میں آیا ہے۔ کتب خانہ خدا بخش میں دیوانِ مہدی کا ایک قلمی نسخہ ہے اور میرا خیال ہے کہ نواب مذکور ہی کا ہے۔ ذیل کی غزل قاسم وطپاں کی مدح میں ہے اور اس میں غالب کی ایک غزل کا (جس کا موضوع بھی یہی ہے) ایک مصرع تضمین ہوا ہے:

حضرتِ تپیدؔ کے لیے پایۂ اعتبار ایک — بہرِ رفیع نامور نازش و افتخار ایک
یعنی وہ قاسم وطپاں ملکِ سخن کے حکمراں — ایک خدیو کامگار، خسروِ نامدار ایک
لجۂ ژرفِ فکر کا ایک دُرِ گراں بہا — بحرِ عمیقِ شعر کا گوہرِ آبدار ایک
بیشۂ شعر و شاعری کیونکہ نہ ہووے رعب ناک — ایک ہزبرِ جانگزا شیرِ فؤاد خوار ایک
پیرہنِ ہنر کا ایک نقش و نگارِ آستیں — جامۂ دقِ حبیب کو آتشِ پر شرار ایک
گلشنِ ہدا کے باغ کا ایک گلِ خوش آب و رنگ — دشتِ صفا و رفق کا کوہِ فلک وقار ایک
پائے غرور کے لیے ایک تو دشت خارناک — تارکِ عجب و کبر کو ابرِ تگرگ بار ایک
وردِ ثبات و حلم کا ایک شمیم عطر بیز — آہوئے کبرِ نفس کا ناوکِ دل شکار ایک
عارضِ حسنِ وجود کا ایک تو خالِ دلفریب — چہرۂ ورع و زہد کا کاکلِ پیچ دار ایک
جیشِ عساکرِ عز کا ایک سوارِ محترم — بہرِ سمندِ اعتلا فارسِ نامدار ایک
دونوں، متمم شرف دونوں، پرچمِ عز و مجد — جامۂ احترام کو پود ہے ایک تار ایک
میکدۂ سخن میں ہیں باعثِ سورِ اہلِ طبع — ایک شرابِ نارگوں بادۂ بے خمار ایک
جامِ ولائے دہر کا ایک تو طاقِ نقشدار — بادۂ ارتباط کو ساغرِ زرنگار ایک
قلزمِ فکرِ شعر کا ایک نہنگِ جانگزا — غابۂ فنِ نظم کا ضیغمِ رعب دار ایک
شاہدِ ادعا مرا قولِ اسدؔ ہے مہدیا — "ریختے کی قماش کو پود ہے ایک تار ایک"

ذیل کی غزل قریب بہ یقین ہے کہ غالبؔ کی مشہور غزل "مدت ہوئی ہے یار کو مہماں کیے ہوئے الخ" کو دیکھ کر کہی گئی ہے:

جاتا ہوں دیرِ کفر کا ساماں کیے ہوئے — نذرِ ہزار بتکدہ ایماں کیے ہوئے
آمد ہی ہے رے سے جنگ کا ساماں کیے ہوئے — ہر شاخِ گل کو تیغِ صفاہاں کیے ہوئے
لکھتا ہوں حالِ گریہ کسی سروِ ناز کو — بین السطور جدولِ بستاں کیے ہوئے

آتا ہے میری خاک پہ وہ شعلہ ساز آج — رخشِ صبا خرام کو جولاں کیے ہوئے
آنگیا بسنت کی رات کو سیتی تھی وہ پری — سوزن کو اپنی شمعِ شبستاں کیے ہوئے
رکھتا ہوں دیدِ چشمِ بتاں کا خیال میں — کشتِ فؤاد وقفِ غزالاں کیے ہوئے
دل میں ہے سمتِ قلزم و عماں چلیں کبھی — آشوبِ غم سے چشم کو طوفاں کیے ہوئے
ہمدوش اک پری کے میں سوتا تھا رات کو — اپنا پلنگ تختِ سلیماں کیے ہوئے
مہدیؔ دیارِ ہجرِ صنوبر قداں میں اب — رہتا ہے لاکھ حشر کا ساماں کیے ہوئے

ہزاروں حسرتیں ہوتی مقید روز ہیں اس میں کہ دل پر آرزوئے شوق کا عالم ہے زنداں کا ۱

وہاں گل نہیں ہے تو بلبلو تمھیں مثل دشت چمن ہوا ۲
یہاں جی اچاٹ ہے یار بن ہمیں غربت اپنا وطن ہوا

کل آنسو کا کب ہم نے دریا بہایا جو طوفان ناحق کا تم نے اٹھایا ۴

فصل گل اب کے چمن میں سے مہدی کٹی باغباں پھولوں سے میرا آشیاں چھایا گیا ۴

میں نہیں واقف جہاں کے ۵ ۷

جس کے بن دیکھے تو یہ شکل ہے اے حضرت دل سس کو جب دیکھو گے کیسا حال تمہارا ہوگا ح ۱۲

ہو بے قرار لب تک جی بار بار آیا شب گزری اس طرح سے پر تو نہ یار آیا ۱۴

کیا پوچھتا ہے تو خبر مہدی جاں سوز کس وضع سے وہ خستہ جگر ہم کو ملا تھا ۱۶

صد چاک گریباں و دم سرد لبوں پر س حال سے کل وقت سحر ہم کو ملا تھا

خرام ناز پر خوباں کے اسے مہدی نہ جاؤ تم ست پامال غم ہو گے نہ دل ان سے لگاؤ تم ح ۲۸

لائی گلشن سے تو آوارگی صحرا مجھ کو ں سے لیجاتی ہے اب دیکھیے کس جا مجھ کو ح ۳۳

مردمک کے آئنے میں آ گئے جو تصویریں تھیں لیا ہوئیں اے ہمنشیں شکلیں وہ پیاری پیاریاں ۳۴

جو بوئے خوش ہے تجھ نازک بدن میں کہاں بو ایسی ہوتی ہے دلہن میں ۳۵

رات بھر روتے ہی گزرے رہے) جو اس کو مہدی آ کے پروانے یہ کیا شمع سے کہہ جاتے ہیں ح ۳۶

تو ہر اک کی دیتا مراد ہے تو۔ اِک کا محرم راز ہے ح ۴۱
تو کرے فقیر کو امیر تو بڑا غریب نواز ہے

بھروسا کیا ہے مہدی زندگی کا گئے مر آج کل دن دوسرا ہے ۵

نہ وہ گل ہیں مہدی نہ وہ گلستاں ہے زمیں اور ہے اور ہی آسماں ہے ۵۲

**خلیل و فوق**، محمد ابراہیم، "محررِ عدالت" آرہ و خواہر زادۂ شاہ تقی الدین احمد "پیش کار" شہر مذکور۔ کلیاتِ مطبع نور الانوار آرہ نے ۱۲۹۰ھ میں کلیاتِ فوق کے نام سے شائع کیا تھا اور ان سے متعلق معلومات کا واحد ماخذ یہی ہے۔ اس میں غالب کے نام کا ایک خود بارہ خط ہے، جس کا ایک ٹکڑا یہ ہے: "بملازمان گرامی زحمت اصلاح وملاحظہ، غزل دادن وعلاوہ از خرچ (کذا) محصول ڈاک آنچہ بہ روانی نامہ ہا گردد زیر بار نمودن ایں جا غیر از مزید تفقد یا حیلۂ تلمذ حقے دیگر کدام (ص ۱۲۵) یہ بات خلیل نے اپنے خط کا جواب نہ ملنے پر لکھی تھی، لیکن غالب کو سخت ناگوار گزری۔ ان کا جواب بھی کلیات میں موجود ہے، جو بقول خلیل "خالی از لطف" نہیں:

"جناب منشی محمد ابراہیم، خلیل تخلص کو غالب کمینہ (کذا) بازاری فرمایہ کا سلام۔ خط کی پشت پر جواب لکھنے سے غرض یہ ہے کہ جس عبارت پر نشان کا حرف ہے اس کو ملاحظہ فرمائیے، جس شخص کا سیکڑوں روپے مہینے کا صرف ہو، اس کو دو چار آنوں میں زیر باری کا لفظ لکھنا گالی دینے سے بدتر ہے، یہ کوئی دکاندار کسی اپنے بھائی دکاندار کو لکھے۔ بہر حال بموجب آپ کی رائے کے زیر بار نہیں ہوتا اور آپ کا مجموعۂ اشعار بیرنگ بھیجتا ہوں ۱۲ عفو جرم کا طالب، غالب ۱۲ جمعہ ہم جنوری ۱۸۶۷ء۔

قیاس چاہتا ہے کہ غالب نے اصلاح نہ دی ہو، بہر حال کلیات میں شعر ذیل بھی ملتا ہے:

خلیل ایں غزل گفتم از روے دعویٰ جوابش دہد غالب نکتہ آرا ص ۱۳

ان کا اردو کلام بالکل ناسخ کے رنگ میں ہے، اور کلیات میں ایک مختصر سا

خط صفیر بلگرامی کے نام سے بھی ہے۔ کلیات جناب فصیح الدین بلخی سے مستعار ملا ہے، جس کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔

**خمستان کیفی** چندر بھان کیفی دہلوی (متوفی سنہ ۱۹۲۱ء) ماسٹر رامچندر کے نبیرۂ دختری کا مجموعۂ اشعار ہے (سال طبع سنہ ۱۹۵۰ء) جس میں ۱۱۷ اشعار کی ایک نظم غالب پر ہے۔ اس کے چند اشعار درج ذیل ہیں:

غالب ترا کلام قبلے سروش ہے — الہام غیب و نغمۂ ساز خموش ہے

ایسا بھرا ہوا ہے غزل میں سنگار رس — اک جنت سماع ہر فردوس گوش ہے۔۔

جو بات ہے وہ شوخی گلدستۂ چمن — جو لفظ ہے بہار کف گل فروش ہے۔۔

بالاتر اتنا مقام ہے دنیائے شعر میں — عرفی بھی ایک بندۂ حلقہ بگوش ہے

دنیا ترے خیال میں ہے چشمۂ سراب — رنگینی نشاط و طرب خواب دوش ہے

تیری نظر میں شاہد و مشہود ایک ہیں — دنیائے بیخودی تجھے دنیائے ہوش ہے

داد تری نگاہ میں تھا خرمن مراد — تجھ کو خبر تھی قطرے میں دریائے جوش ہے۔۔

چھلکی جو تھی کبھی تری رنگیں ایاغ سے — کیفی اسی شراب کا اک جرعہ نوش ہے

**فرہنگ انجمن آرا**[1] یا فرہنگ انجمن آرائے ناصری (= ف) گذشتہ صدی کے ایک ممتاز ایرانی شاعر و نثر نگار، رضا قلی خاں، ہدایت (۱۵ محرم سنہ ۱۲۱۵ھ تا ۱۰ ربیع الثانی سنہ ۱۲۸۸ھ) کی تالیف ہے۔ آغاز کتاب میں مانک جی، پور لیم جی ہوشنگ ہاتریائے کیانی (مقیم ایران) کی نثر ہے جس میں ہدایت کے حالات زندگی بیان ہوئے ہیں، اس کے بعد وقار کے اشعار ہیں جن میں ہدایت اور ان کے بیٹے کی مدح اور مقدم الذکر کی وفات کا مادۂ تاریخ ہے۔ مصحح کتاب "عبداللہ منشی طبری"

---

[1] یہ نام خود ہدایت نے تحت "لغت فرہنگ" لکھا ہے، لیکن مقدمے میں ایک جگہ مرقوم ہے: "تحسین آرایش از فرہنگ موسوم بہ انجمن آرا" [2] یہ تحریر (باقی ص ––)

(بقیہ نوٹ ص ––) عبداللہ اور خاتمہ نوشتۂ کار کنان مطبع میں ہے۔ مانک جی نے فرہنگ انجمن آرائے ہوشنگ" اور حالی نے "فرہنگ ناصری" نام بتایا ہے، یہ دونوں بے اصل ہیں، فرہنگ انجمن آرا یا فرہنگ انجمن آرائے ناصری کہنا چاہیے۔

کی نثر اشعار مذکور اور اصل کتاب کے درمیان میں ہے۔ ف تمہید و مقدمۂ لغات
کل حروف (بہ استثنائے ذال و حروف عربی) اور خاتمے پر مشتمل ہے۔ خاتمے کی
پیرایش اول مکمل ہے، لیکن پیرایش دوم حرف ث پر ختم ہو جاتی ہے۔ اس کی وجہ
غالباً یہ ہے کہ اتمام سے قبل ہدایت کی وفات ہو گئی۔ مانک جی کا بیان ہے کہ یہ آخری
چیز ہے جو اس کے قلم سے نکلی۔ حالی نے سال تالیف [۳] ۱۲۸۸ھ لکھا ہے، مگر کتاب
ضخیم ہے، کئی سال میں قلمبند ہوئی ہو گی۔ کاتب نے اپنی جانب سے باب یا سے کے
آخر میں جو کچھ تحریر کیا ہے وہ اس پر مشعر ہے کہ ۱۲۸۶ھ میں وہاں تک کتابت
ہو چکی تھی اور نظر بظاہر ساتھ ساتھ انطباع کا کام بھی ہوا ہو گا۔ کاتب کے قول کے
مطابق مقدمے کی کتابت ۱۲۸۸ھ میں ہوئی ہے؛ خاتمہ غالباً اس کے بھی بعد لکھا گیا
ہو گا، بہر حال کتاب کا چھاپا جمادی الآخری [۴] ۱۲۸۸ھ میں ختم ہو گیا تھا۔

ف کا طویل مقدمہ مفید صرفی، نحوی اور لغوی معلومات کا حامل ہے، مگر اس میں
ہدایت کی ذاتی تحقیقات کو بہت کم دخل ہے۔ قرائن اس پر بھی دلالت کرتے ہیں کہ
گزشتہ صدی کی بعض ہندوستانی کتابوں سے بھی کام لیا گیا ہے، واقف و قتیل
کے اشعار سے استشہاد کی وجہ اس کے سوا نظر نہیں آتی۔

تمہید میں جہاں فرہنگوں کی بحث ہے پہلے ان فرہنگوں کی طرف اشارہ ہے جو
ہدایت کے معلومات کے بموجب معدوم ہو چکی ہیں (مؤلفات ابوحفص سعدی و اسدی [۵]
و قطران و فرخی) [۶]، اور اس کے بعد حسب ذیل ماخذ کا ذکر ہے: معیار جمالی، شرف نامہ

---

۳۔ تحریر عبداللہ: "او اخر ایام زندگانی"

۴۔ تحریر عبداللہ۔ حالی کا یہ بیان کہ غالب کی وفات (۱۲۸۵ھ) کے دس بارہ برس
بعد ہندوستان آئی، دور از قیاس ہے، یہ دوسری بات ہے کہ خود حالی نے اس سے
قبل نہ دیکھی ہو۔ ف کے صفحات ہندسوں سے خالی ہیں اور یہ عیب گزشتہ صدی
کے دوسرے ایرانی مطبوعات میں بھی پایا جاتا ہے [۵] موجود ہے [۶] یہ کسی فرہنگ
نگار کے ماخذ میں نہیں۔ اس وقت میں یہ کہنے سے قاصر ہوں کہ ہدایت نے اس کا
ذکر کہاں دیکھا

مجمع الفرس از سروری، فرہنگ جہانگیری[ے]، فرہنگ رشیدی[ش]، برہان قاطع[9]، دساتیر، اوقیانوس، قاموس، صحاح، صراح، مجمع البحرین، نہایت اللغۃ، کشف اللغۃ، کنز اللغۃ، منتخب اللغۃ، تبیان، مصباح المنیر، تاج المصادر، سامی فی الاسامی، مہذب الاسماء، مرقات اللغۃ، لہجۃ اللغات، لغت[11] عربی و ترکی و فارسی معاً، ۔۔۔ تحفۃ الاحباب، برہان جامع، فرہنگ فرہنگ (کذا)، فرہنگ نعمت اللہ، خوش ناب، زبردست افشار، زند مرود، زبدہ باستانی، لغات دیوان خاقانی، لغات شاہنامۂ فردوسی از محمد طوسی علوی (۳۰۰ سال قبل کی تالیف ف)، فرہنگ مخزن الادویہ، شاہد صادق، معجم البلدان، تحفۂ حکیم مومن، ہفت اقلیم، لغات وصاف، لغات براہین العجم، لغات دبستان۔ ان ناموں کے بعد ہدایت نے "وغیرہم" کا اضافہ کیا ہے[10] اور مقدمے اور اصل کتاب میں متعدد کتابوں کے حوالے ملتے ہیں، جو فہرست بالا میں شامل نہیں (از آنجملہ بہار عجم و جواہر الحروف)، مگر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان سب سے براہ راست استفادہ کیا ہے۔ تمہید میں اس سے متعلق یہ عبارت ہے:

"محمد حسین ۔۔ تبریزی کہ شعرش دیدہ و شنیدہ نگردیدہ و برہان تخلص داشتہ، شواہد فرہنگہا را کہ مقوی و مصدق معنی لغت است، ترک کردہ، ۔۔ بترتیب حروف تہجی ۔۔ باتمام رسانیدہ ۔ ایں کتاب نیز از معارف کتب لغات مرکبہ است و از ہندوستان بہ ایران و سائر بلاد منتشر گردیدہ و مطبوع طباع ۔۔ افتادہ و مکرر بقالب طبع در آمدہ، و آنرا بس معتبر و جامع دانند و سخن اندر برہان قاطع خواہند زیرا کہ پارسی زبانان را جز ایں لغات مشہور مذکور امروز چیزے در دست نیست۔[12] در چہل پنجاہ سال از ایں پیش فرمانروائے ہندوستان جمعے از فضلائے ایران

---

ے = ج ش = رسمی عہد میں مجمع الفرس وغیرہ سے "اکمل و اصح" کہا ہے 9 = ب 10 بعض کتابوں کے نام غلط ہیں، کتاب کو قاموس کا ترجمہ لکھا ہے، یہ صحیح نہیں 11 یہ غالباً لہجۃ اللغات کے بارے میں ہے 12 ب پہلی بار کلکتہ میں ۱۸۱۸ء میں طبع ہوئی۔ فرمانروائے ہند کو اس سے کچھ سروکار نہ تھا، کسی زردشتی فاضل کا اس کی تصحیح (باقی ص ۵۹)

وہندوستان ومسیحیان وزردشتیان را... جمع کردہ با کتب وافو... بہ تصحیح لغات ب مامور ساختہ، بعد از رجوع بہ کتب.. تصحیح لغات ب تنقیح یافتہ، ہر سہو و خطائے کہ در صفحہ ولغتے دریافتندہم در ذیل آں صفحہ.. تشریح کردند۔ نسخہ از آں نیز فقیر موجود است۔ صاحب برہان[13] جامع نوشتہ کہ برہان قاطع لغات را خالی از شواہد ذکر کردہ دبرآں اعتبارے نشاید، ہریک از کنایات را لغت علحٰدہ شمردہ ولغات غیر مستعمل از سریانی وعبرانی وترکی وزند وپازند ومکررات لغت وتبدیلات تطویل وبلاطائل درمیان آوردہ وفقیر تصدیق می کنم کہ حق بامعترض است، چہ نگارش بے تنظم جوارش بے طعم است وکلام بے وزن طعام بے ملح۔"

مقدمے کی آرایش ۳ کا عنوان یہ ہے: "دربیان بعضے از لغات کہ صاحبان فرہنگ وبرہان دراں اشتباہ وسہو کردہ اند" اور اس تمہید میں عبارت ذیل ملتی ہے: "در بندر ممبئی (کذا) کہ اغلب ساکنین آں ولایت از اہالی ہند وفرنگند وچنداں محتاج بہ تصحیح لغات پارسی نیستند گروہے از اصحاب خبرت اجتماع کردہ اند دبرہاں را... تصحیح وتنقیح دادہ اند" اس میں صرف چند ر کے اغلاط کا ذکر (یہ حالی کا قول ہے) نہیں: برہان کے ۵ اغلاط کی طرف بھی اشارہ ہے، مگر وہ ان کا تنہا ذمہ دار نہیں۔ ان اغلاط کا تعلق لغات ذیل سے ہے: ہی، پسندہ، پشناں، بجولہ، ہاکرہ۔

آرایش ۴ کا عنوان یہ ہے: "دربیان بعضے اشتباہات در لغات برہان و خطائیکہ دیگراں را دست دادہ" اس میں زیادہ تر برہان کے اغلاط سے بحث ہے، لیکن، جیسا کہ خود عنوان سے ثابت ہے، حالی کا یہ بیان کہ یہ باب "اغلاط برہان

---

(بقیہ نوٹ ص ۵۸) میں شریک ہونا ثابت نہیں، اور کوئی مسیحی بھی نظر بظاہر دیک مرتب کے سوا اس سے تعلق نہیں رکھتا۔

۱۳۔ برہان جامع ایک ایرانی فرہنگ جو قاطع برہان سے چند سال قبل معرض طبع میں آئی تھی ۱۲۶۰؁ اسواشی جن کی طرف انجمن میں اشارہ ہے، روب کے ہیں۔ اگر یہی نسخہ ہدایت کے پاس تھا، تو "بمبئی" غلط ہے، لیکن اس کا امکان ہے کہ نسخہ کلکتہ کی کوئی نقل جو بمبئی میں طبع ہوئی تھی، اس کے پیش نظر ہو۔

کے ذکر کے لیے مخصوص ہے، صحیح نہیں۔ ۳۲۔ اغلاط کی تصحیح کا اصلی ذمہ دار روبک ہے، مگر مقدمے میں صرف تین جگہ حاشی برہان کا حوالہ ہے، گو یہ ممکن ہے کہ اصل کتاب میں بعض اور اغلاط کی نشاندہی کے سلسلے میں بھی حاشی کا ذکر آ گیا ہو۔ ان میں بہت سے اعتراضات ایسے ہیں جو ہدایت کو سوجھ بھی نہ سکتے تھے، اس کے پاس وہ مواد نہ تھا جو روبک کے پیش نظر تھا۔ لغات مذکورہ یہ ہیں: اسکندریہ، اندلس[۱۵]، پشانہ[۱۶] (چشان)، چہاربالش (چہار پالیک)، چچاک، درافس (دراقص) دیاس[۱۷]، ددفص، رشک، زبرقان (زبرقان)، سقیس، سوداب[۱۸]، شیر طاقی، شیرچنت[۱۹] (شیر بجنت)، عذرا، عیالیخ (عسلوج)، غرناط، فرمس (قومس)، گنیہ، گلزریون، مجسطی، ہیلہ، ہمام، اسطخر[۲۰]، انجگک[۲۱]، یجی، راوش (زاوش) غاتغر (غاتغر)، نیغ و نغستان، کرگدن[۲۲]، کولدہ[۲۳]۔ لغات ذیل سے متعلق اعتراضات خود ہدایت کے ہیں: تبق کتک (اور اس کی دوسری شکلیں)، زندان سکندر۔ بہت سے اعتراضات اصل کتاب میں بھی ہیں۔ مگر اس کا التزام نہیں کہ سب درج ہوں۔

---

[۱۵] روبک: "مخفف لفظ اندلس و اندلوس است، و آن نام طائفہ ایست کہ بر ممالک اسپانیول مستولی گشتند" مگر اس کے باوجود ہدایت نے اصل کتاب میں لکھا ہے: "چناں فہمیدہ میشود کہ چند طائفہ دایل از اہل مغولستان یا تاتارستان در تصرف آں جا (اندلس) مشارکت داشتہ اند، چہ اہل دانس ترکی و مرادوت یکدیگر اند"۔ [۱۶] اس کا ذکر آرائش ۲ میں بھی ہے۔ [۱۷] روبک کا اعتراض ہے کہ برہان کے بیان کردہ معنی کسی عربی فارسی کتاب میں نہیں۔ یہ دساتیری لفظ ہے، جیسا کہ غالب نے درفش کاویانی میں بتایا ہے۔ ہدایت کا دساتیر کے مطالعے کے باوجود، دیاس سے جو غالباً فرہنگ دساتیر مرتبہ ملا فیروز میں بھی ہے، ناواقف ہونا حیرت انگیز ہے۔ [۱۸] سوداب کے متعلق غلطی "سوداب" کے تحت نہیں، "سیاوخش" کے تحت ہے، اور غالب بھی اس پر معترض ہیں (درفش) [۱۹] یہ لغت ب میں تحت نمیوہ۔ [۲۰] اسطخر تا گوارہ پر غالب بھی معترض ہیں [۲۱] غالب کا اعتراض صرف عبارت پر ہے، ہدایت بھی اس پر معترض ہے مگر اس نے اس کا مطلب

آرائش چہارم میں ایک ترکی لفظ کی بحث میں لکھا ہے: "تصحیف خوانی غریبے کردہ، اگر ندانستہ قنق بمعنی مہمان است چرا گفتہ بمعنی مہمان می باید است واگر دانستہ چرا نوشتہ معلوم نیست لفظ کجا ست، وحالانکہ (برہان) خود تبریزی بود و تبریزی زبان خود را کہ ترکی است نداند۔ در ۔۔ ہندکہ نہ ترکی دانند و نہ پارسی ضبط و تصحیح لغات پارسی کے تواند۔"

ف میں غالب کا کہیں ذکر نہیں، اور یہی حال مجمع الفصحا معتقدِ ہدایت کا ہے۔ غالب کی تحریروں میں بھی کہیں ہدایت کا نام نہیں آیا، ہدایت و غالب ایک دوسرے سے ناواقف معلوم ہوتے ہیں۔ اس صورت میں جہان غالب میں ف کی بحث بے محل تھی، لیکن اس کی ضرورت اس لیے پڑی کہ حالی اور جناب مہر نے ب پر ہدایت کے اعتراضات کا ذکر کچھ اس طرح کیا ہے کہ وہ اصحاب جو ف کے مطالب سے کما حقہ واقفیت نہیں رکھتے، اس غلط فہمی میں مبتلا ہو سکتے ہیں کہ ہدایت ب پر غالب کے اعتراضات سے باخبر تھا اور وہ ان سے بہت بڑی حد تک اتفاق رکھتا ہے۔

---

(بقیہ نوٹ ص ۱۰۳)
بتلانے کی کوشش کی ہے اور اصل کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ "صاحب فرہنگ۔۔ در کتاب خود نیاوردہ۔۔ در عراق و فارس متداول نیست ولے۔۔ اکثر اہل چک۔۔ خوانند" "بوکلک" کے تحت اس نے انگلک بھی لکھا ہے اور عبارت ب "بیل خرسک ریش آوردہ" کے متعلق تحریر کیا ہے کہ یہ اسحاق اطعمہ کے شعر ذیل سے ماخوذ ہے:

"خوری انگلک و بوکلک بے حاصل   تا بر ریش خود و یاران نکنی تف بسیار"

۲۲ غالب کو ب سے اتفاق ہے کہ "فغ" مفتوح الفا ہے، مگر انھیں اس پر اعتراض ہے کہ فغ بفتح فا لکھا تو فغستان کو مضموم الفا کیوں بتایا۔ ہدایت کے نزدیک فاے فغ مضموم ہے۔ فغستان کے بعض معانی جو ب میں ہیں، رد بک و ہدایت کی رائے میں صحیح نہیں، لیکن غالب نے ان سے تعرض نہیں کیا ۲۳ کرگدن کا معرب جو ب میں ہے اس پر رد بک، ہدایت اور غالب تینوں کا اعتراض ہے، مگر غالب کاف اول کی فارسیت کے قائل ہیں، اور اس معاملے میں وہ متفرد ہیں۔

حالی رقمطراز ہیں: "ظاہر ہے کہ فارسی لغات کے متعلق جو کچھ اس (ہدایت) نے لکھا ہے وہ بہر حال ان فرہنگ نگاروں کی تحقیقات سے جنھوں نے ہندوستان میں بیٹھ کر فارسی لغت کی کتابیں لکھی ہیں، زیادہ معتبر ہے۔ اور اطمینان کے لائق ہوگا (آرائش ۴ کے ذکر کے بعد) .. ایک باب میں صرف برہان .. کی غلطیاں ظاہر کی ہیں، مثلاً یہ کہ اندلس ایک جزیرہ ہے ایک پہاڑ کے اوپر، یا غرناطہ[24] ایک صوبہ ہے ہندوستان کا یا چکاک کے ۳ معنی ہیں: پیشانی، قبالہ نویس اور مہر کن[25] اور یہ تینوں غلط .. یا کروخ جو ایک قریہ ہے مضافات ہرات میں، اس کو برہان میں لکھا ہے: "قریۃ البیت از قرائے عالم"۔ یہاں از راہ طنز .. لکھتا ہے: "فی الحقیقت تحقیقے دقیق فرمودہ"۔ اسی طرح بہت غلطیاں .. ظاہر کی ہیں اور اس کے سوا اپنی تمام فرہنگ میں جابجا اس کا تخطیہ کیا ہے۔ جو اعتراض مرزا نے برہان پر وارد کیے ہیں، ان کی بھی جابجا فرہنگ ناصری سے تائید ہوتی ہے، از انجملہ آبجیں، استخر و اسطخر، جدر، باختر، راوش و زاوش، کارکیا، دیرہ و ادیرہ ۔ اسی طرح کے اور بہت سے الفاظ کی تحقیق .. مرزا کے بیان کے مطابق ہے ۔ اس کے سوا برہان کے بیان کو جہاں مرزا نے .. مہمل بتایا ہے .. اس کو مہمل بتاتا ہے، مثلاً .. انجلک کی تفسیر میں .. برہان لکھتا ہے: "ہر چند فراش خیال جاروب سنبل بر جل خوش ریش زند از پوست آں پاک نتواند کرد"۔ از راہ طنز لکھتا ہے: "درین مقام این انشائے بدیع و بیان بلیغ زادۂ طبع ایشان بودہ، برہان ذوق سلیم و سلیقۂ مستقیم برہان خود ہمیں عبارات بس، تا ازیں سپس از وے چہ آید"۔ اسی طرح برہان کی اکثر مہمل عبارتیں نقل کر کے اس پر ہنستا ہے اور کہتا ہے: "در ولایت ہند کہ نہ ترکی دانند و نہ پارسی ضبط و تصحیح لغات پارسی کے

---

[24] غرناطہ سے ہسپانیہ کا شہر نہیں، کرناٹک مراد ہے؛ کسی نے اسے معرب کیا ہوگا۔ اسے بے میں شامل کرنا مناسب نہ تھا۔

[25] "مہر کن" بے وقت میں نہیں؛ حالی عبارت کا مطلب غلط سمجھے: "آں را تیز گو بند کہ در دُر و گوہر سوراخ کند"۔

توانند" (اس کے بعد یہ ذکر کہ ہدایت نے ب پر صاحب برہان جامع کے اعتراضات کی تصدیق کی ہے) یادگار غالب ص۳۲ ۔

جناب مہر لکھتے ہیں: "ب .. کے متعلق .. ہدایت نے ف کے مقدمے میں جو کچھ لکھا ہے، اتمام بحث کے لیے اس کا حوالہ .. مناسب ہوگا ۔ وہ فرماتے ہیں کہ "چہل پنجاہ .. تنقیح یافتہ" پھر فرماتے ہیں کہ ب میں جو لغات خالی از حشو اہد ہیں" بر آں اعتبار نشاید .. حق باطعن معترض است" اس کے بعد اس ہنگامے کے لیے کون سی وجہ جواز رہ جاتی ہے جو .. غالب کی قاطع برہان کے خلاف ہندوستان کے دعویداروں نے بپا کیا تھا؟" (غالب نمبر علیگڈھ میگزین ص۴۷) ۔

ہندوستانی ہندوستان میں بیٹھ کر ایرانیوں سے بہتر فرہنگ لکھ سکتے ہیں ۔ حالی اسے مانیں یا نہ مانیں، خود ہدایت کو اس کا اقرار ہے، چنانچہ اس نے فرہنگ رشیدی کو مجمع الفرس پر ترجیح دی ہے، اور اس میں مطلقاً شبہہ نہیں کہ فرہنگ جہانگیری و فرہنگ رشیدی جو ہند میں قلمبند ہوئی ہیں، خود ف پر فوقیت رکھتی ہیں ۔ ب و ف کا موازنہ کرتے وقت یہ یاد رکھنا چاہیے کہ برہان 'ذاتی تحقیقات کا بالکل مدعی نہیں' اپنے دیباچے میں نہایت انکسار کے ساتھ اس کا اعتراف کرتا ہے کہ "فقیر جامع لغات و تابع ارباب لغت است" اس کے برخلاف ہدایت کی فرہنگ بڑے دعووں کے ساتھ لکھی گئی ہے اور اس نے دوسری فرہنگوں کے اغلاط کی نشاندہی اپنے ذمے لی ہے ۔ ب کی بہ نسبت ف کے اغلاط زیادہ گمراہ کن ہو سکتے ہیں ۔ یہ بات بھی بھولنی نہ چاہیے کہ خود ایران میں جو قدر ب کی ہوئی ہے، ف کی نہیں ہوئی ۔ ف خود ہدایت اور اس کے بیٹے نے چھپوائی اور دوبارہ اس کی اشاعت کی نوبت نہ آئی ۔ ب ایران میں ۳ بار طبع ہو چکی (تفاصیل محقق ۲ ص۳۶۶ و حاشیہ) ۔

ہدایت کا پایۂ تحقیق کسی طرح بلند نہیں اور نہ ایران میں اسے کوئی محقق سمجھتا ہے ۔ ہندوستانیوں کو وہ ترکی نہ جاننے کا طعنہ دیتا ہے، لیکن وہ خود ترکی بامعنی الفاظ آتون، بی بی، یزنہ اور یلم وغیرہ کو ظاہراً فارسی سمجھتا ہے ۔ "چچک" کے متعلق تحریر کرتا ہے کہ "در برہان بمعنی گل .. واللہ اعلم" یہ بالاتفاق ترکی ہے ۔ آر فنداک و آفنداک ⟸ قوس و قزح)

کو تو شامل ف کیا ہے، لیکن آز فنداک (یا آز فنداق) کو جو فرہنگ اسدی میں ہے قلم انداز کرتا ہے۔ رستخیز کے متعلق کہتا ہے کہ "دراصل راست خیز بودہ" کیومرث کو کیومرز لکھتا ہے اور اس کے معنی "بزرگ زمین" بتاتا ہے۔ اژدہا کے متعلق اس کا بیان ہے: "از ترکیب لغت "دہان گشادہ" بخاطر.. میرسد۔ شاید اژدہاں بودہ و دراصل مار اژدہاں یعنی مار دہاں گشادہ میگفتہ اند" اوستا اس کے نزدیک زند کی تفسیر ہے۔ زراتشت بہرام کی سند پر "دژ وند" کو ایک لغت سمجھتا ہے، حالانکہ شاعر مذکور نے صریحاً "درو ند" لکھا ہے۔ چینہ دکو "اصح" کہتا ہے، لیکن حسب ذیل شکلیں بھی دی ہیں: چنود، چینہ ور، چینہ ر، غتیر، خینور، خنور کے تحت یہ عبارت ہے: "ج بمعنی پل صراط آوردہ و شعر اسدی را شاہد آوردہ" بدانی کہ انگیزش است و شمار ہمید ون بہ پل خینور گزار" و اغلب این لغت بہ تغیر و تبدیل ضبط شدہ.. اصح آنہا آنست کہ در زند و پازند بودہ آں چینو د است" حقیقت یہ ہے کہ چینود اور چنود (یا چینود، قلب چینود) کے سوا کل شکلیں غلط محض ہیں۔ آبمند = باآبرو کے بارے میں تحریر کرتا ہے کہ "در فرہنگہا نیامدہ، از تصرفات مؤلف است" "مؤلف" سے غالباً مؤلف برہان مراد ہے۔ بہر صورت یہ معنی مذکور میں دساتیری لفظ ہے اور غالباً فرہنگ دساتیر میں بھی مندرج ہے۔ "شہنشاہ" کو مخفف شاہ شاہاں لکھتا ہے، حالانکہ یہ شاہان شاہ کا مخفف ہے۔

ہدایت سوچ سمجھ کر رائیں قائم نہیں کرتا، اس لیے کبھی کچھ لکھتا ہے، کبھی کچھ۔ ذال فارسی کے متعلق اس کے مختلف بیانات حسب ذیل ہیں: (۱) قاعدۂ تمیز دال و ذال کے ذکر اور اشعار طوسی و یزدی کی نقل کے بعد لکھتا ہے: "اصح آنست کہ درایں مقام مہملہ و معجمہ ہر دو خوانند، بلکہ افصح پیش قدمائے فرس مہملہ است، چنانچہ الحال اہل ماوراء النہر استعمال می کنند.. و وجہ آں در لغت مذکور خواہد شد کہ افصح بدال است" (مقدمہ) (۲) مقدمے میں ایسے حروف کی فہرست دی ہے جو فارسی میں نہیں آتے اور قطورنی سے نقل کیا ہے جس میں حروف مذکور درج ہیں۔ ذال ان حروف میں نہیں۔ (۳) "بعض متتبعین گفتہ اند کہ بلائے تازی و جیم تازی در لغت اصل فرس نیامدہ (غلط محض).. و حق آنست کہ ذال معجمہ نیز نیامدہ، بلکہ دال مہملہ بودہ کہ معجمہ میخوانند"

متاخرین عجم و قاعدہ آیندہ محل تامل است" (منقولہ عبارت ٹھیک نہیں، "قاعدہ آیندہ" سے کیا مراد ہے، واضح نہیں۔ عبارت منقولہ کے بعد یہ ہے: "و ہمین معجمہ نیز در فارسی کم آمدہ") (۴) آذر بدال ایک فصل میں اور دوسری میں بذال الحسن کے تحت یہ مرقوم ہے: "ارباب فرہنگ آنرا ذال غیر منقوطہ دانند و مضموم خوانند ہمانا چون فارسیان برزبر دال نقطہ مے نہادہ اند، بعضے گمان کردہ اند کہ دال ذال است" (اس کے بعد صاحب جہاں کا یہ قول کہ ایک زرد شتی نے یہ بتایا کہ آذر میں ذال نہیں ہے دال ہے اور یہ مفتوح نہیں، مضموم ہے) ہدایت نے آذر بادکان، آذرگون وغیرہ، ۲۰ مرکبات جن کا جزو اول آذر ہے، صرف آذر کے ساتھ لکھے ہیں، آدر کے ساتھ نہیں، حالانکہ اس کے نزدیک "آدر" "افصح" ہے۔ یہ طرز عمل حیرت انگیز ہے۔ "فارسیان.. ذال، ست" بھی ج سے ماخوذ ہے۔ (۵) "پادیر.. با ذال لغط دار اصح است، بنا بر قاعدۂ کلیہ" (وہی قاعدہ جس کا ذکر امیں ہے)۔ ہدایت: سے پذرفتن، پذیرہ، اسپندارمذ، گذاشتن، گذاردن وغیرہ، سب حرف ذال سے لکھے ہیں، دال سے نہیں۔ اندر او در کی ایک شکل ہے، مگر ہدایت نے معنی میں فرق کر دیا ہے: "اندر.. برادر پدر و برادر زادہ را گویند و آنرا ذر نیز گویند" "اودر.. بوزن و معنی اندر است، یعنی برادر پدر کہ او را بعربی عم گویند"

ہدایت کی تحقیقات کی خامیاں جتنی دکھائی گئی ہیں اس سے بہت زیادہ ہیں، تطویل کا خوف اس سے مانع ہے کہ ان سے مزید بحث کی جائے۔

حالی نے ب کے ہم لغات اندلس وغیرہ پر ہدایت کے اعتراضات کا ذکر کر کے لکھا ہے کہ ایسی غلطیاں اور بھی بہت سی ظاہر کی ہیں۔ ذیل میں ان لغات کی ایک فہرست مندرج ہے جن پر ہدف میں اعتراض ہوئے ہیں، مگر امور ذیل نشان خاطر رہیں: (۱) فہرست میں وہ لغات جن پر ہدایت کے اعتراضات کا اوپر ذکر ہو چکا ہے، یا جن پر غالب بھی درفش میں معترض ہیں، شامل نہیں (مؤخر الذکر کی بحث آگے آئے گی) (۲) ہدایت اس غرض سے کہ صحیح معلومات کی اشاعت ہو، ان الفاظ و معانی کا بھی ذکر کرتا ہے جو اس کے نزدیک غلط ہیں کسی لغت میں

عدم شمول لازماً اس پر دلالت نہیں کرتا کہ ہدایت اسے غلط سمجھتا ہے۔ عدم شمول کے
اندوجوہ بھی ہو سکتے ہیں۔ فہرست میں وہ لغات جو ب میں ہیں، لیکن ف میں
نہیں، درج نہ ہوں گے (۳) ہدایت نے کہیں کہیں یہ لکھا ہے کہ برہان جیسے
کہ "درفرہنگہا نیافتم" ("فرہنگہاے دیگر" کا محل ہے)، اسے میں اعتراض نہیں
سمجھتا (۴) بہت سے اعتراض جو برہان پر ہیں، ساتھ ساتھ ج و ر یا ان میں
سے کسی ایک پر بھی وارد ہوتے ہیں، اور ہدایت نے عموماً اس کا ذکر کیا ہے۔
(۵) اگر کسی اور کا اعتراض ہے اور فیصلہ نہیں کیا تو یہ بھی عموماً نظر انداز کیا گیا ہے: انگردہ، بازگیر،
بالیستہ، ہستی، پاکند، بدورہ، برنا (ب میں بالفتح وبالضم دونوں "آدم جوان" اور "رعنا"
معنی۔ اعتراض یہ کہ یہ غلط، "چہ رعنا عربی است و بعضے گفتہ اند معرب" غریب اعتراض
ہے) بدیہ، برنیش، بغلطاق (ب میں بغلتاق و بغلطاق الگ الگ اور ذیل بغتاق
میں بغطاق۔ ف میں بغلتاق، لیکن مثال کے ایک شعر میں بغلطاق۔ اعتراض یہ کہ
ب میں "مکرر" و "بیفائدہ" ہدایت کو چاہیے تھا کہ بصراحت لکھتا کہ بغتاق بغلتاق
کا مخفف ہے یا نہیں) بشترہ، بہور، بیدرخ، بیموری، بیلہ، تنبان (تحت پاجامہ)
پیسو، پرنا، پرناک (ب "آدم جوان" اعتراض "درب گفتہ برنا آدم جوان"۔۔ حالانکہ
بیاے عجمی است، نہ بلے فارسی وضم نیست بلکہ بالفتح است" عبارت میں طباعت
کی غلطی ہے، برنا کی بحث میں ضمہ پر اعتراض نہیں) پنگ، ترہندہ، تز، توبکی، جغد،
پردہ ("از ب نقل شدہ و چناں بخاطر میرسد کہ بہ آں معانی کہ او ذکر کردہ، بردہ را
۔۔ پردہ خواندہ") پیشہ (اعتراض رکہ نیشہ، اس کی صحت یا غلطی کا فیصلہ نہیں کیا)،
تاربوبہ، تاوک، تربد، ترنگ، ترخندہ، تربہ (ہدایت نے بھی یہی لکھا تھا، مگر اپنی
خطا کا منقر ہے)، تشی (ب کے جس قول کی تردید دہ "بعضے گویند" سے شروع)،
تفتیح، تکوک، تواہہ، تبیشہ، جنازہ، جلیل، جمشید، جون (تحت جناغ) جندرخلہ،
جوجم، جولہ (= تیرداں و ترکش)، چاپچ، ختوانہ ("درفرہنگہا نیافتم" اصح آں
خستوانہ" اس سے ٹھیک پتا نہ چلا کہ ختوانہ کو صحیح سمجھتا ہے یا غلط) خستر،
زخم (ج و ر میں بمعنی جراحت، شبہہ ہوا تو ب کو دیکھا، برہان متعلدج نظر آیا،

اور فرہنگوں کی طرف رجوع کیا' نہ ملا' شعر عنصری غلط پڑھا گیا ہے "وا دا بالیستے
دریستے از چندیں ہزار بیت خسروا فزوں (کذا) کہ دیدہ ام بیک بیت دیدہ شود' در
لغت عربی نیز نیافتم") خلو' دزہرج' دخنگ (ہدایت کی رائے "ظن غالب این است"
سے شروع)' دمیخ' راموز' ریوہ' زج' زنجبیل (تخت شبنگیز)' رجال (دستیری)'
رقاں' ریک (اعتراض "ظن غالب" سے شروع)' زبیدہ' زیرک' سجاہر' سجا'
سیحون' سیرماں (اعتراض "ظن غالب" سے شروع)' شایستہ بود' شایستہ
ہستی' فاراب' کزلک ("درب بکسر اول با کاف عربی... وصحیح نیست' وبفتح اول
وکاف فارسی اصح... دور نیست کہ اصل آں ترکی باشد") کشتخاں' کودر' گنج'
گازی' گازہ (کازہ عام غلطی جس میں ب شریک' صحیح بکاف فارسی) گرگسار' گریاں'
گبریاں' لنیر' لنبک' ماہو (= باہو غلط' غالب نے بھی ماہو لکھا ہے)' مہانی'
میستی' نابیوساں (ف میں نانوشاں الگ' جوہری رائے میں مصحف نابیوساں)'
نفاک ("امید کہ تصحیف نباشد" مطلب؟)' ہجد' ہول' یوبہ' اسپ (ہدایت
کی رائے میں بلے عربی ہے)' فریش[†]۔

حالی کے بیان کے بموجب جن الفاظ سے متعلق غالب و ہدایت کا اتفاق رائے
ہے' ان میں سے تین' اسطر' جدھر اور رادش پر حاشی برہان میں بھی اعتراض ہے۔
آبچیں کے معاملے میں برہان ج کا مقلد ہے' اس کی تغلیط جو ف میں ہے' فرہنگ
ساماتی پر مبنی اور سے ماخوذ ہے۔ ہدایت و غالب میں اختلاف بھی ہے۔ غالب
آبچیں کو "رومال" کہتے ہیں' ہدایت "قطیفہ" کہتا ہے۔ باختر و خاور کے بارے
میں قاطع کی اشاعت اول میں قطعی طور پر کہا گیا تھا کہ پہلا حرف مغرب اور دوسرا حرف
مشرق کے لیے ہے' اور ب کا دعویٰ کہ باختر و خاور فرداً فرداً مغرب و مشرق دونوں
کے لیے مستعمل ہیں' غلط ہے۔ ایسے اسناد جو مصدق قول برہان تھے' محرق قاطع
برہان میں دیکھیے تو لطائف غیبی میں سیاح کی زبان سے یہ کہا کہ ابتدا میں بہت تھوڑے

---

[†] اس فہرست کو مکمل بنانے کی کوشش اس حد تک کی گئی ہے کہ بعض الفاظ جو اس میں شامل ہونے تھے' درج کر دیے گئے ہیں' اگر اس کا امکان ہے کہ ایک دو لفظ چھوٹ گئے ہوں۔

دونوں یہ کیفیت رہی جو ب میں درج ہے، لیکن بہت جلد شعرا نے یہ فیصلہ کر لیا کہ یہ
نامناسب ہے اور باختر صرف مغرب اور خاور صرف مشرق کے لیے لانا چاہیے۔ قاطع
کی اشاعت ۳ میں وہی لکھا ہے جو اشاعت ۲ میں ہے، لیکن مجملاً لطائف کا حوالہ
دیا ہے۔ ہدایت لکھتا ہے: "تحقیق آنست کہ باختر مخفف باخترست و اختر ملہ آفتاب
ہر دو را گویند، پس باختر مشرق و مغرب را تواں گفت و ازیں جہت متقدمین بر ہر دو
معنی.. استعمال کردہ اند و لیکن خوار مرادف خور بیشتر آمدہ ازیں جہت خاور بیشتر بمعنی
مشرق استعمال میشود.. و در فرہنگ دساتیر آمدہ کہ معنی باختر بمشرق کردن.. غلط
محض است، زیرا کہ خور نام آفتابست و شید بمعنی روشنی است و ہمیں اصح است"
"زیرا کہ اصح است" کا تعلق باختر یا خاور سے نہیں معلوم ہوتا، نہ جانے کس طرح
یہ عبارت یہاں پر آگئی ہے۔ خاور کی بحث میں باختر کی بحث کا حوالہ اور یہ عبارت
مرقوم: "بمعنی مشرق و مغرب را نیز گویند" ہدایت و غالب کے بیانات میں بڑا فرق
ہے، باختر = مشرق ہدایت کے ایک شعر میں بھی آیا ہے (غالب بہ حیثیت محقق
طبع ۲ ص ۹۵)۔ آدیرگاں کے معنی ف میں یہ ہیں: "خواص" مشتاقاں و دلبراں"
ادیرہ کے متعلق اس میں یہ مرقوم ہے: "بمعنی خالص ... ب. برہان .. آمدہ
و آں تبدیل ویژہ است کہ گذشت (یعنی ایک ہی لغت کی دو صورتیں) و در
فرہنگ دساتیر بہ ایں معنی است و میگوید کہ ... ادیرہ کہ در نامہ .. یاساں .. آمدہ
ضد ایں معنی است زیرا کہ پارسیاں را .. الف .. ہست کہ افادہ معنی لائے نافیہ
میکند" غالب قطعی طور پر اس کے منکر ہیں کہ ادیرہ = پاک ہے، وہ اسے ناپاک کا
مرادف بتاتے ہیں۔ ہدایت دونوں معنی بیان کرتا ہے اور ظاہرا دونوں کو صحیح سمجھتا ہے۔
حالی نے نہ جانے کس طرح

یہ لکھ دیا کہ کارگیا کے معاملے میں ہدایت غالب کا ہمنوا ہے۔ یہ لفظ ف میں نہیں آیا اور
"کارکیا" (بدون صراحت عربیت کاف ثانی) آیا ہے، مگر جیسا کہ میں اوپر لکھ چکا ہوں
کسی لغت کے عدم شمول سے لازماً یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ وہ ہدایت کے نزدیک غلط ہے
حالی کا یہ بیان صحیح نہیں کہ ہدایت نے بہت سے معاملات میں غالب سے اتفاق

کیا ہے، جیسا کہ ذیل کی دو فہرستوں سے واضح ہوگا، معاملہ برعکس ہے۔ اس کے بیانات اور اس کا مسلک فرہنگ نگاری غالب کے مقابلے میں برہان سے کہیں زیادہ مطابق ہے۔ فہرست[1] ایسا نہ لغات ہیں جن کا بیان غالب کے موافق ہے، اس میں سے اس قسم کے وہ لغات جن کا ذکر کسی نہ کسی جگہ اس سے قبل آ چکا ہے، خارج ہیں۔ فہرست ۲ میں ایسے لغات ہیں جن پر غالب کو کسی نہ کسی قسم کا اعتراض ہے اور ف سے ان کی تائید نہیں ہوتی، مگر یہ ضروری نہیں کہ ہر بات جو ب میں ہے ف میں بھی ہو

(۱) آرازش (غالب کے نزدیک صحیح از برہان ہدایت کہتا ہے کہ ظن غالب ہے کہ یہ ارزانش ہے)، ارشنگ، بیغا و بیجا (غالب کا یہ اعتراض کہ دونوں کیوں لکھے، یہ نہیں بتاتے کہ صحیح کون ہے۔ ف میں پہلا صحیح دوسرا غلط)، ترشم، تیغ جگر، دامن خشک، شادورد، کہنار، کردہ (ب: بعربی کراع۔ اس پر اعتراض غالب، ف میں ہے "درپیچ کتابے کراع بدین معنی نیامدہ") ناغوش (غالب باغوش و ناغوش دونوں کے اندراج پر معترض، ہدایت مؤخر الذکر کو صراحۃً غلط کہتا ہے)، نہاوند، نخست (حرکات سے متعلق ہدایت و غالب متفق، غالب کا اعتراض اس پر بھی کہ ب میں نخست، ماضی مع نون نفی کے معنی "جراحت نکرد" کیوں لکھے، یہ ف میں بھی ہے) ورازود (غالب اسے غلط کہتے ہیں، ہدایت کہتا ہے کہ "ازار دتہ اصح" و دا گر بالواو نیز آمدہ باشد، بس باید ورزود باشد یا برارود کذا")

(۲) آبدار، آب در جگر ندارد، آب زیرکاہ، آب سیہ، آبشتن، آبگاہ، آتش (ج و ب میں ہے کہ ت دراصل مکسور، غالب بجا طور پر اس کے مخالف، ہدایت ج و ب سے متفق)، آدلش، آرا (غالب کا ایک اعتراض ہموزن لانے پر ہے، ہموزن ف میں بھی ہے)، آستاں برخاستن، آغستن، آشفتہ، آلفتہ، آفریں، آگیندن و آگیندہ (غالب کو ان کے وجود میں شک) آمادن، آماسے،

---

[1] کسی لفظ کا عدم اندراج سے یہ نتیجہ نہیں نکالا گیا کہ ہدایت کو غالب سے اتفاق ہے۔ فہرست اول کو حتی الوسع مکمل بنایا گیا ہے، فہرست دوم سے کچھ باتیں چھوٹ گئی ہیں۔

آواز، آوند، آوندی، آویزہ، آہنگ (تقریباً کل معانی جو ب میں ہیں ف
میں بھی ہیں، غالب کہتے ہیں کہ بیشتر محتاج سند۔ غالب کا یہ اعتراض بھی ہے
کہ آہنگ کو ماضی کیوں کہا، یہ ف میں نہیں، لیکن ہدایت نے خود اس قسم کی
غلطیاں کی ہیں، ف میں الفنج ماضی الفنجیدن) آئینہ دار، ستراش (غالب
کے نزدیک بمعنی موتراش غریب، ف میں بالاستقلال نہیں آیا، لیکن تیغ واستر۔
وغیرہ کے تحت آیا ہے) اربج، ارژنگ، آسا، خمیازہ، استر (حرکات پر اعتراض
غالب، ف میں حرکات نہیں، مگر حرکت الف است مخفف استر کو بروزن دست
لکھنے سے ثابت) غورہ (غالب کے نزدیک بواو معدولہ غلط، ہدایت کے
نزدیک صحیح) آتش، افزار، افشار، درد افشار، الفاختن، الفختن (غالب کو
فتحہ ف پر اعتراض) الفختہ، الفغدن، الفغدہ، اُم، انباردگی، انبردن، انجم روز
(ف میں ہے مگر یہ کہتا ہے کہ "ستارۂ روز" بہتر) اندا (غالب کا یہ اعتراض
ہے کہ یہ فرع ہے اور اندودن اصل، اندا اندودن سے قبل کیوں آیا۔ ف میں
اندا ہے اور اندودن کا ذکر اندا کے ذیل میں، اندودن کے اور مشتقات بھی، خلاف
فرمان غالب، الگ الگ)، انگسیہ وانگشتہ (غالب کہتے ہیں کہ "میدان تصحیف خوانی
فراخ است" مگر یہ نہیں بتاتے کہ ان میں سے کون صحیح ہے، یہ بھی نہیں کہتے کہ دونوں
غلط ہیں، ف میں انگسیہ کے متعلق یہ مرقوم کہ برہان میں ہے "مگر در فرہنگہا نیافتم"
اور انگشتہ کی نسبت صرف یہ لکھنے پر قناعت کی ہے کہ برہان میں ہے۔ یہاں لفظ کے
ایک خاص معنی سے بحث ہے)، اوستاد، ایر، بادپراں، بادیر، بپاے، بپرپشد،
بپساویدن، بپسوادن، بپکن، بپرپشد، بتکدہ، بخس وبخشیدن وغیرہ، برج،
برزہ کار، برزیگر، بزدائیدن، بزدودن، بزلہ، بشگوفہ، بشترہ (غالب نے اسے
"غریب" کہا ہے جسے وہ "صحیح" کے مقابل بھی لاتے ہیں) بگوشاسپ، بنے آب،
بیباک، بیہدہ وبیہودہ، بیمار، بینا وبینائی، بیوہ، بیست، بی بی، بیغار وبیغارہ،
بیاغاریدن وبیاغاشتن، بیوسیدن، پاجایہ، پازاج، پادیر وپاذیر وپازہر
(ان میں سے غالب کے نزدیک صرف دال سے صحیح) پذرفتن، پندہ، پولہ، پیرا،

پیش (ف میں معنی معترض علیہ بدوں حوالۂ ب) بیوگ، تذرو، تذو، تذروج
ترکندہ، ترونداتن (اس کی شرح میں تقریباً وہی الفاظ ہدایت نے استعمال کیے ہیں جو ب میں ہیں) تہمتن، جند، جگارہ، خمانیدن (حوالۂ برہان کے بعد "در فرہنگہا نیافتم" مگر اعتراض نہیں)، آخور، خوالگ، خوپلہ، خوپلہ چپنیدن (اس کے مصحفات کا ذکر اوپر آ چکا ہے، متعدد الفاظ ہیں)، دارگوش، دانم، دانگ، دستان، دشوارگہ (حوالہ برہان مگر یہ اضافہ کہ "در فرہنگہا نیافتم" اعتراض ندارد) دمیدن، دوسانیدن، دیز، راستاد، راہ خفتہ، رم، رویا، رخشا، درخشاں (ف میں یہ نہیں مگر درخش = روشنی ضمۂ اول و ثانی)، رک و زک (ف میں اعتراض ہر مگر فیصلہ نہیں کہ غلط یا صحیح)، سانگینی، سانگنی، سپادیہ، ستاد، سرایش و ناسرایش (رجوع بہ ناسرایش ف) سرپرست، سرخ شبان باہو دار (ب میں حضرت موسیٰ کا لقب، غالب نے اسے ب کے غلط نسخے کو دیکھ کر "باہو" کی جگہ یاہو لکھا اور حیرانی کا اظہار کیا کہ یہ کیا ہے۔ اشاعت ثانی میں انھوں نے قیاساً اسے ماہو لکھا۔ ف میں وہی جو ب میں ہے)، شاخل، شاہورد (اس لفظ کی کئی شکلیں ب سے نقل کر کے غالب لکھتے ہیں: "تاکدام صحیح است" ف میں شاہورد کے علاوہ شادورد و شاتورد موجود) خبرواں، شکوہ، رواں بخش (تحت شیدا سپید)، شرک، شرنگ، عنبر ارزاں، شکردن، غنوند، غوش و غوشاد و غوشا، فراخ رو، فراز (غالب کو معنی گشادہ پر اعتراض، ہدایت اسے مانتا ہے، شعر حافظ

"حضور مجلس انس است و دوستاں جمع‌اند    وان یکاد بخوانید و در فراز کنید"

میں غالب کے نزدیک فراز = بستہ، ان کے مخالف سے = گشادہ سمجھتے ہیں اور ہدایت کی یہی راے ہے)، فرجد، فرخنار (غالب معترض کہ یہ فرع ہے اس کی اصل فرو خنار اس سے پہلے دینی تھی، ف میں صرف فرخنار) فسوس، افسوس، کاشت (= بہ گرداتید، کو غالب غلط کہتے ہیں، ف میں ہے کہ یہ غیر معروف") کا فتہ (غالب کا اعتراض ہے کہ ماضی شکا فتن کیوں لکھا، ف میں بھی یہی)، کالبد و

کالید، کشاورز، کشکول، گذاردن، گذشتن، مارستان (غالب کا اعتراض مارسان پر ہے، مگر یہ شارسان وغیرہ کی طرح، مارستان ہے تو یہ بھی ہو سکتا ہے، موخرالذکر ف میں ہے، اور یہ لکھا ہے کہ بمعنی مارسان)، مک، مکیس، موشیدن، ملان، مندل، منزل شناس، مانند گم کردہ، منقار زار، مہ (نفی) مہلند، میامار، نابردہ، ناہرہ، نبید، نبیذ (غالب کا اعتراض کہ مستحدث ہونے کا ذکر نہیں، یہ ہدایت پر بھی وارد ہے) نتانس، نجار، نجک، نجوان، نیرزد، نخواد و نخوالان، نمید، نواختہ، نوشتہ، نیازارم، نیاز، نیش، وراغ (غالب وراغ و وداغ ہر دو کے شمول پر معترض ہیں، مگر یہ پتا نہیں چلتا کہ دونوں کو غلط سمجھتے ہیں یا ایک ان کے نزدیک صحیح ہے تو وہ کون ہے۔ ف میں صرف وراغ ہے) ہوس، ہف، ہف ہفا، ہلناک، ہیناک (ف بحوالہ سروری بدون اعتراض)، یاختن، آبلہ دست (ب میں ہے کہ پیمبر صاحب سے بھی کنایہ ہے، اسے غالب نے ان کی سخت توہین قرار دیا ہے، اور برہان پر کفر کا فتویٰ صادر کیا ہے، یہی بات ف میں بھی ہے)، سکالیدن اور اس کے مشتقات۔

واضح رہے کہ برہان میں اٹھارہ انیس ہزار لغت ہیں، اور جن پر ہدایت کے صحیح یا غلط اعتراضات ہیں، ان کی تعداد ۵۰ سے شاید ہی زیادہ ہو۔

ہدایت نے ب کی ایک عبارت کو مہمل کہا ہے، قاطع میں بہت سی عبارتوں کی نسبت یہی رائے ظاہر کی گئی ہے۔ حالی نے یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ برہان کے جن بیانات کو غالب نے مہمل کہا ہے ہدایت نے بھی کہا ہے، یہ کوشش چونکہ حقیقت اس کے خلاف ہے، ناکام رہی ہے۔ ہدایت نے دو جگہ برہان کو نشانۂ طنز و ظرافت بھی بنایا ہے؛ حالی کی عبارت سے مترشح ہوتا ہے کہ ہدایت نے "اکثر" ایسا کیا ہے۔ حالی یہاں بھی راہ راست سے تجاوز کر گئے ہیں، مقصد صرف یہ دکھانا ہے کہ ہدایت کا رویّہ بھی وہی ہے جو غالب کا ہے۔ اس سلسلے میں یہ بھی فراموش نہ کرنا چاہیے کہ غالب نے بعض اوقات برہان کو سخت سست ہی نہیں کہا ہے، گالیاں بھی دی ہیں۔

ہدایت ہندوستانیوں کا خوشہ چیں ہے، اسے ان کی تحقیر زیب نہیں دیتی۔
لطف یہ کہ حالی بھی اس کے ہم آواز ہیں اور یہ نہیں دیکھتے کہ ہندوستانیوں میں
غالب بھی داخل ہیں، اور ہدایت نے انھیں مستثنیٰ نہیں کیا۔ ان کی ذہنی کیفیت
کا مظہر حزیں کا شعر ذیل ہے:

شادم کہ از رقیباں دامن کشاں گذشتی گو مشت خاک ماہم برباد رفتہ باشد

صاحب برہان جامع کے جن اعتراضات کی ہدایت نے "تصدیق" کی ہے
اور جن کی طرف حالی نے اشارہ کیا ہے، محض اصول فرہنگ نگاری سے تعلق رکھتے
ہیں اور نہایت مجمل ہیں۔ پہلا اعتراض اسناد کا نہ ہونا ہے۔ اس کا جواب
برہان خود اپنے دیباچے میں دے چکا ہے کہ جس نوعیت کی فرہنگ میں لکھنا
چاہتا ہوں، وہ "اسقاط شواہد" کے بغیر ہی لکھی جا سکتی ہے۔ مزید یہ کہ اسناد کے
معاملے میں خود ہدایت کی روش ایسی ہے کہ برہان کی طرف سے کہا جا سکتا
ہے: "این گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند"۔ نمائشہائے پنجم و ششم کے لغات
کی دو فہرستیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں، ان سے معلوم ہوگا کہ ف کے لغات کی
اکثریت اسناد سے محروم ہے۔ برہان نے بھی اسناد دیے ہیں، گو اشعار کی
تعداد اتنی کم ہے کہ نہ ہونے کے برابر ہے، فرہنگوں کے حوالے نسبتاً زیادہ ہیں۔
پہلی فہرست میں وہ لغات ہیں جن کے ساتھ اسناد موجود نہیں، دوسری میں
وہ ہیں جن کے اسناد ہدایت نے نہیں پیش کیے ہیں۔ یہ نہ سمجھا جائے کہ
اور نمائشوں کا حال مختلف ہے، کم و بیش سب کی یہی کیفیت ہے:

(۱) آخال، آختہ، آخر، آخریاں، آخشیک، آخش، آخشیج و آخشیجاں،
اختر (= ستارہ)، اخگر (سند ہے، مگر نام شاعر درج نہیں)، اخگوژنہ
و اخگوک (۲) آخ، آہختہ و آہیختہ، آخم، آخسی، آخشیگ و آخشیگاں،
آخشیجی سرا، آخ، اخ اخ، اختر (= علم)، اخترستان (یہ نام کتاب)،
اخترشمر، اخترشناس (اس کی سند خاتمے میں ہے، جہاں یہ اختربین کے بعد
مندرج ہے)، اخترکاواں، اختہ، اخجستہ، اخدر، اخروش، اخریان، اخمسا،

اخش، اختیج و اختیک، اخکل، اخکم، اخلکندر، اخنوخ، اخواستی (الف کے متعلق یہ بتایا ہے کہ "قانون دساتیر" کے مطابق ہے)

برہان پر دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اس نے زند و پازند، عبرانی و سریانی وغیرہ کے غیر مستعمل (اس سے یکسر فارسی میں مروج نہ ہونا مراد) لغات درج فرہنگ کیے ہیں۔ اس کا جواب برہان کی طرف سے یہ دیا جا سکتا ہے کہ خود ہدایت کا عمل اس کے نظریے سے مختلف ہے۔

(۱) ف کی حرف انجمن اول (حرف الف) میں حسب ذیل زند و پازند (بقول ہدایت) کے غیر مستعمل لغات موجود ہیں: اسبونتن (بحوالۂ ب)، اسپار، اسور، اگ، ان، انجمن، انوپا، اہلیوب، اشو، ایومن، اسیا، آموتیا، انداچہ، انگوپا، انکونیں، اہنوبا، اینیا، اوہدرن، اوزیرش، آہی، آیشم، ایرک (بحوالۂ ب) ایومن (بحوالۂ ب)۔

(۲) دساتیر اپنی زبان کے متعلق یہ دعویٰ رکھتی ہے کہ روئے زمین پر کہیں نہیں بولی جاتی، آسمانی زبان ہے۔ ظاہر ہے کہ فارسی لغات کی کتاب میں، دساتیر کی مجہولیت نہ بھی تسلیم ہو، جب بھی اس کے الفاظ مندرج نہیں ہونے چاہییں۔ ترجمہ و تفسیر دساتیر کی زبان بھی بموجب دعوائے ساسان پنجم تسلط اسلام سے قبل کی زبان ہے، اور اس کے الفاظ بھی جو فارسی میں مروج نہیں، کوئی وجہ نہیں کہ فارسی قرار دیے جائیں، ورنہ زند و پازند کے لغات غیر مستعملہ پر اعتراض کا کوئی حق نہیں رہ سکتا۔ ہدایت قسم اول کے الفاظ بے تکلف درج کرتا ہے اور یا تو مطلقاً یہ نہیں بتاتا کہ کہاں سے لیے ہیں اور بتاتا ہے تو اصل دساتیر اور ترجمہ و تفسیر میں فرق نہیں کرتا۔ ترجمہ و تفسیر کے بکثرت غیر مروج الفاظ خواہ بحوالۂ دساتیر یا بدوں حوالۂ ف میں موجود ہیں۔ ایسے چند الفاظ جو بغیر حوالہ درج ہیں، بطور نمونہ دیے جاتے ہیں: اشکیود، ہمیسراز، نمیرا۔

(۳) غیر مروج غیر ایرانی لغات ف میں بھی بہت ہیں، مگر ان کی تعداد ب سے یقیناً کم ہے۔ یہ صحیح ہے کہ ہدایت نے کسی نہ کسی فارسی ہی کتاب سے انھیں اخذ کیا ہے، لیکن یہ عذر قابل سماعت ہے تو برہان کی طرف سے بھی پیش ہو سکتا ہے۔ اس نے بھی سریانی و عبرانی و یونانی کتابوں کی طرف رجوع نہیں کیا تھا، بلکہ یہ اس کی دسترس سے بالکل باہر تھیں۔ ف کے چند غیر ایرانی لغات بطور نمونہ: اسیوس، ("یونانی ... در فرہنگہا نیافتم") اوسیموں (یونانی)، بوحا (ایضاً)، تودریوں (ایضاً)، تقذہ (بربری)، ماشیرا (سریانی)۔

(۴) ہدایت نے خود اپنے بنائے ہوئے مرکبات درج ف کیے ہیں: آسمان سنج و گردوں سنج، آسموغ بند، فرہنگ میں ایسے مرکبات کا اندراج نامناسب ہے۔

(۵) لغات کے تصحیفات و تبدیلات ف میں بڑی کثرت کے ساتھ ملتے ہیں، (چینود کے مصحفات اوپر درج ہو چکے ہیں)۔ کئی کنایات و مصطلحات جو اصل کتاب میں ہیں، خاتمے میں بھی ہیں (مثلاً سرخ شبان با ہمہ دار، پریلار)

(۶) خاص خاص شعرا کے مستعمل کنایات جو عام زبان کا جزو نہیں ہونے پائے، خاتمے میں بکثرت موجود ہیں (مثلاً شیب بکر، تمساح قتال، توفشہ بحر، عطیۂ صبح) اور کچھ اصل کتاب میں بھی ہیں (مثلاً سالار بیت الحرام)

اس سلسلے میں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ خاتمے میں ایسے استعارات و مصطلحات ہیں جو عام طور پر مروج ہیں اور جو خاص خاص شعرا نے استعمال کیے ہیں، امتیاز کی کوئی صورت نہیں نکالی گئی۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ حالی کی عقیدت مندی ان کی حق پرستی پر غالب آ گئی ہے، اور جناب مہر بیان جامع سے متعلق ہدایت کے کل الفاظ خارج کر کے حالی سے بھی زیادہ غلط فہمی پھیلانے کا باعث ہوئے ہیں۔

وہ اصحاب جو غالب کے اصول فرہنگ نگاری سے واقف ہیں، انھیں

مباحث بالا کے ملاحظے کے بعد، اس نتیجے پر پہنچنے میں کچھ دقت نہ ہوگی کہ ہدایت ان کا پابند نہیں۔ طول کلام کے خوف سے اس سلسلے میں جو کچھ حوالۂ قلم ہو چکا ہے، اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

مجروح "منشی عبدالحکیم احمد (کذا) شاگرد قلق رئیس میرٹھ" کا ایک قطعۂ تاریخ طبع عود ہندی (اشاعت اول) کے آخر میں ہے (ص ۱۸۸)، تین اشعار ہیں۔ اس صفحے کے حاشیے میں جو قطعات ہیں، وہ ظاہرا کسی اور کے ہیں۔

وفادار سنہ ۱۸۶۲ میں غالب کے یہاں ایک ملازمہ تھی، اسی سنہ کے ایک خط میں ہے: "بی وفادار جن کو تم کچھ اور بھائی خوب جانتے ہیں اب تمھاری بھیجی نے انھیں وفادار بیگ بنا دیا ہے۔ باہر نکلتی ہیں، سودا تو کیا لائیں گی مگر خلیق اور ملنسار ہیں، رستہ چلتوں سے باتیں کرتی ہیں۔۔ ممکن نہیں کہ اطراف نہر کی سیر نہ کریں۔۔ ممکن نہیں کہ دروازے کے سپاہیوں سے باتیں نہ کریں۔۔ ممکن نہیں کہ پھول نہ توڑیں اور بی بی کو لے جا کر نہ دکھائیں اور نہ کہیں کہ۔۔ تمہاری بچا کے بیٹے کی کائی کے ہیں"
(اردوے معلیٰ ص ۳۲۴)

"معاصر" حصہ ۹

---

سراج المعرفت[1] کے صفحۂ اول میں عبارات ذیل مرقوم ھیں : بعونہ تعالی و حسن توفیقہ نسخہ متبرکہ الموسوم / بہ سراج المعرفت و منہاج رحمت / از تالیفات سراج[2] الفقہا ضیاء العلما / مولوی مفتی سید رحمت علیخاں بہادر در مطبع سلطانی طبع شد

ص ۲ سے غالب کا دیباچہ جو اردوے معلی حصۂ دوم میں شامل ھے، شروع اور ص ۱۱ میں ختم ھوتا ھے - ص ۱ میں بسم اللہ الخ کے بعد ۸ سطریں ھیں، لیکن کتاب کا مسطر ۱۳ سطری ھے - سطر اول یہ ھے : « سبحان اللہ آدمی اور خدا کی حمد و شکر کا دعوی و حمد » - اردوے معلی[3] میں دیباچے کا متن ھے، وہ اس کتاب کے متن سے کہیں کہیں مختلف ھے، - ذیل میں کل اختلافات درج کیے جاتے ھیں :

ص ۳۴۲ اردوے معلی حمد = سراج معرفت و حمد - ص ۳۴۲ گشت = کسب، ص ۳۴۳ شکر ضروری ھے = شکر ضرور ھے - بیت ص ۳۴۳ علی[1] نبینا و علیہم = علیہم و علی[1] نبینا ص ۳۴۳ الهادین = الهاوین، ص ۳۴۳ دکھا دیں = دکھاویں، ص ۳۴۳ زھے = رھے، ص ۳۴۳ اُس سے اُسی = اوسی (کذا)، ص ۳۴۳ ھمارے اس = ھم کو اس، ص ۳۴۳ الا اللہ = الا اللہ محمد رسول اللہ فدخل الجنۃ بلا حساب، ص ۳۴۳ سنے = سنیے - بارے آگے چلے اور زبان قلم سے کچھ اور اسرار سنے، ص ۳۴۳ جس سے فیض = جس کو فیض، ص ۳۴۳ یکے سوے خلق = دگر سوے خلق، ص ۳۴۴ صاف از = صاف اور از، ص ۳۴۴ کی ترجیح = کو ترجیح، ص ۳۴۴ چلی آتی = چلی جاتی، ص ۳۴۴ چلا جاتا = چلا آتا، ص ۳۴۴ قیامت تک = قیامت، ص ۳۴۴ زبردست = زبردست اب، ص ۳۴۴ بسیط = بسیط و = بسیط، ص ۳۴۴ اولیا اللہ = اولیاے اللہ، ص ۳۴۴ نفوس = نقوش[1]، ص ۳۴۴ وھم سے مشاھدہ = وھم کے مشاھدہ، ص ۳۴۵ دمکیل = ڈھکیل[2]، ص ۳۴۵ نفوس کو = نفوس، ص ۳۴۵ حق سبحانہ = جق سبحانہ تعالی[1]، ص ۳۴۵ شاھنشاھی = شاھنشاھی خلیفۂ روے زمین نائب حضرت ختم المرسلین، ص ۳۴۵ شاہ کو جو = شاہ کو اور اختیار و اقتدار دے ان کو ھفت کشور پر بلکہ فرماں روا کرے چرخ و اختر

۱ یہ کتاب جو کمیاب ھے جناب خلیق احمد نظامی کی ملک ھے، اور میں ان کا نہایت ممنون ھوں کہ انھوں نے مجھے مستعار دی - کتاب کا پورا نام سراج معرفت و منہاج رحمت ھے -

۲ سراج الفقہا ضیاء العلما ممکن ھے خطاب ھوں -

۳ پیش نظر نسخہ مطبع کریمی لاھور کا چھپا ھوا ھے - اس کا امکان ھے کہ اس میں طباعت کی غلطیاں ھوں -

۱ یہ صریحاً غلط ۲ ڈھکیل

پر کہ یہ، ص ۳۴۵ رہے ہیں = رہے ہیں بہت، ص ۳۴۵ قربان ہو = قربان، ص ۳۴۵ فرمائیے = فرمادیجے، ص ۳۴۵ اسداللہ خان = اسداللہ، ص ۳۴۶ جی میں ۔ چونکہ یہ دردمند واسطے دعاے دوام دولت خاقانی کے بہانہ ڈھونڈا کرتا ہے جی میں، ص ۳۴۶ لکھے اور پھر میں = لکھے بن کہے بنتی نہیں چشمداشت یہ ہے کہ بحر عطوفت سلطانی کہ منبع اُس کا باران رحمت یزدانی ہے جوش میں آوے اور اس پا شکستہ جگر خستہ کی دستگیری کریں کہ میں، ص ۳۴۶ بادشاہ سے کیا عجب ہے کہ دو برس کی تنخواہ دے کر مجھ کو = میرے پیر مرشد برحق سے کیا عجب ہے کہ اپنے خانزاد (کذا) کو، ص ۳۴۶ جس میں سواے = جن میں سواے، ص۳۴۶ پھر آوے ۔ فرد، ص ۳۴۶ خلنج =خلنج و

ص ۱۱ میں دیباچۂ غالب کے بعد عبارت ذیل ہے : «برضمائر اہل بصائر مخفی نہ رہے کہ یہ رسالۂ وجیزہ مشتمل ہے اوپر ایک مقدمے اور چند فصول اور ایک خاتمے کے» ۔ مقدمہ اسی صفحے سے شروع ہوکر ص ۱۶ میں تمام ہوتا ہے ۔ مقدمے کی کچھ عبارات یہ ہیں (ابتدا کے عبارات نقل ہوئے ہیں) :

پوشیدہ نہ ہے (کذا) کہ حاصل کرنا علوم باطن کا مشروط ہے ساتھ چند آداب کے اور طالب راہ خدا کے دو ہیں، تابع و متبوع ۔ مراد تابع سے مرید اور سالک اور شاگرد ہیں، اور متبوع سے پیر اور اوستاد (کذا) و معلم، اور غرض متبوع سے وہ ہے کہ لیاقت اور اہلیت ارشاد کی رکھتا ہو، گو کوئی اوس (کذا) سے مستفید اور متبع اوسکا (کذا) نہووے (کذا) نقصان نہیں وہ بذاتہ کامل راہ خدا ہے، اگر پیرو شریعت غرا کا ہووے، اور شناسا خطرات نفسیہ اور (کذا) شیطانیہ اور ملکیہ وربانیہ کا جب‌کہ مولوی روم . . فرماتے ہیں . .

اے بسا ابلیس مردم روے ہست  پس بہر دستی نباید داد دست

اور حافظ شیراز ارشاد کرتے ہیں :

نقد صوفی نہ ہمہ صافی بیغش باشد  اے بسا خرقہ کہ مستوجب آتش باشد

اور عارف بمنقصت خطرات اور دانا بعلل امراض باطنیہ اور صارف ہمت مرید کا بجانب عین الحقیقت حقیہ محمدیہ اور مزیل اون (کذا) امراض بنصایح (کذا) قرآنیہ و حدیثیہ اور کشش باطنیہ کے اور باز رکھنے والا عوایق (کذا) ضارۂ ابلیسیہ سے کہ داعی الی النار ہیں . . اور واجب ہے شیخ پر اتباع شریعت ظاہریہ . . اور واجب ہے اوپر شیخ کے کہ مطلع اور آگاہ نکرے (کذا) مرید کو اسرار اپنے پر اور واقف نکرے خواب و خور و پوش اپنے پر . . اور واجب ہے شیخ پر ملاقات اور صحبت کرنی ساتھ شیخ ہمعصر اپنے کہ فیض باطنی اور علم ظاہری اور زہد و ورع میں اولی اور افضل اوس (کذا) سے ہووے اور اگر ایسا نکرے . . متکبراور مرائی ہے . .

جا بجا سے مختلف فصول کے اقتباسات درج کیے جاتے ہیں :

(۱) اور شرایط مرید سے وہ ہے کہ . . عامل ہووے اوپر ارشاد اور فرمودۂ

شیخ کے خواہ موافق ہو اُس کی طبیعت کے خواہ مخالف، اور شیخ پر ہرگز اعتراض نہ کرے کہ ارشاد اس کے سر، تجاوز اور انحراف سبب ہے سدِّباب تمام و تمایم کا اور ملفوظ فرمودۂ شیخ کی سمجھے یا نہ سمجھے، اُس پر عمل کرے، اپنی طرف سے اُس میں کچھ تصرف نہ کرے، ۔ اور واجب ہے کہ مطلب اپنا اوپر شیخ کے ظاہر کرے، اگر شیخ جواب فرماوے فبہا، وگرنہ اپنی طرف سے باصرار طالب جواب نہووے (کذا) کہ بے ادبی ہے ص ۱۶ ۔

(۲) شرائط ارادت سے یہ بھی ہے کہ جو طریق شیخ نے فرما دیا ہے اُس کو سب طریق سے اولی اور اشرف جانے ۔ ۔ جلال و ہیبت شیخ سے ہر دم خایف (کذا) و ہراساں رہے، اور بےشعور و ادراک مجلس سماع میں حاضر ہوکر مقلدانہ زمزمہ اور ترنیص نکرے (کذا) شیخ کو لازم ہے کہ اُسے عتاب و سرزنش فرماوے، اور شیوخ سے گاہے اگر کوئی امر خلاف شریعت سرزد ہووے حمل برشطحا نہ کرے، بلکہ ربودگی اور سکر پر محمول کرے، لیکن، اگر صاحب ایسی (کذا) کو حاکم شرع بمقتضائے شریعت عتاب و عقاب کرے ماخوذ و معتوب نہیں، اور مرید کو چاہئیے (کذا) کہ امانت اسرار کہ شیخ نے اُس کو تعلیم فرمائے ہیں ۔ ۔ ۔ کسی پر ظاہر نہ کرے» ص ۱۸ و ۱۹ ۔

(۳) درخت خودی کو بنیاد سے اوکھاڑے (کذا) تا اپنی ذات میں گلزار تجلیات واجب الوجود مشاہدہ کرے اور کشتیِ فنا میں کہ عبارت ہے لاالہ سے سوار ہوکر منظورات و معلومات کو تحت سے فوق تک معہ (کذا) ذات اپنی کے لا میں کھینچے یا دریاے ہویت میں سیر کرے اور اثبات الا اللہ میں غوطہ مارے اور بمقام بقا پہنچے ص ۲۴ ۔

(۴) اور سالک کو لازم ہے کہ عالم موجودات میں دل اپنا بینا اور روشن کرے اور اپنے دل میں کسی موجود کا وجود نہ دیکھے، اور جانے کہ کوئی بجز ذات واجب الوجود موجود نہیں، اس لئے کہ تمام مخلوقات متجلی بتجلیات واجب الوجود کے ہیں اور سب ساتھ اس کے قایم (کذا) ہیں واجب الوجود حق سبحانہ ہے، سوا اس کے جائز الوجود اور ممکن الوجود ہیں اس واسطے کہ ذات باری عزاسمہ کو ابتدا، انتہا نہیں، ہمیشہ تھا اور ہمیشہ ہووے اور تمام منظورات جائز الوجود ہیں، ابتدا اور انتہا رکھیں اور ہمیشہ موجود نہیں اور کل معلومات کو ممکن الوجود کہیں، اس لیے کہ عالم میں معلوم ہیں، اور شریک باری کو ممتنع الوجود کہیں اس لیے کہ حق تعالیٰ لاشریک اور لامثال ہے ص ۲۹ ۔

(۵) قول ہے موحدین کا کہ ایک نور نے بصور متکاثرہ و متنوعہ اور بکسوات متضادہ نمود و ظہور کیا ہے ۔ کہیں بصورت لیلیٰ و مجنوں اور وامق و عذرا کے ظہور کیا ہے، وہی ہے کہ بچشم مجنوں اپنے جمال پر لیلی میں نظارہ کرکے اپنے تئیں دوست رکھتا ہے، پس جس کو کہ انسان دوست رکھے، اور اس کی طرف متوجہ ہووے وہی ہے،

اگرچہ دیکھنے والا نہ جانے ۔ ص ۳۹ ۔

(۶) بیان ذکر الہد کا اور وہ آواز لا ہے ، طریق اس کا یہ ہے کہ دو زانو قبلہ رو بیٹھے ، دونو (کذا) سرین کو اوپر سرکف پا کے رکھے اور دونو (کذا) نر انگشت کو پس گوش اور دونوں مسابہ کو سوراخ دونوں گوش میں اور باقی تینوں انگشت کو برابر استادہ رکھے اور دونوں آنکھیں بند کرلے اور ساتھ ذکر ھو کے دامیں (کذا) مشغول ہووے ، وہاں سے آواز لا برخاستہ ہووے ، یعنی وجود غیر ممکن نہیں ، لیکن ، جو کہ یہ عمل بحبس دم ہے ، شرط یہ ہے کہ ابتدا میں غذا رقیق کھاوے اور خلوت اختیار کرے اور آمیزش بمردم کم جو ابتداء (کذا) مجاہدہ میں کسی طرح کا ضعف معلوم ہووے اندیشہ نہ کرے اور عمل میں مشغول رہے ص ۷۷ ۔

(۷) جو کہ وقت دخول شہر یا خروج ہزار بار کہے خدائیتعالیٰ (کذا) اسے خوف و خطر سے مصئون (کذا) و مامون رکھے ۔ جو کوئی کلمہ بحضور و فکر تمام ہزار بار پڑھکر بجانب ظالم جبار اور عنید بدکردار کے دم کرے حق جل جلالہ اسے پائمال (کذا) کرے اور نیست و نابود ۔ ۔ جو کوئی چاہے کہ اطلاع اوپر غیوب کے اسے حاصل ہو اور اسرار ملک و ملکوت منکشف ہذکر کلمہ مداومت کرے ص ۱۰۴ +

(۸) اور چشتیہ کے ہاں صلواۃ معکوس ہے ، نہیں پائی حدیث اور نہ قول فقہا سے سند اس کی کہ اعتماد کریں ہم اس پر ، اسی لئے چھوڑ دیا ہم نے اسے ۔ ص ۱۸۰ ۔

(۹) وطریق توجہ دہی بمریدین جس طرح (کذا) کہ اب درمیان بعضے بزرگوں کے رواج پایا ہے ، حضرت و اصحاب کرام کے زمانہ (کذا) اور اسلاف عظام کے مشایخ (کذا) سے نہ تھا ۔ جس طرح سے کہ اب توجہ دینا مروج ہوا ہے ، اگر چہ بدعت ہے لیکن چونکہ تمسترشدین (بمسترشدین ؟) مفید ہے ، مستحسن ص ۲۱۲ ۔

(۱۰) قول ہے اہل تحقیق کا کہ مرید ۔ ۔ ۔ بوقت سلوک علم و خبر اوپر ترقی اپنے کے نہیں رکھتا ، اگرچہ روز بروز مراتب و کمالات اس کے بہ ترقی (کذا) ہیں ، شیخ ترقی اس کی جانتا ہے اور بشارت مقامات اسے دیتا ہے جیسا کہ خربزہ (کذا) اپنی پختگی سے کچھ آگاہ و خبردار نہیں ۔ اس طرح مرید روز بروز بنظر توجہ شیخ ترقی جدید رکھے تاکہ بعد نہایت کمالات انسانی پہونچے اور اسے کچھ خبر اپنے کمالات سے نہووے (کذا) شیخ تمام حالات و مقامات اس کے دریافت کرتا ہے اور بعد وصول اس کو خلافت دیکر اذن و اجازت ارشاد مریدوں اور مستفیدونکا (کذا) فرماتا ہے ، پس وقتی کہ مرید ماذون بارشاد متوجہ بتربیت مریدین ہوتا ہے اور اثر تربیت اپنے کا ان میں مشاہدہ کرتا ہے ، اس وقت بشارات شیخ پر ایمان حقیقی عیانی لاتا ہے ، جیسا کہ پہلے اس سے ایمان تقلیدی لایا تھا ۔ اس وقت یقیناً جانتا ہے کہ میں کامل میں مکمل ہوا ہوں « ص ۲۱۷ ۔

(۱۱) سالک جمیع ذوات اشیاء کو پرتو نور تجلی ذات احدیت میں فانی پاوے اور تعینات عدمی بوجود فنا کے توحید ذاتی میں مرتفع ہوویں کہ کسی شے کو غیر حق

نہ دیکھے اور وجود اشیا کو وجود حق پہچانے اور بچشم حق بیں عارف کے کلُ شیئٍ ھالکٌ الا وجھه آوے اور بجز واجب‌الوجود دوسریکو (کذا) موجود نہ دیکھے اور خیال غیریت و اثنینیت نزدیک اس کے محال ہووے اور اس مرتبے کو متحققین مرتبۂ فنا کہیں اور صاحب اس مقام کا جمیع ذوات و صفات و افعال اشیاء کو مضمحل و متلاشی باشعۂ انوار ذات و صفات و افعال حق پاوے اور کل من علیھا فان بنظر اس عارف کے ظاہر ہووے اور یہ مقام تحقق ہے بوجود حقیقی بے عدم اور علم ہے بے جہل اور قدرت ہے بے عجز۔ یہ ہے بیان توحید وجودی اور شہودی کا کہ نزد اکابر فریقین مقرر ہوا ہے۔ ص ۲۳٦

(۱۲) بذکر خیر تو داریم آرزو یا غوث　　زیاد تو دگرم نیست مو بمو یا غوث
توئی کہ نام تو باشد محمد ثانی　　توئی کہ یاد تو گویند چار سو یا غوث

اور اس غزل کو بحصول مقصد کہ قاری رکھتا ہو قبولیت اور تاثیر تمام ہے چنانچہ متوسلان خاندان برکاتیۂ غوثیہ بعد ادائی (کذا) دوگانہ پس نماز مغرب رو بجانب عراق کر کے یہ غزل پڑھتے ہیں اور بمقصد و مطلب پہنچتے ہیں ص ۲۵۷

(۱۳) اور مومن کے پانچ نشان ہیں مرض دائم اور حزن دائم اور صوم دائم اور بسط الیدین . . . اور نماز ص ۳۲

(۱٤) بحکم شرعی اجرای حدود و قصاص اور دیت و تعزیز میں مُداہنت اور سستی نہ کرے ۔ ص ۳۵

(۱۵) متصوف کہ بتکلف صوفی بنتا ہے حقیقت میں صوفی نہیں، صوفی اسے کہتے ہیں جو نمکزار حقیقت میں گر کے نمک ہوجاوے ص ٤۱

(۱٦) طریق مراقبہ جیب القمیص کا ۔ طالب کو ضرور ہے کہ سب وقت اپنے تئیں بصورت شیخ خیال کرے یہانتک (کذا) کہ صورت اپنی فراموش کرے ص ٤٤

(۱۷) سر حلقہ اس سلسلے کے حضرت شاہ بدیع‌الدین مدار کہ بچند واسطہ بحضرت عبداللہ علمدار حضرت . . . صلی اللہ علیہ وسلم پہونچے ہیں اور بحضرت . . ابوبکر . . . سلسلہ ان کا منتہی ہوتا ہے تقوی و طہارت میں بہت تردد و مبالغہ رکھتے تھے جو کوئی اپنے تئیں بمریدان حضرت . . مدار منسوب کرے اور مرید ہووے اگر قدرے شرع شریف سے منحرف و برگشتہ ہووے بلا میں پڑے ص ۱٦۳۔

(۱۸) قول ہے شیخ عبدالرحیم والد شاہ ولی‌اللہ کا کہ نفی و اثبات بہت مفید ہیں . . . شاہ ولی اللہ . . نے دیکھا ایک عورت کو مخلصات شاہ عبدالرحیم . . . سے کہ کہتی تھی لفظ اللہ ہزار مرتبہ ایک دم میں بلکہ اس سے زیادہ بھی ص ۱۸٤ ۔

(۱۹) بایزید بسطامی . . . نے بقرب وقت سفر اور رسیدگی کمال کے فرمایا کہ کہنا میرا کسی روز سبحانی ما اعظم شانی، زنار تھی میں اسے توڑتا ہوں اور کہتا ہوں لاالہ الااللہ محمد الرسول اللہ ص ۳۲٤

(۲۰) عمر مرد قوی عظیم الرجولیت تھا (بعد قبول اسلام) . . . مسجد سے باہر آئے

ناگاہ پدر ان کا روبرو آیا، کہا دین سے روگردانی کی تو نے، بمجرد کہنے اس سخن کے سر، پدر اپنے کا تن سے جدا کیا ص: ۴۲۸

خاص الفاظ و طرق استعمال :

مرید بمنزلہ علیل کے ہے ۱۳، دیوے ۰ مباسطت ۱٤، ترحیض، لڑکائی ۲۳، بمار، بلدان، اثنینیت ۲٦، معمور و آبادان، اعمال نا محمودہ ۲۷، تانس، دل بستگی و لگاؤ ۲۹، ماکول ۳۱، بسط الیدین ۳۲، ناظر اور بینا ۳۳، عباد و مداھنت ۳۵، بمحرمات شرعی نظر شہوانی نہ کرے ۳٦، بارقہ، مرزوق، پُر مُر اور تلخ ۳۸، اطعمہ ٤۰، متصوف ٤۱، ظلمانی ٤۳، وقتیکہ ٤۵، متلبس بلباس ۰ متلون بلون، کافری ٤۹، افعال مرضیہ ۵۰، متباین ۵۳، استمرار و استقرار ۵٤، استدامت، انفصال ۵۵، لوث ضلال، محاضرہ، تلوین ۵٦، طوالع، لوائح ۰ اوامع، سرعت و شتابی، بعضے، طوارق و بوارق، الفاظ متقاربۃ المعنیٰ ۰ صحو ۵۷، مکاشفین بحقایق الغیوب، تکثر ٦۰، میٹہ ٦۱، کیمات ٦۵، بحرکت مثقلہ ٦۷، بوقت فروگذاشت اور بالا کشید دم کے ۷۰، مواظبت ۷۱، مختلم ۷۲، ذاکر مذکور بین ۶و ۷۳، ضربات ۷۸، انشراح ۷۹، مرتسم ۹۰، احاد و عشرات ۹۲، بعد و شد ۹۸ ۰ صدقات نافلہ ۱۰۰، امتثال باوامر واجتناب از نواھی ۱۱۰، مرتاض، مصقلہ ۱۱۱، تجلیہ، زیرینہ ۱۱۲، فرودینہ، کتفین ۱۱۹، علماء قشر ۱۲۷، مبابتین ۱۳۱، اذنین ۰ متداخل ۱۳٤، نامرضیات ۱۳۵، قاصر و خاسر، حیز تحریر ۱۳٦، فوق المعتاد ۱٤۳، مخفی و مستور ۱٤۷، برانگیختگی شوق ۱٦٦ ۰ قوی التوجہ ۱۸۵ ۰ مظنہ ۱۹۱ ۰ بمجامع ھمت اپنی کے ۰ بکرات و مرات ۱۹۵ ۰ لازم پکڑے ۱۹٦، مبالات ۱۹۷، ان سے حساب نہ پکڑے، متعذر ۱۹۸، مسلوب العقل ۱۹۹، ذھولت ۲۰۰، متحسنہ ۲۰٦، اشراف خواطر ۲۱۱، توجہ دینا ۲۱۲، مثبت الحجاب ۲۱۳، مرتفع الحجاب، فیوضات ۱۹٤، متحتم ۱۹۵، خطرات کہ حاوی دل اس کے کے رھتے ۱۹٦، مسترشد ۲۱٦، رنجیدہ و کشیدہ ۲۱۹، صادق الارادت، بین بین ۲۲۲، تمام اعضا، زمین اور مافیہا ۲۲۳ ۰ کماینبغی ۲۲٤، مرتبہ نایافت ۲۲۵، خلو ۲۲٦، قبولیت ۲۳۳ قباحت و شناعت اشیا میں لنفسہا نہیں بلکہ اعتباری ہے ۲۳۵، رایحہ کریہہ، مقام قدس ۲۳٦، مضمحل و متلاشی باشعۃ انوار، استدراج ۲۳۷ ۰ اقویٰ ۲٤۰، الطف ۰ اذلال ۲٤۵، مولفۃ القلوب غنایم ۰ شواغل و طوالق ۲٤۷، مقتبس ۲٤۸، مشکواۃ نبوت، اطاطہ ۲٤۹، امتثال فرمان بجلاوے ۲۵۱، نارسیدگی بمدعا ۲۵۵، موھوبی ۲۵۸، اغشیہ تقیدات ۲۵۹، مکحل، ھموم و غموم ۲٦۰، نظارت ۲٦۳، طالب عتیق ھو نہ رفیق ۲٦٤، نوشیدگی، زایل و متلاشی ۲٦۵، مادح ۲٦۸، شتراکوان، منوط ۲۷۰ ۰ بملاحظہ اس معنی کے، تعدد و تکثر ۲۷۱، جانا چاھیئے کہ خلاصہ ۲۷۲، مصقل ۲۷۵، موصل الیٰ غیراللہ ۲۷۷، مشابہ ۲۸۸، منسی و فراموش ۲۸۹، عایق ۰ عاطل ۲۹٦، ذو نسبتین ۳۰۲، نعاس ۳۰۳، موالید ثلثہ ۳۱۰، سکینہ ۳۱۳، انقلاع، توارث ۳۱۹، مرمود ۳۲۱، ذوق متکاثر ۳۲۲، مقصد اقصیٰ ۳۲۳، زنارتھی، حبط و نابود ۳۳۵، شطحیات، حفظ مراتب بجا لاوے ۳۳٦، اھل حوائج ۳۳۷، چرمدان ۳۳۸ ۰ عوالم ۳٤۱ ۰ رسالہ ...

که بحل و حرمت اشیا حکم کرتا ہے ۳۴۳، خیرش ۳۴۴، مخفی و پوشیدہ ۳۴۶، پوزیدن ہوا ۳۴۷، حرکت و جنبش، تحری ۳۵۴، نظیر اس کا، دفعتاً (کذا) واحدۃً ۳۵۳، مکتفی بہ ۳۵۴، بے حجب و نقاب ۳۵۶، مبغوض و ممقوت ۳۵۸، جیسیکہ (کذا) اکثر طارق اور راہزنیں (کذا) اوپر حیاض و عیون کے ۳۶۲، عرصہ تیس سال کا ۳۶۳، مشتہیات، سیہ گوش ۳۶۵، مقاصد خطیر، مقام و جگہ، بساتین ۳۶۷، اضعاف اس کے غفران و رضوان ۳۷۱، پاداش بدی کی بدی ۳۷۹، مالا نہایت ۳۸۲، نار گلزار ہوئی، کفرستان ۳۸۳، سباح ۳۸۵، الی غیرالنہایت ۳۸۶، منقطع اور بریدہ ۳۸۷، نفر ۳۸۸، تحسر ۳۹۰، مظلم و تاریک ۳۹۳، مفاخرت ۳۹۴، علقہ و مضغہ ۴۰۰، نوی اور کہنگی ۴۰۴، دختر شاہد ۴۰۵، ہرک، گور بنانا ۴۰۶، عقول جزئی ۴۰۷، بہرہ مندی اور مقصود رسی، مشر ۴۰۸، جرد ۴۱۰، یہاں سن معتبر نہیں مار آسن چاہیے مار آسن وہ ہووے کہ تمام انجاس عالم پاک کرے ۴۱۳، کفت و ضبط میں نہیں آتی ۴۱۸، اجسام معلول و رنجور ۴۱۹، طاقی ۴۲۹، مشارق انوار ۴۳۲، ظرفیت ۴۳۳، پھر جب سپیدۂ صبح مانند نفخۂ اسرافیل فرات (؟) اجسام ان کے زندہ کرے ۴۳۴+ اعمال و اکساب ۴۳۴، فرزند کو تعلیم کیا تھا کہ ۴۳۵، گوشمالی دیویں ۴۳۸، عدول حکمی، جیسیکہ (کذا) مثلاً کوئی دریا میں آیا ۴۴۰، منصوب کیا ۴۴۴، حاشا و کلا ۴۴۵، امور مذکورہ ۴۵۲، تماشاً اس کے میں گستاخ ۴۵۳، ایجادالشئی لنفسہ ۴۵۴، منتفی، روح و راحت ۴۵۵، امر نامشروع ۴۵۸، بنفس الامر ۴۶۲، دوکان (کذا) ۴۶۴، حرکت میں برکت ہے، شہور ۴۶۶، اوجاع و مخاویف ۴۶۷، مثل اسپ زیرک کے کہ ایکبار (کذا) مہمیز کھا کر ۴۶۹، آفت و آسیب پہنچے ۴۷۰، فلانا بیٹا میرا ہے ۴۷۳، جزو منفصل، پر تو ۴۷۸، قلتبان ۴۸۱، شریعت غرا ۴۸۲، اقلیم ۴۸۴، آتش مضمرہ، بکبریت جوانی اور نفت مجازات ۴۸۵، فرونشینی، تونگری (کذا)، اس مدت چار سو برس میں ایکروز (کذا) اسے نامرادی اور درد سر نہ ہوا ۴۸۶، طوق افلاس، بین الجمہور ۴۸۷، ذوی الحاجات، بستگی، وہ چار سو نفر تھے درویشان مہاجرین سے ۴۸۸، مقدوح و مجروح ۴۸۹، خرقۂ طامات، نکوہش ۴۹۰، اپنے تئیں علم و انگشت نما کرنا بلباس مخصوص ۴۹۱، ملوم و مذموم، افعال شنیعہ اور فضایح صریحہ، ادراک جلائل جودواحسان کا، راستا ۴۹۵، چہا، چندیکہ ۴۹۹، فتحیاب ۵۰۰، علایق و عوایق، ساطع ولامع ۵۰۲، خامۂ ترقیدہ زبان ۵۰۳، اکل و شرب، اربعین ۵۰۸، جمادی الثانی، متخلخل، بنابر جماعت ۵۰۹، تکبیر افتتاح پاوے ۵۰۹، بلا نفی ۵۱۱، فتوحات غیبی ۵۱۲، قبض و بسط، شیبیت ۵۱۳، منقطع ۵۱۴، مداومت ۵۱۵، تحیر و تحدی، جوش و خروش نہ فرماویں ۵۱۶، تسوید بعض مقامات کی بہنگام تشتت بال اور کمال تفرقہ ملال میسر ہوا (کذا) ۵۱۷، اس جہت سے سیاق عبارات ایک نسق پر برآید (کذا) نہیں ہوا، مقرون بشرف قبول، ظلوم و جہول، عذرہ، پسندیدۂ انظار بالغ نظران باوفاق ۵۱۸، ابطال، رسالہ وجیزہ، تشئید مطالب عالی کی،
تنگ گیری نہ کرے کسی کے ساتھ ۱۳، مریدوں خلوت نشین ۱۵، بجانب پاہوط ۱۸، فتوح و

پیشکش ۲۱، تونگری (کذا) ۲۳، معیت ۲۷، افعال نا مشروعہ، ذاکر و مذکور ۲۸، آکل و ماکول ۳۱، ذکرارہ ۹۸، دسومات ۱۴۲، شغل آئینہ ۱۴۴، شغل خیال با خیال ۱۴۵، شغل سیر الی اللہ، شغل کنزالاسرار ۱۴۷، شغل مبدا و معاد، شغل آسمان ۱۴۷، شغل هفت پیکر ۱۴۹، شغل عالم خفائی ۱۵۰، فکر انبیا، ذکر گنج اسرار ۱۵۱، شغل فانی و باقی ۱۵۳، شغل نفی فی النفی، شغل النفی عین الاثبات ۱۵۴، شغل خلوت در انجمن، شغل هوش در دم، شغل نظر بر قدم، شغل سفر در وطن، تا اخلاق محمودہ انتقال کریں ۱۵۵، بحضور حق پیوستگی، حضوریت محافظت دم ۱۵۶، خویشی اور آشنایی دیوے ۱۵۷، تازی و فارسی و هندی، شغل حبس دم، چاهیے کہ تواس پر مواظبت (مواظب؟) ۱۵۸، بخدمت شیخ اپنے کیے عرض کیا، اس لیے بتواضع اجابت کی یہ مرد . . نے ترتیب ان (کذا) من عن (کذا) نقل کی، دونو پانو، زبان بکام چسپیدہ ۱۵۹، بقوت مزاج طاق طاق زیادہ کرے ۱۵۹، ام الدماغ، شغل محمودا، شغل پیران قادریہ ۱۶۰، شغل پیران چشت ۱۶۱، شغل پیران سہروردیہ ۱۶۲، شغل پیران فردوسیہ و شطاریہ، شغل پیران مداریہ، اقلام اربع، ۴۷، برودت، پیوست، ربوبیت ۴۹، عبودیت ۵۰، مطاوعت ۵۱، علم‌الیقین بنظر و استدلال حاصل هووے اور عین الیقین بطریق کشف و سوال اور حق‌الیقین براہ انفصال لوث ضلال سے اور لکھا هے کہ علم‌الیقین حصہ هے اولیا کا، اور عین‌الیقین بهرہ هے خواص اولیا کا اور حق الیقین حظ انبیا کا ۵۵، محاضرہ، لوامع ۵۶، لغوت محمودہ ۵۷، تفاصل ۵۸، مستغفر ۵۹، تکثر ۶۰، زندقہ، خرق عادت . . . جوکہ مجاذیب و اطفال یتیم سے سرزد هو اسے معونت کہیں ۶۳، استادگی کرنا، مخلوق، بحرکت مثقلہ ۶۷، بوجہ اتم ۶۹، پاس انفاس ۷۰، اجتهاد و کوشش کرے ۷۱، ایضاح ۷۲، تلوین ۷۳، ذکر چهار ضربی ۷۷، ذکر دوازدہ ضربی ۸۳، ذکر غیر متناهی، ذکر کروبیوں کا ۸۰، ذکر ثلاثی گنبذی (کذا)، ذکر مدورالحلق ۹۲، ذکر حدادی ۹۳، ذکر بودلہ ۹۵، ذکر امهات ۹۶، ذکر جاروب ۹۷، ذکر نفی و اثبات ۹۹، پرشکم کهانا عادت هے ستوروں کی ۱۰۰، ملکوتیات و جبروتیات ۱۰۳، ذکر ذات ۱۰۷، ذکر استیلا ۱۱۸، ذکر حیران، ذکر کزیا ۱۱۹، ذکر خفی ناسوتیہ ۱۲۱، ذکر خفی ملکوتیہ، ذکر لاهوتیہ ۱۲۲، سلطان الاذکار ۱۲۹، کوشش بلیغ صرف کرے، ملفوظات ۱۳۲، ذکر احوات ۱۴۰، طریقہ شغل سہ پا ۱۴۱، اعاظم شغل پیران نقشبند ۱۶۴، پس منافات نهیں اس میں اور اس حدیث میں، برانگیختگی شوق ۱۶۶، ذکر خفی ۱۶۷، هبوط، صعود، شیخ ذوی التوجہ ۱۸۴، یاد کرد ۱۸۷، باز گشت، نگہداشت، یادداشت، التفات و مبالات ان کی طرف نہ کرے ۱۹۷، وقوف قلبی ۲۱۰، اصالتاً (کذا) ۲۱۷، استقرار و استحکام پذیر ۲۱۹، امتداد صحبت، خاص الخواص ۲۳۲، من حیث الحقیقت ۲۳۵، قبح رایحہ، مقام طمس ۲۳۶، اندر سے . . هوا ۲۳۹، غایت غایات اورنہایت نہایات ۲۴۲، ماتحت ۲۴۰، علایق و شواغل و عوایق ۲۴۷، جانا (جاننا) چاهئے ۲۷۲، روحیت ۲۷۳، حضیض، سجن، مسجون، سجین، سیدالفکر ۲۷۵، مقارنت ۲۸۹، رموزات (ایک قصیدے میں) ۲۹۲، حروفہاے صفات (شعر مثنوی) ۲۹۳، مراقبہ سیرالی اللہ ۲۹۵، عبایت ۲۹۷، منتفی و نابود

۳۰۲ ، صور در تمثال گردد عاینه ۳۰٤ ، رتبهٔ وحدت یقین اولین ۳۰٦ ، انقلاع ۳۱۳ ، عجایب احوال و عوالم بو العجب (کذا) ۳٤۱ ، بحل و حرمت اشیا حکم کرتا ہے ۳٤۳ ، مباینت اور تغایر ۳٤۷ ، حیاض ' پناہ پکڑتا ہے ۳۵۵ ، احیا و امانت و اثبات ، اپنے تئیں اس پر نہ (کذا) پاوے ۳۵۷ ، مبغوض و ممقوت ۳۵۸ ، میری خاطر میں خطور کیا ۳٦۳ ، سیہ گوش ۳٦٦ ، بساتین ۳۷۷ ، البسہ و افرسہ ، مخموروممست ۳۷۲ ، شداید و مصایب گزرے ۳۸٦ ، مظلم و تاریک ۳۹۳ ، جیسیکہ (کذا) ٤۰۰ ، بعالم علقہ و مضغہ ، درویش کا پالکا ٤۰٤ ، گور بنانا ٤۰٦ متمنیات و مشتہیات ٤۱۰ ' ورائے عقل ٤۱۷ ، متحض ٤۳۰ ، کفش گیر ٤۳۳ ، نفخهٔ اسرافیل ، زبانیہ ٤۳٤ ، دھول ماری ٤۳۸ ' عدول علمی شیخ کی ، اشتغال ٤٤٤ ، تفرج ٤٤٦ ، وساطت ٤۵۲ ، ترجیح بلا مرجح ٤۵٤ ، ذخار (کذا) توفیق بین‌القولین ٤۵۹ ، فراموش‌کار ٤٦۷ ، قلتبان ٤۸۱ ، گلہ و شکوہ ٤۸٤ ' کبریت ٤۸۵ نعت مجازات طوق ٤۸٦ ، شکوہ و شکایت ، اھل غنم ، خرقہ طامات ٤۸۹ ' مقدوح و مجروح ' منوط ' اصل اصول ٤۹۰ ' نکوھش ٤۹۱ ، ایک ضرب بدل مارے ٤۹٤ ، راستا ٤۹۵ ، چپا ، ذکرآنچہ دان از حق دان ٤۹۷ ، مربع نشین ٤۹۸ ، ذکر چغد ٤۹۹ ، ذکر جلالہ کا ، ذکر عنقا ، بیاپے ، ذکر فاختہ ۵۰۰ ' ذکر شکرخورہ ، ذکر عبرت بحلیہ معین ، ذکر حیران ، اجتناب ۵۰۳ ، مزیت ۵۰٤ ، جمادي‌الثاني ۵۰۸ ، متخلخل ، علوم لاریبی ۵۱۱ ' خاصیت عظیمہ ، استفادہ حاصل کرنا ۵۱۳ ، شبعیت ، رغبت مالاکلام ، لقمهٔ کوچک ' برکندہ ۵۱٤ ، مبرا[1] و معرا ۵۱۵ ،

مصنف خاتمے میں لکھتا ہے : «امید ناظرین اوراق سے کہ وہ اس رسالۂ عجالہ‌کو بشرف مطالعہ نوازیں اور نظر انداز مطاوی ... ہو ویں وہ کہ اگر خطا و لغزش بنظم ترتیب سخن اور خلل بسلک ترکیب مشاہدہ فرماویں ... باصلاح کوشش کریں اور بطریق عیب جویان خوردہ (کذا) گیری میں جوش و خروش نفرماویں (کذا) ... از بسکہ یہ فصول باوقات مختلفہ ترتیب یافتہ ہیں چنانچہ تحریر بعض مقالات ایسے وقت میں کہ فی‌الجملہ فراغ و جمعیت حاصل تھی اتفاق بیاض پڑا اور تسوید بعض مقامات کی بہنگام تشتت بال ... میسر ھوا (کذا) غرض تسوید اس بیاض سے فقط تقرب بحضرت آفریدگار ہے اور تقریب معانی بفہم عامهٔ مستعدان روزگار ہے نہ اظہار فصاحت گفتار اور اعلان بلاغت ناھنجار اپنی کا ۔ اس صورت میں مخدرهٔ مقصود بہر گونہ لباس عبارت کے کہ جلوہ نما ہووے امید ہے کہ قبول خاطر ... ہووے .. اور راقم .. بطریق دلجوئی و استدلال کوئی چیز نہیں لایا کہ رد و ابطال اس کا یا مبع اس پر وارد ہووے .. اس ... گلشن فیض کو نظر اغیار جفاکار اور مخالفین تعصب شعار سے پوشیدہ رکھیں اور کتمان اسرار میں کوشش فرماویں» ص ۵۱٦ تا ص ۵۱۸ ۔

خاتمے کے آخر میں ۱۰ اشعار کی ایک مثنوی ہے جس کا شعر آخر یہ ہے

---

۱ «تنک گیری» کرے کسی کے ساتھ» ص ۱۲ یہاں سے الفاظ کا اضافہ نظرثانی کے وقت ہوا ہے ممکن ہے بعض الفاظ جو اس سے پیشتر بھی نقل ہوئے ہیں مکرر آگئے ہوں ۔

کسادی نمیسازد این نکته ام که بهر شه حق شنو گفته ام

مثنوی کے بعد عبارت عربی « والسلام علی من اتبع الهدیٰ . . تمت بالخیر»
ص ۵۱۹ - ص ۵۲۰ میں عبارت نثر از مطبع : « . . سراج المعرفت و منهاج رحمت درماه جمادی‌الاول بتاریخ سوم سنه ۱۲۷۰ . . . مطابق دوم فروری سنه ۱۸۵٤ در مطبع سلطانی واقع ارک خاقانی باتمام رسید کتبه العبد المذنب محمد بخش غفرله» ۔

اس کتاب میں کتب ذیل کے حوالے صراحةً آئے ہیں : « رساله سالاریه » از شاه جمال اولیا ص ۱۳٦ ، « رساله مرآة البدایع » ص ۲٤۰ ، « توجه اتم » از صدر الدین قونوی ص ۲٤۳ « رساله انوار » از شیخ محی الدین ۔ ممکن ہے ایک آدھ کتاب نظر انداز ہوگئی ہو ۔

فہرست الفاظ میں تصوف کی بہت سی اصطلاحیں آ گئی ہیں - اس کتاب میں عربی الفاظ کی کثرت قابل توجہ ہے ۔ زبان شناسوں کے لئے اسی فہرست میں بہت کچھ مواد ہے ۔

« فکرونظر » اپریل ۱۹٦۲ء

خاش وخماش (صفحات المشمول غلط نامہ ذخیرہ ۲۸۴) حبیب اللہ ذکا کی نظم و
نثر فارسی کا مجموعہ ۱۳۱۲ھ میں ذکا کے برادر بزرگ رحمت اللہ رسا کی فرمائش سے مطبع
اخبار آصفی حیدرآباد دکن میں طبع ہوا۔ ذکا کے حالات سے متعلق ان کے اقوال ذیل جو
اسی کتاب سے ماخوذ ہیں ملاحظہ ہوں:

"آں مایہ ہیچمدانی و بدخوئی در جہاں دم با منتم کہ بروز دوشنبہ (۱۲۴۴ھ) تاریخ
میلادم یافتند۔ کاش برادر بزرگوارم محمد رحمت اللہ رسا در سر آغاز تعلیم سخن بتخلص
ہیزم نمیکرد کہ اینان را از لباس شہرت شرمسار و رسوائیم واد، بہ آموزگار محمد
وجیہ الدین خان معنی بملاحظہ دارستیہائے مزاج برسم و عادت متقیم نمیغز مود"
ص۱۲۵۳ "پیکر پذیرفتن و وانم بحوالی مدراس اتفاق افتاد و بہ نیپ او بیارہ قصور
بمادر مہربان .. چشم از خواب جہل بر کشاد۔ بعد ازیں تا ازوے سبق پیش میر مہدی الحسینی
ثاقب و سید مرتضی حسینی بینش تہ کردستم .. اینک زیادہ بر دہ سال است کہ
دور از یار و دیار رام و بزمرۂ انشاگران برہان نوال وزیر دکن وظیفہ خوارم"
ص۱۲۷۶ "تا صدر وزارت دکن بذات خداوند نعمت .. سعادت اندوزم .."

---

دیباچہ: "آنچہ فراہم میآرم عشر عشیرے از تلف کردہائے من است۔ چون
فراہم باتباع امر است لفظ خاش وخماش (حاشیہ": بمعنی خاش وخش کہ
خس وخار و ریزہائے خرد ہم تراش و تیشہ و چیزہائے افگندنی و بکار نیامدنی
باشد و این لغت از توابع است" برہان قاطع)

خود را از وطن اصلی که من مضافات مدراس است، بحیدرآباد رسانندم و کما بیش
مدت یکسال در بند تفحص و سیفت و واسطه ماندم، مرحومی عبدالوہاب حسینی را نازم که
از آن بندم رہائی و نعبیدہ و عرض داشت مرا بنظر ملازمان خداوندی رسائی داد،،
سه ماہ و کسرے ازیادہ گذشته بود که در تاریخ غرۂ ذی حجه سنهٔ ہزار و دو صد و ہفتاد
و دو بمنصب ہد داشتند و منشی علاقہ تعلقات که در آنجا کفالت کار انشا نزد
عبدالقادر تصدی مہم حساب بزمہ ہمنت راو و ہمیں برادر شان بود بر گماشتند۔
دو سال ،، در سرانجام امور مفوضه خود نفسہا سوختم و از تحسین التفات کار فرمایان
،، بہرۂ وافی اندوختم، تا آنکه در سنهٔ ہزار و دو صد و ہشتاد و یک مجلسے مخصوص
انتظام امور مالگزاری مجددا انعقاد یافت و قوے از عملۂ منشی خانه بذیل اسمٰعیل
عبدالقادر بآن طرف شتافتند۔ ہمنت راو بعہدۂ جلیلۂ محاسبی صدر کامیاب
گردیدند و باوصف صدور حکم بعا نه یرسه چند نقل و حرکت من از پیش خود در،
پسند نیفتد۔ آخرا بن مجسته گوہر،، را بر نیکو خدمتی و کم تمنی من متفق تمام پسند ا
آمد و در خصوص کامیابی من بعہدۂ دوم تعلقداری یا سوم تعلقداری در پیشگاہ دولت
پیشگاہ سرکار عالمه فرسا آمد، عنایت نامہ ،، بجواب آن در گیرندہ باین فرمان که
حالا بہ جاہای عہدہائے دوم و سوم تعلقداری مرحوم مامور شدند و ہیچ جائے خالی
نیست، شرف صدور ارزانی داشت، چون ازین پاسخ نفی استحقاق تہور انیم
اثبات نمیرسید، نوبت ظہور امر متعذر بانتظار وقت کشید۔ ماہ یازدہم روز
عید بود تا دیہ لشکر دافع البلیات که تفصیلش ازین قطعه (ظاہرا مصنفۂ ذکا)
پیداست:

| | |
|---|---|
| دہری خوشی منانی ہے عید صیام کی | رو رہے گئے تو لے نہ گئے روزی و رفاہ |
| دہ بار خسروی میں جو بہر ادائے نذر | جانے لگا وزیر دکن بھیجی فداہ |
| قصد ہلاک کر کے کسی بدمعاش نے | تاکا ہی تھا کہ آڑے ہوئی رحمت الہ |
| چھوکا نشانہ چوکے سکیں خود تپنچہ سے | بجلی تو یہ صدا کر خدایا تری پناہ |

اس جملۂ دعائیہ کو گر کریں شمار نستاریخ بھی نکلتی ہے البتہ حسب خواہ

(۱۲۸۴ھ) باداے نذر بپرداختم کہ ہما عرض دستگاہ بیانہ بود دمور وارشادے نشدم کہ البتہ مقتضائے التفات بندہ نواز بود۔ فرزانہ محاسب آں ارشاد فرایاد داشت و بحوالش مرفوع یادداشت نام برنگاشت مرفوع بنظرگاہ خداوندی درآمد و بدیں توقیع حزیں برآمد" بسید عبدالرزاق اطلاع شود کہ بوقت خالی شدن جائے عہدۂ سوم تعلقداری یاد دہی شود" ص۱۳۴ خاش و خاش سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عہدہ انھیں نہ ملا ص۱۳۶

محمد میران خلعت ذکا نے اپنی تقریظ میں لکھا ہے کہ ذکا کی وفات ۱۲۹۱ھ میں ہوئی ص۲

خاش و خماش میں ۱۰ خطوط غالب کے نام کے ہیں، یہ کلاً یا جزءً درج ذیل ہیں:

(۱) آنکہ درحضرت اوخامہ بعرض ادب است شاہ مردان سخن غالب عالی نسب است

بندگیہا مقبول و کورنشہا موصول باد از بندۂ روے خواجہ ندیدہ و جوے خواجہ گردیدہ کہ اگر نامش پرسند ذکا ست و اگر مقامش جویند خود کجاست؟ چند گاہے بدریافت بلند پہلوے فکر ملازمان مسیحا نیست و بر چرخ چارمیں گذارش و زبانے بغور رفتہاے تلاش شمار قارون نیست، وزیر زمیں قرارش گر قسم ایں زمیں گرائی و آسماں سائی را انداز غلو دانند و تبلیغاً افتادن و برخاستن ہستانہ اشتہ خوانند۔ ہمانا شار فروشی ہاے مردآزما شرابیکہ بتازی مثلث و بپارسی سیکیش نام است، دازخرد فریب مخانہ مصفات جناب خیانہ کشان دور دست را بساغر و جام است؟ تکلف ناپسند، کتابت تا چند، مراد از شراب سرجوش کیفیتہاے پنج آہنگ ودستنبو و مہر نیمروز باشد کہ بہم رسیدن یک یک نسخہ از ینہا مزد چندماہہ جستجوے نفس سونو باشد۔ خوشا من، فرخا من، خنکا من، ہنوز سرگرانیہاے سترہ کہ داشتم دارم، وازاں سترہ کدہ بجنبش دیگر خواستارم؟

باین گمان کہ کسے از ہندوستانیاں روے بہیچ باین دیارش باشد، دماہ نیم ماہ وکلیات مخدوم در بارش باشد. بیشتر سر راہ نشستن است ونقش پاے مسافران پرستن۔ اگر این مایہ پرستش با آشنا بستے مرا آب ورنگ لعل ناب بستے، واگر آن ہمہ نشستن بکام باغبان بودے، مرا ساز وبرگ نہال گلستان بودے۔ باین نشانے از آن دلنشین نامہ ہا یافتم وبیش ازین بیچارہ سعی بیہودہ از خویشتن برخویشتن برتافتم۔ آرزوہا خون گردید تا دل رہنون گردید تا گنجینہ ارزش بازار تفرا بہ از انگاشتان چہاردریوزہ ستان کرد وہمیچ چشمہ سار را آبرو تشنہ تر از ابر رحمت چرا تشان درخواست۔ خرامش خامہ کہ بدین سرنگونیست بعد ماں ہماں رہنونیست سزد کہ نوازشے بحال من نگدیہ دست درازوکابے بر آن دو نسخہ دلنواز گماشتہ شود تا این جامنت وآن جا سواد برداشتہ شود۔ ارسال وجہ دستر یخ کاتب موقوف بہ پاسخ فرتاب شتان وایصال فرتاب شان پاسخ مشروط بدین نشان کہ در حیدر آباد دکن بدار الانشاے ہمیں دستور مختار الملک بجنیب اللہ ذکا برسد" ص۵

(۲) "آیہ ادعونی استجب لکم" را دلنشین تفسیرے ووعدۂ "لیعطیک ربک فترضیٰ" را جانفزا تاویلے کہ نگارش خذیرفتہ خلد گہر نشان بود وبعرف عام نوازش نامہ نام آن بود دیدہ را بفروغ روے مہر نواخت ودل را بفراخی دست کرم پرداخت۔ رسیدن دیوان اردو را نہ بالقوہ اثرے است ونہ بالفعل خبرے، یا رسیدہ باشد وکسش ندیدہ باشد۔ چہ داور داد گستر چنانکہ جناب وزارت مآب را با انتظام امور برگماشتہ پژوہش حال نون بجنبیں عالیدگان دادگاہ سخن ہم بدو حاگزاشتہ۔ درخصوص مغالطہ کہ آں ارسال درمیان است، بندہ را مصرع از مصنفات جناب برزبان است ع "گرنی تھی ہم پہ برق تجلی نہ طور پر" درین صورت ناپیدائی سببیکہ گمان بردہ اند ناپیدا نیست تا باز گریم کہ درخواست مجموعۂ نظم فارسی از جانب کیست باقی ماند عرض حال اگرش نشان دادہ باشم، مخفی بندہ نہ پایگاہ مولویت دارد ونہ خطاب خانی، بل ننگ نام آور نیست.

منم آموز عالم نیلیسانی۔ از خاک سرزمین مدارس سر برکرده و تبلاش اموزگاران سخن پاسے از سر کرده، تا آنکه در سبز گلشن بهار گیراسے شیوه شیوهٔ طرازیان از جایم برد و بعزم سفر ہندوستان تا حیدرآباد دکن آورد تقریب میکشی کردن جام جم پیشگاه دنیاته دستوری کشید و او به دستور عذر افزائی بر بندگیم برگزید۔ هفتمین سال است که ہم ستایشگرانه مدحت میسرایم و ہم سواد قوم کارپردازان دولت را املا میفرمایم " مک

(۳) به گزارش سپاس ارسال پارسل دیوان ریختہ که ہنوز در راه بوده است دلم از پابوس قاصد آسوده است؟ مگر بر بامیکه .. خورشید را به فروغ افزودن چگونه توان دستور دتوان نمود - .. ہر جا رایگان بخشی کریم محتاج بسوال نیاشد اندیشهٔ رد سوال چه باشد، اگر عرض خیال نباشد' باش مجموعهٔ نظم فارسی ہم میرسد که رسیدن تسراب خیر از بآن کم میرسد. من ہیچ نمانسے را گویا کلاه و زالوا استقاله کرده اند در خصوص فرستادن نیلی و نخرسے به پیشگاه دلبخت استشاره کرده اند..

جناب وزارت مآب را طبعیت سخندان دگر ایش بشیوهٔ سخن چندان که طومار سخن گو طولانی یوم النشور بوام ستانند' دادیدش از امروز بفردا نماند' بااین آنکه صله و جائزه اش خواند نصیب اہل سخن نیست. سخن اینست سخن آفرینیکه باید نمود در دکن نیست، بهانا آن بخشش بخشش حضرت نهاده اند و دیگر برازمان مساہمت نداده اند. چنانکه نگاشتن پسندیده تر خواہد بود' روان داشتن ہم مایهٔ صلاح و سود' مگر باید در پیچاره لزوم پیدا و ندبه پیوند نیافتند و در نامه نشان نشاده پیچ رو بیداو بعضی نجسنگیها سے حال که بر اثر آموزگاری سلطان و دربار بوده بیم از اظہار بود، و فرخنده گیہاسے فال که با قبال ستایشگری ملکه بر روسے کار آمد و دنیا رست بکار آمد از آن نما نماسے بگیرد و پیدائی پذیرد۔ برکران داشتن نثرانه الفاظ فارسی که طبع خو گرفتهٔ رواج عامه آن نرسد مستحسن است تا ا چنینی برتر ساده نخواستن پاسخ بمیانجیگیری بنده بشرطیکه نامزد تلمیذ معنوی گردم' مناسب" نا

تحریک را موجب باشد" ص۹

(۴) "... پارسل دیوان ریختہ رسید... مدتے ناخوشیہاے مزاج بر آں داشت کہ از سواد و بیاض ہمی پرہیزم... و جزو زبانی غیر سگالیہا بریں گماشت کہ قصیدۂ مدحیہ بوصول پیوست و مہر و حشمت بافزادید تی ہم نیست باید دید کہ ازیں بستن چہ میکشاید... بر رحلت فخر الملک جگر خون شد... تا سپری شدن مدت عزا من بجا و آنچہ من میجستم از کجا... رسیدن نامہ بشر الطیبہ کہ معروض داشتند خود ضرور است کہ فی زماننا قال و من قال ہر دو منظور است" ص۱۱

(۵) قطعۂ عریضہ مورخہ دہم مارچ و نامزد نواب ہمگی مصلوح و سراسر صواب یعنی دو شعر برادا / بیگہ خاطر خطا اندیش اندیشیدہ بود رسید و منظور معروض الیہ گردید۔ میر دفتر منشی عبد القادر را بر آں آوردہ ام کہ دوبارہ ذکرش بمیاں آرند و محامد حضرت باز گزارند تا آنکہ آنچنیں شد و گزارش دلنشیں شد۔ بسیار سنجے خبیر بود کہ... رجوع ضمیر بطرف کام بخشی از آں فاش میتراود باسخ فرمودند مصلحت آمیز مفادش اینکہ ملاحظہ ضرور است و واسطہ نیز۔ ازیں پاسخ کہ بمقتضائے وقت زباں بند حق ساز انست ہمیں میکشاید کہ زباں آور ہندوستان دانگاہ بدیں نام و نشان بیشترا و خفاء تعرف رانشاید۔ بعد ازیں اگر منشی نامہ و بچامہ بوساطت صاحب ایجنٹ دہلی و یا دیگرے از اہل فرہنگ فرنگ کہ منتظم امور اعزہ آں دیار باشد رواں دارند، ممکن نیست بطلان فقرہ کہ حضرت بر بالا قلم دادہ اند یعنی بر خواہی نواب مختار الملک بہادر بخشے و بہرہ بہر من نہادہ اند" ص۱۲

(۶) "... بدقیمت رشحۂ خامۂ نیساں رقم بر آبروے بندہ نیفزودہ... دریا ملک دوام از میانہ برمیخیزد... تحقیق مفہوم رقعہ موسومۂ مصطفیٰ خاں کہ در یک آہنگ است و بناے آں... بدیں رنگ است:

ترسم نرسی بکعبہ اسلامیاں نشد / گم کردہ ام بوادی شوق تو راہ را

دو میں صدق و کذب غیر شیوع... ساطع برہاں۔ جگر بند دافع ہذیان و

لطائف غیبی را کہ بدانست بندہ منتہی الکلام بود محض رواست ۔" صــ۱۳

(۷) "... اوائل شہر گذشتہ کہ ربیع الثانی بود مجموعہ کلام سالق در پایان آن ماہ نامہ عبودیت طراز .. بخدمت خدام روان .. داشتہ ام ۔ خدا رسے کند و عزم بیفزاید تا آنکہ آں دفتر اصلاحی بنگرم .. یکے از اصحاب کہ تازہ دکان سخن کشادہ بر تسلیم مصلحت آمیز بندہ متاع خود پیش حضرت فرستادہ صالیا درخواست سپارش نامہ ایست کہ از انکار شی آں چارہ نیست ۔ رجوع امثال ایں مردم اگرچہ بر خاطر گراں .. باشد مورث آں شہرت اسم سامیست نہ رہنمونیہا ایں معترف بندگی و غلامی" صــ۱۴

(۸) "دریں عرض یک ماہ کلیاتے بگدیہ نسخہ درفش کاویانی کشیدہ بودم و زحمتے در زمین غزل یغمائے ۹ فغانی ۔ چنانکہ محضر بر دو روبداد بیہم گذشتہ نظرگاہ ملازمان است و آنچہ اکنوں مسکنش انتظار ایجر و مژدہ آنست ۔ گناہ بکل حسرت ایں امر نیز کہ منجنیں ارادت راسخی انگیز بآں میارزیدم کہ از گرد آمدن ہر گونہ تراوش نہامہ فیضان رقم چشمہ کوثرے پیش من بودے و ہر لب تشنہ وادی استفاضہ کہ جرعہ از آں خواستے ازمن ربودے .. الٰہی رقعات اردو کہ شنیدہ ام منشی غلام غوث بیخبر مژدہ چاپ آں با وعدہ ارسال دادہ اند بسر رشتہ تجارت ایں طرز بہم آید تا مولوی غلام امام شہید[1] نسخہ عاریتہ بمن فرستد و بے آنکہ بتماشہ دیدہ باشم باز ستانند و مراغم نیفزاید ۔" صــ۱۵

(۹) "مدتیست کہ بدریافت ضعف بصر ملازماں راز تمت ملاحظہ سوالفک خود نشادم و چوں شورش حال ناگزیر بود راہ مراسلت با نواب مصطفیٰ خاں بہادر کشادم .. دریں طرف ایام رسیدن تمتہ کلیات دلے داد کہ ہنوز حضرت را سرے با شعر و سخن و گرائیدنے بجانب مستفیدان این فن است ۔ یارب چنانکہ باغ نظم را سبد جیب میوہ البہشت مائدہ نثر را نیز لبیبی حلوائے باشد .. سکندر علی نداد

[1] خاش و خاش صــ ۱۵ تا صــ ۵ میں ایک خط از جانب امی الدوا . بنام شہید ۔

دیروز با بندہ برخوردند و صحیفۂ کنازل بشان خودشان بود بمن سپردند۔" ص ۱۶

(۱۰) "۔۔ نامہ بسر و چشم میگذارم و از روے آن نسخہ مسارم چہ با وصف ناخوشیہائے مزاج ہمت بجز حق وقتی معتقدان گماشتن و خود ستقیم بودن و سرے بہ اصلاح مستقم اشعار دیبان داشتن کاریست در خود خارش ہزار جان عزیز۔۔ خدایا مرضیکہ حضرت ظاہر اینہ انگندہ مہل بخواب راحت باد و دواہاے آنچہ از حق مبارک برآمدہ فقط شبین شفا شواد۔ فلانی درین دیار بعرض شاعری و اظہار مشیخت کر چست کردہ و با فلانی کہ بجاے خود عاشق رسول است نسبت رقابت درست کردہ رواج محافل مولود خوانی آن بزرگوار و وجد و آفرین اخوان و انصار توجہ و التفات تماشائیہنمان بجاے رساندہ کہ بادشاہان شہر را جز نقل وطن چارہ نماندہ۔ مرتبہ قسنا سیہا مے دلی لعمن از تعین زر ماہانہ دانگاہ چنین مسرتانہ کہ مولوی مؤیدالدین خان صاحب باہم تقریب وجلالت وکفالت عہدۂ عدالت مستحق چہار صدر روپیہ نیابند و فلاقی این مقدار زر مزد ابلہ فریبہا دریابند' روے بر تافت' گرامرا می الدولہ کہ بر پیشگاہ ریاست وکالت جناب وزارت مآب حوالی باینا الاست' نکتہ اعنت 'حکم اجرا صدور نیافت۔ بزعم بندہ مدتے بنا بر تا مصداق "باندھے گاؤں بستے نہیں" بظہور آید۔ حیرانم کہ حضرت مدد خصوص ترا یاد دادن نگارشی نامہ و گنارش چگانہ بحضور مختار الملک ۔۔ چرا روے بمولوی مؤیدالدین خان صاحب نمیآرند کہ مولوی صاحب قطع نظر از پاس ہموطنی محامد جناب بچگان ترجمانی و تپاک دروفی برزبان میدارند" ص ۹۰

(۱۱) "۔۔ عنایت نامہ مع ہر دو غزل اصلاحی میرسد و قبول التماس دلی میدہد کہ ہیچگیب (کذا) از جرأت و جسارت نرو تگندا شتم و ہم شہر روان مجموعۂ کلام سابق روان داشتم۔۔ متعاون ہر حک واقعہ شرح اسباب را خواستگارم و پسند این کہ از نظر اشرف گذشتہ تقریظ چند سطری را امیدوارم" ص ۹۳

عبارات ذیل کا غالب سے تعلق ہے:

(١) "فقراتیکہ وقت برداشتن نقل دستنبو در سرآغاز نوشتہ شد:
.. در جنب آن (دستنبو) نسخۂ سحر سامری بکاغذ ترتیباً نا ست۔ ہانا نامہ گرد
آورد فرو ہیدہ کسے است کہ این گونہ کرشمات برانگیختۂ طبع وقادش بسیاست
غلط نمیکنم و غلط نیست ظہوری و نظیری از پیش بینی نصیبے بردہ اند کہ پیش از زمانہ
این دیر آمدہ زراہ دور آمدہ اند۔ اگر بتقاضائے تضا رفتہ باشند در
آرزو پیش رو بتقاضا رفتہ باشند" ص ۱۲۹

(٢) "فقراتیکہ وقت برداشتن سواد .. مہر نیمروز در سرآغاز نگارش
یافت": "فرازہا از شیوۂ استاد معنوی .. ہر چند .. نسخۂ آن من است
سود در آن دیدم کہ سوادش بردارم تا از سر ہیچ حرفے سرسری نگذرم." ص ۱۳۰

(٣) "فقراتیکہ بر انتخاب اردو اشعار استاد نگاشتہ شدہ": "شعرے
چند از دیوان استاد .. بر چیدہ و آنرا در خلوت بزم راز جا دادہ و در جلوت حکیم
آموز کار خود نہیدہ۔ ہانا کہ این انتخاب دلیل پسندیدگی ادا کے باشد." ص ۱۳۱

(٤) "فقراتیکہ بہ دیوان اشعار اردو جناب غالب نگاشتہ شدہ": "مفروغ
گردیدن تشنہ بار کتابہا بفرود آمدن کما ہو وزن گرانی مرا بخفقان تذبذب حیدا نخست
.. در جنب این گزین منتشر طغیان مجموعہائے دیگر بہر طاق نسیا نسست و فارغ از
کشاکش خواہی دیوان .. تا نسخ گیر خواہی دیوان ۔ آتش .." ص ۱۳۲

(٥) "ہدایت نامہ یاران وطن": .. دست فرسود معلمان شہر شما
منشآت .. ظہوریست و .. طغرا .. من بقبول این باستانی پلاسہا۔ تن درندادم
.. تا آنکہ روزگار را بر سیہ بختیم دل بسوخت و اشتعال این سوختہ چراغے
برافروخت، بفروغ این چراغ سوے نہانخانۂ راہ بردم کہ تا عشق ہمگی
سحر بیر عطر زبود و دیباے متکلم .. مراد .. از دلفریبہاے شیوۂ نثر پارسی نژاد دہلی
زاد جناب .. غالب باشد .. در گزارش این شیوہ اہرمن کنشے وسوسہ نام بجارہ
برخاست و .. گفت راہ و رسم زبان تازی چہ داند غالب ہندوستانیست۔ گفتم
امیر خسرو نیز کہ سعدی بود و میر ہند نا صفہانیست۔ گفت پیشینیان تیز قدم و

بسینیان گستردم پاسے آنان بدیدہ بہ دپے ایشان ندیدہ بہ۔ گفتم اگر سخن چنین است گرویدگان معراج محمدی رادست بچوب دار عیسٰی بستن است .. ایدون من وایان من، مصنفات استاد را پیش چشم میگذارم و چشم را از داد بید پارینہ تفو یہانگاہ میدارم۔ بچون دریں طرف ایام بگوشم رسیدہ کہ سخنہاسے بیج آہنگ بان طرف ہم رسیدہ بجان بخرید ..'' ص۳۳

(۶) خط بنام ''نجف علی خان مرشد آبادی (کذا)'' : ''.. دانع ہذیان .. بذریعہ التفات مولوی شہید .. عاریتہً بدست .. افتاد و یاد از سلامت طبع و صحت باست ملازمان در داد مولوی معنوی قبل ازیں در خصوص ایں بزرگوار (صاحب محرق قاطع برہان) میفرماید:

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد ... میلش اندر طعنۂ پاکان برد

.. اگر بندہ آں مایہ دل و جگر تلاشتہ باشم کہ پاسبر جادۂ رفاقت اخوان و انصار شاہ مردان سخن بگزارم ایں قدر کور و کرہم نیستم کہ در معرکۂ مخالفان حملہاے دلیرانہ .. آں طائفہ از دور برشمارم .. امید وارم کہ لعطاسے نسخۂ کامیاب گردم'' ص۶۱

(۷) بنام منشی نول کشور : '' ہر چند دل نہ بہ زمانے چند دیوان غالب را بر سر میگذارم و دست بدعاسے .. منشی نول کشور برمیآرم کہ بارے نسخۂ ہمی ایں خود مند .. ہیچ شگرف دفترے .. روے الطباع دید و بشہرہاسے دور و نزد رسید'' ص۸۳

(۸) بنام شیفتہ : '' ماست میگویم و یزداں نہ پسندد چیزرا سنا حرف ناراست سرودن دوش اہرمن است۔ تماشیٔ مدت بیست و چہار سال است کہ بتماشاسے گلشن بیخار چشم را آبے دادہ ام .. و از آں باز کہ در دیوان .. استاد .. ایں مقطع : '' غالب بعض کفتگو ناز و بدیں ارزش کہ او ننوشت در دیوان غزل تا مصطفٰی خان خوش نکرد '' از نظر گذشتہ ارادت خاص ہم

رسانده ام - دل میخواست بذریعۂ عرضنامہ برخاطر شریف گذشتن تا آں کہ تقریب استخبار حضرت غالب موروث آں شد ملازمان را گردسر گردم .“ ص۵۲

(۹) ”تاریخ رحلت حضرت غالب“ (حاشیہ ”در ۱۲۸۳ھ خبر رحلت کہ دراصل غلط بود، شہرت یافتہ .. والگاہ ایں قطعۂ تاریخ نوشتہ شدہ بود“) :

گذشت از جہاں آں جہان سخن | کہ ہمگیتمش عرفی و طالب است
خرد گفت سالش ریاض جناں | کراں تا کراں مسکن غالب است

خاشی و خماشی کے آخر میں اضافہ :

خاشی و خماشی کے صفورہ ۱ میں غالب کی تقریظ ہے جو اردوے معلیٰ حصۂ ۲ یا عود ہندی میں ہے - اس کا عنوان حسب ذیل ہے :

”سواد عبارتیکہ والاجناب مستطاب نواب اسداللہ خاں غالب دہلوی درسال ہزار و دو صد و ہشتاد و یک بر پشت مجموعۂ نظم و نثر کہ بغرض اصلاح خدمت والاے شاں فرستادہ شدہ بود، بقلم خویش رقم فرمودہ اند و پایان آں مہر خود زدہ اند“ مہر : ”غالب ۱۲۷۸ھ“

” معاصر“ حصہ ۱۶

(۱) چراغ دہلی ہفتہ وار اخبار تھا جس کا زمانۂ اجرا فروری ۱۸۶۲ء تھا، اس کے مہتمم "سردار نین سنگھ تھے اور وہلی پریس جس میں چھپا کرتا تھا، مالک بھی یہی تھے۔ ۶ر اکتوبر کے شمارے میں قاطع القاطع کا "اشتہار" بدیں طور شائع ہوا تھا۔

" ایک کتاب۔۔ قاطع القاطع من تصنیف مولوی امین الدین بجواب قاطع برہان مصنفۂ مرزا۔ غالب کہ جناب ممدوح نے بر۔۔ برہان قاطع تحریر فرماکر مردہ صد سالہ کو بدشنادگی یاد فرمایا تھا۔ مولوی صاحب نے جملہ اقوال مرزا صاحب کو تردید کرکے اور سند۔۔ کلمات اساتذۂ قدیم سے بہم پہنچاکر اقوال برہان کو بخوبی تمام پایۂ ثبوت پہنچایا (کذا)۔۔ قیمت۔۔ دو روپیہ فی جلد۔" ماخوذ از تاریخ صحافت اردو جلد ۲ حصہ ۱ از جناب امداد صابری۔

(۲) افسوں۔ کلیات شاہ فرزند علی صوفی منیری کے خطی نسخے میں راحت روح بھی شامل ہے جو چھپ چکی ہے لیکن جس کا مطبوعہ نسخہ اس وقت پیش نظر نہیں۔ راحت روح کے حاشیے میں ایک جگہ مرقوم ہے۔۔

" میر افسوں صاحب فرح (کذا) آبادی المشتہر مستان شاہ (از فرح تا شاہ کٹا ہوا) شاگرد غالب رحمۃ اللہ علیہ، شعر

اشک اُلٹے جو بہے دل کو ڈبا کر چھوڑا
آہ کے تیر جو پلٹے تو جگر پر بیٹھے!"

راحت روح میں ایک جگہ یہ عبارت مع غزل ہے۔ میں صرف ایک شعر اس غزل کا درج کرتا ہوں:

"ایک فرد میر افسوں صاحب کہ آخر عمر میں مجذوب ہوگئے تھے، اللہ کی یاد میں تا تیں اڑا رہے تھے، اپنی دھن میں غزل گا رہے تھے۔"

ہم تو ایسے ہیں جو جان کے کرتے ہیں گناہ
تجھ غصہ بھی نہیں آتا ہے ایسا تو ہے

(۳) میرزا اکبر بیگ غالب کی حقیقی بہن کے شوہر اور خواجہ حاجی کے سالے تھے۔ غالب کی تحریروں میں ایک خط کے سوا جس کے مکتوب الیہ ظلیاں ہیں اور جس میں یہ امید ظاہر کی گئی ہے کہ رقعۂ شادی میرزا اکبر بیگ کے نام بھی بھیجا جائیگا (مآثر غالب ص ۱۲۲) ان کا ذکر نہیں ملتا۔ غالب کلکتے میں تھے تو یہ بھی وہاں تھے، وہاں ان کا قیام کب سے کب تک رہا نہیں کہا جا سکتا۔ ان کا سال وفات بھی معلوم نہیں لیکن قرینہ ہے کہ جوانی ہی میں فوت ہوگئے ہونگے۔

(۴) الٰہی بخش خاں معروف پسر عارف جان کا جو زمانۂ ولادت دیوان مطبوعہ کے مقدمے میں ہے وہ ناقابل قبول ہے۔ قرینہ یہ ہے کہ ۱۱۷۵ھ کے لگ بھگ ان کی ولادت ہوئی ہوگی عارف جان کے بڑے بھائی قاسم جان خطاب یافتہ جاگیردار تھے۔ لیکن عارف جان کو بطور خود چنداں اہمیت حاصل نہ تھی آزاد اور غالب کی تحریروں سے یہ بھی مترشح ہے کہ معروف اپنے بھائی احمد بخش خاں (یہ بڑے تھے، چھوٹے نہ تھے) کے دست نگر تھے۔ میری رائے ہے کہ آب حیات میں معروف کی نیکی کے جو قصے ہیں" وہ زیادہ تر مصنوعی ہیں۔ آج تک یہ پتا نہ تھا کہ ان کی شادی کہاں ہوئی تھی۔ یہ بات ان لوگوں کو بھی معلوم نہیں جنھوں نے ان کے حالات سے متعلق تحقیقات کی ہے۔ امراؤ بیگم، زوجۂ غالب، بنیادی بیگم (مادر عارف) اور علی بخش خاں بیاہتا بیبی سے تھے، لیکن ان کی ایک حرم بھی تھی جو صاحب اولاد تھی" آب حیات میں ہے کہ " زمانے کی درازی نے، شاعروں کی نظر سے ان کا کلام گزرتا تھا" ابتدا میں نصیر کے شاگرد رہے اور غمگین وغیرہ استادوں سے بھی مشورہ رہا۔ ذوق انھیں کہ بیس برس کے تھے کہ معروف سے تعلقات کی ابتدا ہوئی۔ مروجہ دیوان معروف معروف تمام و کمال ان کا اصلاحی ہے۔ معروف ضعف پیری کے سبب خود کاوش کرکے مضمون کو لفظوں میں بٹھا نہ سکتے تھے، مگر شعر کے حقائق و دقائق کو بہت اچھی طرح سمجھتے تھی، ذوق کہا کرتے تھے کہ ان کی غزل بنانے میں ہم آپ بن گئے، تسبیح زمرد (۱۰۱ مطلع) بھی

ذوق نے بڑھا دی تھی"۔ آزاد کہنا یہ چاہتے ہیں کہ مروجہ دیوان
معروف سراسر ذوق کا کہا ہوا ہے، مگر اس کی ہمت نہیں ہوتی
اس سلسلے میں کئی باتیں قابلِ لحاظ ہیں: معروف کے دو دیوان ہیں
(پہلا چھپ چکا ہے دوسرا غیر مطبوعہ ہے) ذوق صراحتہً یہ نہیں کہتے
کہ ہر دو دواوین مروجہ ذوق کے اصلاحی ہیں، اور صرف ایک دیوان
مراد ہے تو یہ نہیں بتاتے کہ کون سا۔ (۲) وہ کلام جو ذوق کے
تعلقات کے آغاز سے قبل کا ہے اور تذکروں میں ملتا ہے، وہ ظاہر ہے
کہ نہ ذوق کا ہو سکتا ہے اور نہ اس پر (بشرطیکہ دیوان میں
جس طرح ہے، تذکروں میں اس سے مختلف طور پر ہو) ان کی اصلاح
ہو سکتی ہے (۳) آغازِ تعلقات (بقول آزاد) جس وقت ہوا ہے
معروف ۵۰ برس کے بھی نہ تھے، ضعفِ پیری چہ معنی دارد؟
شاعروں نے بڑی بڑی عمریں پائی ہیں، کسی کے بارے میں یہ نہیں
سنا گیا کہ مضمون تو سوجھتا ہے، ضعفِ پیری کی وجہ سے موزوں
کرنے کی صلاحیت باقی نہیں رہی ہے، وہ بات جو ہمت کی کمی کی
وجہ سے آزاد نہیں کہہ سکتے، یہ ہے کہ معروف ہمیشہ دوسروں
سے کہوا لیا کرتے تھے، اساتذہ کی کثرت کی طرف بھی اسی لئے
اشارہ ہے (۴) غالب کی ایک تحریر میں ہے کہ ان کے والد
ضیاء الدین احمد خان نیر نے آزاد سے اس کی تردید کی تھی
کہ معروف ذوق کے شاگرد تھے اور آزاد نے وعدہ کیا تھا کہ
آبحیات کی آیندہ اشاعت میں عبارات متعلقہ میں ترمیم کردیں گے۔
مگر نہ صرف یہ کہ آزاد نے ایسا نہیں کیا، اپنے مرتبہ دیوان
ذوق میں یہ بھی کہا کہ میرے پاس اپنے دعوے کا ثبوت موجود
ہے۔ چونکہ وہ ثبوت آج تک سامنے نہیں آیا یہ نہیں کہا
جا سکتا کہ اس کی نوعیت کیا ہے۔ آزاد کے بیانات کی
نسبت میں جن نتائج پر پہنچا ہوں ان کا ذکر بعد کو کروں گا
اس سے قبل معروف و رنگین کے تعلقات کا حال لکھنا چاہتا
ہوں۔ پہلے دونوں کے تعلقات بہت اچھے تھے چنانچہ رنگین
کے ایک قطعے (۲۵ اشعار) سے اس کا بخوبی ثبوت
ملتا ہے۔ اس کے بعض اشعار یہ ہیں:-

کہا اک مہرباں نے مجھ سے آکر
کہ تو الور کو جاتا ہے سنا ہے
برس دو بعد تو آیا ہے گھر میں
مہینا بھر ہی دلی میں رہا ہے
کہا میں نے الٰہی بخش خاں واں
شفیق و اشفق اک بھائی مرا ہے
غش اس پر میں ہوں وہ مجھ پر ہے فریفتا
یہ میرا اور اس کا ماجرا ہے

اس قطعے میں یہ بھی ہے کہ ان کا ظاہر و باطن ایک ہے
اور ایسے لوگ کمیاب ہیں، تعلقات خراب ہوئے
تو سچے رنگین کے نام سے [illegible]، نے ۱۰۱ رباعیاں معروف
کی ہجو میں لکھیں، جن میں سے چند یہ ہیں:-

یا رب ملے رنگین کو تو نیکی کی جزا!
معروف کو ہوئے اس کے فعلوں کی سزا!
جس نے یہ بنا فساد کی پہلے رکھی!
امید ہے کہ چکھے وہ اس کا مزا!

معروف اگر میرے مقابل اڑتا!
تو نے یوں سلسلے میں بھی کچھ کچھ گھڑتا!
دو کش میرے کا ہو سکے وہ رنگین کیا دخل!
پردے میں وہ تابی کرے ہے مجھ سے لڑتا

معروف کا پاجامہ جو ہے سوسی کا
اور کرتا بھی ہے پارچہ طوسی کا
مطلب ہے کہ یہ رنگین کے تا دیکھ لباس
خلقت کو ارادہ ہو قدمبوسی کا!

معروف تو ہے شعر و سخن کا محتاج!
پر ہجو کو خلق کی وہ موجود ہے آج!
اس کی وہ مثل ہوئی بقول رنگین!
چھلنی نہ سما دے بل میں اور باندھے چھاج

معروف کو خیرن نے جو بھیجا کاغذ
رنگین یہ کہا اس نے کہ دے جا کاغذ
انعام جو اس نے اس سے مانگا تو وہیں
خط پھینک کے یوں کہا کہ لے جا کاغذ

معروف کی شکل کو کیا ہم نے جو غور!
ہر ایک غزل کا اس کی ہے طرز کچھ اور
رنگین اس کا سبب یہ معلوم ہوا
لوگوں سے کہا لیتا ہے اس کا ہے یہ طور

معروف کے پاس ہے یہ سیم اور نہ زر
اوقات بسر کرتا ہے وہ اپنی بشر!!

رنگیں ہے ان دنوں یہ صورت اس کی
کانا ٹھوڑا ہے اور بد صورت ہے نفرا!

دلی میں سلامت تھی طوائف مشہور
معروف تھا اس پہ جان اور دل سے چور
یہ تو مرتا تھا اس پہ لیکن رنگیں
وہ کہتی تھی اس کو چل پرے چل دور ہو دور

معروف ہوا ہے خشک جوں سوکھی مشک
اور بہتے مدام اس کی ہیں آنکھ سے اشک
رنگیں خفقان نہیں ہے مطلق اس کو
یہ احمد بخش خان کی دولت کا ہے رشک

رنگیں غصہ ترا کم از برق نہیں
وہ کون ہے اس بحر میں جو غرق نہیں
معروف ہے شاگرد ترا اس کو نہ چھیڑ
شاگردوں میں اور بیٹے میں کچھ فرق نہیں

ان رباعیوں کے مطالب کا خلاصہ یہ ہے (۱) پہل معروف کی طرف سے ہوئی (۲) معروف نائی کے پردے میں لڑتے ہیں (اس کا مطلب واضح نہیں) (۳) معروف خود شعر نہیں کہتے دوسروں سے کہواتے ہیں (۴) معروف کو رنگیں سے تلمذ تھا (۵) معروف مفلس تھے اور اس حد تک کہ معشوقہ کو تیں صد کو انعام تک نہیں دے سکتے تھے (۶) انھیں احمد بخش خان کی دولت کا بہت رشک تھا (۷) ان کا تصوف سے لگاؤ ظاہرداری پر مبنی تھا، (۸) معروف اس حد تک رنگیں مزاج تھے کہ ایک یا زیادہ طوائفوں پر بھی مائل تھے یہ یاد رہے کہ ہجو ہو یا مدح، مبالغہ بہت ہوا کرتا تھا۔

معروف کی شاعری کے متعلق میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں: یہ تو نصیر کے شاگرد ضرور تھے، رنگیں سے ممکن ہے کسی زمانے میں محض دوستانہ مشورہ رہا ہو۔ رنگیں نے مجالس رنگیں میں جہاں اپنے تلامذہ کا ذکر کیا ہے ان کا نام نہیں لکھا۔ غمگیں خود رنگیں کے شاگرد تھے، معروف رنگیں کے دوستانہ تعلقات معروف کی ایک مثنوی سے ثابت ہیں جو دیوان مطبوعہ میں شامل ہے لیکن اس سے تلمذ ثابت نہیں ہوتا۔ آزاد کا قول اگر بالکل بے بنیاد نہیں، تو معروف نے انھیں بھی کبھی کبھی دوستانہ طور پر اپنا کلام دکھایا ہوگا، میرے خیال میں ذوق کی حیثیت بھی استاد کی نہ رہی ہوگی، ان سے مشورہ کیا ہوگا۔ تاریخ جدولیہ میں جو آب حیات سے زمانا مقدم ہے، مرقوم ہے کہ کچھ مشورت ذوق سے بھی کی تھی، معروف کے دونوں دیوان میں سے صرف ایک دراصل ذوق کا ہے' یہ ہرگز قابل قبول نہیں اور نہ یہ بات ماننے کی ہے کہ وہ شعر کہہ ہی نہیں سکتے تھے۔ ہاں یہ بخوبی ممکن ہے کہ انھیں آخر آخر تک اپنے پر اعتماد نہ ہو، اور مشتہر کرنے سے قبل کسی کو دکھا لینا پسند کرتے ہوں۔

یہ کسی طرح متحقق نہیں کہ غالب جب مستقل طور پر دلی میں اقامت گزیں ہوئے ہیں تو وہ معروف کے یہاں رہتے تھے، غالب نے ملکہ ایک جگہ یہ لکھا ہے کہ دولی پھپھی کے سر تھی۔ معروف نے غالب کی دو غزلوں کو      کیا ہے اور دونوں دیوان مطبوعۂ معروف میں شامل ہیں، ایک غزل کی ردیف "ہوتی تک ہے" اور دوسرے کی "کردن یا نہ کردن" اس میں اسد تخلص آیا ہے اور یہ غالب کے کسی قلمی یا مطبوعہ دیوان میں جو ان کے زمانے کا ہے درج نہیں۔ میں نے معیار کے شمارۂ اول (مارچ ۱۹۳۶ء) میں اسے دیوان معروف سے لے کر شائع کیا تھا۔ غالب کے یہاں معروف کا ذکر ہر جگہ آیا ہے... دو خطوں میں غالب نے ان کا ایک ایک مصرع نقل کیا ہے (خطوط غالب ص۱۸۱ و ص۳۵۱) اور ایک میں لکھا ہے کہ معروف نے ایک نئی زمین "شراب تو دی، داد تو دی" نکالی ہے، میں نے حسب الحکم غزل کہی (خطوط غالب ص۲۳)، اسی زمین میں معروف و ذوق کی غزلیں موجود ہیں، ایک خط میں علائی سے درخواست ہے کہ "وہ بالاخانہ مع دالان زیریں جو الہی بخش خان مرحوم کا مسکن تھا" کچھ دنوں کے لئے اپنے والد سے مجھ کو دلا دو۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ الہی بخش خان کا کوئی ذاتی مکان نہ تھا۔ یادگار غالب میں منظوم شجرے کی نقل کے متعلق جو حکایت ہے وہ میرے نزدیک مصنوعی ہے۔ حالی کے پاس اس کی کوئی سند نہیں، اور واقعہ صد درجہ خلاف قیاس ہے۔

**("اشارہ" پٹنہ، جولائی ۱۹۶۳ء)**

(۱) مرآۃ خیالی کے مصنف درگا پرشاد نادر کا قول ہے
"۱۸۷۷ء میں جو گلشنِ ناز (کتاب کے ایک حصے کا نام) چھپا تھا تو اس میں صرف ۵۳ ہی شعرا درج ہوئے تھے، پھر ۱۸۷۸ء کو چمن انداز (کتاب کے دوسرے حصے کا نام) کے ہمراہ اس کا ایک چھوٹا سا تکملہ شائع ہوا جس میں ۸ کا کلام اور لکھا گیا۔ اب ۱۸۸۳ء میں جو یہ تذکرہ چھپتا ہے (مشتمل بر ہر دو حصہ) تو اس تکملے کی بھی تکمیل ہوتی ہے" ص۲۳ ضمیمہ چمن انداز کا ص۱۶۳ اس پر مشعر ہے کہ مرآت خیالی = ۱۲۹۲ تاریخی نام ہے اور اشاعت زیرِ بحث کا سالِ طبع ۱۸۸۴ء ہے۔ نادر نے ص۵۴ میں غالب کا شعر "کی مرے قتل ... پشیماں ہونا" نقل کر کے لکھا ہے:
"حضرت کے نام نامی سے یاد آ گیا کہ ان کی تاریخِ وفات کسی شاعر نے "برگل غالب" و "برگل غالب" نہایت عمدہ تجویز کی ہے، ہیچمدان نے بھی دو بیتیں عرض کی ہیں ... :

اسد اسد خاں بہادر ما　　چوں اجل پیشِ حق تعالیٰ برد
گفت نادر خود از سرِ افسوس　　غالبِ بے مثال آہ برد = ۱۸۶۹

ص۹۳ میں ماہ لقا[1] (چندا) کی طرف یہ قطعہ منسوب کیا گیا ہے جو غوث علی شاہ کے ملفوظات میں (ص) غالب کا زادۂ طبع بتایا ہے، حال آنکہ کلیاتِ نظم فارسی، سبد چیں اور باغ دو در میں موجود نہیں، اور کہیں اور بھی ان کے نام سے درج نہیں:

بروزِ حشر الٰہی چو نامۂ عملم　　کشند باز کہ آں روز باز خواہ ہست
بکن مقابلہ آں را بسرنوشتِ ازل　　کمی و بیشی اگر باشد آں گناہِ منست

زہرہ[2]، خواہرِ مشتری کے حال میں لکھا ہے: یہ رنڈیاں نہایت منہ زور مشہور ہیں ... اچھے اچھے استادوں پر طعن کرتی ہیں ... ایک جگہ[ط] ان کا اشرف الاخبار دہلی مطبوعہ ۱۰ر جولائی ۱۸۶۷ء میں یہ ہے:
"آغا علی شمس جو منطق میں آج کل اپنے سے بہتر کسی کو نہیں جانتے اور ادب و ریاضی و نجوم میں کسی کو نہیں مانتے۔ زہرہ و مشتری ... کو ... موسیقی و عروض و قافیہ تعلیم کیا ہے اور ان کو

---

[1] میں اس وقت یہ کہنے سے قاصر ہوں کہ یہ قطعہ ماہ لقا کا ہے یا نہیں۔

[2] بعض اصحاب نے لکھا ہے کہ مشتری X یا ہر دو خواہر) نے قاطع برہان سے متعلق معارضے میں غالب کے خلاف شرکت کی تھی، میرا خیال ہے کہ اس کی بنیاد یہی تذکرہ ہے اور اس سے ہرگز یہ بات ثابت نہیں ہوتی۔

خدمت ... اساتذہ میں گستاخ کر دیا ہے، چنانچہ آپ نے اودھ اخبار نمبر ۲۶ میں ان کی غزلیں اور باتیں استادی (کذا) ... حبیب الدین ... سوزاں کے جواب میں دیکھیں اور زیادت غزل آغا صاحب کی بھی جو جواب استاد استاد مرزا ... غالب میں لکھی گئی ہے، کی ہو گی، اور یقین ہے کہ طبع حق پسند پر حقیقت ان کی شرافت و اہلیت اور علم و فضل اور سخن فہمی کی کھل گئی ہو گی۔ ... میری خاطر سے ... ان غزلوں کو ... طبع فرما دیجیے تو سخنورانِ حق پسند کو سخندانیٔ آغا معلوم ہو ... حضرت کو زہرہ و مشتری کی تقریر اور آغا ... کی تحریر سنائی اور دکھائی تھی۔ انھوں نے ہنس کر یہ قطعہ انوری کا پڑھا اور یہ بات فرمائی: "بھائی کیا کروں، مجھ کو فلکِ بے مہر اور کواکبِ سپہر سے جھگڑنا نہیں ہے، مجھ سے ان کا کیا کہنا ...

نے مراہست از کواکب فیض　　نے مراہست از فلک بہرہ

(اس کا دوسرا[3] شعر فحش ہے اس واسطے درج کتاب نہیں ہوا) الراقم نور محمد خاں عطارد" ص۹۷ و ص۹۹۔ ص۱۲۱ میں ترجمہ مشتری ہے اس میں ان دونوں بہنوں کے متعلق مرقوم ہے:
دریں ولا ایک خط ان کی طرف سے بہ اسم ... صاحب لطائف غیبی جو مشتہر ہوا تھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید اب کچھ یہ کج رفتار بھی راہِ راست پر آ گئی ہیں جو ایسی ملائم باتیں بنا دی ہیں"

(۲) محمود بیگ متخلص بہ راحت کا "خمسۂ تاریخ" (۶ بند) قاطع القاطع مصنفہ امین الدین امین کے آخر میں ہے، ایک بند کی بیتِ اول، ایک کے دو مصرعے اور ایک مکمل بند درجِ ذیل ہے:

"غالب کہ داشت غلبہ بہ ہندوستاں زمیں
در نظم و نثر از سخنِ لہجہ آفریں"[4]

---

[3] یہ قطعہ میں نے کہیں اور دیکھا ہے اور مصرع چہارم میں جو فحش ہے لفظ مریخ آیا ہے اور زہرہ قافیہ ہے۔ غالباً کلیات انوری طبع ہند میں نہیں، بہر حال یہ بات تحقیق طلب ہے کہ انوری کا ہے یا کسی دوسرے شاعر کا۔

[4] غالب نے قاطع برہان کی اشاعت دوم کے نئے دیباچے میں لکھا ہے کہ قاطع برہان کی مخالفت میں جو کتابیں چھپی ہیں ان میں "بیمرا اشعار عزیزاں یکجا نگر ستیم سعی دگراں لختی مشکور ماند" یہ غلط گوئی ہے قاطع القاطع اس کے سوا کوئی اور نظم (تاریخی) نہیں اور محرق

"ہرچند خود ستائی خود کرد آشکار"
"می کرد پیش زمرۂ بلہا صد افتخار"

مومن نماند تا کہ شتابد بہ نیک دید صہبائی ہم برد کہ آید برد و کد
میدان صاف صید فگن پنجۂ اسد (آ) ندیدہ بود طرازندۂ حسد
شمشیر آبدار زبانِ امین دین

(۳) قاطع القاطع مصنفہ امین الدین امین صفحہ ۱۲۹ میں ہے:
"روزی میرزا صاحب بہ تقریب شادی فرزند... دیوان نہالچند ستمۂ در بزم رقص و سرود... بودند و ہ... چوالا سہاہے کہ درآں زماں سررشتہ دار (کذا) کچہری دیوانی... دہلی بود ہمکلامی می نمودند۔ شدہ شدہ لفظ مِنار بر زبانِ میرزا آمد لیکن بکسرِ میم... سررشتہ دار موصوف کہ تکرارِ آں لفظ نمود مینار بہ زیادتِ یا فرمود، میرزا... جوشیدند و بخروشیدند کہ مینار بہ زیادتِ یای تحتانی غلط ست، مِنار بے یا... است۔ مگر میم را باز بکسر خواندند۔ سررشتہ دار کہ... نشۂ شراب رسا داشت... باز مینار... بر زبان آورد۔ میرزای مالعرہ زد و آواز بلند برد کہ... مینار گویید، مِنار بے یاست۔ دیدم کہ کسرۂ میم باز خواستہ دانستم کہ معلم خود از تحقیقِ ایں لفظ ناآشناست۔ ناچار... خطاب بہ سررشتہ دار کردہ... گفتم کہ... میرزا صاحب می فرمایند مینار بیای تحتانی غلط ست، مَنار بفتح میم بے یا... باید گفت بعد میم نباید آورد و فتح میم را نیز نباید نہفت۔ میرزا صاحب شنیدند و... بعد قدری تامل ارشاد شد کہ آری صیغۂ ظرف ست از نور، ہر آئینہ بفتح میم خواہد بود۔"

(۴) ملا فیروز کے متعلق فرزانگان زردشتی مصنفہ رشید شہرداں صفحہ ۵۳ میں ہے کہ ملا فیروز کے اجداد (نیاگانش) "حدود سال ۱۰۳۷ یزدگردی" میں وارد ہند ہوئے۔ ملا ۱۱۲۷ یزدگردی میں پیدا ہوئے اور ۱۰ سال کی عمر میں اپنے والد ملا کاؤس کے ساتھ ایران گئے، جہاں تین سال "علوم مذہبی و زند و پہلوی و اوستا و فارسی" کی تحصیل موبدان موبد دستور مرزبان سے کی اور خرم شاہ میں بسال ۱۱۴۱ یزدگردی "مراتب موبدی کی تکمیل کی۔ تین سال صفاہان میں رہ کر وہاں کے علمائے نجوم، منطق، فلسفہ اور صرف و نحو کا درس لیا۔ ساڑھے تین برس شیراز میں مقیم رہے اور اس کے بعد بغداد میں تین سال عربی و ترکی سیکھی اور ان دونوں میں مہارت پیدا کی۔ خود ملا نے "جارجنامہ" میں قیامِ ایران کی نسبت لکھا ہے:

بہ ایران بر فتم ز ہندوستاں ز پرخار جنگل سوی بوستاں
دو شش سال بودم دراں سرزمیں کہ یاد ابر آں بوم و بر آفریں

ملا ۱۱۴۹ یزدگردی میں سورت آئے اور وہاں سے جلد ہی بمبئی چلے گئے اور وہاں اقامت گزیں ہوئے۔ یہ متعدد کتابوں کے مصنف ہیں جن میں سب سے ضخیم جارجنامہ (مثنوی فارسی) ہے۔ ملا بتاریخ ۸ر اکتوبر ۱۸۳۰ء = ۱۲۰۰ یزدگردی راہیِ عدم ہوئے۔ ان کا کتب خانہ کاما اورینٹل انسٹی ٹیوٹ میں آگیا ہے۔

اب جو ان کی شہرت ہے وہ بڑی حد تک دساتیر کے مرتب، ناشر اور مترجم کی حیثیت سے ہے۔ غالب نے دساتیر کا جو نسخہ دیکھا تھا وہ یقین ہے کہ یہی ہو۔ اس کے ساتھ جو فرہنگ ہے، اس کی نقل غالب نے علائی سے مانگی تھی۔ غرض یہ کہ بعض لغات کے "اعراب" یاد نہ رہے تھے۔ فرہنگ میں دیکھا جائے کہ کس طرح ہیں۔ غالب نے تیغ تیز صفحہ ۲۳ میں صراحتاً فرہنگ ملا فیروز کا ذکر کیا ہے، اور پرندہ کی نسبت اس کے حوالے سے جو کچھ لکھا ہے وہ واقعی اس میں ہے۔ قاطع برہان کی بحث آروند میں غالب کا بیان ہے: "آروند بضم الف خلاصہ و زبدہ و بسیط را گویند کہ مقابل مرکب ست، و ساسان پنجم مترجم دساتیر آروند را ہمیں چیزی آوردہ است کہ ہیچ چیز از خارج داخلِ آں نتواند شد۔" فرہنگ مذکور میں اس کے معنی "عین و زبدہ و خلاصۂ ہر چیز" دیے ہیں، اور ۱ و ۲ کے علاوہ غالب نے جو کچھ کہا ہے وہ اس میں نہیں۔ ترجمۂ دساتیر میں کس طرح آیا ہے، اس کے لیے "غالب بحیثیت محقق" (نقدِ غالب) دیکھا جائے۔

(۵) آغا محمد حسین ناخدای شیرازی۔ غالب اردوئے معلّٰی کے ایک خط میں علائی کو لکھتے ہیں:

"آغا محمد حسین... شیرازی بسواری ریل مانند دوست دلخواہ کہ ناگاہ آوے فقیر کے تکیے میں تشریف لائے۔ شب کو... ڈپٹی ولایت حسین خاں کے مکان میں آرام فرمایا، اب وہاں آتے ہیں... مختصر معتقد آغا صاحب کو دیکھ کر یوں سمجھا (کذا) کہ میرا بوڑھا چچا غالب جوان ہو کر بیٹھے (ظاہرا پھول والوں کی سیر) کی سیر کو حاضر ہوا ہے، پس... مرزا باقر علی خاں... و مرزا حسین علی خاں... آغا صاحب کا قدم بوس بجا لائیں اور ان کی خدمت گزاری کو اپنی سعادت اور میری خوشنودی سمجھیں۔"

کلیاتِ نثر میں ان کے نام کا ایک خط بھی ہے (یہ پنج آہنگ اشاعت ۱ و ۲ میں نہیں) جو ان کے خط کے جواب میں ہے، اس کے اقتباسات یہ ہیں:

نخلبندِ حدیقۂ تحقیق آبیارِ گل و نہالِ و گیاہ
نخلبند سفینۂ معنی آں محمد حسین والا جاہ...

---

برہان و قاطع دساطع برہان کا بھی یہی حال ہے۔ موید برہان میں البتہ قطعات تاریخ وغیرہ بکثرت ہیں مگر انھیں بھی "بہیر" نہیں کہہ سکتے۔

یادآوری را قدردانی آن گاه پنداشته باشم که برخود گمان کمالی داشته باشم ... نگارش خواجه دربارۂ نکوی قاطع برہان نامۂ نگارمایۂ شگفتم افگند چه این سواد نامقبول طبائع دانشمندانِ ہند افتاده است، و دعوی مرا مسلم نمیدارند و گفتار مرا نمی پسندند ... جامع برہان قاطع را که یکی از عوام دکن ست بہہ دانی نام گرفت (فاضل سعادت علی) و غالب را که جز زبان دانی فرزانگان پارسی گناہی ندارد ... بیاد دشنام گرفتند ... چون رسم نامہ نگاری از ہر دو سوی بمیان آمد دگر این سلسلہ از ہم نگسلد"

(۶) میر کرامت علی صفا کے متعلق غالب نے اردوئے معلیٰ کے ایک خط مورخہ ۳ جنوری ۱۸۵۹ء میں لکھا ہے:

کل میر کرامت علی صفا ... کہ پہلے آگے ان کو کبھی نہیں دیکھا تھا آکر بیٹھے اور تمہارا حال پوچھتے رہے ... میں نے ان سے کہا کہ کیں وہ تمھارے آشنا ہیں، انھوں نے کہا کہ ... میں ان کا شاگرد ہوں ... انبالہ ان کا وطن ہے اور نوکر (کسی مدرسے میں) بھی اسی ضلع میں ہیں"

مولوی کرامت علی کے نام کا ایک طویل خط اردوئے معلیٰ میں ہے، جس میں ان کی استدعا پر اپنے بہت سے فارسی اشعار کا مطلب بیان کیا ہے۔ اس کا آغاز یوں ہے "فقیر اسد اللہ جناب مخدومی مولوی کرامت علی صاحب کی خدمت میں عرض کرتا ہے، کہ آپ کی تحریر دیکھنے سے یاد آیا کہ آپ میرے ہاں آئے ہیں اور میں نے آپ کی ملاقات سے حظ اٹھایا ہے" ظاہرا یہ وہی کرامت علی ہیں جن کا ذکر مکتوب بنام تفتہ میں ہے۔

(۷) قاضی محمد صادق خان اختر ہگلی میں ۱۲۰۱ھ میں متولد ہوئے اور ان کی عمر کا ایک معتد بہ حصہ لکھنؤ میں گزرا۔ انھیں قتیل سے تلمذ تھا اور ان کی وفات لکھنؤ میں بعد شورش شدہ ہوئی۔ (حالات کے لیے رجوع بہ حواشی تذکرۂ ابن طوفان) اس کا کوئی ثبوت موجود نہیں کہ غالب سے ملاقات ہوئی یا مراسلت رہی۔ پنج آہنگ کے ایک خط بنام سراج الدین احمد میں جس پر تاریخ نہیں لیکن جو اس کتاب کی اشاعت ۱ میں شامل ہے، عبارات ذیل ملتے ہیں:

سلک مشکبار بدان رفتہ کہ نتیجۂ از گفتار نا روای خود برنگارم و لختی از ماجرای خود برگزارم ... مرا این پایہ کجا باشد کہ ستودگانِ مرا ستایند و گفتار مرا در تذکرۂ شعرا دہند ... دلیا ترتیب ... بہ ... یاران فرستادہ ام ... سواد ہر غزلی کہ خواہند ازان اوراق بردارند ... انتخاب ... حوالہ برای نامہ گرد و آورد است نہ باشارہ وایمای سخنور، خامہ جای کہ نامہ گرد آورد چشم و چراغ دیدۂ سخن باشد و مہر و ماہ آسمان ہنر، یعنی صاحبدل دیدہ ور حضرت قاضی محمد صادق خان اختر آنکہ فرود آمدنِ سخن از آسمان بذوق پیوند اندیشۂ والای اوست، و سجدہ ریز خرامیدنِ خامہ در نگارش بسپاس آشنائی بنان گوہر آرای او ... نازم بنازش گفتاری کہ از بہر گرد دامنش برچینید اما اگر گزارش حال سخنور ہوس است این مایہ بس است (اس کے بعد حالات)"

اختر کا تذکرہ آفتاب عالمتاب تیرہویں صدی کے ساتویں عشرے میں مکمل ہوا، اور روز روشن وغیرہ کے مؤلفین نے اس سے استفادہ کیا ہے۔ زمانۂ حال کے بعض اشخاص نے اس کے مطالعے کا دعویٰ کیا ہے، لیکن نہ میری نظر سے گزرا ہے اور نہ مجھے علم ہے کہ اس کا کوئی نسخہ اگر باقی ہے تو کہاں ہے[1]۔ اس میں غالب کا ترجمہ اور اشعار ہوں گے۔ فارسی خط کے بہت بعد غالب نے عود ہندی کے ایک خط بنام شاہ صاحب عالم میں لکھا تھا "قاضی محمد صادق اختر عالم ہوں گے، شاعری سے ان کو کیا علاقہ" یہ بات ظاہرا مکتوب الیہ کو ناگوار گزری۔ غالب عبدالغفور سرور کے ایک خط میں فرماتے ہیں:

"میرا قیاس اس کا مقتضی ہے کہ ... حضرت صاحب عالم مجھ سے آزردہ ہیں اور وجہ اس کی یہ ہے کہ میں نے ممتاز و اختر کی شاعری کو ناقص کہا تھا (اس کے بعد ایران کی مختلف طرزوں کا ذکر کیا ہے) ... خالصاً سید ممتاز، اختر وغیرہم کا کلام ان تین طرزوں میں سے کس طرز پر ہے بے شبہ فرماؤ گے کہ یہ طرز اور ہی ہے، پس تو ہم نے جانا کہ یہ طرز چوتھی ہے ... خوب طرز ہے ... مگر فارسی نہیں ہے ہندی ہے، دار الضرب شاہی کا سکہ نہیں ہے، ٹکسال باہر ہے"

(۸) ترکمان۔ غالب نے قاطع برہان (بحث تو زا) میں لکھا ہے: "مغول چنگیزیہ از آن جا کہ نژادۂ ہمان مرز و بوم و با ترکان ہموطن و ہمسخن و ہمشکل بودند و لقب این جماعہ دران کشور از بہر جداشناس تولیت ترکمان بود یعنی مانا بترک، ہمین زبان داشتند" اس سے قبل اسی بحث میں سلاجقہ کا ذکر ہے، جن سے غالب اپنا سلسلۂ نسب ملاتے ہیں۔ غالب کا مدعا یہ ہے کہ سلاجقہ اور مغول چنگیزیہ "باوجود ہم وطنی و ہم سخنی و ہم شکلی مختلف ہیں اور دونوں میں امتیاز کے لیے مؤخر الذکر کو ترکمان یعنی مانا بترک کہا کرتے تھے۔ (۱) ترکمان میں 'مان' ہرگز فارسی نہیں اور اس کی کوئی وجہ نہیں کہ ترک (تمیز) کے لیے ایک ایسا نام رکھتے جس میں ایک فارسی لفظ تھا۔ یہ لفظ در اصل ترکمن ہے اور فارسی میں ترکمن کی شکل میں آتا ہے۔ (۲) یہ لفظ مغول

---

[1] کسی صاحب کو اس کا علم ہو کہ آفتاب عالمتاب کا نسخہ کہاں ہے تو مجھے مطلع فرمائیں۔

چنگیز سے پہلے اسلامی دنیا میں نزول سے بہت قبل مسلمانوں میں مستعمل تھا، اور تاریخ گردیزی و تاریخ بیہقی میں خود ملاحظہ کے لیے آیا ہے۔ (۳) جہاں تک میرا علم ہے مغول جنگیز یہ کو کسی نے ترکمان نہیں کہا۔ ایبک[۲] کی طرح اس لفظ کی حقیقت بھی غالب کو معلوم نہ تھی۔

(۹) دبستان مذاہب۔ سراج الدین احمد نے غالب سے یہ چاہا تھا کہ وہ "ستر گان پارس" کی "رسم و راہ" کا کچھ حال بتائیں اور کسی ایسی کتاب کا نام لکھیں کہ جس سے ان کے قدیم مذہب اور زبان کی کچھ کیفیت معلوم ہو سکے۔ غالب نے اسی خط میں جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے، یہ تحریر کیا کہ یہ خواہش پوری نہیں ہو سکتی "نگارندۂ دبستان مذاہب با ایں ہمہ لاف آشنا روی آنچہ می گوید نہ ہمہ است و نہ ہمہ برجائی خود است" لیکن قاطع برہان میں وہ یشت کے متعلق رقم طراز ہیں کہ صاحب دبستانِ مذاہب نے اسے "ی" سے نہیں بلکہ فارسی سے لکھا تھا۔ "ی" سے لکھنا کاتبوں کی غلطی ہے۔ اس سلسلے میں اس کے متعلق ان کے قلم سے نکلا تھا "حاشا کہ رقم سنج دبستان مذاہب، کہ گران مایہ ایست لغوامض دین زردشتیان و دقائق نطق پارسیان دانا (کذا) دریں منطق خطا کند"۔ غالب کا یہ قول بھی ہے کہ بقول عبدالصمد صاحب دبستانِ مذاہب ان زردشتیوں میں تھا جنھوں نے استیلائے عرب کے بعد ظاہراً اسلام قبول کر لیا تھا لیکن باطن میں آبائی مذہب پر قائم رہے تھے، اور جنھوں نے اپنے مذہب اور زردشت سے متعلق بہت سی جعل سازیاں کی تھیں، دبستان مذاہب عہد شاہجہاں میں لکھی گئی تھی اور اس کے مصنف نے نہ اپنا نام بتایا ہے اور نہ یہ اطلاع دی ہے کہ خود اس کا کیا مذہب تھا۔ وہ اپنی کتاب میں پرانی جعلسازیوں سے کام لے سکتا تھا، مگر خود اسے جہاں تک ان امور کا تعلق ہے جن کا غالب نے قاطع برہان میں صراحتاً ذکر کیا ہے، جعل ساز نہیں کہا جا سکتا۔ غالب کی نظم میں بعض دساتیری الفاظ (فرتاب) اس زمانے میں بھی آئے تھے جب وہ دساتیر سے واقف تھے تو محض پرانے نام اور یہ کتاب ان کی نظر سے نہیں گذری تھی۔ قیاس چاہتا ہے کہ یہ لفظ انھوں نے دبستانِ مذاہب سے لیا ہو۔ زردشتی مذہب سے متعلق ان کے معلومات بھی بہت بڑی حد تک اسی کتاب سے ماخوذ تھے، لیکن انھوں نے قاطع برہان میں ان کا ذکر لازماً اس طرح نہیں کیا، جس طور پر اس کتاب میں ہے مثلاً اس میں ایک کتاب صددر کی بحث ہے جو ۱۰۰ فصول پر مشتمل ہے اور ہر فصل کو "دَر" کہا ہے۔ غالب نے یہ لکھ دیا کہ مجموع "زند (کذا) بست و یک نسک دارد و صد در" نسک واقعی ۲۱ ہیں۔ لیکن زند یا اوستا کا دَر سے کوئی سروکار نہیں۔ اس معاملے میں بڑا اختلاف ہے کہ دبستانِ مذاہب کا مصنف کون ہے۔ مدتوں سے میری رائے تھی کہ یہ کیخسرو ابن آذر کیوان کی زائیدۂ طبع ہے — "فرزانگانِ زردشتی" کے مصنف نے بھی یہی خیال ظاہر کیا ہے۔ اس صورت میں اسے زردشتی بھی نہیں کہا جا سکتا۔ وہ اپنے باپ کے مذہب پر تھا جس میں آباد سب سے بڑا نبی ہے، اور زردشت نبی ہونے کے باوجود صاحبِ شریعت نہیں اور آباد کی شریعت کا پیرو تھا۔ زردشتی مذہب کو آباد سے کچھ سروکار نہیں اور اس میں زردشت برگزیدہ ترین بشر ہے[۱]

(۱۰) خوبشتاب۔ قاطع برہان میں ہے کہ خویشتاب (یہی صحیح، گو قاطع اشاعت ۲ میں خوشتاب) آذر کیوان کے ایک شاگرد کی کتاب ہے "بزبان پارسی متعارف ... عبارتی متین فاضلانہ دارد مشتمل بر نخاتِ مشکلۂ عربیہ در شرح عقائد پارسایانِ پارس ... سراسر و برگزیدہ لشوامض نیست و ہمت است، نہ راہ نماشدہ بقواعد نطق و تقریر پارسیان"۔ یہ رسالہ موبد ہوشیار کا ہے جس کے متعلق دبستانِ مذاہب میں ہے: یہ ہندوستان کو مولد ہے۔ سورت میں متولد ہوا تھا اور اس کا سلسلۂ نسب رستم ابن زال تک پہنچتا ہے۔ آذر کیوان اور اس کے تلامذہ "ہنرنگ" کی خدمت میں رہا۔ بڑا دلیر، کار آزمودہ اور صاحبُ الرائے تھا۔ آگرہ میں بسال ۱۰۵۰ھ راہی عدم ہوا۔ موبد ہوشیار کا قول ہے کہ خویشتاب رسالۂ پہلوی موسوم بہ پیشتاب کا ترجمہ ہے اور ترجمہ کیخسرو خلف آذر کیوان کے حکم سے ہوا۔ اس میں الٰہیات کے مسائل ہیں۔ یہ کتاب چھپ چکی ہے اور کاما انسٹی ٹیوٹ میں اس کا قلمی نسخہ بھی موجود ہے۔ پہلوی رسالہ فرضی ہے، کوئی قدیم کتاب اس نام کی نہ تھی اس وقت میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس کا سال طبع کیا ہے اور یہ بتانے سے بھی قاصر ہوں کہ غالب کی نظر سے کون سا نسخہ گذرا تھا۔

**"تحریک" دہلی۔ دسمبر ۱۹۶۴ء**

[۱] اس میں ذرا شبہے کی گنجائش نہیں کہ اس کے مصنف کا تخلص موبد تھا دیوان موبد حال میں نظر سے گذرا اس کا مفصل حال ایک مستقل مقالے میں لکھا جائے گا۔ غالب نے دبستان سے فرتاب کے علاوہ اور بھی لغت لیے ہوں گے اس کی بحث ان کی زبان اور اسلوبِ بیان میں آئے گی اور قاطع برہان (زیرطبع) کے حواشی میں دکھایا جائے گا کہ کن امور میں غالب نے دبستان سے اختلاف کیا ہے۔

[۲] زمانۂ حال کے کسی فرہنگ نگار کا کسی سند کے بغیر یہ کہنا کہ ایبک چغتائیوں کے کسی قبیلے کا نام ہے، کچھ وزن نہیں رکھتا۔ مزید یہ کہ غالب چغتائی ہونے سے منکر ہیں اور اپنے کو ایبک کہتے ہیں۔ رہی یہ بات کہ ایبک کو معنی ماہ بھی وہ سمجھتے تھے یا نہیں اس سے مجھے بحث نہیں۔ [۳] صحیح یشت ہی ہے اور یقین کامل ہے کہ صاحب دبستانِ مذاہب نے یہی لکھا ہوگا۔ اس کی بحث ہرمزد نامہ عبدالصمد پر راقم کے مضمون میں ملے گی۔

(۱) باغِ دو در، غالب کی نظم و نثر فارسی کا مجموعہ جس کی نثر کلیاتِ نثر فارسی اور نظم کلیاتِ نظم فارسی (ہر دو نولکشوری) سے خارج ہے۔ مگر اس کی نظم کا بہت بڑا حصہ "سبد چین" میں موجود ہے۔ اس کا واحد قلمی نسخہ جناب سید وزیر الحسن عابدی کی ملک ہے اور میں نے مدت ہوئی اُسے سرسری طور پر دیکھا تھا۔ مطبوعہ نسخہ انہیں کا مرتّبہ ہے اور اُس کے پیش نظر نسخہ نظم و نثر غالب از ص ۲ تا ص ۱۹۷ سے معلوم ہوتا ہے کہ مرتّب نے اس کے لیے تعارف، حواشی تنقیحی اور تعلیقاتِ تحقیقی لکھے تھے اور فہرستیں تیار کی تھیں۔ نسخہ پیش نظر میں تعارف اور تعلیقاتِ تحقیقی مطلق نہیں، فہرستیں ہیں اور مختصر حواشی جن میں صرف اس سے بحث ہے کہ مرتب نے متن میں کیا تبدیلی کی ہے۔ خاتمہ نوشتۂ کاتب اس پر مُقِر ہے کہ کاتب عنایت علی نے یہ نسخہ ہیرا سنگھ کی فرمائش سے ۱۸۷۰ء میں لکھا تھا۔ کاتب نے کتاب کا نام سبد چین بتایا ہے۔ غالب کا دیباچہ مندرجہ ذیل سے شروع ہوتا ہے:

دو در دارد ایں بیت آراستہ — در و بند از ہر دو برخاستہ

اس کے بعد سبد چیں کا ذکر ہے اور آخر میں یہ عبارت ہے:۔

"تا گہر یاران نثری چند آوردند آں را نیز دریں مجموعہ گنجاندیم و باغ دو در نامیدیم۔ از آنجا کہ سبد باغ دو در یکہزار و دو صد و ہشتاد و سہ عدد دارد، و از روی حُسن اتفاق با آغاز نگارش ایں صحیفہ مطابق اُفتاد، ایں نام لطفی دیگر دارد۔"

مرتب نے سرورق میں سال گرد آوری ۱۲۸۳ھ بتایا ہے مگر خود غالب اسے سال آغاز کہتے ہیں۔ اس مجموعہ میں ایک قطعہ ہے جس کے دو ابیات آخر یہ ہیں:

در غرۂ شعبان چو زمن بادہ گرفتند — خود غالب پژمردہ نشانی ز چنیں بود
روشش ید سرا ز مہ شعبان کہ دریں جا — مقصود من از تخرجہ البتہ ہمیں بود

"غالب پژمردہ" = ۱۲۹۱ سے بتخرجہ ۶ مادۂ تاریخ نکالا ہے۔ باغ دو در ص ۳۱

نظم کا بہت بڑا حصہ سبد چیں میں ہے اور اس کا حال بحث سبد چیں سے معلوم ہوگا۔ اس جگہ اس کے متعلق صرف دو باتیں لکھوں گا۔

(۱) صفحہ ۲۸ میں ایک قطعہ کے ۳ مصرعے ہیں۔ چوتھے کی نسبت مرتب نے اطلاع دی ہے کہ "از نظر احساسات مذہبی زندہ بود"۔ چوتھا مصرع میں نے اپنی یاد سے لکھا ہے:

تا بود چار عید در عالم — بر تو یا رب خجستہ باد و ہجیر
عید شوال و عید ذی الحجہ — عید قتل عمر و عید غدیر

صفحہ ۶۲ میں یہ مصرع ہے "نہیب فتنہ بہ آں چوب شسشگری مانَد" آں چوب کی جگہ "آں جوب" چاہیے جو دو سو حمزہ میں ہے۔
مندرجات حصۂ نثر: (۱ و ۲) دیباچہ اول و ثانی قاطع برہان، پہلا اشاعت ا و ۲ دونوں میں موجود مگر صرف اشاعت ۲ میں ہے (۳) تقریظ قاطع برہان (مراد از خاتمہ) صرف اشاعت ۱ میں ہے۔ (۴ و ۵) دیباچہ و تقریظ مثنوی ابر گہر بار نو لکشوری کلیات میں نہیں، مثنوی الگ سے بھی شائع ہوئی ہے۔ دونوں اسی سے ماخوذ ہیں۔ (۶) تقریظ سفر جنگ دساتیر از نجف علی (خاں) کتاب مطبوعہ میں ہے۔ (۷) تقریظ کتاب دری گشا از نجف علی خاں شل ۶۔ (۸) مکاتیب کل ۶۔ بنام جواہر سنگھ جوہر ۱۳، بنام رانی بچھل ۱، بنام فضل اللہ خاں دیوان راج الور ۱، بنام نبی بخش ۱، بنام علائی ۲، بنام جان جاکوب ۱، بنام شرف الدولہ مہر ولایت علی ۱، بنام رجب علی خاں ۲، بنام تفضل حسین خاں ۷، بنام تفتہ ۱۱، بنام جانی بانکے لال وکیل راج بھرت پور ۲، بنام میر احمد حسین میکش ۱۳، بنام شاہ صاحب ۱، بنام قطب الدولہ ۲، بنام "دوستے" ۱، بنام ہیرا سنگھ ۱،

(۲) گلستانِ سخن (تذکرۂ شعرائے فارسی و اردو، نام تاریخی)، کے مصنف بموجب سرورق مرزا قادر بخش صابر اور مصلح عبارات صہبائی ہیں۔ غالب نے اسے تذکرۂ صہبائی کہا ہے اور اس کا ایک نسخہ انہوں نے شفق کو تحفتہً بھیجا تھا۔ (عود ہندی، مرتبہ جناب فاضل (قاطع برہان) (اشاعت ۱ ص ۴۸) میں ہے کہ ایک معلم پیشہ شخص جس نے بےخبر لوگوں کو اپنی فارسی دانی سے متعلق فریب دے رکھا تھا اور خوشاب و زندہ رود کے نسخے حاصل کئے تھے۔ اپنی تصانیف" میں ان کا نام اس لئے لایا کرتا تھا کہ فارسی میں اپنا تبحر" ظاہر کرے۔ معلم کا ذکر صیغۂ ماضی میں ہے اور یہ باور کرنے کی نہایت قوی وجہ ہے کہ اس سے صہبائی مراد ہیں مگر ان کی کتابوں میں جو ان کے نام سے شائع ہوئی ہیں اور میری نظر سے گذری ہیں، ان کتابوں کا نام نہیں آیا۔ مقدمۂ گلستانِ سخن صفحہ ۴۴ میں البتہ ان سے بحث ہے اور قریب بہ یقین ہے کہ غالب کا اشارہ اسی کی طرف ہے۔ راقم کی رائے میں تذکرہ صہبائی کا لکھا ہوا ہے اور شعرا کے حالات و کلام کی فراہمی میں صابر ان کے شریک ہیں (رجوع بمقالۂ راقم متعلق گلستانِ سخن، دہلی کالج میگزین، دہلی کالج نمبر) زمانۂ آغاز و انجام بترتیب ۱۲۷۰ و ۱۲۷۱ھ (ص ۱۷ و ۸۵۴) طبع اول مطبع مرتضوی دہلی ۱۲۷۰ھ طبع ۲ مطبع نولکشور لکھنؤ ۱۲۹۵ھ (اسی کے صفحات کا حوالہ، مقالۂ مذکور میں اس کا ذکر نہیں) طبع ۳ پاکستان، مطبع ؟ سنہ؟ مقدمہ میں دہلی کے حسب ذیل شعرائے معاصر کا خاص طور پر نام آیا ہے: احسان، نصیر ممنون، ذوق، غالب، مومن، شیفتہ، تیر، سوز بسر صہبائی، آزردہ۔ مدح سرائی میں مبالغہ جو عہد صہبائی کا دستور تھا، اس تذکرے میں بھی پایا جاتا ہے۔ اس میں غالب کے .... فارسی اور ۳ اردو اشعار ہیں۔ ترجمۂ غالب:

غالب تخلص شیر نیستانِ سخنوری، ببر بیشۂ معنی پروری، یکہ تاز عرصۂ کمال، یگانہ کشورِ افضال، سیاحِ زمینِ سخن، دانائے نوادرِ فن، زبدۂ کملائے جہان مرزا اسد اللہ خاں معروف بہ میرزا نوشہ، سخن سنج بے مثل و نظیر، صاحب طرز دلپذیر اقلیم سخن میں لوائے جہانگیری بلند کیا ہے .... فضائل اگر اس ... کی ذات پر تکیہ نہ کرتے فضیلت نہ رکھتے اور کمالات اگر اس ... سے مدد نہ لیتے عالم کی تکمیل کا سبب نہ ہوتے ... ایوان سخن اس کی فکر کی معماری سے آسمان کے ساتھ ہم رفعت ... بزم میں رفتارِ قلم رقص ناہید کے برابر۔ بیان رزم میں صریر خامہ نعرۂ شیر سے ہمسر۔ فکر اگر حوصلۂ ہمت کے لائق جہد کرے، فضائے لامکاں مرحلۂ مقصود کے روبرو دیدۂ مور سے تنگ تر نظر آوے ... سخن کی فراوانی اور ہجوم معانی اور متانت تراکیب اور شاقت اسالیب اور شوخئ اشارات اور خستی عبارات، گاہ اجمال کی رعایت سے آفتاب کو لباس ذرہ میں جلوہ دینا اور گاہ تفصیل کے اقتضا سے تخم کو نہال کی صورت میں نشوونما بخشنا، جدائی کو فصل اور ملاقات کو وصل کے قبیل سے ٹھہرا کر سخن میں بلاغت کے ساتھ ادا اور حشو و زوائد سے بزم کلام میں شل صحبت زہاد اجتناب کرنا اور اسی طرح اور باتیں جو لوازم سخن ... سے ہیں، جیسی اس ... مشاہدہ ہوتی ہیں، کم کسی میں دیکھی گئیں۔ ... ہر چند اشعار ریختہ حد حصر سے باہر خارج ... تھے ... لیکن ... اختصار کو پسند کیا اور .... ایک
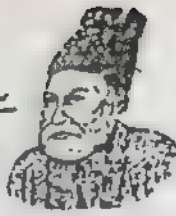
دیوان مختصر مرتب کیا اور مجموعۂ فارسی کا تو دیوان مختصر سے بھی زیادہ ... ابیات بلند صدا سے مملو ... ہے
تختی میں گاہ گاہ اسد تخلص بھی کیا ہے، لیکن غالب غالب، اور ہر طالب اسی نام سے ہندو
فارس میں اس کے نشان کا طالب ہے ..." اشعار اُردو ۳۲، اشعار فارسی ۳۹ ۔

(۳) شاہرخ پسر بہادر شاہ ظفر کو بادشاہ کے انتظامی امور میں خاصہ دخل تھا۔ غالب کی رُباعی جو دیوان کے ایک سے زائد مخطوطات اور باغِ دودر میں بھی دیوانِ مطبوعہ سے خارج ہے،

ای آنکہ بدہر نام تو شاہرُخ است ‌ ‌ ‌ پیوستہ تُرا بحضرت شاہ رُخ است
نازد بتو شہ کہ باشد اندر شطرنج ‌ ‌ ‌ اُمید ظفر قوی چو بادشاہ رُخ است

باغِ دودر کے ایک خط بنام جوہر نوشتہ ۲۷ اپریل ۱۸۴۷ء میں یہ عبارات ہیں:
"مُردنِ شاہزادہ شاہرُخ را بسبیل استبعاد و استعجاب نوشتن، یعنی چہ؟ مگر بدالست شما مرگ را بر خسروان و خسرو زادگان دست نیست۔ بلی، شاہرخ ہنگام باز گشتن از شکار چون نزدیک میرت (میرٹھ) رسید تجمہ رنجور شد، وہم دراں ناحیت مرد۔ جنازۂ اُو را بہ شہر (دہلی)، آوردند و در کلاری باغ پائین مزار مادرش بخاکش سپردند"
اسی مجموعہ میں ایک بنام مشرف الدولہ میر ولایت علی ہے:
"نفرین خدای بر من کہ زمینبوس شاہزادۂ ماہ لقاؤ آں ہم بمیانجگیری شما آرزو کردم۔ و ہر چند کہ ... فروغ گوہر ... من ... بدین فروگذاشت کہ از سوی پایہ ناشناسان بمیان آمد، از آنچہ بود نکاست۔ اما ادائی کہ نہ بہنجار باشد، چگونہ منش را سزاوار باشد؟ ... زین پیش دو بار بدان ہمایون نشیمن رسیدہ ام۔ در ہر دو بار زود خواندہ اند و دیر نشاندہ اند، حاشا کہ دریں بار روش شاہزادہ طبعی باشد۔ ہمانا پیش از آنکہ من آیم قرار چنان بود کہ یک پاس در پاسبانم نشانند، و تا شاہزادہ را بلہو نظارۂ صندوقچہ مشغول نکنند مرا پیشگاہ نخوانند و چون روبروی رسم حضرت صاحبعالم اساس دلنوازی ننہند و مرا بنشستن بدستوری ندہند"
اُمور ذیل موید ہیں کہ شاہزادے سے شاہرُخ مراد ہیں:
"شاہزادوں میں اُن کی اہمیت، خط میں اُن کی موت پر رسمی اظہارِ رنج بھی نہیں، حالانکہ یہ جوان اور سفر میں مرے تھے، اس کی وجہ کدورت ہی ہو سکتی ہے۔ رُباعی کا دیوانِ مطبوعہ سے اخراج، اس کا باعث بھی یہی ہے۔ بعد کو باغِ دودر میں شمول اس وقت ہوا جب واقعہ کو بہت زمانہ گزر چکا تھا اور احساس میں شدت نہ رہی تھی۔"
(۴) مشرف الدولہ میر ولایت علی کے نام کا ایک خط باغِ دودر میں ہے۔ غالب کی کسی اور تحریر میں اُن کا نام نہیں ملتا۔ خط کی ابتدا "نفرین خدای" سے ہوتی ہے جو عام روش کے خلاف ہے۔ خاتمہ یوں ہوتا ہے،
"تقریب دیگر است و تخریب دیگر۔ ما شما را مقرب میخواستیم نہ مخرب، ع "خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم"... ما فرمانروا پرستانیم، و نان از کف تیغ آزمای کشور گشایان ستانیم، ما را با زاویہ نشینان چہ خویشی، و با گستگان چہ پیوند؟ نہ انند کہ از ین بنشستن آن خواہم کہ بتلافی گرایند، بلکہ مقصود من ہمہ آنست کہ نہ انند غالب نمیداند والسلام"
زاویہ نشینی اور گسستگی" کا اطلاق مکتوب الیہ پر کس طرح ہو سکتا ہے، یہ نہیں کہا جا سکتا۔
(۵) شاہ سمن خاں سے متعلق عبارتِ ذیل باغِ دودر کے ایک خط بنام میکش نوشتہ ۲۱ جنوری ۱۸۴۹ء میں ہے:
"احوال شاہ سمن خاں پسر علی محمد خاں رسالہ دار کہ در لکھنؤ رسیدہ از منتسبان رضی الدولہ است دریافتہ رقم میتوان کرد"
(۶) گل شاہ ۔ باغِ دودر کے ایک خط بنام جوہر مکتوبہ اپریل ۱۸۴۷ء میں جو ظاہرا آگرہ گیا ہے، مرقوم ہے،
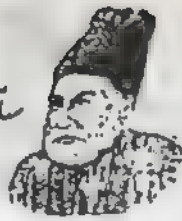
"خیر و سلامت حضرت مولوی گل شاہ صاحب سلمہ ... آشکار شد، حقا کہ بر من منت عظیم نہادہ وا ز دوست خبرم دادہ اید۔ از جانب من بسیار بپرسید و سلام رسانید و نیازمندیہای مرا عرضہ دارید"۔

غالب کی کسی اور تحریر میں ان کا نام نہیں آیا۔

(۷) **وارث علیخاں** باغ دودر کے خط بنام تفتہ نوشتہ نومبر ۱۸۵۰ء میں ہے:

"ایں روشن گہر گرامی دودمان حکیم وارث علیخاں کہ ذکروی ... بر زبان کلک ... شما رفت ... غالب ... را بمنزلہ حقیقی برادر است و ... از جان ... عزیز تر۔ از یک استاد فیض اندوختہ ایم و در یک دبستان دانش آموختہ اگر ہزار سال ... بہم نپیوندیم و بنامہ و پیام ہمدگر را یاد نکنیم، بیگانگی فراموش خواہد بود و دل از مہر یکجہان بکوشش۔ آرزو دارم کہ ایں نامہ را بوی نمایند و از من سلام گویند تا چہ فرمایند"۔

(۸) **مرصر** "از یں پیش ... طالع یار خاں نامہ نامی بمن دادہ و من ... پاسخ آں بنشتہ ... بداں ستودہ خوی سپردہ ام و ... خبر یافتہ ام کہ مرصر نامی از بہریدان ملازم سرکاری آں نامہ را برد"۔ (خط بنام تفضل حسین خاں، باغ دودر)

(۹) **شاہ صاحب** کے نام کا ایک خط نوشتہ ۹ ذی الحجہ ۱۲۶۴ھ باغ دودر میں ہے۔ اس میں ایک شعر کے بعد یہ عبارت ہے:

"بجناب شاہ صاحب قبلہ و کعبہ دو جہان رجوع آوردہ مستمندانہ ناصیہ بر زمین سایم"۔ مطالب ما بعد کا خلاصہ: حضرت چند ماہ قلعۂ دہلی میں رہے، لیکن محرومیٔ قسمت کہ "پابوس" کے لئے حاضر نہ ہو سکا، اس کا جتنا رنج ہو کم ہے، لیکن "عالم اعیان ثابتہ" میں آپ کی اور میری ہستی ایک ہی "اسم" کی مربوب تھی، لہٰذا صورت شناسی نہ ہونے پر بھی بیگانگی نہیں۔ میرا مجمل حال اس عرضداشت سے اور مفصل میر احمد حسین (میکش) سے معلوم ہوگا۔ اُمید ہے کہ مجھ پر کرم فرمائیں گے۔ میں عہد نصیر الدین حیدر سے سلطنت اودھ کے خوان عطا کا ذلہ خوار ہوں، قصیدہ بوساطت روشن الدولہ پیش ہوا اور ۵ ہزار روپے "مرحمت" ہوئے۔ عہد محمد علی شاہ میں متوسط نہ ملا۔ عہد امجد علی شاہ میں جو گذرا وہ میر احمد حسین بتائیں گے۔ آپ اجازت کا خط لکھیں تو میں مدح واجد علی شاہ کا قصیدہ اور ستائش قطب الدولہ کا قطعہ روانہ کروں۔ قصیدہ پہلے آپ دیکھیں، پھر قطب الدولہ اور بالآخر بادشاہ کی خدمت میں پیش ہو اور میری شاعری، شاگستری اور صلہ یابی کا حال اُن سے کہہ دیا جائے۔ صلہ زیادہ نہ سہی ۵ ہزار بھی ملا تو اس پر قناعت کر لوں گا۔ ایک خط بنام میکش میں ہے کہ "شاہ صاحب" کا جواب آتے ہی قصیدہ و قطعہ بھیجوں گا۔ کوشش کرو کہ وہ میری عرضداشت کا مضمون قطب الدولہ کو اچھی طرح سمجھا دیں۔ انہیں کے نام کے ایک دوسرے خط نوشتہ اواخر ۱۸۴۸ء میں ہے کہ "شاہ صاحب" کے فرمان کے مطابق خط اور قطعہ قطب الدولہ کو بھیجا۔ شاہ صاحب اُن سے جواب حاصل کر کے روانہ کریں کہ قصیدہ ارسال ہو۔ ان کے نام کے ایک اور خط نوشتہ محرم ۱۲۶۵ء میں یہ عبارت ہے:

"پدید آمد کہ شاہ جی (ظاہراً یہی شاہ صاحب) التفات کمتر کنند، باری از درویشاں دعا کافیست"۔

شاہ صاحب کا تعلق قطب الدولہ سے تھا۔ ان کا نام نامعلوم ہے اور جو کچھ اُوپر مرقوم ہے، اس کے علاوہ اُن کے بارے میں کہنا ممکن نہیں۔ یہ البتہ متیقن ہے کہ یہ شاہ سمن خاں نہیں ہیں۔

(۱۰) **میر امام الدین،** میکش کے خسر تھے۔ غالب سے اُن کی پہلی ملاقات کا ذکر خط ۱۳ بنام میکش میں ہے جو لکھنؤ گیا تھا: "آج سہ شنبہ تیسری دسمبر ہے۔ وہ لڑکا جو کبھی کبھی تمہارے ساتھ آیا کرتا تھا، آیا اور کہنے لگا کہ میرے والد آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ آئے تو پرسش پر نام میر امام الدین بتایا۔ آنے کی وجہ پوچھی تو بولے، میر احمد حسین کا حال دریافت کرنا چاہتا

ہوں۔ میں نے جو کچھ میرے علم میں تھا، کہا تو بولے کہ میں نے سُنا ہے کہ لکھنؤ میں ایک مالدار عورت سے نکاح کر لیا ہے جسے سرکار شاہی سے دو سو پچاس روپے ماہوار ملتے ہیں۔ میں نے اس "مردِ سادہ" کو فریب" دینے کے لیے کہا کہ اگر وہ لکھنؤ گئے ہوتے تو مجھے ضرور مطلع کرتے۔ لکھنؤ جا کر ایک "صیدِ فربہ" کو پھنسائیں اور مجھے اس سے آگاہ نہ کریں یہ ناممکن ہے۔ بے چارے "دو دل" ہو گئے اور یہ فیصلہ کر سکے کہ حقیقت کیا ہے۔"

خط ۹ بنام میکش نوشتہ جنوری ۱۸۴۹ء میں ہے:

"آنچہ در بارۂ میر امام الدین نوشتہ بودند مسلّم کہ چنیں باشد، اما بربِ کعبہ کہ دریں دو بار کہ نزد من آمدہ ہرگز شما را بہ زبان نگفتہ، ہمانا دانستہ شد کہ من بد شمائی تو ام شنود۔"

خط ۷ بنام میکش:

"امراؤ بیگم زوجۂ بادشاہ نے میر امام الدین کو برطرف کر دیا۔ بے چارہ کشاکشِ روزگار میں ہے اور بیٹی کی پرورش اُس پر دُشوار۔ (ہم سب خط باغِ دودر)

(۱۱) میر کرار حسین پدرِ میکش کا نام گلستانِ سخن کے ترجمۂ میکش میں آیا ہے اور اُن کے نام کے بعد "مرحوم" لکھا ہے۔ باغِ دودر کے خط بنام قطب الدولہ نوشتہ ۱ رجب ۱۲۶۵ھ میں ہے:

"میر کرار حسین سنمۂ از اعاظم سادات والا تبار و رُوشناس شاہ و شہریار و از جانب فرمان روایان انگلیسیہ مخاطب بہ اشرف الوکلا است، پسر (میکش) را بناز و نعمت پروردہ علم و ادب آموختہ۔"

(۱۲) اکرام الدین۔ خط ۱۳ بنام میکش، نوشتہ ۱ رجب ۱۲۶۵ھ میں ہے:

"مولوی اکرام الدین از جہاں رفتند و جہاں جہاں حسرت با خود بُردند ... ایں ... برای اطلاع محض است۔" (باغِ دودر)

(۱۳) ظفری بیگم دُخترِ میکش باغِ دودر کے خطوط ۷ و ۱۳ میں ہے:

"عرضی ظفری بیگم نگاشتۂ کلک میر مہدی ... در نوردِ ایں ورق میرسد" ازوی (میر امام الدین) پرسیدم کہ ظفری بیگم خوش است، گفت خوش است و ایستادن و بپای خود رہ رفتن میتواند و میگوید کہ پدرم راستگوی ہست و شما ہم دروغگوئی۔ مرا مہر بجنبد، یک توی انگور و چہار رنگترہ و یک انار ولایتی بداں کودک (پسر میر امام الدین) دادم و گفتم ایں بہ ظفری بیگم دہی ... با خود وعدہ دارم کہ اگر دستم رسد بجای صدی با دکتا ظفری بیگم و مادرش فرستم۔"

(۱۴) یحییٰ۔ باغِ دودر کے خط ۱۲ بنام میکش ۱۱ ربیع الثانی و ۷ مارچ میں جو لکھنؤ گیا تھا، یہ عبارت ہے:

"آنچہ از ... مہر ورزی مشفقی منشی محمد یحییٰ علی خاں نسبت بخویشتن رقم کردہ اند، محبت آں فرخندہ گہر در دلم جا کرد، آنکہ شما را چوں من عزیز دارد، من چوں عزیزش ندارم؟ شفقتی کہ بر شما میکنند، منتیست کہ بر من مینہند۔ ہم از نوشتۂ شما پدید آمد کہ یحییٰ تخلص میکنند و سخن میگویند۔ سلام من بایشاں و کلام ایشاں بمن باید رساند۔

ظاہرا غالب پہلے سے اُن سے واقف نہ تھے۔ اُن کی کسی اور تحریر میں یحییٰ کا ذکر نہیں آیا۔

(۱۵) فرنگی مل۔ باغِ دودر کے خط ۴ بنام جوہر میں ہے۔ (اُس وقت کا ہے جب مہر نیمروز زیرِ تحریر تھی)

"وای کہ فرنگی مل مرد۔ ہیں واسکتہا دیگر کہ گون قماشہا او میآورد و میفروخت۔"

(۱۶) مٹرو پسرش (ضمیر راجع بہ فرنگی مل) اگرچہ قدم بر قدم پدر بود اما آنہا کہ او میآورد، آوردن میتواند (خط ۴ بنام جوہر، باغِ دودر)

'شاعر' کے غالب نمبر میں اسی عنوان سے مطبوعہ مضمون کی

## ترمیم و تصحیح

۱۔ باغِ دودر کے متعلق 'جہانِ غالب' میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ اُس نسخے کے بارے میں ہے جو اگست ۱۹۶۰ء تا اگست ۱۹۶۱ء کے اورینٹل کالج میگزین میں باقساط شائع ہوا تھا۔ ابھی حال میں جناب سید وزیر الحسن مرتبِ باغِ دودر کی مہربانی سے اس کا وہ نسخہ ملا ہے جس کا زمانۂ اشاعت جولائی ۱۹۶۸ء ہے۔ مرتب نے اپنے قلم سے سرورق میں یہ عبارت تحریر کی ہے:

"کتاب کے تحقیق نامے کے تقریباً سو صفحے تکملے کے طور پر زیرِ طبع ہیں۔ متن کا ایک اور غلط نامہ اور تحقیق نامے کا غلط نامہ بھی اس تکملے میں شامل ہے۔"

تحقیقنامہ ص ۳ تا ۴۲۔ تلخیص مکاتیبِ باغِ دودر بزبانِ اردو مرتب کی طرف سے جو توضیحات ہیں وہ قلابین میں درج ہیں 'مثلاً غالب نے لکھا تھا: "راجہ جوالا پرشاد و اعتقاد الدولہ نوروز علی خان کار از سر گیرند"۔ مرتب کی عبارت میں "راجہ جوالا پرشاد اور [وقار] اعتقاد الدولہ نوروز علی خان" ہے۔ یہ توضیح بجائے خود توضیح طلب ہے۔ ممکن ہے کہ تکملے نے جو باتیں اس وقت غیر واضح ہیں واضح ہو جائیں اور جو امور بے سند درج ہیں، اُن کی سند بھی اس میں ہو۔ میں نے کئی ہفتے ہوئے دریافت کیا تھا کہ تکملہ شائع ہوا یا نہیں، جواب اب تک نہیں آیا۔

۲۔ عیدِ قتلِ عمر: جہانِ غالب ص ۲۷، سطر آخر "عیدِ قتلِ عمر و غدیر" غالب نے دراصل "عید بابا شجاع الخ" لکھا تھا۔ بات ایک ہی ہے۔

۳۔ جہانِ غالب ص ۲۸، سطر ۶ "رانی پیچل" کی جگہ "رانئے پیچل" چاہیے۔

۴۔ ایضاً ص ۲۹، سطر ۵ "باغ دودر میں بھی دیوان مطبوعہ سے خارج ہے۔ یہ عبارت یوں ہونی چاہیے: "باغِ دودر میں ہے اور دیوانِ غالب کے اُن نسخوں سے جو غالب کی زندگی میں طبع ہوئے تھے، خارج ہے۔"

۵۔ مرزا شاہرخ پسر بہادر شاہ۔ خط اسمی مشرف الدولہ میر ولایت علی (ص ۲۹، سطر ۱۲، غلطی سے ولایت علی چھپا ہے) میں جس شاہزادے سے ملاقاتوں کا ذکر ہے اُس کی نسبت میں نے ص ۲۹ میں لکھا تھا کہ بعض اُمور اس پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ شاہرخ ہے۔ مرتب کے خط کا زمانۂ تحریر ۱۸۲۷ء متعین کیا ہے اور شاہزادے کے متعلق اُن کا خیال ہے کہ یہ نصیر الدین حیدر ولیعہد اودھ ہے مگر اس پر انہیں یقین نہیں۔ میرے لئے یہ باور کرنا مشکل ہے کہ غالب لکھنؤ میں ۳ بار ولیعہد سے ملے اور اس کا کہیں ذکر نہیں۔ میں اپنی سابق رائے پر قائم ہوں مگر یہ ممکن ہے کہ شاہرخ نہیں کسی دوسرے دہلوی شاہزادے کی طرف اشارہ ہو۔ اگر ولیعہد اودھ کا معاملہ نہیں، تو ۱۸۲۷ء کی تعیین غلط ہے۔

۶۔ ص ۲۹، سطر ۲۶ "گستگاں"، صحیح "گسستگاں"، سطر ۲۸ "گستگی"، صحیح "گسستگی"۔

۷۔ گل شاہ۔ تحقیقنامہ میں اضافۂ علی بعد گل، مرتب نے یہ نہیں بتایا کہ یہ کون ہیں۔ اضافے کی کوئی معقول وجہ ہو تو اور بات ہے، ورنہ یہ قابلِ قبول نہیں۔

۸۔ حکیم وارث علی خاں۔ باغ دودر کے ایک خط اسمی میکش میں ہے: "مہر بیگم صاحبہ (تحقیقنامہ امراؤ بیگم، اس کی وجہ نہیں بتائی کہ کیوں) برحاشیۂ کاغذ ثبت کردہ منیر ستم، چنانکہ آئین است، مختار نامہ بنام نامی میر تفضل حسین صاحب بباید نبشت و زر از خزانہ ... باید گرفت، و بہ فیض علی ... باید سپرد۔" تحقیقنامے میں بلا سند درج ہے کہ فیض علی حکیم وارث علی خاں کے بیٹے تھے۔

۹۔ "شاہ صاحب" کو تحقیقنامہ میں بلا سبب قطب شاہ لکھا ہے۔

۱۰۔ ظفری بیگم مرتب کے نزدیک میکش کی بیوی ہے۔ اُمور

ذیل غور طلب ہیں:

(۱) "عرضی ظفری بیگم ... میرسد" کیا بیبی کے خط کو عرضی کہا جا سکتا ہے؟

(۲) "ظفری بیگم خوش است و الیسنادن و بپای خود رہ رفتن میتواند و میگوید کہ پدرم راشگوی ہست، و شما ہمہ دروغگوی. مرا مہر بکنید، یک قوتی انگور و چہار نگترہ و یک انار ولایتی بران کوذک دلیسر امام الدین خسر میکیش) دادم و گفتم کہ این بہ ظفری بیگم دہد ... یا خود وعدہ دارم کہ اگر دستم رسد بجای صد یا دکذا ظفری بیگم و مادرش فرستم"۔

"الیسنادن و بپای خود الیسنادن" کے متعلق مرتب کا قول ہے کہ ظفری بیگم کی بیماری سے صحت یابی کے بعد ہے۔ حالانکہ ایک بچی کا معاملہ ہے جس نے ابھی چلنا سیکھا ہے۔ "پدرم راشگوی ..." اس عبارت میں مرتب کے قول کے مطابق "پدرم" سے مراد امام الدین ہی ہو سکتے ہیں۔ اس صورت میں دروغ گو کون لوگ ہیں! بات یہ ہے کہ امام الدین کے گھر میں میکش کی برائی ہوا کرتی تھی جیسا کہ ان عبارات سے ظاہر ہے جو جہان غالب میں منقول ہیں، بچی باپ کی پاسداری کرتی تھی اور میکش کی برائی کرنے والوں کو جھوٹا کہتی تھی۔ "مہر بکنید" کیا یہ شاگرد کی بیبی کے حق میں کہا جا سکتا ہے؟ بیٹی اور بیبی کو روپے بھیجنے کا ارادہ، سمجھ میں آسکتا ہے۔ ساس کو میکش کا استاد کیوں روپے بھیجے؟

(شاعر، بمبئی ۱۹۶۹ء)

---

۱۔ قاطع برہان، سوالات عبدالکریم، لطائف غیبی، نامۂ غالب اور تیغ تیز ایک ساتھ بنام قاطع برہان و رسائل متعلقہ، طبع ہوئے ہیں، حوالہ اسی کے صفحات کا دیا گیا ہے۔ ۲۔ مجموعۂ دہلی سے مراد نشنل آرکائیوز دہلی کا ایک مجموعہ ہے جس میں غالب کے بہت سے غیر مطبوعہ خطوط ہیں۔ ۳۔ پنج آہنگ خطی سے کام لیا گیا ہے۔

۱۔ علوی تخلص عبداللہ خان۔ تصانیف:- ایک ناتمام مثنوی سات آٹھ جزکی بحر تحفۃ العاشقین میں۔ دو تین جز کی مثنوی بحر گل کشتی میں، انشائے صفیر بلبل اور صحتنامۂ علوی نثر میں فرخ آباد گئے، رئیس شمس آباد مرزا دولملک رفیق ہوئے اور وہیں مرے ۱۲۶۲ھ صہبائی کو ان سے تلمذ تھا۔ گلستانِ سخن میں جس سے یہ حالات ماخوذ ہیں، علوی کی ایک اردو غزل ہے، اور فارسی کلام غزل، قصیدہ، رباعی، مثنوی کئی صفحوں میں، شمع انجمن میں ہے کہ یہ باشندۂ مئو قائم گنج ضلع فرخ آباد تھے، مدت دراز تک مقیم دہلی رہے۔ ایک قطعے میں جو شامل غزل ہے، ان کا تخلص آیا ہے،

بند راغوش نفسانند سخن ور کہ بود — باد در خلوت شان مشک فشاں انجم شان

مومن و نیر و صہبائی و علوی دانگاہ — حسرتی اشرف و آزردہ بود اعظم شان

غالب خستہ جان اگرچہ نیفتد بشمار — ہست در بزم سخن ہمنفس و ہمدم شان

۲۔ قیصر تخلص مرزا خدا بخش بقول صاحب گلستانِ سخن نواسۂ شاہ عالم و خال قادر بخش صابر و شاگرد مومن۔ باغ دو در کے ۵ بیتی قطعے کے بیت ۳ و ۵۔

باستاد منشور معنی دو نیم — پرجشیہ اورنگ و افسر فرستم

ہمانا برآنم کہ اشعار خود را — بہ مرزا خدا بخش قیصر فرستم

۳۔ محو تخلص عبدالحلیم، رئیس میرٹھ، جن کے نام سے قبل عود ہندی طبع اول لفظ "منشی"، شاگرد غلام مولی، قلق۔ محو کا ایک قطعۂ تاریخ عود طبع ا کے ص آخر میں درج ہے۔ شعر بر ۱۲۸۵ جس میں یہ تخلص آیا ہے، ۲ قطعے اسی صفحہ کے حاشیے میں ہیں مگر بدون تخلص، قطعۂ محو کے عنوان میں 'قطعہ' ہے، قطعات نہیں، ان قطعوں کو محو کی طرف منسوب کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔

۴۔ عالی تخلص مرزا عالی بخت بن فیروز بخت بن شاہ عالم۔ شاگرد ثابت و احسان، ہمعصر صابر (گلستانِ سخن میں جس سے یہ ماخوذ، صرف اسعد اشعار) پنج آہنگ کے ایک خط بنام مجروح میں ہے۔ "مرزا عالی بخت عالی را ساز سخن بلند آہنگ شد۔" شریک مشاعرۂ شاہی ۲۵، فروری ۱۲۵۳ ہجری۔

۶۔ شہرت تخلص میرزا حاجی بن قیام الدین بن شاہ عالم۔ شاگرد احسان و ممنون و آزردہ (گلستان سخن میں جس سے یہ ماخوذ ہے صرف اُردو اشعار) شریک مشاعرۂ شاہی ۲۵، فروری ۱۲۵۳ھ "میرزا حاجی، شہرت کا پیش ہفتاد بیت در زمین طرح بر سامعۂ انجمن نشینان عرضہ داد" (خط بنام میر قرح، پنج آہنگ)

۹۔ محوی تخلص محمد بیگ ساکن ریواڑی وطن تصنیف گلستان سخن میں فرجوان متعلم " مدرسۂ شاہجہان آباد" شاگرد صہبائی صاحب تذکرہ کی رائے میں "نظم و نثر فارسی اور ریختہ" میں "دستگاہ" تمام، تھی۔ اس میں اشعار ہر دو زبان۔ شریک مشاعرۂ شاہی ۲۵، فروری ۱۲۵۳ھ "محوی نام امروی از می آشان خمکدۂ صہبائی نشید مستانہ زد" (ایضاً)

۷۔ سحابی "بندہ را در زمین گریستن، نگارش قصیدہ و اتفاق افتادہ بود۔ سحابی نیز نا خواندہ حاضر بود، و در زمین گریستن، غزلی انشا کردہ، چون قصیدۂ مرا شنود، خجل شد، و از گفتۂ خود سخنی نخواندہ۔ درگذشت۔۔ امروز۔۔ سحابی و نتاج باہم آمدند، آن را گر بہ در آستین، (مطلب ؟) واین راگلدستہ (مراد از مکتوب شیفتہ) در دست" (خط بنام شیفتہ پنج آہنگ) شیفتہ کے نام دوسرے خط میں ایک مشاعرے کا ذکر "صرف در ہروان در آن بود کہ مولانا سحابی قدس سرہ نفر مودند" (پنج آہنگ) ظاہر ہے کہ غالب سحابی سے ناخوش ہیں ان کا ذکر کہیں اور نہیں ملا۔

۸۔ راحت تخلص محمود بیگ بن احمد بیگ " رومی الاصل" شاگرد مومن، جس وقت گلستان سخن میں ان کا حال لکھا گیا تھا، یہ مدت سے پیشگری ترک کرکے گوشہ نشین تھے۔ اس تذکرے میں صرف اُردو اشعار۔ قاطع القاطع کے آخر میں راحت کا خمسۂ تاریخ ہے جس کا ایک بند یہ ہے۔

مومن نماند آنکہ تشابہ جنگ بد — صہبائی ہم بمرد کہ آید بردو کد

میدان صاف صید فگن پنجۂ اسد — اماندیدہ بود طرازندۂ حسد

شمشیر آبدار ربان امین دین = ۱۲۸۳ھ

امین دین و امین الدین صاحب قاطع القاطع "شمشیر الخ ہر بند کے آخر میں ہے۔ بعض مصرع "غالب کہ داشت غلبہ بہ ہندوستان زمین" "ہر چند خود ستائی خود کرد آشکار" "از رفعت سخن بفلک داشتی مقام"

۹۔ خفائی۔ جناب پرمقوی چند، مرقع غالب ص ۳۰ کے حاشیے میں غالب کے شعر ذیل کے متعلق لکھتے ہیں۔ "ظہوری اور خفائی فارسی کے بہت بڑے شاعر گزرے ہیں، ظہوری کے کلام کی عوام میں بہت شہرت تھی، خفائی اتنا مشہور نہیں تھا۔ لیکن خفائی کا کلام ظہوری کے کلام سے زیادہ بہتر تھا، اور خواص میں مقبول تھا، دونوں شاعروں کے ناموں سے بھی اس خصوصیت کا اظہار ہوتا ہے۔ غالب کا کمال کہ شاعروں کے ناموں سے بھی اپنا مفہوم ظاہر کر دیا ہے۔"

"ہوں ظہوری کے مقابل میں خفائی غالب — میرے دعوے پہ یہ حجت ہے کہ مشہور نہیں"

محشی نے اس شعر کا جو مطلب نکالا ہے وہ ہرگز غالب کے ذہن میں نہ تھا، خفائی تخلص کا کوئی شاعر میرے علم میں نہیں۔

۱۰۔ پرتوستان۔ غالب سلاطین مغلیہ کی تاریخ دو جلدوں میں لکھنی چاہتے تھے، حصہ اول بنام مہر نیمروز، پہلے الگ چھپا، بعد کو کلیات نثر میں شامل ہوا، حصہ دوم ماہ نیم ماہ وجود ہی میں نہ آیا، غالب نے ان دونوں کا مجموعی نام پرتوستان رکھا تھا، جو مہر نیمروز طبع اول کے ص ۱۹ میں ملتا ہے۔ مگر اس کتاب کے سرورق سے غیر حاضر ہے۔ غالب نے اس نام کی رعایت سے اس میں باب کی جگہ پرتو، استعمال کیا ہے۔ یہ ساسانی لفظ ہے جس سے مراد وہ خاص الفاظ جو عبارات دساتیر منسوب بہ ساسان پنجم میں آئے ہیں، فارسی زبان دساتیر کے وجود میں آنے سے قبل یا تو ان سے بالکل نا آشنا تھی، یا فارسی میں مختلف المعنیٰ تھے۔ دساتیر کے نامۂ جی افرام میں ہے "پرتوستان را پرتو دہش" ساسان پنجم کی جانب سے اس نام کی ایک کتاب کے مصنف ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہے ما۔۔ نامہ پیراستہ ایم پرتوستان نام" (نامۂ جمشید) فرہنگ

دساتیر میں ملا فیروز نے اس کے معنی "جائی بسیار شدہ روشنی" بتائے ہیں۔ برہان قاطع میں جو پہلی عام فرہنگ (اگر لغات دساتیر کی کوئی خاص فرہنگ، برہان قاطع سے قبل کی ہو، تو اس سے بحث نہیں) ہے جس میں دساتیری الفاظ آئے ہیں، پرتوستان نہیں۔ یقین ہے کہ غالب نے یہ لفظ دساتیر ہی سے لیا ہو۔

۱۱۔ اسلامک ریسرچ ایسوسی ایشن مسیلنی جلد ۱ طبع ۱۹۴۸ء مرتبۂ جناب اے اے اے فیضی معتمد اعزازی ریسرچ ایسوسی ایشن میں قاضی عبدالودود کا مقالہ بعنوان "بادِ مخالف کی اولین روایت" صفحہ ۲۸۲ تا صفحہ ۳۰۲ میں ہے۔ اس سے مراد اس مثنوی کی وہ روایت ہے جو حکیم حبیب الرحمن خان جہانگیر نگری مرحوم کے کتب خانے کے ایک مجموعے میں ہے، اور جس میں غالب کے وہ فارسی خطوط بھی ہیں، جو علی گڑھ میگزین کے غالب نمبر میں شائع ہوئے تھے۔ اس مقالے میں دکھایا گیا ہے کہ یہ مروجہ روایت سے کن امور میں مختلف ہے۔

۱۲۔ رودکی غالب کی مطبوعہ کتابوں میں زیادہ تر بکاف فارسی، لیکن چونکہ ان کے ہاتھ کی کسی تحریر میں یہ نہیں آیا، یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کاف فارسی کے ذمہ دار خود غالب ہیں) غالب نے نام ابوالحسن اور زمانہ مآۃ ثلثہ لکھا ہے (لطائف غیبی، لطیفہ ۱۱) صحیح رودک بکاف عربی، نام جعفر، کنیت ابو عبداللہ ہے، سال وفات ۳۲۹ھ، یہ سب سمعانی کی کتاب متعلق انساب میں ہے، جس کی طرف پہلے پہل قزوینی نے لوگوں کو متوجہ کیا تھا۔ غالب کلام رودکی کے بالاستیعاب مطالعے کے مدعی ہیں (عود ہندی، خط ۲) عود کے خط ۲۹ میں ہے "رودکی و فردوسی سے لے کر خاقانی و انوری وغیرہم تک ایک گروہ ان حضرات کا کلام تھوڑے تھوڑے تفاوت سے ایک وضع پر ہے"۔ یہ بالکل ناقابل قبول۔ رودکی کا دیوان جو بقولے ۱۳ لاکھ اشعار پر مشتمل تھا، سینکڑوں برس سے ناپید ہے۔ گذشتہ صدی میں جو مختصر سا دیوان رودکی ایران میں چھپا تھا، اس میں بہت زیادہ اشعار قطران تبریزی کے اور بہت کم رودکی کے تھے، (یہ بات مجمع الفصحا میں بھی ہے، مگر اس کے باوجود شبلی نے شعر العجم میں قطران کے بکثرت اشعار رودکی کی طرف منسوب کر دیئے) اس کا امکان بھی کہ تھوڑے اشعار کسی اور شاعر کے بھی اس نسخے میں شامل ہوں، اس کی مفصل بحث احوال و اشعار رودکی مصنفۂ سعید نفیسی میں ملے گی۔ اس قسم کا ایک دیوان رودکی ممکن ہے کہ غالب کے زمانے میں ہندوستان میں رہا ہو، لیکن غالب کے دعوے سے قطع نظر، اس کا ثبوت نہیں کہ ان کی نظر سے گزرا تھا۔ رودکی کا ایک شعر

"ہرگز نکند سوی من خستہ نگاہی　　　آرنگ نخواہد کہ شود شاد دل من"

قاطع برہان کی اشاعت ۲ میں (بحث آرنگ ص ۱۹) ہے اگر یہ محرق قاطع برہان سے نقل ہوا ہے، اور اس کتاب میں فرہنگ جہانگیری سے لیا گیا ہے۔ غالب لکھتے ہیں: "آرنگ بمعنی پنداری۔۔ چنانکہ حکیم (صاحب برہان قاطع) گمان بردہ است سند میخواہد (بعد کی عبارت اضافۂ اشاعت ۲) و این شعر۔۔ ہرگز را مفید سبب نمیتواند بود، زیرا کہ آرنگ بمعنی ہرگز وضع نہاد آمدہ نہ بمعنی پنداری۔۔ در اصل معنی غلط روا داشتن و کلام استاد را مستند علیہ پنداشتن نہ آیین دیدہ وری است"، یہ بالکل ظاہر ہے کہ یہ شعر اشاعت ۱ کے وجود میں آنے کے وقت غالب کے علم میں نہ تھا۔ اس جگہ مجھے اس سے بحث نہیں کہ اس شعر سے آرنگ کے کیا معنی نکلتے ہیں، کہنا یہ ہے کہ غالب نے اشاعتِ ثانی میں خود بھی یہ لفظ بمعنی ہرگز استعمال کیا ہے، حالانکہ خواہ بمعنی پنداری، خواہ بمعنی ہرگز، شعر مرقومۂ بالا، اور فرہنگوں کے سوا، یہ لفظ کہیں نہیں آیا، اور سینکڑوں برس سے متروک الاستعمال ہے، عبارت اشاعت ۲: "آرنگ نباید کہ این را رنجیدن۔۔ نام نہند" ص ۲۱

۱۳۔ میر نیاز حسین خاں۔ مجموعۂ دہلی میں نیاز اس طرح مرقوم ہے "نیار" میرا خیال ہے کہ یہ "نیاز" ہے، اور تاریخ اودھ جلد ۱ مصنفہ کمال الدین حیدر میں ہے بھی کہ معتمد الدولہ نے "میر نیاز حسین داروغۂ دیوانخانہ کے بیٹے کی شادی میں لاکھ روپیہ دیا"، ص ۳۰۵۔ لفظ "خاں" مصنف سے چھوٹ گیا ہوگا۔ معتمد الدولہ کے نام کی جو عرضداشت پنج آہنگ میں ہے، وہ ایک مختلف تمہید کے ساتھ مجموعۂ دہلی میں بھی ہے۔ موخر الذکر میں ہے کہ میں نے لکھنؤ میں سبحان علی خاں و میر نیاز حسین خاں و دیگر دوستان جدید

(کی تحریک سے "الفاظ ضائع" یہ اضافہ قیاسی) معتمد الدولہ کے لیے عرضداشت لکھی۔

۱۴۔ فرزانہ (حکیم، جزو اسم نہیں) بہرام بن فرہاد اسپندیار پارسی (شارستان ص ۴) بہرام بن فرہاد از نژاد گودرز کشواد سے دود آذر کیواں کے بعد، اس کے زمانہ آخر میں شیراز سے پٹنہ پہنچ کر، مشغول ریاضت ہوا "شاگرد معنوی" خواجہ جلال الدین محمود و تلمیذ جلال الدین دوانی۔ کتاب شارستان دانش وگلستان بینش (عبارت سے یہ مترشح کہ ایک ہی کتاب، مگر شارستان میں گلستان بینش ایک دوسرے مصنف کی کتاب کا نام) پیراستہ و فراز آوردۂ بہرام است۔ در شارستان کہ از فراہم آوردہای اوست (اس سے یہ مترشح کہ سابق الذکر کتاب یا کتب سے مختلف) فرماید کہ بیاوری حضرت کیوان بملک و (کذا) و ملکوت و جبروت و لاہوت رسیدم۔ و تجلیات آثاری و افعالی و صفاتی و ذاتی وصول یافتم، (شارستان طبع ۲ میں سیر ملکوت وغیرہ اور معاینۂ تجلیات کا ذکر نہیں)۔۔ در لباس تجار بود، و مردم را عقیدہ آنست کہ این کسوت را پردہ ساخت، وگرنہ کیمیا کردی" (شارستان میں ہے کہ خراد سے کیمیا سیکھی اور اس نے کیوان سے سیکھی تھی۔ اس کے بعد سے بسر اوقات کا ذریعہ یہی ہے ص ۳۱۹) موت لاہور ۱۰۳۴ھ (دبستان مذاہب طبع ۱۸۸۱ء ص ۱۴۔ مجھے یقین ہے کہ یہ کتاب کیخسرو بن آذر کیوان کی تصنیف ہے۔ یہ کتاب بدون نام مصنف ہے) بہرام کی صرف ایک کتاب آج کل موجود ہے، اس کا خطی نسخہ، کاما اورینٹیل انسٹی ٹیوٹ بمبئی میں ہے، اور یہ دوبار چھپی ہے۔ میں نے یہ سب دیکھے ہیں، لیکن اس وقت طبع ۲ مطبوعہ ۱۳۲۸ھ پیش نظر ہے، اس کے سرورق پر "کتاب شارستان کلیات چہار چمن" مرقوم ہے اور بہرام کے دیباچے میں صرف شارستان، مگر یہ البتہ ہے کہ کتاب مشتمل بر چہار چمن" مرقوم ہے ص ۴۔ چوتھا چمن نسخۂ خطی اور طبع اول سے غیر حاضر ہے۔ اور بمبئی و پونا کے متعدد زردشتی اصحاب سے مجھے معلوم ہوا تھا کہ یہ مفقود ہے۔ دیباچۂ طبع ۲ میں تو اس چمن کے متعلق مرقوم ہے کہ "ذکر فلک الافلاک و علم جغرافیا" میں ہے ص ۴، لیکن، مجھے یاد ہے کہ یہ عبارت نسخۂ خطی و طبع اول میں نہیں ہے، مگر کس جگہ دیکھی ہے، یاد نہیں۔ کسی زردشتی نے مجھ سے کہا تھا کہ یہ چمن آذر کیوان کے حالات کے لیے مخصوص تھا، اور میرا حافظہ دھوکا نہیں کھاتا، تو میں نے یہ کسی کتاب میں بھی دیکھا ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ بہت قرین قیاس ہے۔ شارستان ص ۲۵۱ میں ہے "احوال او (کیوان) آنچہ مقصود بشر است۔۔ مرقوم خواہد شد" لیکن، جو جزوی حالات ۳ چمنوں میں ہیں، ان پر یہ قول صادق نہیں آتا۔ دیباچے میں تصرف ناشرین ہے، اصلاً کچھ اور ہوگا۔ چمن چہارم جو طبع ثانی میں شامل ہے، ناشرین کو "دفتر خانہ" مرحوم مانکجی پوربھی ہاتریا سے ملا تھا، اور انہیں ایران میں دستیاب ہوا تھا ص ۷۷۱۔ ناشرین میں معمول سے زیادہ شے لطیف کی کمی معلوم ہوتی ہے، ورنہ اس کتاب کے ساتھ چمن چہارم کا دیباچہ جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ عہد ناصر الدین شاہ میں لکھا گیا تھا ص ۷۷۵ اور مصنف نے اپنا نام اور ولدیت "ابن محمد جعفر محمد ولی" لکھ کر ظاہر کی ہے ص ۷۷۹۔ شائع نہ کرتے، فلکیات و جغرافیہ کے جو مباحث اس میں ہیں، ان پر مغرب جدید کا اثر ہے اور ان امور کا شارستان کی علت غائی سے کچھ تعلق نہیں۔ اس نے یہ کتاب آبادیوں (دساتیر کے پیش کردہ مذہب کے ماننے والے) سے متعلق غلط فہمیوں کے ازالے، اور اس غرض سے لکھی تھی کہ کیخسرو بن آذر کیوان "از احوال و کردار خود باخبر باشد، و شجرۂ خود را نیکو داند و بردم کوتاہ نظر نگردد" ص ۳، ص ۳۵۰ میں ہے "گاہ گاہ نزد ذوالمکان خسرو تحقیق کیخسرو میامد، و سخنان شبہہ آلود میگفت، بنا بر آن ناراستی عقائدش بازنمودہ آمد، تا منش والدی خسروی (کذا) را پسندیدہ آید، و ثواب دنیوی و اخروی بیندہ و بندہ زادہ (اس کی اولاد کا حال نامعلوم) عائد گردد" کیمیا بنانے کے دعوے سے قطع نظر، بہرام بڑا اچھا لغوی معلوم ہوتا ہے ص ۴۰۰ تا ۴۷۰ میں تاریخ و تذکرۂ صوفیہ و شعرا کے ذکر کے بعد، ان فرہنگوں کے نام لکھتا ہے، جو فرہنگ جہانگیری کے مؤلف کے مآخذ ہیں، اور پھر یہ لکھتا ہے: "دریں کتب باآنکہ از تتبع تازیہ (مسلمانان) ہست ہیچ وجہ من الوجوہ عربی و مغلی بہم نرسیدہ، و دید منشد کہ دولت بر بیدار دستم۔۔ و خلۂ تدبیر خدکا و حرم ودای بہمن بن اسفندیار کند، و اسامی این

کذا۔ آن ثمر و کہ اگر چنین بودی در تصانیف ایشان ست و در کتب سیر و تواریخ سلاطین منظر رسیدی و در شرح دیگر تقریب درج بیت کردندی۔" ان میں سے بہت سی کتابوں میں تو بہمن کے متعلق کچھ مرقوم ہونے کی کوئی وجہ نہیں، قریب بہ یقین ہے کہ ان کی اکثریت اس کی نظر سے بھی نہ گزری ہوگی۔ ان کا نام اس لیے لیا ہے کہ دعوے کی تقویت ہو، اور خود اس کی وسعت مطالعہ ثابت ہو۔ ص ۱۹۷ تا ۱۹۸ میں بہاءالدین محمد عاملی کے متعلق مرقوم ہے، یہ عہد صفوی کے نامور شیعی علما میں ہیں اور صاحب تصانیف۔ "یہ کیوان سے مل چکے تھے، ایک دن نبوت زردشت کی بحث تھی، انھوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ "امام زمان آذر کیوان" کی کیا رائے ہے، میں نے کہا کہ وہ اسے نبی مانتے ہیں، تو ان کی زبان سے نکلا "دم مزن ختم شد، ہرچہ او گوید چنانست"۔ عالم موصوف کی جو کتابیں میری نظر سے گزری ہیں، ان میں آذر کیوان، اس کے تلامذہ یا دساتیر کے مطالب خاص کی طرف اشارہ تک نہیں، اور یقین ہے کہ باقی کتابوں کا بھی یہی حال ہوگا، ورنہ بہرام کسی کتاب کا حوالہ دیتا۔ ص ۲۴۴ تا ۲۴۵ میں ابوالفضل و فیضی کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس کا ثبوت بھی موجود نہیں۔ "ابوالفضل۔۔ دستور العمل از حضرت ذوالعلوم خواست در پرستاری کواکب و امثال آن۔ اسفنکتان برگشته و حق مراد که۔۔ با۔۔ ابوالفضل و فیضی۔۔ آشنا بود و گفتی که هنگامی که دو ستگام یزدانی کیش به هند آمد۔۔ فیضی و ابوالفضل از و طریقہ "آفتاب ستایی و کواکب دیگر آموختند و مر گفت، مصراع "رہ رستگاری ہمینست و بس"۔"

بہرام کیوان کی زبانی کہتا ہے: "نبوت و امامت یکیست و ابلہاست و اختلاف جز اسم نیست"۔ ص ۲۲۴ تا ۲۲۵ میں ہے: "اعتقاد صابیہ (کذا) است کہ "ہرمس و دروہس و سقراط و بقراط و افلاطون و ارسطاطالیس جملہ انبیا بودند۔ ذوالعلوم کیوان نیز باین طائفہ ہمسری دارد فلہذا او نیز از ایشان باشد"۔ ص ۲۲۵ - ۲۲۶ میں ہے: "اردشیر نے ہرمس سے کیوان کے متعلق دریافت کیا، جواب ملا کہ "با آنا تا دیموس یعنی شیث و کمل اشراقین مساوات دارد"۔ ص ۲۲۸ - ۲۲۹۔ ارسطو خواب میں فلاسفۂ اسلام کو افلاطون کے پاسنگ برابر بھی نہیں جانتا، مگر بایزید بسطامی وغیرہ کو اس کا ہم جنس تسلیم کرتا ہے۔ ص ۲۲۹ اردشیر شاگرد کیوان نے شیخ مقتول کو خواب میں دیکھا، اور انھوں نے خواب کی تصدیق کی۔ اردشیر نے اسی مجلس میں ارسطو کو دیکھا جو افلاطون کی بہت تعریف کر رہا ہے۔ اردشیر نے اس کی رائے کیوان کے متعلق دریافت کی، بولا کہ اس کا پایہ افلاطون کے برابر ہے۔ ص ۲۲۹ میں بہرام نے اپنی طرف سے لکھا ہے کہ افلاطون کا مرتبہ ارسطو سے بہت بلند ہے۔ ص ۱۷۲ میں کیوان کو "امام معصوم" لکھا ہے اور ص ۲۲۳ میں "صاحب ناموس اعظم"۔ اسی صفحہ میں ہے: "انبیا را حکما صاحب ناموس خوانند، و احکام او را ناموس"۔ ص ۲۳۸ میں نام کے بعد "علیہ السلام"۔ ص ۲۸۲ میں ہے "بر تحقیق سیاسی گروہ (دساتیری مذہب والے)۔۔ امامت در آذر است بعد از نیاکان نامدار حضرت آذر کیوان صاحب این فرمودہ، و اکنون نوبت بفرزند نامدارش کیخسرو اسفندیار رسیدہ۔" صفحہ ۵۶ میں موبد ہوش "از تلامذہ و مخلصان امام زمان" کا قول: "حاشا و کلا کہ ما بامامت عرب قائل باشیم و اعتقاد را گشت کہ عرب امامت را نشاید"۔ ص ۲۵۱ میں ذکر وفات آذر کیوان ۱۰۲۸ھ (دبستان مذاہب میں ۱۰۲۷) کے بعد: "بمقام قاب قوسین او ادنی رسید"۔ ص ۱۶۴ - ۱۶۵ میں ہے: "آذر کیوان گوید کہ جمیع حقائق اشیا آنچہ ہست و بود و خواہد آمد دیدم و دانستم و برای العین دریافتم، و نسبت خود را ببدن چون پیراہن ساختہ ام چنانکہ ہرگاہ میخواہم کہ بنفس خویش خالی شوم و تن را بجای بیمانم چنانکہ پندارم جوہر مجردم۔۔ و اسرار عالم الٰہی را میدانم و آنچہ میگوئیم ہمہ بینیم"۔ بہرام نے کیوان کی "آئینۂ سکندر" کا ص ۳ میں اور "پرتو فرہنگ" کا ص ۳۶۶ میں ذکر کیا ہے، مگر یہ دونوں مفقود ہیں۔ اپنے نام سے جو چیزیں اس نے لکھی ہیں ان میں سے صرف ایک مثنوی باقی ہے، جو مع شرح کاما انسٹی ٹیوٹ میں ہے، اس مثنوی کے کچھ اشعار دبستان میں بھی ہیں۔ آذر کیوان قدم عالم کا قائل تھا اور اس کے نزدیک اس کا خاتمہ نہ تھا۔ ص ۵۹۴ مجھے یقین ہے کہ دساتیر کا اصل مصنف یہی تھا، اور اس نے

نبوت کا بھی دعویٰ کیا تھا، مگر دساتیر میں تقیۃً جائز ہے، یہ مختلف اوقات میں اپنے کو مختلف رنگوں میں پیش کیا کرتا تھا۔ دلبستان میں جو اس کا فرضی نسب نامہ ہے، اس میں اس کے اجداد میں سے ایک ساسان پنجم ہے، یہ دساتیر کا آخری نبی ہے، اور ساسان کے نام کے صحیفے میں اس کے خدا نے کہا ہے کہ تیری نسل میں پیمبری رہے گی، یہ کیوان کے دعوے کے لیے زمین ہموار کی گئی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس کا اصلی مذہب کیا تھا، میرا خیال ہے کہ وہ زردشتی تھا، اور مصلحتاً ایک نئے مذہب کا بانی ہوا تھا، جسے دُنیا کے قدیم ترین مذہب کی حیثیت سے اس نے دساتیر میں پیش کیا تھا۔ دساتیر کے اردگرد جو ادب پیدا ہوا تھا، اس کا بڑا حصہ اس نے خود لکھا یا لکھوایا ہوگا۔ کچھ دساتیری فریب خوردہ ہوں گے، اور کچھ کیواں کے شریک سازش۔ بہرام تناسخ کو مانتا تھا جو دساتیری عقیدہ ہے، اور حشر اجساد کا قائل نہ تھا، اس صورت میں قیامت، میزان اور پُل صراط کا سوال ہی نہیں۔ اگر اس کی کتاب میں ان امور کا اجمالی ذکر ہے، تو زردشتی عقائد کی حیثیت سے جن کی تاویل ضروری ہے۔ زردشت کی بحث دوسرے مباحث سے طویل تر ہے، اور اسکا عنوان یہ ہے: "ذکر طلوع نیر زردشت صلی اللہ علیہ و من تقرب اللہ"۔ اس نے ایک جگہ زردشتیان کثرہم اللہ" لکھا ہے۔

زردشت کی کتاب اور اس کی شریعت کے متعلق ص ۲۰۰ - ۲۰۱ میں مرقوم ہے: "شریعت و کلام و کتاب سماوی این پیغمبر نامدار سراسر اخرولرشا ماتست بہر فائدہ مردم و چوں نامہ نامی و شریعت گرامی آباد، صریح و آشکار است و بی رمز و ایما۔ لاجرم آذر ساسانیاں (دساتیریان)... و خسروان ایران نیز دین زردشت را تاویل کردہ مطابق بکیش آبادمیاں ختند" دساتیریوں کا مدار تاویل پر ہے، اور متناقض و متضاد امور کا بیک وقت درست ہونا، ان کے نزدیک کوئی بات ہی نہیں، مزید یہ کہ اگر کوئی ثبوت نہیں ملتا تو اثبات دعویٰ کے لیے خواب سے کام لیتے ہیں۔ بہرام صراحتہً اسلام کو غلط مذہب نہیں کہتا لیکن اس کی کتاب کے بالاستیعاب مطالعے کے بعد، یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ اسے صحیح مذہب نہیں سمجھتا۔ شارستان میں عربوں کی تحقیر و تذلیل کی طویل بحث ہے۔

غالب نے قاطع کی بحث چینود میں لکھا تھا:۔ "برہان اتنا بھی نہیں جانتا کہ ضغطہ قبر، پرسش نکیرین، نفخ صور، حشر اجساد اور عبور صراط سے اسلام کے سوا کسی دوسرے مذہب میں بحث نہیں، آئین گبران و زردشتیوں" میں صراط کا نشان ہی نہ ہو، تو "دری و پہلوی و پارسی" میں اس کا نام کہاں سے آئے؟ یہ کہیں کہ زردشتیوں نے قبول اسلام کے بعد صراط کے لیے لفظ تراشا تو سوال یہ ہے کہ چینود، چینور وغیرہ لفظ جو برہان میں اس کے لیے آئے ہیں، ان میں سے صحیح کون ہے؟ ص ۷۷۔ قاطع کے فوائد میں بحوالہ عبدالصمد مرقوم ہے: "زردشتی جو منافقانہ مسلمان ہو گئے تھے، جھوٹے مدعی ہوئے، بہت سی باتیں جو اسلام میں ہیں، مذہب زردشت میں بھی ہیں، اور اس سلسلے میں انہوں نے کچھ الفاظ وضع کیے تھے، جن میں سے ایک چینود ہے۔ ص ۱۵۰ - لطائف غیبی میں ہے: "حشر اجساد اور میزان اور نامۂ اعمال اور عبور پل زردشتی عقائد میں داخل نہیں، یہ تو فرزانہ بہرام وغیرہ تلامذۂ آذر کیوان نے اپنی نظم میں چینود وغیرہ کو استعمال کیا ہے، یا صراط کا ذکر لکھا ہے، یہ تو واضعین کا خلاف واعتقاب میں ہے اور اپنے اسی عقیدۂ زردشتیہ پر قائم تھے، کیوں نہ لکھتے؟ آذر کیوان کی کوئی تحریر موجود ہوتی، اور ہم اس کو نہ مانتے، اور وہاں اپنے قیاس کو دوڑاتے، تو مفتی کے فتوے کے مطابق کافر ہو جاتے"۔ ص ۲۲۲۔

١۔ بہرام و کیوان میں امام و ماموم، بلکہ نبی و متبع کا تعلق تھا، محض استادی شاگردی کا نہیں، عقائد میں اختلاف کی وجہ نہیں،

٢۔ غالب کے کسی مخالف نے اثبات دعویٰ کے لیے بہرام یا کسی دوسرے تلمیذ کیوان کا حوالہ نہیں دیا، اس صورت میں تلامذہ کا ذکر غیر ضروری تھا۔

٣۔ یہ قریب بہ یقین ہے کہ شارستان یا بہرام کی کوئی اور کتاب غالب کی نظر سے نہیں گزری۔

٤۔ شارستان ص ۲۷۴، ۲۷۵ میں مجملاً چینود پل و میزان کا ذکر ان زردشتی عقائد کی حیثیت سے ہے، جنہیں تاویل کے

بغیر نہیں مانا جا سکتا۔

۵۔ حشر اجساد، پل صراط، نامۂ اعمال، میزان قدیم زرتشتی عقائد میں ہیں، اور منافقین کا اضافہ نہیں ہے ہیں۔ پہلوی اوستائی لفظ ہے در رجوع "بہ غالب بحیثیت محقق" نقد غالب

۶۔ اگر بہرام "اطلاق و اعقاب" منافقین سے ہے، تو آذر کیوان بھی ہے، غالب جو دونوں میں فرق کرتے ہیں، اس کی کوئی معقول وجہ نہیں۔ حقیقت یہ معلوم ہوتی ہے کہ کیوان سے متعلق جو خرافات دبستان میں ہے، غالب اس سے مرعوب ہیں۔ اس کتاب میں تعریف تلامذہ کی بھی ہے، مگر اس طرح نہیں جیسی کیوان کی ہے۔

۷۔ غالب عمر بھر دساتیری و زرتشتی عقائد میں فرق نہ کر سکے، اور جو باتیں انہیں دساتیر میں نہ مل سکیں اُن میں اصلی زرتشتی عقائد سمجھنے سے باز رہے۔

۸۔ بہرام کی شاعری نہ شارستان سے ثابت ہے، نہ کسی اور کتاب سے۔

۱۵۔ ترک شراب۔ باغ دودر میں ایک ۲ بیتی قطعہ ہے، جس کی بیت اوّل یہ ہے:

ہر شب بقدح ریختمی بادۂ گلفام     آری زر و سی سال مرا قاعدہ ایں بود

مطالب مابعد: وہ آدمی نہ از راہ تعیش بلکہ از روئے شریعت مینوشی سے مانع ہوئے، میں نہ مانا، مگر شراب یوں چھوٹی کہ جس تاجر سے شراب لیتا تھا، اس کے روپے معمول سے زیادہ چڑھ گئے تھے، اور اس نے شراب ادھار دینے سے انکار کیا، روپے بھی نہ تھے کہ دوسری جگہ خرید تا۔ غرۂ شعبان کو شراب چھوٹی، ۶ کو یہ قطعہ کہا، یہ دن بڑی اذیت میں گزرے۔ مادۂ تاریخ "غالب پژمردہ" "تجرعۂ ششش ۱۲۹۱ — ۶ = ۱۲۸۲۔ تاریخ وفات غالب ۲ ذیقعدہ ۱۲۸۵ھ ہے، قرینہ تو نہیں کہ ۶ شعبان کے بعد پینے کا اتفاق ہوا ہو۔

۱۶۰۔ ارشاد حسین خان برادر تفضل حسین خان۔ باغ دودر کے خطوط بنام تفضل حسین خاں میں ہے "بخدمت مشفقی مکرمی سید ارشاد حسین صاحب سلام میرسانم، و مذکورۂ تعلی میخواہم و نگارش نامہ را بوقت دگر میاندازم" "ہر دم ایں اندیشہ جان میگزد کہ حضرت در ٹونک اند، و سید ارشاد حسین خان بسفر" "برادر روشن گہر سید ارشاد حسین خان سلام خوانند۔ واز آں راہ کہ من آں نامہ را کہ در تہنیت خطاب رقم فرمودہ بودند، پاسخ نگزاردم، شرمسارم دانند" "پدید آمد کہ گرامی برادر میر ارشاد حسین و سعادت اثر میر احمد حسین طال عمرو لشمابہ پیوستند و یاز و د پیوندند۔ فرخی دیدار برادر و پسر بشمار زاتی" "بہمایوں خدمت چشم و چراغ دیدۂ مردمی سید ارشاد حسین صاحب سلام میرسانم، و باخویشتن، در جنگم چوں خود ایں نامہ رواں میداشتم، چرا ورقی جداگانہ بنام نامی مخدوم نگاشتم" اردوئے معلی کے خط بنام تفتہ مورخہ ۲۳ صفر ۱۲۷۴ھ میں ہے کہ تفضل حسین خان کی موت کے بعد ان کے بیٹے میر احمد حسین نے ان کی جگہ لی، اور میر ارشاد حسین بدستور نائب رہے۔

۱۶۱۔ سید احمد حسین، "رسوا" "پدید۔۔ از زاتی" اور خط تفتہ سے ثابت کہ یہ تفضل حسین خان کے بیٹے تھے، موخر الذکر سے ان کی جگہ ملنی ثابت ہے۔ اُردو ادب شمارہ ۲، ۱۹۶۹ء میں ایک مقالہ بعنوان "مضطر خیر آبادی" ہے جس میں مجلۂ کیف، اجمیر کے مدیر علی نیازی کے ایک مضمون کا اقتباس درج ہے، یہ اس پر مشتمل ہے کہ "مولانا حافظ احمد حسین۔ رسوا تخلص" ابن سید تفضل حسین خان، مضطر خیر آبادی دختر زادۂ فضل حق خیر آبادی کے والد تھے۔

۱۶۲۔ شیخ احمد کاتب محرق قاطع برہان کا قطعۂ تاریخ طبع آخر کتاب میں ہے، ہر مصرع کے آخری حرف کا عدد جمع ہو کر ۱۲۸۰ نکلتا ہے، جو سال طبع ہے۔

آنکس کہ ز اقوال بزرگان سر تافت — حرفی بشنیدہ و حق اینان بگذاشت (کذا)
میدان بحق خویشتن امروز آں حرف — دیروز کہ از پی کسانہا پنداشت (کذا)

۱۹۔ الف بیگ کو غالب نے پنج آہنگ کے ایک خط میں جو انہیں کے نام ہے، "دوست" لکھا ہے، غالب نے ان کی فرمائش پر، ان کے بیٹے کا نام تجویز کیا تھا، معلوم نہیں کہ یہ نام رکھا گیا یا نہیں، قطعہ جو اس سے متعلق پنج آہنگ کے خط میں شامل ہے:۔

چون الف بیگ در کہن سالی — پسری یافت سر بسر غمزہ
نام: ہمزہ۔ بیگ کردیلی — الف منحنی۔ بود ہمزہ

۲۰۔ سلیمان شکوہ شاہ عالم کے بیٹے، اور اکبر ثانی کے حقیقی بھائی، اوائل مأۃ سیزدہم میں لکھنؤ جاکر اقامت گزین ہوئے۔ یہ خود اردو کے صاحبِ دیوان شاعر تھے، اور غالباً فارسی بھی کہتے تھے، انشا، مصحفی، جرأت لکھنؤ میں ان کے درباری شعرا میں تھے غازی الدین حیدر کے لقب شاہی اختیار کرنے کے بعد، ان کی ایک بیٹی کی شادی اس کے ولی عہد نصیر الدین حیدر سے ہوئی، لیکن داماد بادشاہ ہوا، تو اس کی بدسلوکی سے تنگ آکر لکھنؤ سے چلے گئے۔ گلشن بیخار میں جوان کا حال لکھا گیا ہے، اس کے چند سال قبل دہلی جانا ہوا تھا، مگر مستقل اقامت آگرہ میں اختیار کی، جہاں ۱۲۵۳ھ میں راہی عدم ہوئے۔ (تواریخ دہلی و اودھ، تذکرۂ ہندی مصحفی، گلشن بیخار مفتاح التواریخ) غالب کا ان سے ملنا کہیں مذکور نہیں، لیکن غالب لکھنؤ، دہلی یا آگرہ میں ان سے مل سکتے تھے۔ ان کے ایک شقے کا جواب پنج آہنگ میں ہے، یہ معلوم نہیں کہ کہاں سے آیا تھا: "بسرانجام کاری کہ فرمان رفتہ است۔۔ اگر دلی بر جای۔۔ داشتمی، پا از سر ساختمی، و درین وادی بسر تاختمی۔۔ سید قاسم علی خان مشاہدہ کردہ اند کہ خانہ زاد را بانم و اندوہ چہ مایہ آویزش است۔۔ فروای نگارش این عرضداشت گامسنج بادیہ آوارگی میشوم (اگر سفر کلکتہ مراد ہے، تو اس وقت تک ملاقات کا سوال ہی نہیں، وہاں سے بعد کوئی سفر ہے، تو کوئی طویل سفر جس پر "گامسنج۔ میشوم" کا اطلاق ہو سکے، علم میں نہیں) مرجع (رزیڈنٹ دہلی؟) نیز در شہر نیست، بلکہ خود مقامی معین ندارد۔ سید قاسم علی خان باوصف خانہ زاد۔۔ تا پانی پت رسیدہ، حاکم را نیافتہ، باز گردیدند۔ طریقی چند در سگالش چارہ بجا نصاب۔ نشان دادہ شدہ است، اغلب کہ اگر بدان ہنجار رہسپر خواہند شد، کارہای خسروانی بانجام خواہند رسانید" آغاز میں جو القاب ہیں، ان میں شائستہ "اورنگ سلیمانی" بھی ہے۔

"نقوش" فروری ۱۹۶۹ء ع۱۱۱

---

۱۔ آئینۂ غالب، ناشر ڈائرکٹر پبلی کیشنز ڈویژن دہلی، ستمبر ۱۹۶۱ ص ۲۰۷ + "عرض مرتب": "آج کل اردو کی یہ خصوصیت رہی ہے کہ اس کے شماروں میں غالبیات پر بہت اچھے مضامین شائع ہوئے ہیں، آئینۂ غالب۔ انھیں کا انتخاب ہے" فہرست (۱) غالب کی خانگی زندگی کی جھلک حمید احمد خاں، (۲) غالب آغا حیدر حسن، (۳) غالب کی کہانی خود ان کی زبانی محمد عتیق (صدیقی؟ ج)، (۴) مرزا غالب کی تصویریں مختار الدین احمد آرزو، (۵) غالب کے بعض اشعار کے مطالب اثر لکھنوی، (۶) غالب اور آزردہ خواجہ احمد فاروقی، (۷) غالب کی اپنے کلام پر اصلاحیں امتیاز علی عرشی، (۸) غالب کا شعور۔ ایک مطالعہ راجندر ناتھ شیدا، (۹) غالب کے خطوط صفیر بلگرامی کے نام قاضی عبدالودود، (۱۰) غالب اور اردو خطوط نویسی برجموہن دتاتریہ کیفی، (۱۱) ۱۸۵۷ کا ہنگامہ اور خطوط غالب تنویر احمد علوی، (۱۲) غالب کی ایک نادر فیصلہ کن تحریر، (۱۳) غالب کے چند اہم نقاد محمد حسن، (۱۴) احوال غالب کی گم شدہ کڑیاں غلام رسول مہر، (۱۵) غالب کا ایک شعر مالک رام، (۱۶) غالب کے اردو دیوان کی اشاعتیں خود غالب کی زندگی میں عطا کاکوی، (۱۷) غالب کے تغزل کا سماجی پہلو عبادت بریلوی، (۱۸) غالب اور دیوان امتیاز علی عرشی، (۱۹) غالب کے چند قلمزدہ اشعار وجاہت علی سندیلوی، (۲۰) غالب اور حلاوت شاہد صدیقی، (۲۱) مرزا غالب ایک صوفی کی حیثیت سے میکش اکبر آبادی، (۲۲) مرزا غالب کا فارسی کلام مرزا جعفر حسین۔ یہ بتانا تھا کہ مضامین کن شماروں سے لیے گئے ہیں، اور ایسے مضامین متعلق غالب کی فہرست دینی تھی جو انتخاب میں نہیں آئے۔ بعض مضامین اس قابل نہیں کہ انتخاب میں آتے، مگر آئینہ میں شامل ہیں۔ غلط نامہ ہے، لیکن بعض جلہ صحیح ناکافی ہے، اور بکثرت اغلاط کی طرف توجہ ہی نہیں ہوئی۔ مقالہ ۲ ص ۱۸ "میرے دادا حضرت ہز ہائی نس (مقالہ نگار کو بتانا تھا کہ کس ریاست کے والی تھے ج) عالی جاہ پرنس آغا حسن خاں صاحب خورشید حیدر دو (تصحیح خورشید عہد) تحفہ دو دماں (تصحیح دوداں)" "تحفہ دوداں" کا کیا مطلب ہے، سمجھ میں نہ آیا۔ مقالہ ۱ ص ۲۲۷ سال وفات عارف ۱۸۸۲، یہ بھی غلط۔

۲۔ گنجینۂ غالب ناشر پبلی کیشنز ڈویژن دہلی فروری ۱۹۶۹ ص ۱۸۶ + بیرونی سرورق پر غالب کی ایک رنگین تصویر۔ عرض مرتب: "آج کل کے مضامین غالب پر کام کرنے والوں کے لئے بہت مفید ثابت ہوئے۔ لوگوں کے تقاضے پر پہلا انتخاب آئینۂ غالب طبع ہوا، اور اب گنجینۂ غالب "صد سالہ یادگار غالب کے موقع پر" شائع ہو رہا ہے۔ انتخاب اس نقطۂ نظر سے ہوا ہے کہ اس عظیم شاعر کی زندگی اور فن کے تمام پہلوؤں کا احاطہ ہو جائے" فہرست (۱) کچھ غالب کے بارے میں امتیاز علی عرشی (۲) نواب مختار الملک میر تراب علی خاں بہادر سالار جنگ مالک رام (۳) غالب اور دال فارسی قاضی عبدالودود، (۴) مرزا غالب کی شاعری کے بعض خاص پہلو غلام رسول مہر، (۵) غالب کا قیام آگرہ اور تذکرۂ سرور خواجہ احمد فاروقی، (۶) میرزا غالب سے ایک ملاقات مختار الدین احمد، (۷) مرزا غالب کے چار خط از سید احتشام حسین، (۸) ابر گہر بار ظ انصاری، (۹) غالب کا تنقیدی شعور ڈاکٹر اعجاز حسین، (۱۰) اودھ اور غالب نثار احمد فاروقی، (۱۱) غالب کی ایک مہر مختار الدین احمد، (۱۲) غالب کے خطوط کی تاریخیں اور ترتیب قدرت نقوی، (۱۳) غالب خیام کے رنگ میں حسن عسکری پلکھنوی، (۱۴) غالب اور قید مرتضیٰ حسین۔ گنجینہ میں اغلاط طباعت بکثرت ہیں، مگر غلط نامہ نہیں، مثلاً مقالہ ۳ ص ۴۴ "اسپندار ند اسپندار مذ" میم "اسپندار مذ و اسپندار مذ"۔ گنجینہ کے بعض مضامین قابل انتخاب نہ تھے، اور بعض جو لائق شمول تھے، نہ اس میں ہیں،

نہ آئینۂ غالب میں مضامین کن شماروں سے ماخوذ ہیں، یہ نہیں بتایا گیا اور ایسے مضامین متعلق غالب کی فہرست بھی نہیں جو انتخاب میں نہیں آسکے۔

۳؎ آبادی۔ آئینۂ غالب کے مقالہ ۱ ص ۹ میں ہے کہ آبادی غالب کے نوکر مدار خاں کی بیٹی تھی جسے کلو داروغہ نے اپنی بیٹی بنالیا تھا (زبانی بگا بیگم) غالب کی تحریروں میں جہاں تک مجھے یاد ہے، مدار خاں کا نام نہیں آیا۔ خط ۷ بنام یوسف مرزا ۲۸ ؍ ۱۱؍ ۱۸۵۹ میں ہے: "کلو، کلیان، ایاز یہ بلیہر کے، مداری کے جورو بچے بدستور، گویا مداری موجود" (خطوط غالب مرتبۂ مہر) ممکن ہے کہ مداری ہی مدار خاں ہو۔ مہر نے اپنے مقدمۂ خطوط غالب ص ۴۴ میں لکھا ہے کہ معروف کی ایک بیٹی آبادی بیگم کی شادی غلام حسین خاں مسرور سے ہوئی تھی۔ ان کا نام بنیادی بیگم تھا، آبادی بیگم نہیں۔

۴؎ عنایت علی مخطوطۂ باغ دو در ملک سید وزیر الحسن کا کاتب ہے، اس کا لکھا ہوا خاتمہ یہ ہے "کتاب فیض انتساب سبد چین از تصنیف جناب والا شان شہنشاہ قلمرو سخن گستری، یکہ تاز عرصۂ معنی پروری، علامۂ عصر، بانی مبانی نظم و نثر، رشک عرفی و فخر طالب، نجم الدولہ دبیر الملک اسد اللہ خاں غالب رحمۃ اللہ علیہ حسب فرمائش ... ہیرا سنگھ ... بخط بد نمط احقر العباد عنایت علی بتاریخ ہفتم جولائی ۱۸۶۸ء روز پنجشنبہ اختتام پذیرفت" اس میں شک نہیں کہ سبد چین میں جو کچھ ہے وہ باغ میں شامل ہے، لیکن جب غالب نے خود اس کا نام باغ دو در رکھا تھا، تو کاتب کو اسے سبد چین نہ کہنا تھا۔ باغ دو در میں ایسی نظمیں بھی ہیں جو سبد میں نہیں، اور نثر، قطع نظر از دیباچۂ مختصر، تو مؤخر الذکر میں ہے ہی نہیں۔

۵؎ ماہ نو کراچی جنوری فروری ۱۹۶۹، مدیر اعلیٰ شان الحق حقی، مدیر فضل قدیر، نائب مدیر وصی احمد، ص ۱۰۳۔ ابتدائیہ از ف۔ ق: "غالب ہمیں آج بھی قدیم نظر نہیں آتے اور اپنے زمانے ہی کے آدمی معلوم ہوتے ہیں جنھیں ہمارے ایسے مسائل کا سامنا تھا ... ان کی ذہنی انفرادیت اظہار و ابلاغ کے متنوع سانچوں میں ڈھل کر انھیں قدیم ہوتے ہوئے بھی بہت زیادہ جدید بنا دیتی ہے لیکن اظہار و ابلاغ سے بھی کہیں زیادہ اہم ان کی وہ فکر ہے جو بہت سے زمانوں کو اپنی لپیٹ میں لیتی نظر آتی ہے" "لوگ بہت سی باتوں میں الجھ کر رہ گئے ہیں۔ ضرورت اس کی ہے کہ اس پر توجہ ہو کہ ان کے یہاں زندگی کو ہاں کہنے کا عنصر کتنا ہے اور اس کی نفی کا عنصر کس قدر ہے" "ان کے کلام کے پس پردہ سماجی عمرانی اور جذباتی محرکات کا کھوج لگانا ضروری ہے۔ خوشی کی بات ہے کہ گزشتہ دہائی میں کچھ لوگ ادھر متوجہ ہوئے ہیں۔ ماہ نو کم و بیش ۲۰ سال سے فروری کا شمارہ غالب کے لیے وقف کرتا رہا ہے اور ان سے متعلق گراں بہا مضامین اور مقالات (کذا ج) پیش کرتا رہا ہے جس کی داد علمائے ادب اور غالب شناسوں نے ہمیشہ فراخدلی سے دی ہے ... غالب کی صد سالہ برسی کا خیال بھی سب سے پہلے ماہ نو ہی نے ادب نوازوں کے کان میں پھونکا تھا" اوروں نے بھی داد دی ہوگی، مگر ادارۂ ماہ نو ... اس معاملے میں کسی سے کم نہیں رہا۔ ابتدائیہ میں یہ نہیں بتایا گیا کہ صد سالہ برسی کے متعلق ماہ نو میں پہلے پہل کب تحریک ہوئی، یہ معلوم ہوتا تو یہ فیصلہ کیا جا سکتا کہ ہندوستان میں جو غالب سنٹری کمیٹی بنی تھی، اس کا زمانہ مقدم تھا، یا ماہ نو کی تحریک کا۔ ابتدائیہ کے بعد حیات و شخصیت ۱۱ مضامین: مرزا غالب کی صد سالہ برسی غلام رسول مہر، غالب صلاح الدین خدا بخش، حیات غالب ندیم سیتاپوری، حیات غالب (چند گزارشیں) غلام رسول مہر، مرد قلندر جلال الدین احمد، غالب ایک تہذیبی قوت ممتاز حسین۔ غالب کے سیاسی افکار میر محمد حسین عنقا بلوچ، غالب کا ناپختہ امتیاز علی عرشی، غالب کے چند غیر مطبوعہ لطیفے اور شعر احتشام الدین، غالب کا کلکتہ حبیب احمد خاں، غالب اور بنگال وفا راشدی ن۔ تلامذۂ غالب ۳ مضامین: تلامذۂ غالب وحید قریشی، کچھ تلامذۂ غالب کے بارے میں کلب علی خاں فائق ن، میر مہدی مجروح غالب کا سب سے چہیتا شاگرد شیخ محمد اسماعیل پانی پتی ن۔ فکر و فن ۱۷ مضامین: غالب کی شاعری غلام رسول مہر، غالب کا تصور جنت و دوزخ ایضاً، غالب خالق جمال عبادت بریلوی ن، غالب اور غم دوراں ایضاً، غالب کے یہاں تخیل اور جذبے کی ہم آمیزی یوسف حسین خاں، غالب نسخۂ حمیدیہ کی روشنی میں فرمان فتحپوری ن، مرد عاشق کی تمثال۔ غالب سلیم اختر، غالب مکتبۂ غم دل میں ایضاً، مولانا آزاد بنام غالب مالک رام، غالب پیشرو اقبال سید عبد اللہ، گوئٹے اور غالب انعام الحق کوثر ن، مجموعۂ اردو میں فارسی کے ترجمے

اقبال سلیمان، غالب کا حاشیہ؛ انتقاد سید عبداللہ، غالب بحیثیت شارح صغیر اصغر جاجوی، دیوان غالب اردو خلیل الرحمن داؤدی، غالب کے اردو کلام کی اشاعت شوکت سبزواری، دیوان غالب کی چوتھی اشاعت کا مسودہ تحسین سروری۔ فارسی شاعری ۲ مضامین: غالب کی فارسی شاعری کرم حیدری، نقشہای رنگ رنگ عبداللہ قریشی ن۔ خطوط ۵ مضامین: غالب کے فارسی خطوط ایک نئی تحقیق امتیاز علی عرشی، غالب کے فارسی خطوط کا ایک نیا مجموعہ قاضی عبدالودود، نامۂ غالب عبادت بریلوی، خطوط غالب آفاق حسین آفاق، غالب کے خطوط کی تاریخیں اور ترتیب سید قدرت نقوی۔ نقد و نظر ۶ مضامین: غالب کی نئی فارسی تحریریں از امتیاز علی عرشی، غالب کی چند نئی فارسی تحریریں ایضاً، درفش کاویانی سید قدرت نقوی، نیم روز ایک نادر مخطوطہ ایضاً، عمدۂ منتخبہ اور غالب مسلم ضیائی، غالب کا دربار اور خلعت امتیاز علی عرشی ن، غالب کی انفرادیت کے چند پہلو از انور سدید ن۔ نظم: ساقی نامہ ترجمۂ رفیق خاور۔ مزاح: مرزا غالب لندن میں شان الحق حقی۔ بیرونی سرورق میں غالب کی ایک تصویر ہے اور ابتدائیہ کے بعد ایک رنگین تصویر، غالب کے بعض خطوط کے عکس اور مجروح و طالب و تفتہ و میر و ناظم کی تصویریں بھی ہیں۔ بعض مضامین لائق انتخاب نہ تھے، ان مضامین متعلق غالب کی فہرست دینی تھی جو انتخاب میں نہیں آئے، غلطنامہ نہیں مگر اغلاط ہیں۔ عموماً یہ بتایا ہے کہ مضامین کن شماروں سے ماخوذ ہیں، لیکن بعض جگہ مثلاً "مجموعۂ اردو میں فارسی کے ترجمے" کے متعلق نہ یہ اطلاع ہے کہ نیا مضمون ہے نہ یہ کہ کہاں سے لیا گیا ہے۔ ن سے مراد ہے کہ نیا مضمون ہے۔

۶ اندرون خانہ عنوان نظم اسرار بصری، ۷ شعر بطور قطعہ، اس میں ۵ غالب کے مصرعوں کی تضمین۔ شعرا "دوش آدا گاڑی میں تھی اک بٹھے لیڈر کے گھر نقش .. تحریر کا" ایک مصرع میں نام دولتانہ۔

۷ پنڈت بدری داس "ڈاک منشی" کرنال سے غالب کی ملاقات ظاہری نہ تھی، وہ اپنا کلام برائے اصلاح بھیجا کرتا تھا، غالب نے ایک زمانے میں اصلاح دینی ترک کی تو اس کو لکھا کہ تفتہ سے اصلاح لیا کرو اور تفتہ کو اس کی اطلاع دی۔ خط ۱۲۱ [illegible] آسی تفتہ بدون تاریخ۔

۸ مرزا غالب لندن میں (ریڈیائی تمثیلچہ) از شان الحق حقی، ماہ نو جنوری فروری ۱۹۶۹ ص ۲۹۴ تا ۳۰۱۔ یہ نہیں بتایا کہ ماہ نو کے کس شمارے سے ماخوذ ہے، ابتدائیہ میں اس کے نئی چیز ہونے کا ذکر نہیں، مگر جگہ جگہ نئی ہے۔ غالب لندن آتے ہیں اور پرویز سے ہائڈ پارک میں ملکہ وکٹوریہ کے مکان کا فاصلہ دریافت کرتے ہیں، پرویز انھیں پہچان لیتا ہے اور کسی حد تک بتاتا ہے کہ ان کی موت کے بعد کیا تغیرات رونما ہوئے ہیں۔ خود اپنے بارے میں وہ یہ کہتے ہیں کہ سرِ دست افسوس ہے کہ جو کچھ ایسی بری جگہ نہیں۔ موت کے بعد مقدمہ پیش ہوا اے تو نعتی حمد و منقبت وغیرہ کے مقابل تولی گئی اور وزن برابر رہا، لندن آنا پنشن کے لئے پھر پیروی کی غرض سے ہوا ہے کہ ایک ساہوکار کا قرض ادا کروں۔ پرویز سے یہ معلوم کر کے کہ ان کی قدر کس طرح ہو رہی ہے، کچھ خوش نہیں ہوتے۔ پرویز انھیں اطلاع دیتا ہے کہ وہ اپنی ایک دوست کا منتظر ہے، غالب تنبیہ کرتے ہیں کہ اپنی دیکھو، یہ لفظ مذکر ہے۔ پرویز جواب دیتا ہے کہ وہ مونث ہی کی مصداق ہیں، غالب کہتے ہیں کہ دوست کے مونث ہونے سے کچھ فرق نہیں پڑتا، ہم بھی تو یونہی کہتے آئے ہیں: "وہ آیا بزم میں .. آزمائش ہے"۔ پرویز پھر میری دوست کہتا ہے تو غالب کہتے ہیں "میاں جب تک میں ہوں اردو ٹھیک ٹھیک بولتے رہو، اس کے بعد جو جی چاہے بولنا"۔ پرویز کی "دوست" آجاتی ہے، غالب یہ دیکھ کر کہ وہ میم ہے بڑے متحیر ہوتے ہیں۔ یہ لڑکی اردو میں بات چیت کر سکتی ہے، مگر اس کا تلفظ ٹھیک نہیں اور صرف و نحو کی غلطی بھی کرتی ہے۔ خاتمہ یوں ہوتا ہے۔ لڑکی: "اور میں آپ کا دیوان دیکھا، مرکا چکنائی بہت پسند کیا۔ بیوٹی فل"۔ مرزا غالب: "لیڈی صاحبہ آپ کو غلط فہمی ہوئی یہ کوئی اور غالب یا گالب ہوگا، پہلے کوئی اسد نکل آئے تھے، پھر شاید غالب بھی نکل پڑے۔ میں وہ ڈگریاں انھیں کی طرف بھجوا دینا، میری جان بخش دی جائے تو بہتر ہے۔ میں پنشن سے بھی باز آیا، ساہوکار کا قرضہ بھی قاضی الحاجات اپنے آپ بھر دے گا"۔

۹ تلامذۂ غالب (پنجاب یونیورسٹی کے دو گلدستے) از ڈاکٹر وحید قریشی ماہ نو جنوری فروری ۱۹۶۹ ص ۶۱ تا ۷۰۔

"مشاعرۂ دہلی" مشاعرۂ دہلی ١٢٩٠ھ کی غزلیں، غالب کے ہمشاگرد شریک فخرالدین حیرتی اور سعیدالدین احمد خاں، یہ موخرالذکر کی فرمایش سے چھپا تھا اور اس کی غزل کے عنوان میں انھیں بعنوان غالب لکھا ہے۔ گلدستۂ انجمن ۱۲۹۴ھ غزلیات مشاعرہ، مطبع اکبری علہ چوڑیگراں دہلی باہتمام سید ظہیرالدین حسین۔ خلاصۂ دیباچہ نوشتۂ محمد عبدالکریم: کرم اللہ خاں بن محمد شفیع خاں عرف منشی آغا خاں (آغا؟ ج) جان مرحوم میر منشی رزیڈنٹی دہلی پوتا نہ احسان الرحمٰن خلف اصغر نواب سیف الرحمٰن خاں عرف موسیٰ خاں نے انعقاد مشاعرہ کی تحریک کی اور قرار پایا کہ موصوفین کے یہاں مہینے میں دوبار مشاعرہ ہو جس کا نام بزم تولّا ہو۔ "میر عبدالرحمٰن خلف اکبر تسکین دہلوی زادہ وحشی مومن سنتے ہیں دوش ہمت بہا شاباش" زیر نظر شمارے کے بظاہر آخر کے کئی ورق غائب ہیں، پہلے مشاعرے کا مصرع طرح "یہ مدعی بغل میں چھپا یاد جائے گا" دوسرے کا "مراد دل مجھ کو دعا ہوگیا" تلامذۂ غالب میں رشکی کو از اشرف تلامذہ اور سالک و عزیز کو از اشرف تلامذہ لکھا ہے، موخرالذکر دہلوی مسکن بنارسی مولد، حالی، مشتاق، امین جان ولی کے لئے "از شاگرد" شادان خلف اصغر عارف نبیرۂ غالب (تلمذ کا ذکر نہیں ع) دوسرے مشاعرے میں غالب کی ایک غزل ہے جو غیر طرحی ہے، عنوان "غزل حسب استدعاء نواب نجم الدولہ۔۔ غالب سلّمہ اللہ تعالیٰ تبرکاً وتیمناً بتقالیب تحریر آمد" یہ "تکیہ" ردیف والی غزل ہے جسے عرشی نے الہلال سے نقل کیا ہے۔ لیکن یہ شعر گلدستے میں زائد ہے: "جو بعد قتل مراد دشت میں مزار جا لگکے بیٹھے ہیں اس سے راہزن تکیہ (کذا؟ خ)"

ا سوویت جائزہ، دہلی، ۲۵، ۲، ۱۹۶۹ "غالب سوویت ہدیۂ عقیدت" ایڈیٹر جی۔ ایل کولوکوف، منیجنگ ایڈیٹر دی۔ وی سیگانکوف، جوائنٹ ایڈیٹر احمد مسلم، ص ۶۴-۱۰۔ بیرونی سرورق کے دونوں صفحوں پر غالب کی ایک ایک تصویر۔ اداریہ: یہ شمارہ اردو کے عظیم شاعر غالب کو سوویت یونین کے حلقۂ مشرقیات کا ہدیۂ عقیدت ہے "غالب کی صد سالہ تقریبات سوویت یونین میں بھی منائی جارہی ہیں۔۔ غالب ایک عظیم انسانیت دوست شاعر تھا" ان (کذا؟ ع) کا کلام دو تہذیبوں کا سنگم تھا۔ جس میں انھوں نے ہندوستان اور وسطی ایشیا دونوں کی تہذیبی اور ادبی روایات کو سمو لیا تھا" فہرست: سوویت یونین غالب کی مقبولیت اکادمیشین بابا جان غفوروف، انیسویں صدی کا ہندوستانی ادب اور مرزا غالب، ای۔ چیلی شیف، غالب کا فلسفۂ حیات ایل۔ آر۔ گوردن پولنسکایا، حالی اور مرزا غالب اے۔ سوخاچیف، غالب اور اقبال این۔ پریگرینا، فارسی میں غالب کا رنگ تغزل غضنفر علی اوف، غالب، ایک مطالعہ غفوروف، سوویت یونین میں غالب کی تحقیقات کا مطالعہ غضنفر علی اوف۔ ایڈیٹر نے لکھا ہے کہ غالب کے کلام کے مطالعے سے آج بھی سوویت یونین اور ہندوستان کے لوگوں کے تہذیبی رشتے مستحکم ہوتے ہیں، اور ایک دوسرے کی نسبت ان کی سمجھ داری اور زیادہ گہری اور مضبوط ہوتی ہے یہ سب ممکن ہے، مگر سوویت جائزہ کے مطالعے سے غالب کو سمجھنے میں زیادہ مدد نہیں مل سکتی۔ ہاں، یہ البتہ معلوم ہوتا ہے کہ روس میں غالب کے متعلق کیا کیا کام ہوا ہے اور ہو رہا ہے۔

١١ خواجہ بخش دربان "کل سہ پہر کو میرے پاس آیا، میں نے جلد ایک پاکٹی کرکے یہ پرچہ اس کو دے دیا۔۔ کہتا تھا کہ آغا صاحب کو میری بندگی لکھ بھیجنا" (خط ۲ امی یوسف مرزا، خطوط غالب مرتبۂ مہر میں زمانۂ تحریر قیاساً جون ۱۸۵۹)

١٢ بنو بیگم زوجۂ میر احمد علی خاں۔ خط ۲ امی حسین مرزا ۲۶، ۱۲، ۱۲۷۶: "یہاں تک لکھ چکا ہوں کہ محمد قلی خاں کے نام کا خط کلّو سے بنو بیگم صاحبہ نے لے لیا۔ محمد قلی خاں علی جی گئے ہوئے تھے۔۔ معلوم ہوا کہ بیگم صاحبہ نے وہ خط میر رستم علی کو دیا" خط ۲ امی یوسف مرزا ۲۶، ۷، ۱۸۵۹ خطاب بہ حسین مرزا: "خط موسومہ محمد قلی خاں آیا کلّو کے ہاتھ ان کے گھر بھیجا، ان کا گھر کہاں؟ وہ تو میر احمد علی خاں کی بی بی کے ہاں رہتے ہیں، وہ تو نہ تھے، جب بھابی صاحبہ کو معلوم ہوا کہ میرے دیوڑی کا آدمی ہے انھوں نے از راہ ملاطفت کر کے خط رکھ لیا اور کلّو سے کہا کہ بھائی کو سلام اور کہا کہ محمد قلی خاں علی جی گئے ہوئے ہیں، یہ خط ان کو بھیج دوں گی" خط ۲ امی یوسف مرزا خطوط غالب میں قیاسی تاریخ ۶، ۷، ۱۸۵۹: "ہماری بھابی صاحبہ یعنی زوجہ میر احمد علی خاں مغفور اپنی حویلی بیٹھی چین کو رہی ہیں۔ ایک آدھ دن میں جاؤں گا" مجروح کے نام کے بعض خطوط میں میر احمد علی کا نام آیا ہے: "مگر یہ یعنی 'خاں' ہے اس کی وجہ سمجھنے کی نہیں کہ وہ میر احمد علی خاں ہیں جو بنو بیگم کے شوہر تھے۔ یہ منہ بولے بھائی تھے، یا واقعی رشتہ تھا، میں یہ

فیصلہ کرنے سے قاصر ہوں۔

۱۳ دیوانِ شوکت، بیان سکر، شوکت ساکن کوپا متو بن شہید دیال سنگھ ط ۱۲۹۰ھ، مطبع آصفی لکھنؤ ص ۱۴۸۔ حالاتِ زندگی نوشتۂ محمد صالح لکھنوی میں ہے کہ ایک بار (یہ نہیں بتایا کس جگہ) مرزا اسد اللہ خاں غالب دہلوی، احمد علی پنجابی مجروح، منشی مرزا نصیر الدین دہلوی، شیخ عظمت علی فطرت کاکوروی، مولوی اصغر علی کشمیری شعلہ، شیخ طالب علی مقتول، منشی ھیگوا عباس (جانباز کے شعر مقالۂ اکبر علی خاں میں آگے چل کر آئے ہیں، ظاہراً اسی کا تخلص) جمع ہوئے۔ غالب کی زمین میں ایک شعر کہتے مجروح وغیرہ بھی ایک ایک اسی زمین میں پیش کرتے، مگر شوکت پوری غزل سناتے۔ ایک زمین میں مجروح وغیرہ میں سے کسی کا شعر نہیں مگر شوکت کی غزل ہے، اور ایک میں شوکت کی غزل کے علاوہ اگر کچھ ہے تو فطرت کا ایک شعر۔ ایک زمین کے بارے میں مرقوم ہے کہ "حسبِ فرمایش شاعران و مرزا صاحب ممدوح" شوکت نے دوسری غزل بھی کہی۔ اشعارِ غالب (اغلاط متعدد):

رونق شمس شعلۂ چہرۂ تابان پیدا — ماہ پر ماہ ہم از مہر درخشان پیدا
لب او آب حیوان ما دہد آب بقا امشب — گر این تلخی دوران شد ولا انتہا امشب
سبک شد مردمک در دیدۂ من طرز جیانی — بچشم خویشتن یک لحظ در چشم تیا آیی
از تاب روی یار لیسی دیدہ ماہتاب — چون ذرہ دیدہ ایم زردی آفتاب
زخم دل از سینۂ من بس نمایان گشتہ است — جا بجای سینہ ام چون غنچہ پنہان گشتہ است
جذبۂ آہ دل ربا چون جا بجا میباید — مس زیر اہن رہا کن گر طلا میباید
علام آتش بدل از عکس آن رخسار ابیاند — شمع پروانہ شد پر دیدن دیوانہ میاند
بی رنگین ادای شوخ چشمی ساحر کافر — بگیسو شب بشکر لب قند ساز سوزش محشر
دل حنی سر چشم جلوہ دار دراز دانی ما — ابر بر خوان دولت میناید میہمانی را
از چشم گریان کردہ ام صد جوش طوفان در بغل — وز درد ہجران میشود صد سوزش جان در بغل

ان اشعار میں سے ایک بھی کلیاتِ فارسی میں نہیں۔ اگر ان اشعار کی نسبت صحیح "ہے تو محض "تفریح طبع" ہے، بلکہ "اس روایت میں سراسر" رہ افسانہ ندند" کا رنگ معلوم ہوتا ہے۔" قوسین کے اندر جو کچھ ہے اس سے قطع نظر، ماخوذ از مقالۂ اکبر علی خاں بسلسلۂ غالب "صحیفہ جنوری فروری ۱۹۶۹ء۔ یہ اشعار دیوانِ شوکت کے علاوہ کہیں اور نہیں ملتے اور نہ شوکت و مجروح وغیرہ سے غالب کے کسی قسم کا تعلق کا ذکر کسی اور جگہ ہے۔ حکایت مصنوعی ہے، اور اس کا مقصد ظاہر ہے؛ اس کا مخترع یا تو شوکت ہے یا محمد صالح۔

۱۴ بہارستان اشعار نام تاریخی = ۱۲۹۱ء، انتخاب شعر متقدمین و متاخرین از سید محمد مہدی علی خاں بن نواب سید محمد علی خاں موسوی، مطبع دکشا ریخ گنج لکھنؤ ۱۲۹۳ھ۔ اس کا ایک نسخہ کتب خانۂ رضائیہ رامپور میں ہے۔ اس میں غالب کے اشعار بھی ہیں، اور قائم سے منسوب شعر "مجلس وعظ تو تا دیر رہے گی قائم، یہ ہے میخانہ ابھی پی کے چلے آتے ہیں" سہواً غالب کا نتیجۂ فکر شمار کیا گیا ہے (میں پہلے سمجھتا تھا کہ قدیم ترین کتاب جس میں یہ شعر بایں اختلاف کہ قائم کی جگہ واعظ ہے، ملتا ہے۔ دیوانِ غالب کی شرح نظم طباطبائی ہے، مگر یہ اس سے قدیم تر ہے۔ یہ شعر اختلافات کے ساتھ مقدمۂ دیوانِ باقر میں بھی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ استفسار پر غالب نے اس کے مصنف ہونے سے انکار کیا تھا۔ قائم کی طرف انتساب کی بھی کوئی وجہ نہیں، رجوع بہ باقر ہے) شادان بن عالف کے مجموعۂ اشعار شائع کردہ نگار رامپور میں غالب کی ایک زمین میں جو شادان کے اشعار ہیں، اس کی ردیف "ہونے تک" ہے مگر اس غزل کا جو شعر بہارستان میں ہے، اس میں "ہونے" کی جگہ "ہوتے" ہے۔ شاداں کا ایک شعر بہارستان میں ایسا بھی ہے جو مجموعۂ مذکور میں نہیں۔ ماخوذ از "بسلسلۂ غالب"۔

۱۵ جواہر، خیرداد خط ۱۵ اسمی علائی بدون تاریخ: "بھائیوں (پدر و عم علائی مہر نے فیصلہ کن طور پر لکھا

ہے کہ انھیں سے مراد ہے۔ "سے پھر نہیں جو" بازار میں نکلتے .. ڈر لگتا ہے۔ جواہر نمبردار میر اسلام انو ہیں کو املان کا سلام مجھ کو پہنچا دیتا ہے، اسی کو غنیمت سمجھتا ہوں۔"

۱۶ بنارسی، خط ۳۵ بنام علائی، بدون تاریخ مگر قاطع برہان کی اشاعت کے بعد کا ہے: "ضمناً ذکر ایک مدبر کا لکھا جاتا ہے، جو تم نے اس مدبر کے صفات لکھے، سب سچ ہے، احمق، خبیث النفس، حاسد، طینت بری، سمجھ بری، قسمت بری۔ ایک بار میں نے دکنی (مراد از برہان ج) کی دشمنی میں گالیاں کھائیں، ایک بار بنارسی کی دوستی میں گالیاں کھاؤں گا۔ میں نے جو تمہیں اس کے باب میں لکھا تھا ذکو، اور خط جس میں اس کا ذکر موجود نہیں ہے) وہ اس کی بدبختی کر ہیں ہے سنا تھا کہ تم نے اپنے سائیسوں سے کہہ دیا ہے کہ پایا چاہتے ہو کہ اس کو بازار میں بے حرمت کریں، یہ خلاف شیوۂ مومنین ہے۔ خلاصہ یہ کہ یہ قصد نہ کرنا۔ یہ موید اس کا قول کا ہے، میں نے تم سے پہلے کہا تھا کہ تم یوں تصور کرو کہ اس نام کا آدمی اس محلے میں بلکہ اس شہر میں نہیں۔" یہ تو معلوم نہیں کہ بنارسی کون ہے اور اس کے ساتھ علائی کے کیا معاملات تھے۔ "مدبر" کے متعلق جو کچھ ہے، بنارسی سے یا کسی اور شخص سے اس کا تعلق ہے، میں اس کا فیصلہ نہیں کر سکتا۔

۱۷ میر امداد علی شاہ۔ خط ۱۲ اسی چودھری عبدالغفور عود ہندی مرتبۂ فاضل میں قیاسی زمانۂ تحریر جون ۱۸۵۹ء "میر امداد علی شاہ کو میری دعا کہنا۔ ان کا باپ میرا بڑا یار تھا، میری طرف سے غلط جج کر دیجیے گا کہ اب سیل ایسی نکل آئی ہے۔ چودھری صاحب کے ذمے جو کچھ .. بھیجنا ہوگا، بھیجوں گا" عود ہندی کے اشاریے میں ہے کہ دو جگہ ان کا نام آیا ہے مگر آیا صرف ایک جگہ ہے۔ معلوم نہیں ان کے والد کون تھے۔

۱۸ منشی احمد۔ باغ دودر کے خط اسی اعتقاد الدولہ نور دز علی خاں ۲۷، ۲ ۱۸۴۵ میں ہے: "اگر مشفق منشی احمد سلمہ اللہ تعالیٰ از حاضران انجمن نبجد میرا احمد حسین را از زبان و نہد تا سطری چند از جانب شما ہمین نویسد"

۱۹ سید اکبر علی۔ باغ دودر کے خط ۱۶ اسی میر احمد حسین میکش بدون سنہ میں ہے: "امروز .. مخدومی و مولائی سید اکبر علی بدیدن من آمدہ بودند گفتند کہ فردا آنکا بتی بفلانی (مراد از میکش) میفرستم، من تیز این دو سہ سطر نگاشتہ بہ سید ستودہ خوی سپردم تا در نامۂ خود فرو پیچد و بشما فرستد" خط صریحاً اس زمانے کا ہے جب میکش لکھنؤ میں تھے۔ مرتب باغ دودر نے لکھا ہے کہ یہ حافظ تھے اور تخلص ان کا شیون تھا۔ مگر ان امور کے لیے کوئی حوالہ انھوں نے نہیں دیا۔ یہ بھی نہیں بتایا کہ حافظ سید اکبر علی شیون کون تھے۔

۲۰ غالب اور ذال فارسی از قاضی عبدالودود، گنجینۂ غالب ص ۳۳ تا ۴۴۔ غالب پر بعض الفاظ کو ذ سے لکھنے پر کلکتہ میں اعتراض ہوا تھا جسے انھوں نے نہ مانا، اس کے کم و بیش ۳۰ سال بعد قاطع برہان میں ذال فارسی کے وجود ہی سے اس بنا پر انکار کیا کہ فارسی میں متحد المخرج دکنار، قریب المخرج حروف بھی نہیں، مگر اسی کتاب کی بحث دستاد میں قریب المخرج حروف کے وجود کا اقرار ہے۔ غالب نے ذال فارسی کے پائے جانے کی وجہ بتائی ہے کہ دبیران پارس د پر نقطہ دیا کرتے تھے، اس سے دال کا وجود ہی مٹا جاتا تھا۔ دال و ذال میں تفرقے کے لیے اکابر عرب نے قاعدہ مقرر کیا، غالب کو اس کا احساس نہیں کہ فارسی میں ذال تھی ہی نہیں، تو تفرقۂ دال و ذال کے لیے قاعدہ کیوں مقرر ہوا۔ یہ بات بجواب عبدالصمد ہے جو ایک فرضی شخص ہے۔ اس توجیہ پر انھیں بڑا ناز تھا کہ ان کے سوا کسی کو اس کا علم نہ تھا۔ موید برہان میں اس صراحت کے ساتھ کہ فرہنگ جہانگیری کی عبارت ہے، یہ توجیہ اس اختلاف کے ساتھ کہ قاعدہ اکابر عرب نے بنایا تھا اس میں نہیں نقل ہوئی تو غالب نے تیغ تیز میں سرقے کا الزام لگایا۔ غالب اور صاحب فرہنگ کو چاہیے تھا کہ ان مخطوطات کے نام بتاتے جن میں دال پر نقطے ہیں، اور اس کی تعیین کرتے کہ کب تک یہ دستور رہا، لیکن دونوں اس سے قاصر رہے۔ ایک بات جو مقالے میں نہیں، اس وقت کہی جاتی ہے کہ ترجمان الحقیقہ مصنفہ عمر الرادویانی (غلطی سے یہ کتاب فرخی کی سمجھی جاتی ہے) کے عکس سے ظاہر ہے کہ اس میں دالات کے (اوپر نہیں) نیچے نقطہ ہے۔

اوستایی میں ایک حرف ذ کا قائم مقام سمجھا جاتا ہے، مگر یہ صرف وسط کلمہ میں آتا ہے۔ اشعار ابوطاہر خسروانی و کسائی مروزی و فردوسی و انوری و ظہیر و سعدی و سلمان ساوجی و لطف اللہ نیشاپوری و شہاب الدین کرمانی سے وجود ذال فارسی ثابت ہے۔ مقالے میں یہ بات نہیں کہ حافظ نے ایک قطعۂ تاریخ میں "او مید" امید کی ایک شکل کا عدد، ۵۷ لیا ہے (نسخۂ مرتبہ قزوینی و        ) یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ حرف آخر ذال ہو۔ فرہنگ کے دیباچے میں ایک رباعی متعلق قاعدۂ مذکور "آنانکہ بفارسی الخ" نصیر الدین طوسی کی طرف منسوب ہے مگر کلیات ابن یمین نسخۂ کتبخانۂ خدا بخش میں بھی یہ موجود ہے، یہ کسی کی بھی ہو کلیات مذکور میں اور اشعار ہیں جن سے وجود ذال ثابت ہے۔ نطنزی کی دستور اللغۃ میں (اواخر ماۃ ۵ کی کتاب) میں ہے کہ ث ح ص ض ط ظ ع ق ۸ حروف فارسی میں نہیں، ذال نہ ہوتی، تو یہ بھی اس میں ہوتا۔ دیباچۂ فرہنگ جہانگیری میں اشعار سنائی درج ہیں جن پر مشترک حروف فارسی ۲۴ ہیں، یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ ۸ حروف جو نطنزی کے یہاں ہیں، محسوب نہ ہوں، اور ذال شمار میں آئے۔ حلل مطرز مصنفۂ شرف الدین یزدی میں ہے کہ شمس الدین طبسی کی کتاب عروض فارسی میں ہے کہ زبان ماوراء النہر میں ذال نہیں، ایک قطعہ یزدی کی طرف منسوب ہے جس کا مضمون وہی ہے جو نطنزی کی کتاب میں ہے، مگر یہ حلل میں نہیں۔ کتاب الابنیہ عن حقائق الادویہ سے جس کی کتابت اسدی نے ۴۴۷ھ میں کی تھی، وجود ذال ثابت ہے۔ فرہنگ اسدی، المعجم فی معاییر اشعار العجم، مجمع الفرس سروری اور معیار جمالی سے بھی وجود ذال ثابت ہوتا ہے۔ ایران کے نامور محقق محمد بن عبدالوہاب قزوینی کا قول ہے: "در جملہ فارسی زبان یعنی تقریباً تا قرن ششم و هفتم بل هشتم مابین دال و ذال فارسی تمیز میداده اند، هم در تلفظ ظاهراً و هم در کتابت قطعاً۔ در اغلب نسخ فارسی که اکنون بدست است و قبل از قرن هشتم استنساخ شده است ذالهای فارسی عموماً با نقطه مسطور است، ولی از حدود قرن هشتم هجری ببعد بجهات نامعلوم بتدریج این تمیز از میانه برداشته شد، و ذالهای معجمه تدریجاً بدالهای مهمله بدل شده، و اکنون در ایران جمیع ذالهای فارسی را دال مهمله خوانند و نویسند باستثنای قلیلی از کلمات چون گذشتن و گذاشتن و پذیرفتن و آذر و آذربایجان وغیرہا"۔ یہ صحیح ہے مگر ان کے بعض نامی معاصر مثل شوریدہ و صبوری بھی قوافی میں دال و ذال کا فرق ملحوظ رکھتے تھے۔ ایرانی ذال کو فارسی شمار کرتے رہے ہیں، گزاردن اور گذاردن ہر دو صحیح مگر مختلف معانی میں۔ گنبد آج کل دال سے لکھا جاتا ہے، آذر = آتش اور اسم ماہ دونوں ذال سے ہے، اسپندار مذ و اسپندار مذ بھی ذال ہی سے ہیں۔

۱۲ نوادر غالب از نثار احمد فاروقی گنجینۂ غالب ص ۱۳۶ تا ۱۵۰۔ غالب کا ایک غیر مطبوعہ فارسی خط بنام سید احمد خان کتبخانۂ انجمن محمدیہ آگرہ کے ایک قلمی نسخے کے سادہ ورق پر کسی نے نقل کیا ہے۔ اس نسخے میں بہار دانش وغیرہ۔۔ ہیں۔" اس خط کی پیشانی پر اصلح الدین کی، ۱۲۶۰ کی مہر ہے، مکتوب الیہ کو منصف فتح پور لکھا ہے۔ ان کا تبادلہ بتاریخ ۱۰ر جنوری ۱۸۴۲ فتح پور سیکری کے لئے ہوا، جہاں ۴ سال رہے اور بتاریخ ۱۸-۲-۱۸۴۶ دہلی تبدیل ہو گئے۔ خط میں ان کے برادر بزرگ کی وفات ۱۸۴۶ کا ذکر ہے، اس طرح اس کا زمانۂ کتابت ۱۸۴۲ - ۱۸۴۶ کے مابین قرار دیا جاتا ہے۔ (مراد یہ ہے کہ ۴۲ سے قبل اور ۴۶ کے بعد کا نہیں، تو ٹھیک ہے مگر مقالہ نگار نے یہ بھی لکھا ہے کہ خط ۱۸۴۲ کے بعد تحریر ہوا، یہ کہنا درست نہیں، اس لئے کہ ۱۸۴۲ میں اس کا لکھا جانا ممکن ہے ج) آغاز خط "نواب معلی القاب و سید عالی جناب" خلاصہ مطالب: خط ملا، فرمائش سے رنج ہوا، دوسروں کے اشعار کی تضمین "شیوۂ معنی پروری" نہیں۔ آپ کے رسالہ ۲ شعروں میں الفاظ "تازی" (خط کے ترجمۂ اردو میں تازی ج) کے سوا کچھ نہیں۔ بحر بھی ایسی کہ کسی ایرانی نے اس سے کام نہیں لیا۔ تضمین ہوئی تو اس کے سوا اس کا کوئی اور مصرف نہ ہوگا کہ فقیر گاتے پھریں اور کوئی عاشق رسول سن کر گریبان چاک کرے۔ "گدایان۔۔ بخوانند۔۔ کدام عاشق۔۔" بخوانند کے بعد کوئی لفظ ظاہراً چھوٹ گیا ہے ج)۔ غلام امام شہید نے خوب کہا ہے اور خوب تر کہنا ممکن نہیں، لیکن یہ شاعری و سخنوری نہیں، مجلس مولود میں پڑھنے کی چیز ہے۔ میرے نعتیہ عقیدے اور مثنویاں ہیں، ان میں سے ایک مثنوی کی نقل جاتی ہے "از بیرہ اشعاری کہ شیوۂ سخن گستران باشد آنقدر نکتہ" (صریحاً غلط طباعت ج) اینجا "بندہ" سمجھیں اور اپنے بڑے بھائی کو میرا سلام پہنچائیں۔ اسد اللہ (مقالے میں سید احمد خاں و شہید سے غالب کے تعلقات کی بحث ہے، شہید کے بارے میں بدون سند لکھا ہے کہ "بدصورت تھے ان کے چہرے پر

چیچک کے داغ تھے۔ ظاہراً بحوالہ سندر روزنامچہ ان کا باشندۂ الٰہ آباد ہونا بتایا ہے۔ (ان کا وطن غالباً امیٹھی تھا ع) کتب خانۂ مذکور میں ایک مجموعۂ مثنویات "مد ۹، نمبر ۷۶" ہے۔ اس کے ساتھ کلیات نظم غالب کے کچھ اوراق بھی مجلد ہیں۔ مجموعے میں جا بجا مہریں ہیں جن میں سے ایک پر دین دیال ۱۲۶۸ھ مرقوم ہے۔ اوراق مذکورہ قطعۂ تاریخ وفات مسیتا بیگ سے قبل ایک قطعہ ہے۔ (۷ ابیات جو سب نقل ہوئے ہیں، ابیات ۱ و ۷ ع) "رفت چون مولوی وحید الدین زین جہان کز فنا عمارت (؟ ع) او غلط غلط سمت بر لب غالب فکر ہر کس بقدر ہمت او ست" = ۱۲۶۸ (قطعے میں ہے کہ خل + خلد سے بھی سال معلوم ہوتا ہے ج)

۲۲ مرزا غالب کا اسلوب نگارش (پنج آہنگ میں) از ڈاکٹر عندلیب شادانی، صحیفہ، جنوری ۱۹۶۹ء ص ۶۷ تا ۸۳۔ غالب نے آئین اکبری کے آئینوں اور ابو الفضل کے اسلوب کی تنقیص کی ہے۔ حالی نے ابو الفضل، ظہوری، ظاہر وحید، جلالائی طباطبائی اور بیدل سے غالب کے استفادے کے اعتراف کے بعد لکھا ہے کہ ان کی "نثروں میں مرزا کی طرز کا سراغ لگانا ایسا ہی ہے جیسے تخمی آم میں پیوندی آم کا مزہ ڈھونڈنا۔ تقریباً ۶۰ برس گزرے کہ لکھنؤ کے ایک ('نہایت' یہ چھوٹ گیا ہے ج) لائق آدمی نے مرزا کی نثر کی نسبت یہ بات کہی تھی کہ ۔۔ ابو الفضل اور ۔۔ بیدل ۔۔ کے اسٹائلوں سے کچھ کچھ باتیں اخذ کر کے ایک جدا اسٹائل پیدا کیا ہے (یادگار غالب میں کیا گیا ہے"۔ مقالے میں لکھنوی شخص کا قول "ہے" پر ختم ہو گیا ہے، مگر یادگار کے پیش نظر نسخے میں ہے "کے جزو نہیں" اور یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ بعد کی عبارت "جو کھاتی" پر ختم ہوتی ہے لکھنوی کے قول کا جزو ہے یا نہیں ج)، لیکن جب مرزا کی نثر کا ان دونوں کی نثر سے مقابلہ کیا جاتا ہے تو مرزا کی کوئی ادا ان کی طرز ادا سے میل نہیں کھاتی"۔ حالی کے نزدیک غالب کا اسلوب بالکل انوکھا ہے، لیکن لکھنؤ کے 'ایک نہایت لائق آدمی' کا قول درست ہے۔ اس میں یہ اضافہ ضروری ہے کہ مذمت کے باوجود مرزا نے "آئین اکبری ہی کے ساز و سامان سے اپنا گھر سجایا ہے۔ ان پر کم تر اپر بچھا توں بیدل کا بھی پڑا ہے۔ ابو الفضل کا اسلوب اس کی مختلف کتابوں میں مختلف ہے۔ خصوصیات اسلوب آئین: (۱) الفاظ فارسی بجائے مروجہ الفاظ عربی، مثلاً ہنگام = وقت۔ الفاظ پنج آہنگ: آدینہ، اوک = تلو، قصد = بسیچ، جواب = پاسخ (اور بھی ج) (۲) غیر معروف فارسی بجائے معروف، راہ و روش = ہنجار۔ امثلہ از پنج ہنجار، روستا، فرہند، فرہنگیان = طلایان، بود، و نمود (وغیرہ ج) اضافت مقلوب کا بکثرت استعمال، پنج شگرف آویزش، دلکشا انجمن، فرزانگان پناہ، سامی صحیفہ (وغیرہ ع) (۳) فراوفرود کا بکثرت استعمال (امثلہ از آئین و پنج ج) (۵) والا کا بکثرت استعمال (امثلہ از ہر دو ج) (۶ و ۷ و ۸) مشتقات گرائیدن و سگالیدن وگرازیدن (امثلہ از پنج ج) (۹) استودن و بخشودن و نبشتن بجائے ستودن و بخشیدن و نوشتن (بترتیب ج) (۱۰) سجع کا اہتمام نہیں لیکن جہاں ہے "بیساختگی کا خوشگوار نمونہ ہے"۔ غالب نے ابو الفضل کی اس روش کو بڑی کامیابی کے ساتھ نباہا ہے۔ (۱۱) ابو الفضل کہیں کہیں صنعت عکس کا استعمال بڑی چابکدستی سے کرتا ہے، غالب اس معاملے میں اس سے پیچھے نہیں رہے، آئین گرسنہ سیر و سیر گرسنہ، پنج: عین فرض و فرض عین (وغیرہ ج)۔ ان خصوصیات کے علاوہ ابو الفضل کا مخصوص ذخیرۂ الفاظ ہے جس نے آئین کی طرز نگارش کو منفرد بنا دیا ہے۔ غالب کی بھی ایک مخصوص فرہنگ ہے، جس کا بیشتر حصہ آئین سے ماخوذ ہے۔ مشترک الفاظ: آخشیجی پیکر، آرامشگاہ، آزرم، آسیمہ سر، آمیزہ، آویزش، آہنگ = آواز، آہنگ = ارادہ، ارزش، افروزش، افروزینہ، بالیست، بہدید، بے جواست، پرشک، پیچارہ، تخمہ، چاروا، چالش، خاور سوی، خوانش، دار و گیاہ، دستمایہ، دیدہ وران، دیو سار، روشنان، زیانزدہ، ساختگی، سپنج، سترگ، ستوہ، سختنی، سربزدگی، سنگ تراز، سنگر نکاری، فراخنای، فرو ہیدہ، کالا، کدیور، گران ارز، گنجالی، میانجی، مینو، ناہنجاری، نیایش، نی لیست، واگویہ، ہرزہ درائی، ہمپائی، یام (وغیرہ، کل الفاظ ۱۵۹) مقالے میں اس سوال سے بحث نہیں کہ غالب نے آئین کا مطالعہ کب کیا تھا۔

۲۳ بر علی خاں، نسخۂ بھوپال میں ایک شعر ہے جو دیوان مروجہ میں نہیں "سیخ کشتۂ الفت بر علی خاں ہے کہ جو اسد تپش نبض آرزو جانے"۔ مجموعہ دہلی کے ایک خط میں جو کلکتہ سے بانام محمد علی خاں کو بھیجا گیا تھا، لکھتے ہیں۔ مراد دوست العمر۔۔ دو حیا

آنفاق نازش پدرخواندگی افتادہ است، یکی با میر ببر علی خاں مغفور و دیگر با حضور۔ حقا کہ در ہر دو جا آثار عطوفت پدری باستیفا
معاینہ کردم جناب مغفور نیز پس از روزی چند شیوۂ تحریر بہ گرمانیدہ و در القاب ہم وانیاز اخوی مخدومی میر وارث علی خاں
ساختہ بود نوٹ: باغ دو در کے ایک خط اسی تفتہ ۱۷، ۱۱، ۱۸۵۰ میں جو آگرہ گیا تھا، یہ عبارت ہے: "این دانش گہر گرامی
دودمان حکیم وارث علی خاں کہ ذکروی تقریباً بہ زمان کلک ۔۔ شمار رفت ۔۔ غالب را بمنزلۂ حقیقی برادر است و با جاں برابر
بلکہ از جان گرامی عزیز تر۔ از یک استاد فیض اندوختہ ایم و در یک دبستان دانش آموختہ۔ اگر ہزار سال گذرد و ہم پیوند نزیم و
بنامہ و پیام ہمدگر را یاد نکنیم بیگانگی فراموش خواہد بود و دل از مہر ہمچنان بجوش ۔۔۔ این نامہ را بوی نمایند و از من سلام گویند
تا چہ فرماید" میرا خیال ہے کہ یہ وہی میر وارث علی خاں ہیں جن کا ذکر خط اسی محمد علی خاں میں ہے ۲ اور ببر علی خاں وہی ہیں جن کا
نام شعر میں آیا ہے۔ شعر میں جس طرح ذکر ہے وہ اس سے ان کا طبیب ہونا مترشح ہے۔ وارث علی خاں کے ہم مکتب ہونے سے
یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ اس زمانے میں بھی آگرہ میں تھے۔ مکاتیب غالب کے ایک خط اسی کلب علی خاں میں ہے: "معجون طلائی
جزی تقویت قلب میں مجوزہ حکیم ببر علی خاں مغفور ہے، ورق طلا، عنبر اشہب، عرق کیوڑہ " حاشیۂ مرتب: "حکیم
ببر علی خاں کے متعلق صرف اس قدر پتا چلتا ہے کہ یہ دہلی کے مشہور طبیب تھے۔ ان کے بیٹے کا ذکر کسی تذکرے میں بذیل شعرا
دیکھا تھا، اور اس وقت یہ اندازہ کیا تھا کہ ببر علی خاں آخر ۱۲ ویں صدی کے اہل علم میں تھے" اگر معجون والے ببر علی خاں وہی
جن کا نام شعر اور خط میں آیا ہے تو ان کا زمانہ اس کے بعد بھی ہے۔ اس لیے کہ شعر جس وقت وجود میں آیا ہے یہ زندہ تھے۔ سخن
شعرا میں ہے کہ ایک دہلوی شاعر اسد علی خاں مضطر بن حکیم ببر علی خاں وحشی سالک کو ناسخ نے مشاعرۂ دہلی میں دیکھا تھا؟
ان کے جو اشعار اس تذکرے میں ہیں، وہ اس مشاعرۂ ۱۲۶۴ کے معلوم ہوتے ہیں جس کا ذکر ۹ میں ہے۔ کیا تعجب ہے اگر یہ
حکیم ببر علی خاں وہی ہوں جن کا تعلق غالب سے رہا تھا، ان کا دہلوی لکھا جانا اس کے منافی نہیں کہ اصلاً اکبر آبادی تھے تذکرۂ
علمائے ہند میں حکیم لقاء اللہ خاں سندیلی کش حکیم ببر علی خاں موہانی کا ذکر ہے۔ مقدم الذکر کی تاریخ م ۱۷، ۱۰، ۱۲۶۶ھ۔ موہانی
ہونا اس کے منافی نہیں کہ کسی زمانے میں اکبر آباد میں رہے ہوں۔ اس کا امکان ہے کہ یہ وہی ہوں جن کا ذکر غالب کے یہاں ہے۔

———— "معاصر" پٹنہ — مئی۔جون ۱۹۶۹ء

۱۔ غالب کا الحاقی کلام۔ ایک داستان، جلیل قدوائی، سہ ماہی اُردو، غالب نمبر جنوری تا مارچ ۱۹۶۹، ص ۳۵۵ تا ۳۶۲ — غالباً ۱۹۶۲ء میں میری ملاقات وصل بلگرامی سے ہوئی جو اس زمانے میں لکھنؤ سے ماہنامہ مرقع نکالتے تھے، اور بعد کو ان سے "بے تکلفی کے تعلقات" ہو گئے، اور میں ان کے یہاں ٹھہرنے لگا۔ ایک بار شام کے وقت ان کے یہاں کچھ لوگ جمع تھے، کسی نے آسی کا کلام سننے کے بعد ان سے اچانک کچھ اس قسم کا سوال کیا "کہئے۔ غالب کا غیر مطبوعہ کلام کچھ ہوا؟" آسی نے جواب دیا "جی کیوں نہیں؟ پچھلے دنوں تھوڑا بہت ہوا ہے وہ پیش کرتا ہوں" اور ایک آدھ غزل یا اشعار ایسے سنائے جن پر بلاشبہ غالب کے فن کی چھوٹ پڑتی معلوم ہوتی تھی" میں شبہے میں پڑ گیا، مگر یہ دیکھ کر اطمینان ہوا کہ کل حاضرین اسے ایک لطیفہ سمجھے، اور بس اس کے بعد بھی اس قسم کا کلام آسی کی زبان سے سنتا۔ ۱۹۲۵ میں ڈاکٹر عظمت الٰہی سے وہیں ملاقات ہوئی جن کے بارے میں معلوم ہوا کہ "طلا فروشی" کرتے ہیں، ایک مدت کے بعد انہیں کی بیاض سے آسی کا "سودا یا قبت" کے طور پر نیاز نے نگار میں غالب کا غیر مطبوعہ کلام شائع کیا، بعد کو یہی باضافہ "کلام غالب کا ایک مستقل حصہ" بن گیا، اور دیوان غالب مرتبہ عرشی میں بذیل "یادگار نالہ" بجائے خود آسی شامل رہا۔ انہوں نے شبہے کا اظہار ضرور کیا، مگر اس کے وجوہ نہ بتائے۔ مئی ۱۹۶۰ میں بمشورہ سید ہاشمی فرید آبادی کلام غالب کا انتخاب نئی ترتیب کے ساتھ شائع کیا۔ اس میں کچھ آسی کا پیش کردہ کلام بھی آگیا، مگر اس میں وہ اشعار نہ تھے جو خود ان کی زبان سے سنے تھے۔ عرشی کو اس کا شمول پسند نہ آیا۔ شاید اس لئے کہ اس سے پہلے ہی انہیں آسی سے منسوب کلام تو غیر معتبر بتا چکا تھا" مگر خود انہوں نے اپنے مرتبہ دیوان میں آسی کا پیش کردہ کلام شامل کر لیا ہے۔ میں نے بہت دن تک اس معاملے کے متعلق کوئی مقالہ نہیں لکھا، لیکن مالک رام و عرشی کو اس کے بارے میں خطوط لکھے، نادم سیتاپوری و حامد اللہ افسر سے اس کی نسبت زبانی گفتگو رہی۔ مؤخر الذکر سے مجھے ڈاکٹر عظمت الٰہی کے متعلق یہ علم ہوا کہ انہیں سزا ملی اور اسی حالت میں فوت ہوئے۔

۲۔ غالب اور تلامذۂ غالب تذکرۂ بشیر میں، مقالہ نگار م۔ خ جو یقیناً مشفق خواجہ ہیں۔ سہ ماہی اردو غالب نمبر جنوری تا مارچ ۶۹، ص ۲۲۷ تا ۲۴۴ — شاہ بہاء الدین، بشیر دہلوی، دختر زادۂ مفتی شاہ نصیر کا سال ولادت ۱۲۶۶ ہے۔ بشیر نے تین تذکرے لکھے تھے، نگارستان بشیر قطعہ گوئیوں کا تذکرہ، اس کے صرف ابتدائی اوراق ملے ہیں۔ بہارستان اشعار، فیضان نصیر برسہ نام تاریخی، یہ دونوں بالکل ناپید ہیں، لیکن ان تذکروں کا "بنیادی مواد" مختلف تذکروں کے حواشی میں موجود ہے۔ اور یہ کتابیں انجمن ترقی اُردو کراچی، دانشگاہ پنجاب کے کتب خانوں میں ہیں۔ بشیر کی ایک بیاض علی گڑھ میں ہے جس کا تعارف صبح جمالی نے ستمبر ۶۷ میں کرایا گیا تھا۔ بشیر کو تاریخ گوئی سے بے حد دلچسپی تھی، ان کا ایک مجموعہ کنز تواریخ ہے۔ بشیر نے بعض شعرا پر حواشی لکھے ہیں، ان میں ناسخ کے پیش کردہ معلومات پر اضافے سے قطع نظر، سترہ سوا ایسے شعرا کے حالات ہیں، جن کا ذکر ناسخ نے نہیں کیا۔ شعرا کے حالات سے متعلق بشیر کی کل دستیاب شدہ تحریریں تذکرۂ بشیر کے نام سے مرتب کر لی گئی ہیں۔ اس میں ۲۸ تلامذۂ غالب کا ذکر جن میں سے ۵ کو کسی اور نے شاگرد غالب نہیں لکھا۔

۳۔ کنز تواریخ مصنفۂ بشیر غالباً انجمن ترقی اُردو پاکستان کے کتب خانے میں ہے۔ م۔ خ نے اپنے مقالے میں بتایا ہے کہ اس

میں غالب کی وفات کے ۹ قطعات تاریخ ہیں (۱) "غالب یکتائے دوراں" مادّہ "معجز طراز فصاحت شد از جہاں دنیا" (۲) مادّہ "بنیاد سخن از پا برفتاد" (۳) مادّہ "سرشار صہبائے معنی برو" (۴) "خسرو اقلیم معنی" مادّہ "فرشتہ فکر" (۵) مادّہ "گل ہو گیا ہے مشعل بزم سخن" (۶) مادّہ "ہے ہے ہوا افسوس شہ کشور معنی" (۷)، مادّہ "پیا آج غالب نے جام فنا" (۸) ۲۹ بیتی قطعہ، مادّہ وہی جو سات میں ہے (اور قطعات دو دو بیتوں کے ہیں) (۹) "از سر اسم ذات (یعنی الف اللہ) شد تاریخ رشک عرفی و ہمسر صائب" (بشیر نے 'صائب' کا عدد غلاف قاعدہ ۹۳ لیا ہے)

۴ - افضل، میر افضل علی بن میر قاسم، ساکن لکھنؤ، دہلی میں بھی رہتے ہیں، شاگرد غالب ۱۲۹۲ میں عمر قریب ۴۰، اکثر فارسی شعر کہتے ہیں، کبھی کبھی اردو (مقالہ م - خ)

۵ - حقیر، میر چھوٹے صاحب، ساکن دہلی، شاگرد نصیر و غالب، الور میں راجہ سیوا دا [س] کی سرکار میں نوکر، یہ کہہ کر کہ میرا دیوان الور میں چھپا ہے، اس کی قیمت لی مگر آج تک نہ بھیجا۔ دوسروں کا کلام اپنے نام سے پڑھتے ہیں۔ ایک رباعی (کذا) لکھوا گئے، مگر یقین نہیں کہ ان کی ہو، مقالہ م - خ - ایک زمین کے دو شعر مگر وزن رباعی میں نہیں۔

۶ - شالق، شاہ سردار بن محمد شاہ گیلانی، وطن لاہور، قوم سید، شاگرد غالب، صاحب دیوان فارسی، بارہ سو ترانوے (کذا) مقالہ م - خ - کذا مقالے میں ہے، ۲ شعر جن میں سے ایک فارسی ایک اردو۔

۷ - نحیف، غلام محمد خاں، شاگرد غالب، مقالہ م - خ صرف ایک شعر اردو۔

۸ - علیگڑھ میگزین غالب نمبر ۱۹۶۹، مرتبہ بشیر بدر، ص ۳۶۸، تصویر غالب جو سرورق میں ہے از ستیش گجرال، عود ہندی کا سرورق برلن میں چھپا تھا، اس کا عکس، آثار غالب کے ۱، ۲ و ۳، ۴، ۵ کے ۲ صفحوں (غلطی سے ایک پر یہ مرقوم ہے "مکتوب بنام آغا محمد حسین شیرازی") - ہر رنگ میں بہار کا اثبات چاہیے، مدیر: سال گذشتہ غالب کے فن اور شخصیت پر مضمون نگاری کا مقابلہ ہوا تھا جس میں یونیورسٹی کے کل پوسٹ گریجویٹ طلبہ کو دعوت دی گئی تھی، اس شمارے کے مضامین ۲۲ تا ۲۵ اسی سلسلے کے ہیں۔

آثار غالب سے متعلق بعض چیزوں کا عکس بہت دھندلا ہونے کی وجہ سے نہ دیا جاسکا۔ غالب اور جدیدیت آل احمد سرور، غالب کے نانا مسعود حسین خاں، یک عمر نازشوخی عنوان اٹھائیے خلیل الرحمن اعظمی، آثار غالب مختار الدین احمد، غالب کی حقیقت پسندی سلامت اللہ خاں، غالب کے شعری اسلوب کا ایک پہلو منظر عباس نقوی، گنجینۂ معنی کے طلسم کی کلید عتیق احمد صدیقی، غالب کی شاعری کا پس منظر وارث کرمانی، "دیکھیں کیا گزرے ہے قطرے پہ گہر ہونے (کذا) تک" مس افسر قریشی، غالب کی شاعری اور مضامین رشک افتخار بیگم صدیقی، غالب کی شاعری میں رنگ اور روشنی تصویریں ذکاء الدین شایاں، غالب کی شاعری میں شخصیتی کشمکش ابن فرید، دشنبہ پر ایک نظر کبیر احمد جائسی، غالب استاد فن اور ادبی رہنما آفتاب احمد شمسی، غالب اور جدیدیت نجم الجبین آرا نجم، غالب کا نفسیاتی شعور سعید احمد صدیقی، غالب کا تغزل محبوب مرغوب حسن، غالب اور بیگم غالب اعجاز اختر، "بچے ہم بھی سمجھتے" ریاض پنجابی، غالب جمہوریت نور احمد الدنی مضامین ۲۲ تا ۲۵: کلام غالب فلسفہ اور تصوف فریدہ خاتم، غالب کی مقبولیت کے اسباب نسیم فاطمہ، غالب کی شخصیت امیر زہرا، غالب کا استفہامیہ ذہن بشیر بدر۔ حیات غالب کی چند اہم تاریخیں محمد ضیاء الدین انصاری، علیگڑھ میگزین میں شائع شدہ مرزا غالب سے متعلق مضامین بشیر بدر: سالک تلمیذ غالب حسرت موہانی اپریل ۱۹۰۲، کلام و متعلق کلام غالب سہا علیگ مئی جون ۲۱، حزین و غالب عبد الجلیل خاں مارچ اپریل ۲۳، غالب کے دو شعر ابو المنظر رضی جیزری فروری ۲۹، غالب اور اقبال اختر امام مئی تا جولائی ۳۰، غالب کے کلام پر ناقدانہ نظر ضیا احمد بدایونی اکتوبر ۳۳، تعبیرات غالب آفتاب احمد صدیقی صبحی دسمبر ۳۵، غالب اور ابن مارچ ۳۹، غالب کا مسلک جاں نثار اختر مارچ ۴۱، غالب پر اقبال کا لسانی اثر علی عبد اللطیف ۴۶، غالب نمبر ۴۸-۴۹، کے مضامین کی فہرست (یہ اس جگہ منقول نہیں) غالب کا تصور غم قاضی عبد الستار ۵۹، غالب خطوط کے آئینے میں اقرار احمد عباسی "، دیوان غالب اور اردو غزل مجنوں گورکھپوری ۶۱-۶۰، ۶۰-۵۹ (کذا) غالب کے اردو قصائد ملک اسمٰعیل حسن خاں ۶۴، غالب کا نظریۂ شعر الیف ۶۶، مرزا غالب پروفیسر محمد مجیب — مدیر نے ان مضامین کی فہرست بھی دی ہے جو بعد از وقت موصول ہونے کی وجہ سے شامل نہ ہو سکے: غالب کی قصیدہ نگاری مرتضیٰ قادری، غالب کے مرکبات ملک اسمٰعیل خاں، غالب کا مذہب

کی طرف لذیر باقر زیدی، عہد غالب کے تاریخی سیاسی اور تہذیبی حالات عنایت حسین عیدن، کیا یہ غزل غالب ہی کی ہے؟ م ندیم، غالب کی شاعری کے مختلف دور حسن احمد نظامی، غالب کی رجائیت انیس شبنم، غالب کے کلام میں سادگی اور سہل پسندی مرزا خلیل یہ اردوئے معلیٰ کے جلسے میں بھی پڑھا گیا، ہے انداز بیاں اور عبدالبصیر نعیمی، کھلتا کسی پہ کیوں مرے دل کا معاملہ صالحہ اختر، ہمہ گیر غالب سعیدہ افشاں فاروقی، غالب ایک جامع کمالات شخصیت محمد سلیم قدوائی، غالب کی شاعری کے چند پہلو شہاب الدین عراقی، غالب بحیثیت فارسی غزل گو فرزانہ عفیفہ شروانی، غالب اور مزاح وقار احمد نعمانی، غالب بہ زبان خود محمد احمد صدیقی، غالب کی معنویت اپنے دور میں جمال نقوی، غالب تک میری رسائی (یہ فہرست پہلے ہی مضمون میں شامل ہے)۔ بتاریخ ۲۶-۱-۶۹ انجمن اردوئے معلیٰ زیر صدارت پروفیسر سرور ایک مشاعرہ منعقد کیا گیا مصرعہائے طرح: "کھیل لڑکوں کا ہوا دیدۂ بینا نہ ہوا" "میں عندلیب گلشن نا آفریدہ ہوں" منتخب اشعار سرور و خلیل الرحمان اعظمی و وحید اختر و شہریار و وارث کرمانی و ساجدہ زیدی و نقش سنبھلی و عشرت النور و آفتاب شمسی و باقر زیدی و ذکا الدین شایاں و صبا جائسی و شمسی طہرانی و اعظم سحاب و بشیر بدر۔

۹۔ یک عمر نازش فی عنوان اشعار ہیے، خلیل الرحمن اعظمی، علیگڑھ میگزین غالب نمبر ص ۱۵ تا ۳۴ "غالب طرز احساس اور پیرایۂ اظہار دونوں اعتبار سے مجھ کے ذہن کے لئے اپنے اندر سب سے زیادہ کشش رکھتا ہے، اس کا ایک بہت معمولی ثبوت یہ ہے کہ موجودہ صدی میں اردو کے ادیبوں اور شاعروں نے اپنی کتابوں کے لئے مناسب نام رکھنے کے لئے سب سے زیادہ اسی شاعر کی طرف رجوع کیا ہے جس طرح فارسی میں حافظ کو یہ رتبہ حاصل ہے کہ لوگ اس کے دیوان سے فال لیتے ہیں، اسی طرح دیوان غالب ہمارے یہاں کی واحد کتاب ہے جس سے ہر عارف و عامی اپنے مطلب کا عنوان حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے، ایسی کتابوں کی ایک فہرست یہاں پیش کی جاتی ہے . . اس میں اضافے کی بہت گنجائش ہے، وہ اشعار بھی درج ہیں جو ان ناموں کا ماخذ ہیں"۔ مقالے میں ۲۰۰ کتابوں کے نام ہیں، بعض کے متعلق شبہ ہے کہ شعر غالب سے ماخوذ ہیں یا نہیں، مثلاً خوناب، جوئے خوں، لخت جگر، لفظ و معنی، سرنوشت، نوک نشتر، زخم دل، دیدۂ تر، داغ جگر، گل تر، پر طاؤس، شب غم، یوسف گم، زندگی، رنگ حنا، قبلہ نما، روزن دار، ان کتابوں کے مصنف یہ کہہ دیں کہ نام غالب کے اشعار سے لئے گئے ہیں تو شبہ باقی نہ رہے۔ دو کتابوں کے نام میچند تصویر بتاں، ہیں، یہ جس شعر سے ماخوذ ہیں، اس کا نا پیدۂ فکر غالب ہونا بہت مشتبہ ہے۔ مقالے میں یہ اطلاع ہونی تھی کہ کون سی کتاب کس زمانے میں شائع ہوئی۔

۱۰۔ آثار غالب علیگڑھ میں غالب کی تحریرات و تصاویر اور دستخط، ڈاکٹر مختار الدین احمد، علیگڑھ میگزین غالب نمبر ۱۹۶۹، ص ۳۵ تا ۴۹۔ دانش گاہ علیگڑھ کے کتب خانے میں یہ چیزیں ہیں: (۱) غالب کا قدیم ترین خط جو اب تک دریافت ہو سکا ہے، بنام خداداد خاں و ولیداد خاں بن خداداد خاں اکبر آبادی، جو مہاجنی کا کاروبار کرتے تھے، ورثا عبدالوحید خاں کے والد عبدالغنی کو ملا تھا، اور انہوں نے صدر یار جنگ کو دیا تھا، ان کا کتب خانہ یہاں آیا تو یہ خط بھی آ گیا، سال تحریر ۱۸۰۴ مرقوم، مہر پہ ۱۲۳۱ھ = ۱۸۱۶، ۱۸۰۴ کسی طرح درست نہیں، تحریر ۱۸۲۴ کے قبل کی تحریر نہیں۔ یہ ایک "قانونی دستاویز" ہے، ملک رام کی رائے ہے کہ ۱۸۴۰ کی ہے، عرشی صاحب نے ایک زمانے میں اسے جعلی ہونے کا شبہ ظاہر کیا تھا، اس لئے ممکن ہے کہ اب یہ رائے ان کی نہ ہو۔ مہر یقیناً غالب کی ہے اور تحریر غالب کے سواد خط سے بہت مشابہ ہے۔ اور امور کے علاوہ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ غالب کی والدہ عزت النسا بیگم "لکھنا پڑھنا بخوبی جانتی تھیں" (۲ و ۳) خط بنام اسمی تفضل بلگرامی و خط فارسی اسمی آغا محمد حسین شیرازی پہلا خطوط غالب اور دوسرا پنج آہنگ میں ہے۔ یہ دونوں خط ایک ساتھ ہیں، پہلے کے ساتھ دوسرے کی نقل ہے نہ بخط غالب، ایک کونے میں یہ فقرہ ہے "تحریر مرزا غالب حاصل شدہ از مارہرہ" یہ کتب خانہ صدر یار جنگ سے یہاں آئی۔ یہ آغا محمد حسین اس نام کے دو شخص تھے جن کا ذکر تاثر غالب اور متفرقات غالب کے خطوط میں ہے، یہ وہ ہیں جن کا ذکر خط بسمی طلائی میں ہے — یہ تحریر کئی جگہ سے خراب ہو گئی ہے۔ (۴) خط بنام احمد حسن فرقانی جس کا تعلق فخر گورگانی کے اشعار سے ہے جو بطور سند قاطع القاطع میں پیش ہوئے تھے۔ بحث آواز گشتن بمعنی بلند آواز گشتن کے ہے۔ اقتباس دیا تھی فخر گورگانی نے لکھا ہے اور اس کا قول مکمل سند ہے، لیکن معلوم رہے کہ متقدمین از راہ تحکم و زبردستی بہت کچھ کہہ گئے ہیں۔

. . قصہ مختصر میں نے مانا، قاطع القاطع نے دو نوں قول میں ایک اعتراض دفع کیا، آگے کیا کرے گا؟ اور دفع اعتراض بھی اس طرح کہ سوائے ایک شخص کے کلام کے دوسرے کے کلام سے سند نہ لی" (آوازگشتن کی بحث غالب بحیثیت محقق میں ہے) ظاہراً یہ فرقانی کے خط کا جواب ہے، جس میں قاطع القاطع کی عبارتیں منقول تھیں، اگر یہ نسخۂ مطبوعہ سے منقول ہیں، تو رقعہ لازماً ۱۲۸۳ یا اس کے بعد کا ہے۔ یہ تحریر خان بہادر ابو محمد مرحوم نے جرنل اف دی یونائیٹڈ پروونسز ہسٹاریکل سوسائٹی جولائی ۱۹۳۹ میں اپنی تمہید کے ساتھ شائع کی تھی۔ اور اب ان کے کتب خانے کی دوسری چیزوں کے ساتھ کتب خانۂ دانشگاہ علیگڑھ میں ہے (۵) بیاض ملک سود حسن رضوی ادیب جس میں وہ خطوط وغیرہ ہیں جو متفرقات غالب میں شامل ہیں، اب یہاں آ گئی ہے (۶) صدر یار جنگ کے یہاں سے ایک تصویر آئی جس کی پشت پر مرقوم ہے "شبیہ دلپذیر مرزا اسد اللہ غالب دہلوی عرف مرزا نوشہ" یہ کئی بار شائع ہو چکی ہے، یہ کتب خانۂ علیگڑھ سے غائب ہو گئی ہے، فوٹو گرافر رحمت علی نے غالب کا فوٹو لیا تھا، جس کا اشتہار اکمل الاخبار ۲۸ مئی ۱۸۶۸ میں چھپا تھا۔ اس کی ایک کاپی غالب نے صاحب عالم مارہروی کو بھیجی تھی، یہ اور لفافہ جس میں یہ گئی تھی، محمد میاں زیدی مارہروی نے امانۃً بھیجی تھی، خان بہادر بشیر الدین اٹاوی کا ذخیرۂ کتب و کاغذات یہاں آیا، تو یہ چیزیں بھی ان میں شامل تھیں "گندے رنگ کے دیسی چوکور کاغذ کو غالب نے تصویر کے اردگرد لپیٹ کر پیکٹ بنا دیا ہے، اس پر ایک ایک آنے کے دو ٹکٹ لگے ہیں، غالباً رجسٹری سے بھیجا ہوگا" دلی کی مہر زیادہ واضح نہیں، تاریخ ۲۷ اور سال ۶۸ ہے، قیاس ہے کہ فروری ہوگا (۷) احمد علی احمد سے متعلق جو قطعہ غالب نے لکھا تھا اسے چھپوا لیا تھا، اور کثرت سے اطراف و جوانب میں بھیجا ہوگا" انڈیا آفس کے کتب خانے میں موجود ہے، ہندوستان کے کسی کتب خانے میں میری نظر سے نہیں گزرا، شاید مالک رام کے پاس ہو۔ اس کی پشت پر کرار حسین روحانی سیر فرقانی کی تحریر نوشتہ ۱۲/۱۱/۱۹۱۰ء یہ ہے: "تحریرات قلم مرزا غالب دہلوی مرحوم از برہان قاطع در دوران درستی کتب بر آمد شدہ این تحریرات غالباً ۱۸۶۵ است۔ بنام جدم مرحوم منشی سید کفایت علی.. و والدم مرحوم منشی احمد حسن . ." "تحریرات" سے معلوم غالب کی ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ اور تحریریں بھی ہوں گی، مگر ابو محمد مرحوم کے پاس صرف وہی باقی رہ گئی تھی، جس کا عکس شائع ہو رہا ہے (تحریر جس کا عکس شائع ہوا ہے نامکمل ہے، اور اس سے مطلقاً واضح نہیں کہ یہ خط ہے یا کچھ حصہ لطیفہ یا یادداشت لکھا گیا ہے، اگر خط ہے تو مکتوب الیہ کون ہے، اس کا پتہ اس تحریر سے نہیں ملتا) (۸) دیوان اردو مطبع سید الاخبار دہلی ۱۲۵۷ھ، میرے علم میں اس نسخے اور نسخۂ مملوکہ لائبریری رامپور کے سوا کوئی نسخہ موجود نہیں۔ یہ بھی ابو محمد کے یہاں سے آیا ہے،

(۹) عود ہندی کا سرورق جو جرمنی میں نہایت اہتمام سے دو رنگوں میں چھپا تھا، راقم کا خیال ہے کہ جناب ڈاکٹر ذاکر حسین نے دوران اقامت جرمنی میں اپنی نگرانی میں طبع کرایا تھا، عود ہندی مسلم یونیورسٹی پریس علیگڑھ نے ۱۹۲۷ میں چھاپا ضرور، مگر یہ سرورق اس کے ساتھ نہیں۔

(۱۰) منشی بالمکند بے صبر، ہری کرشن راز، نیا دور ستمبر ۱۹۶۹ ص ۲۴ تا ۲۸۔ بالمکند ابن رائے کانہہ سنگھ، متولد ۱۸۱۰ء سکندرآباد ضلع بلند شہر، بے صبر کے ایک قطعے میں سال پیدائش ۱۸۶۷ سمت بکرمی، سلفتہ ان کے ماموں تھے، پہلے ان سے اور بعد ازاں غالب سے اصلاح لی، اس کا ثبوت اقتباسات خطوط غالب، وفات بے صبر ۱۳ فروری ۱۸۸۵ء۔ ان کے ورثا میں بابو گردھر سروپ اور جیوتی سروپ ہیں، اس مضمون کا مواد مقدم الذکر سے حاصل ہوا، انھوں نے اخبار مجتنا گر سماچار اور بے صبر کی متعدد کتابیں دکھائیں، من جملہ تصانیف بے صبر: دیوان اردو عام، دیوان اردو خاص اس میں صرف غزلیں، دیوان فارسی، دیوان قصائد اردو، اس میں ایک قصیدہ بے کالا آتش مدح غالب میں ہے۔

(۱۱) نیاز علی برادر خرد ریاض الدین امجد شورش ۱۸۵۷ء سے قبل سب ڈپٹی انسپکٹر محکمہ تعلیم تھے، بعد کو وہ ضلع رہتک چلے گئے، اور ۱۸۶۰ میں مدرسہ تعلیم المعلمین میں مدرس مقرر ہو گئے۔ اسی سنہ کے محرم میں ریاض الدین امجد دہلی آئے، اور سفر کے حالات بنام تاریخی سرور ریاض لکھے، یہ نیاز علی کے ساتھ غالب کے یہاں گئے۔ سفرنامے میں ہے "میاں نیاز علی نے میری طرف اشارہ کیا کہ یہ بھی شاعر ہیں، اس فن میں کچھ ماہر ہیں" مقالہ ڈاکٹر مختار الدین احمد، گنجینۂ غالب،

(۱۲) میر طالب علی و میر خیرالدین حسین و مسوز علی شاہ و مرزا تقی بیگ کوتوال۔ ریاض الدین امجد نے لکھا ہے کہ غالب نے "اگلے پچھلے آگرہ کے باشندوں اور میلوں کا تذکرہ فرمایا۔ میر طالب علی اور میر خیرالدین حسین اور مسوز علی شاہ اور مرزا تقی بیگ کوتوال اور دیگر عمال کے جلسوں کا جو آگرہ میں گزرے ہیں جس عہد میں یہ بھی آگرہ میں تھے" ایضاً

(۱۳) سکندر بیگم، میاں فوجدار محمد خاں اور غالب، چند روایات و قیاسات، ڈاکٹر سید حامد حسین۔ نیا دور لکھنؤ، جون ۱۹۶۹ء ص ۳۷ تا ۴۰ + س = سکندر بیگم، ف = فوجدار محمد خاں، ب = دیوان غالب، کتب خانہ بھوپال، ح = نسخۂ حمیدیہ۔ مفتی انوار الحق کا قول ہے: ب بھوپال کیونکر آیا، یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا، تاریخ اور مہریں وغیرہ سے پتہ ملتا ہے کہ یہ غالباً "رئیس وقت" غوث محمد خاں کے بیٹے فوجدار محمد خاں کے لئے لکھا گیا تھا۔ شروع کے ایک صفحے میں ہے "دیوان . . . اسد از کتب خانہ . . فوجدار محمد خاں بہادر . ." اس کے سامنے ان کی مہر ہے، اور خاتمے پر کاتب کی تحریر ہے۔ جگہ جگہ ف کی مہریں ہیں، جن میں سے بعض ۱۲۴۸ اور بعض ۱۲۶۱ کی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ب کم از کم ایک بار، اور ممکن ہے کہ چند بار تصحیح و ترمیم کے لئے غالب کے پاس گیا تھا، اور اس میں جا بجا ان کی اصلاحیں ہیں (تمہید ح) نادم سیتاپوری نے ان اسناد کو "مبہم" قرار دیا ہے۔ (نسخۂ حمیدیہ، فروغ اردو غالب نمبر)۔ صرف یہ بات ثابت ہے کہ ب ف کے کتب خانے میں تھا، اور وہاں ۱۲۶۵ سے قبل پہنچ گیا تھا، اس سال شمار ہونے والی کتابوں کی جو ایک فہرست سنٹرل لائبریری بھوپال میں ہے، اس میں ب موجود ہے۔ اس کتب خانے میں ف کے کتب خانے کی جو کتابیں ہیں ان پر ۴۸، ۵۵، ۶۱، اور ۸۱ کی مہریں ہیں، زیادہ تر مہریں ۶۱ کی ہیں اور وہ ایسی کتابوں پر بھی ہیں، جو اس سنہ کے بعد کی مطبوعہ یا مرقومہ ہیں۔ ۴۸ کی مہر ایسی کتاب پر بھی ہو سکتی ہے جو اس سنہ سے قبل یا اس کے بعد موصول ہوئی تھی۔ ف جہانگیر محمد خاں کی موت کے بعد ۶ سال والیۂ ریاست شاہ جہاں بیگم کے "ایجنٹ" مقرر ہوئے تھے، اور انھوں نے ۲ سال ۶۱ میں مختار ریاست کی حیثیت سے اپنے اثر و اختیار سے پوری طرح کام لیا تھا، ان کے کتب خانے کی تنظیم اسی زمانے میں ہوئی ہوگی۔

(۱۴) بوئے گل، مصنفہ سید زمان علی شاہ دفعدار مختلف شعرا کے چیدہ منتخب کلام پر مشتمل ہے، مطبع یوسفی دہلی ۱۳۲۰ھ۔ اس کتاب کے آخر میں ص ۵۶ بعنوان لطیفۂ غالب مرقوم ہے: کسی نے دستک دی معلوم ہوا کہ میر حامد ہیں، بعد مزاج پرسی آنے کی وجہ دریافت کی، میر حامد نے کہا کہ ایک مصرع کہا ہے دوسرے کے لئے متفکر ہوں، موزوں ہی نہیں ہوتا، مصرع یہ ہے "اسپ و زن و شمشیر وفادار کہ دید" سنتے ہی غالب "جوش میں آکر اٹھ کھڑے ہوگئے اور با آواز بلند بڑے جذبے اور شوق سے یہ فرماتے تھے "واللہ علی دید علی دید علی دید" بار بار خوشی ہو کر اچھلتے اور شعر پڑھتے۔ میر حامد اس خداداد لیاقت اور حاضر جوابی پر عش عش کر گئے اور خوش و خرم گھر واپس گئے۔ پھر غالب کے بارے میں از امتیاز علی عرشی گنجینۂ غالب مصرع اول قدیم ہے، مصرع آخر مصرع اول کا ہم وزن نہیں، 'دید' ردیف نہیں، قافیہ ہے تو ایطائے قبیح ہے۔ کچھ شک نہیں کہ حکایت مصنوعی ہے۔

(۱۵) غالب اور تیلن، حمیدہ سلطان، غالب سے معذرت کے ساتھ ص ۱۱۱ تا ۱۱۴۔ مجروح، نیر اور میرن صاحب ایک جگہ جمع ہیں، ولایت خاں بلوایا جاتا ہے اور فرمائش کی جاتی ہے کہ "بنے" ردیف والی غزل گائے۔ وہ جب یہ شعر "بوجھ وہ سر سے گرا ہے کہ اٹھائے نہ اٹھے ۔ کام وہ آن پڑا ہے کہ بنائے نہ بنے" گاتا ہے، تو میرن صاحب طنزیہ قہقہہ لگا کر کہتے ہیں: بے معنی شعر ہے، مگر مرزا صاحب کے عقیدت مند سر دھن رہے ہیں۔ بالکل فضول شعر ہے، جو بوجھ سر سے گرنے کے بعد اٹھا کر سر پر نہیں رکھا جا سکتا تھا وہ پہلے ہی سر پر کیسے آگیا تھا۔ قرار پایا کہ ثاقب غالب کے پاس جائیں، اور میرن صاحب کی طرف سے اس کا مطلب دریافت کریں، وہ غالب کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ وہ عالم کیف و سرور میں اسی غزل کا مقطع گنگنا رہے ہیں۔ ثاقب نے شعر کا مطلب پوچھا تو غالب نے کہا: اس کنجوس سے کہہ دینا کہ تو فن شعر کو کیا جانے؟ روپیہ جمع کرنے کے طریقے سیکھ، استاد فن کے منہ آنے کی کیا ضرورت ہے، یوں سمجھ: تیلن کے سر پر تیل کی بھری ہوئی مشکی ہے، پاؤں پھسلا تیلن گری، مشکی ٹوٹ گئی، تیل بہہ گیا، اب وہ اس گرے ہوئے تیل کو

سہرا کیوں نکرر لکھے ؟ (یوں تو یہ ایک حکایت معنیٰ ہی ہے، لیکن میرن صاحب سے عقیدت مند کو طنز یہ اعتراض ٹھیک نہیں، کوئی اور شخص ان کی جگہ ہو سکتا تھا)

(۱۶) دیوان نہال چند کی شادی کے موقع پر "بزم رقص و سرود" تھی، جس میں غالب شریک ہوئے تھے۔ قاطع القاطع ص ۱۷۹

(۱۷) جوالا سہائے اور غالب اور مصنف قاطع القاطع یہ تینوں فرزند دیوان نہال چند کی شادی کے موقع پر جو "بزم رقص و سرود" منعقد ہوئی تھی، یہاں میں شریک تھے۔ جوالا سہائے اس زمانے میں "سررشتہ دار کچہری دیوانی" دہلی تھا، غالب سے باتیں کر رہے تھے کہ لفظ منار بکسرۂ میم ان کی زبان پر آیا، جوالا سہائے نے اس کی تکرار کی تو مینار با ضافۂ یا کہا۔ غالب نے جوش و خروش کے ساتھ انہیں تنبیہہ کیا اضافۂ یا غلط ہے، سررشتہ دار لشکے میں تھا، پھر یہ لفظ اس کی زبان پر آیا، تو با ضافۂ یا ہی تھا، غالب نے با آواز بلند کہا کہ مینار نہ کہو، منار کہو، مصنف قاطع القاطع نے دیکھا کہ اس بار بھی فرنب نے بالکسر کہا تو سررشتہ دار سے مخاطب ہو کر کہا کہ میرزا صاحب ٹھیک ہی کہتے ہیں، اضافۂ یا غلط ہے، منار بفتحۂ میم صحیح ہے۔ غالب نے قدرے تامل کے بعد ارشاد کیا کہ ہاں نور کا صیغہ ظرف ہے، بالفتح ہی ہونا چاہئے۔

(۱۸) جھلکیاں، محمد حسن عسکری، ساقی دہلی مارچ ۱۹۴۶ ص ۳ تا ۷۔ غالب کے یہاں وقار بہت زیادہ ہے، اس کا تجزیہ ساقی فروری ۴۶ میں آفتاب احمد خوب کر چکے ہیں۔

معاملہ دراصل وقار سے کچھ آگے جا پہنچتا ہے، چلئے اسے آفتاب احمد کی طرح ذہنی بیماری نہ کہیں۔ "بعض وقت تو یہ احساس نخوت و رندگی کم سے کم تکبر سے ملنے لگتا ہے، بلکہ بعض شعروں میں تو محبوب کی حیثیت بھی فردمی رہ جاتی ہے" ... "ایک شعر نہیں نگار... ادا کیجئے" میں تو "محبوب کو صاف برے بھٹا دیا ہے" ایک شعر "دہے... انداز جنوں ہی سہی" میں "بغیر کسی لیپ پوت کے غالب صاف کہہ رہے ہیں اور بڑے بڑے خوش ہو ہو کر "ہم بھی کیا لوگ ہیں"۔ جنوں سے مراد غالب کی شخصیت اور انفرادیت ہے، دیوانگی نہیں۔ یعنی یہ کہ غالب کی نادر اور منفرد شخصیت کو اظہار چاہئے" خواہ اس کا انداز کچھ بھی ہو" "ہم... عادت ہی سہی" "وہ اپنی خو... سرگراں کیوں ہو" "غالب ان... اچھا چلئے"، "غالب کی بہت سی عشقیہ شاعری اسی تجویز پر غالب کی لبیک ہے "بندے کی خدمات حاضر ہیں" میر کے یہاں سپردگی بہت زیادہ ہے مگر وقار بھی ہاتھ سے نہیں جانے پاتا۔ "غالب اس شخصیت پر نازاں ہیں جو شعوری اور غیر شعوری دونوں سے مل کر بنتی ہے مگر غالب کا دماغ اس شخصیت کی عظمت کا بے طرح قائل ہے اور اس کا یہ علم ہی اسے عشق اور زندگی کی معراج پر نہیں پہنچنے دیتا"

(۱۹) نقش وفا، عبدالعزیز فطرت، ساقی دہلی مارچ ۴۶ ص ۲۶۔ ایک غزل کا عنوان ہے جس کی ردیف "اے ساقی" ہے، ممکن ہے کہ عنوان اس مصرع سے ماخوذ ہو "دہر میں نقش وفا وجہ تسلی نہ ہوا"

(۱) گلزار خلیل از ابو اسمٰعیل محمد خلیل اللہ خلیل ابن کلیم اللہ خلیل اشاعتِ کتاب کے وقت مدرسہ محسنیہ راجشاہی کے مدرس اول تھے اور اس سے قبل راج شاہی کالج میں "پروفیسر" رہ چکے تھے۔ ان کی دوسری کتابیں اغلاط المعاصرین بیاباند دیدہ اور کشکول خلیل وغیرہ ہیں۔ گلزار مطبع رزاقی کانپور میں چھپی تھی (سرورق و دیباچہ عربی) سال طبع نامعلوم اشاعت سے قبل استاذ خلیل عبید اللہ عبید اور نساخ وفات پا چکے تھے۔ کتاب میں الفاظ کی تحقیق ہے، کہیں کہیں تعرض اشخاص و مقامات کا بھی ذکر آ چکا ہے۔ ص ۵ میں آدنگ۔ چھلینگا کے لیے حوالہ قاطع برہان، ص ۲۹ میں ہے کہ بقول بعض ایدام مصحّف اندام، یہ قول صرف غالب کا ہے (قاطع) ص ۴۲ میں قاطع کی ایک عبارت متعلق آبجیں منقول، خلیل نے لکھا ہے کہ برہان تبریزی اور "اہل زبان" ہے 'پارچہ جامہ' پر اعتراض بیجا ہے، فارسی میں پارچہ جامہ نہیں آیا صاحب موید برہان کو یہ کہنے کی ضرورت نہیں تھی کہ برہان میں "پارچہ و جامہ" ہوگا۔ ص ۴۶ غالب و ناطق مکرانی کا معاملہ منقول از موید۔ ص ۴۸ میں اعتراض صاحب موید متعلق لفظ بیدانش

قتیل نے اس سے قبل چار چنامہ مصنفۂ ملا فیروز کا ایک شعر ص ۴۴
میں نقل کیا تھا "عبث نیست پیدائش جا تور الخ" ص ۸۴ میں
وہ لکھتے ہیں کہ ملا فیروز از خواص است... مگر خصم میتواند گفت کہ
در سند شعر شاعر ایران می خواہم" ص ۱۷، ۲۷۔ عبارت قاطع
جس میں "در یک خصوص سخن ماندن" آیا ہے، قتیل لکھتے ہیں کہ
"محقق امجد اوحد" صاحب مؤید نے اس سے تعرض نہیں کیا،
جس سے ظاہر ہے کہ "کلام اکابر" میں دیکھا ہوگا، یا "اہل زبان"
سے سنا ہوگا۔ میں "تحقیق و تدقیق" میں "غالب ہندی" کو "مغلوب
احمد بنگالی" (صاحب مؤید) سمجھتا ہوں، اور میرا ایمان ان کے قول پر
ہے مگر حریف کسی ایرانی استاد کے شعر کی سند طلب کر سکتا ہے،
اور اس کے بغیر اسے ساکت کرنا ممکن نہیں۔ ص ۹۶: غلام امام شہید
غالب سے ملنے گئے، پوچھا کہ "آپ شہید کب سے ہوئے" جواب "جب
سے کافر غالب ہوئے یا غالب کافر ہوگئے، ص ۱۱۵ غالب تخلص
(حاشیہ" در تخلص مسامحت است، چہ ملم بمصدر یعنی چہ؟ مگر
چنیں بسیار آمدہ) مرزا نوشاہ (کذا) اسد اللہ خاں دہلویست
از دست "غالب اسد اللہیم، اسد اللّٰہی ای شیعی، خیلے ظریف و مطائب
بود۔ مفتی عباس صاحب مثنوی من سلویٰ (کذا) بغایت سیاہ فام
بودہ، نزد مفتی موصوف مرزا دیوان خود را فرستادہ بود و در اردو
نوشتہ۔ میں نے جو آپ کو دیوان بھیجا ہے گویا سونے کو کسوٹی پر
چڑھایا ہے،" ص ۱۵۶ میں اعتراض ناطق کا دو بلدہ ذکر۔ اس
جگہ لکھا ہے کہ اعتراض دیکھ کر غالب نے جواب دیا کہ 'طالع' کی

غلطی ہے، میں نے "خوک تسد و بلہ تفنسی ساز کرد" ناطق تے حرکت نفس پر اعتراض کیا تو غالب نے جواب نہ دیا۔ ص ۱۲۵، ۱: گی اوزن میں نوز لفظ انگریزی کا ذکر جو دستنبو میں ہے ــــــ ابدام متن دساتیر کا لفظ ہے۔ پارچہ تصغیر پار = پارہ۔ مگر بمعنی "ہر چیز یافتہ شدہ" بھی (فرہنگ ڈاکٹر محمد معین۔ پارچہ جامہ صحیح ہے۔ مگر خلیل کے نزدیک کپڑے کے لئے ایرانی فارسی نہیں، تو اعتراض بیجا کیوں ہے؟ درخصوص ایرانی میں مستعمل ہے۔ تذکرہ فارسی گویاں میں نساخ نے ایک دوسرے شہید سے سوال و جواب لکھا ہے۔ پیدائش عہد غالب سے بیشتر ایرانی استعمال کرتے تھے گو خلاف قاعدہ ہے ملا فیروز زردشتی نے ایران میں تعلیم پائی تھی۔ یہ غلط ہے کہ غالب نے ناطق کو لکھا تھا کہ شعر غلط چھپا۔ اصلاح غالب کے متعلق کوئی خط ناطق نے غالب کو نہیں لکھا۔ درتخلص ہسا محبت سمجھ میں نہ آیا نوشتہ غلط۔ نوشتہ صحیح۔

(۲) فرہنگ فارسی دکتر محمد معین جلد ۵ (اعلام) طبع تہران، ۱۳۴۵ شمسی: غالب دہلوی (میرزا) اسد اللہ (خاں) نجم الدولہ، دبیر الملک متخلص بہ غالب ابن عبد اللہ بیگ (خاں) شاعر و نویسندہ و محقق مسلمان ہندی (د۔ آگرہ ۔ ۱۲۱۲ھ = اصل اداز تورانی است و نیاکان او اتراک ایبک بودند۔ جدش در زمان شاہ عالم از وطن اجدادی خود بہ دہلی ہجرت کرد، پدرش چندے در لکھنؤ بزیست و از آنجا بہ حیدرآباد رفت و در

خدمت نواب نظام علی خان در آمد، پس به الور رفت و
تحت فرماندهی راجه بختاور سنگه، سلاح برگرفت و در جنگی
کشته شد. اسد اللہ که آن زمان پنج سال داشت، تحت حمایت
عم خود نصر اللہ بیگ (خان) صوبه دار آگره قرار گرفت. در ۱۸۰۶م
ناحیه آگره بصورت کیادیای برتیانیا در آمد، و عم غالب از دولت
مقرری دریافت میداشت. پس از مرگ وی برای غالب
از طرف پادشاه دهلی مقرری ماهیانه معادل پنجاه روپیه تعین
شد. واجد علی شاه ... در پاداش اشعار غالب قرار داد که باو منعقد
کرد که سالیانه ۵۰۰ روپیه بپردازد، و نواب رام پور چون شهرت
اشعار را شنید، در مقابل اشعار او در ۱۸۵۹ ماهیانه ۱۰۰ روپیه
برای او مقرر داشت. غالب پس از اندک مدتی در رامپور،
به دهلی بازگشت، و در جوار بقعه خواجه نظام الدین اولیا بخاک
سپرده شد. وی هنوز دوره تحصیلی خود را بپایان نرسانیده
بود که شعر گفتن آغاز کرد، ولی هنر واقعی شعر او پس از شورش ....
۱۸۵۷ بظهور پیوست ...... اضمحلال سلسله با عظمت مغول
غالب را سخت متاثر ساخت، و در نتیجه اشعارش که این
تاثر و احساسات را منعکس می سازد، بصورت موسم و
درد آمیز در آمده، و شنونده را متاثر می سازد. وی بیشتر و
وسبک نو در شعر اردو ست، و نخستین شاعریست که عقائد و
نظرات فلسفی را در شعر اردو وارد کرده، و در نتیجه شعرش ترکیبی
از فلسفه و عرفان و حاکی از درد و تاثر است، و از این رو اردو را

پدر شعرا ردومی نامند۔ مع ہٰذا خود باشعار فارسی خویش مباہات میکند" فارسی بیں تا بہ بینی نقشہائے رنگ رنگ، بگذر از مجموعۂ اردو کہ بیرنگ منست" در اشعار فارسی شیوہ شاعران سبک ہندی را تتبع میکردہ۔ وی..... در مدح..... بہادر شاہ دوم چند قصیدہ گفتہ۔ وی کتبی ہم بنثر دارد کہ از آں جملہ است قاطع برہان مولف بسال ۱۲۷۷ھ ق۔ وآں انتقادیست تند بر برہان قاطع... و ہمیں موجب غوغائے عظیم بین محققان ہند شد۔ گروہی بطرفداری برہان تبریزی برخاستند و از غالب سخت انتقاد کردند، گروہی بطرفداری غالب قیام کردند (برہان قاطع مصحح م۔ معین مقدمہ جلد ۱ ..)" اس کتاب میں غالب کی ایک بہت چھوٹی سی تصویر بھی ہے اس تحریر میں کئی اغلاط فاحش بھی موجود ہیں۔

(۳) ترجمۂ غالب از نکہت جہاں، اردوئے معلّیٰ غالب نمبر ۲، ۱۹۶۱ء ص ۹۸ بعنوان بالا کے تحت جامع الاشعار مع تذکرۃ الشعراء مولفہ ریورنڈ ریاردورد سیل طبع مدراس جولائی ۱۸۸۸ء ص ۳۰ سے غالب کا ترجمہ نقل ہوا ہے: غالب خاص شہر دہلی میں متولد ہوئے، والد یا جد ان کے یہیں پیدا ہوئے اور دہلی سے اجڑ کر اکبرآباد میں جا رہے۔ مرزا غالب کا سن ۵ برس کا تھا جب انکے باپ نے قضا کی... (نقطے اردوئے معلّیٰ میں) وہ جاگیر ۱۸۰۶ء میں ضبط ہو گئی اور اسکے عوض تنخواہ ملنے لگی۔ ۲۰ ذیقعدہ ۱۲۸۵ھ میں مطابق ۱۸۶۹ء کو اس دار فانی سے کوچ فرمایا"————

(۴) Selections from Ghalib از ایچ۔ سی۔ سرسوتی، ص ۹۶ + ط دہلی۔ سال طبع غیر مرقوم، مگر یہ اس زمانے میں چھپی جب ڈاکٹر ذاکر حسین نائب صدر ہند

تھے، اور رشامناتھ ڈپٹی منسٹر انفورمیشن اینڈ بروڈ کاسٹنگ تھے۔ ابتدا متقدم الذکر کی تحریر (۹ سطریں) سے ہوتی ہے شعر کا ترجمہ مشکل ہے، غالب کے اشعار کا ترجمہ اور وہ بھی نظم میں دوگونہ دشوار، مسٹر سرسوت نے اپنا کام بخوبی انجام دیا ہے۔ امید ہے کہ وہ اور اشعار کا بھی ترجمہ کریں گے تحریر مؤخر الذکر (۸ سطریں): مسٹر

Mr.Saraswat has succeeded quite well in catching the spirit of Ghalib and in giving a glimpse of the originaly, depth and freshness of his mind.

مترجم نے اپنے نوٹ (۲ صفحے) میں لکھا ہے: لفظی ترجمہ ہو تو اکثر شعر کی روح غائب ہو جاتی ہے۔ آزادانہ ترجمہ ہو تو یہ الزام لگایا جا سکتا ہے کہ مطابق اصل نہیں، اگر کوئی شاعر غالب سا قدآور ہو تو مترجم کا کام اور بھی دشوار ہو جاتا ہے، اس لئے کہ وہ ۲ لفظوں میں جو کہہ سکتا ہے دوسرے اس سے دہ گونہ الفاظ میں نہیں کہہ سکتے۔ میں نے کوشش کی ہے کہ حتی الوسع ترجمہ اصل سے دور نہ ہونے پائے، اگر اصل سے تجاوز ہو تو یہ خیال رہے کہ اصل کی روح باقی رہے۔ اگر کسی شعر کا ایک سے زیادہ مفہوم ہو سکتا ہے تو میں نے وہ اختیار کیا ہے جو مجھے زیادہ پسند ہے میں نے اشعار کے ترجمے سے احتراز کیا ہے جن کی خوبی کا مدار صرف زبان پر ہے۔ اگر ناظرین نے میرا ترجمہ پسند کیا تو مزید اشعار کا ترجمہ پیش ہوگا، اس کتاب میں ۱۱۲ اشعار اور ان کے تراجم ہیں۔ عثم۔۔۔

غمِ روزگار ہوتا" کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:-

Although love's pangs may
fatal be
There can for man be
no wayout,
Without love too this
heart would grieve
For want of things to
grieve about.

(۵) بزمِ داغ از رفیق مارہروی (ابن احسن مارہروی) طبع لکھنؤ، سنہ طباعت نامعلوم، مگر اس کے ساتھ افتتاحیہ نیاز فتحپوری مورخہ ۱۳ نومبر ۱۹۵۶ء اور پیش لفظ رفیق مارہروی نوشتہ ۲۸ اگست ۱۹۵۶ء رفیق مارہروی نے پیش لفظ میں لکھا ہے: "افتخار عالم اور احسن دوران اقامت حیدرآباد میں داغ کے پاس جایا کرتے تھے، اور جو دیکھتے سنتے اسے قلمبند کر لیتے۔ مقدم الذکر وطن چلے گئے تو موخر الذکر تنہا روزنامچہ لکھتے رہے۔ یہ وسط جون ۱۸۹۵ء سے شروع ہو کر وسط جون ۱۹۰۲ء تک جاری رہا۔ یہ بری حالت میں تھا، میں نے بغیر اس کے کہ اصلی مفہوم ذرا بھی بدلے، از سر نو لکھا۔

۸ ستمبر ۱۸۹۵ء: آج داغ نے بسبیل تذکرہ کہا کہ غالب کی

مشہور غزل "آگے آتی پر نہیں آتی" پر غزل کہہ کے انہیں سنائی تو
بڑی تعریف کی

دلبروں پر طبیعت آتی ہے　　اس طرح اس قدر نہیں آتی

کئی دفعہ پڑھوایا اور بے حد پسند کیا۔

دل کے جینے کی گھات ہے کچھ اور　　یہ تجھے معتبر نہیں آتی

سنا تو بیچین ہو گئے، زانو پر ہاتھ مار کر بولے خدا نظر بد سے بچائے۔
صاحبزادے تم نے تو کمال کر دیا۔

حال معلوم ہے قیامت کا　　بات کہنے میں پر نہیں آتی

سن کر کھڑے ہو گئے، مجھے سینے سے لگایا، دیر تک کھڑے کھڑے
جھومتے رہے اور یہ شعر دہراتے رہے۔ میں دوسرے تیسرے
دن ان کے پاس جایا کرتا، مختلف باتیں ہوا کرتیں، شطرنج بھی ہوتی
میں ہار جاتا تو فرماتے کہ جرمانے میں اپنی غزل سناؤ۔ میں پڑھنا ہی
چاہتا تھا کہ "ناامیدی اس کی دیکھا چاہیئے" کی زمین میں جو میری غزل
ہے اس کی فرمائش کی۔

اے فلک سامانِ محشر ہی سہی　　اپنی آنکھوں کو تماشا چاہیئے

سن کر کہا "میرے خیال کی کتنی پیاری ترجمانی کی ہے" اور پھر اپنا
شعر پڑھا "ایک" شادی نہ سہی

تیرے جلوے کو تو کیا کہنا مگر　　دیکھنے والے کو دیکھا چاہیئے

سنا تو "اف کر کے رہ گئے"

گو تیری نظروں میں کل گر ہی پڑیں　　آج تو کوئی ٹھکانا نہ چاہیئے

اس شعر پر غالب تڑپ گئے، بولے ٹھہر، زمین پر ہاتھ ٹیک کر اٹھے، میرے گرد چار پانچ بار گھومے۔ گھومنے کی حالت میں نہایت درد ناک آواز میں میرا یہ شعر پڑھتے جاتے تھے: "۱۱ اکتوبر ۱۸۹۶ء: آج عبدالحمید آزاد، میر حسن علی خاں امیر، بارق، مستجاب خاں خلق، سائل، جلیل، اختر، آغا مظفر بیگ وغیرہ تھے، موضوع بحث ذوق و مومن و غالب وغیرہ۔ اکثریت ذوق کو فوقیت دینے والوں کی تھی، بحث کسی نتیجے پر نہیں پہونچی تو داغ کی رائے دریافت کی گئی۔ وہ بولے: مومن شاعر با کمال تھے مگر بد دیانت، اور کسی کا شعر پسند ہی نہیں کرتے تھے، ذوق پورے منصف تھے" غالب میں بدداری تھی لیکن وہ بھی آدھے منصف تھے اور بقدر ضرورت داد کمال دیتے تھے۔ پورے منصف صرف اسیر تھے، سب نے اس سے اتفاق کیا۔ ار جنوری ۱۸۹۹ء: داغ نے کہا: ایک دفعہ "مرزا تو شہ" ظفر کی خدمت میں غزل لائے جس کا ایک شعر ہے "نکلنا ... ہم نکلے" بادشاہ کو زمین بہت پسند آئی۔ اس طرح میں مشاعرہ ہوا۔ میں نے بھی غزل پڑھی میرے شعر

ہوئے مغرور وہ جب آہ میری بے اثر دیکھی
کسی کا اس طرح یا رب نہ دنیا میں بھرم نکلے

بادشاہ نے بہت داد دی، اور پاس بلا کر میری پیشانی پر بوسہ دیا۔ داغ: نواب اصغر علی خاں نسیم کے مشاعرے (آسماں کے لئے قافیہ و ردیف) میں استاد کے ساتھ شریک ہوا۔ ۱۹ مارچ

١٩٠١ء: داغ، پہلے پہل میں شیفتہ کے مشاعرے میں شریک ہوا، ذوق و مومن و غالب کے علاوہ دوسرے مشاہیر شریک تھے میری غزل کا مطلع تھا۔۔

شعر: نہیں شعلہ و سیماب نہیں
کس لئے پھر یہ ٹھہرتا دل بیتاب نہیں

نواب اصغر علی خاں نسیم، مرزا صابر کے مشاعروں میں برابر شریک ہوا کرتا صہبائی، آرزدہ اور غالب سے باکمال تعریف کرکے میرا دل بڑھایا کرتے۔ غالب میرے ان اشعار کو اکثر پڑھتے اور داد دیا کرتے تھے۔ "تیرے جلوے ۔۔ دیکھا چاہیے"۔

افتادگی پہ بھی نہ گئی اس کی جستجو — گویا زمیں پہ سایۂ مرغ پریدہ ہوں
کیا کیا فریب دل کو دیئے اضطراب میں — ان کی طرف سے آپ لکھے خط جواب میں

۸ر جنوری ۱۹۰۲ء: داغ: اہل ہنر خصوصاً اور شعراء عموماً بد نصیب رہے۔ یعنی میر، انشاء، سودا، غالب، مصحفی اور جرأت وغیرہ کی مثالیں پیش نظر ہے۔ ۲۹ اپریل ۱۹۰۲ء: داغ: قتل فریزر کے ذکر کے بعد۔ غالب کے دادا قوقان بیگ سمرقند سے آئے تھے۔ مرہٹوں کے ملازم ہوئے اور انہیں پہاسو (کذا) ضلع بلند شہر کا "تعلقہ" مل گیا۔ انگریز قابض دہلی ہوئے تو غالب کے بزرگ انکے خیرخواہ رہے۔ صلے میں پرگنے ملے۔ غالب کے چچا کی شادی نواب احمد بخش خاں سے ہوئی" غالب نے فریزر کے بل بوتے پر مقدمہ لڑا۔ اس کے قتل کے سلسلے میں جو انگریزوں سے چغلخوریاں ہوئیں، کہا جاتا ہے کہ ان میں غالب کا بھی حصہ تھا۔ حقیقت جو بھی ہو میں نے

ان کی شاعرانہ اہلیت اور تبحر کے پیش نظر ہمیشہ ان کی عزت کی، اور انہوں نے میرا خیال کیا ہے۔ بزم داغ سے کہیں کہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ احسن نے کیا لکھا تھا۔ لیکن اس کے کسی حصے کے بارے میں لازماً یہ نہیں کہا جا سکتا کہ افتخار عالم نے اسے لکھا تھا وہ محتاط نہیں اور اس کا قوی امکان ہے کہ بغیر اس کے ان کے ارادے کو دخل ہو، مفہوم میں کچھ تصرف ہوا ہے۔ میرا خیال ہے کہ غالب کے دادا کا نام تو انہوں نے یہ سمجھ کر بڑھا دیا ہے کہ اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔ خود داغ سے احتیاط کی توقع بیجا ہوگی۔ مگر وہ بہت مبالغہ پرداز بھی تھے۔ نسیم بقول تسلیم ۱۲۴۴ میں دہلی چھوڑ چکے تھے۔ انکے مشاعروں میں داغ بھلا کس طرح شریک ہو سکتے تھے۔

(۲) دیا سلائی جو بیچے تھے یا کرکنڈا :: ہوئے وہ صاحب لشکر بنا کے اک جھنڈا
ہوا ای یاس جہاں سے ہو کیوں نہ دل ٹھنڈا
کہ ٹیبی مرغی کا بچہ کھٹکتے ہی انڈا

حضور بلبل بستاں کرے نوا سنجی" اس کے قبل مرقوم ہے " میاں جرأت کے مخمس کا ایک بند یاد آیا ہے، بحسب مناسبت مقام لکھ دیا جاتا ہے ۔" (لطائف غیبی، لطیفہ ۱۴) کلیات جرأت جلد ۲ مرتبہ پروفیسر اقتدا حسین میں ایک مخمس (۳۲ بند) ہے جس کا عنوان یہ ہے "شہر آشوب در ہجو شاعرا بالخصوص ظہور اللہ خاں نوا۔ حضور الخ اس کے ہر بند کے آخر میں آتا ہے۔ دیا سلائی الخ بند ہشتم ہے، باختلاف ذیل: تھے = تھا، ہوئے = ہوا، ٹیبی مرغی = مرغ ٹیبی۔ یہ مخمس بعض مجموعوں میں بھی شامل ہے۔

(۷) "بروایں دام بر مرغ دگر نہ :: کہ عنقا را بلند است آشیانہ"

لطائف غیبی کہ لطیفہ پنجم میں غالب کی دو غلطیوں کا اعتراف ہے مگر اس کی اہمیت کم کرنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی ہے۔ اور یہ دکھایا گیا ہے کہ غلطیاں بڑے بڑے لوگوں سے سرزد ہوئی ہیں، از آں جملہ جامی" جو شعر بالا میں نہ کو آشیانہ کا قافیہ لائے ہیں یہ شعر حافظ کی ایک غزل کا ہے اور شاید ہی ان کا کوئی دیوان ہو جس میں یہ غزل بشمول بروالخ نہ ہو۔ جامی کے دیوان میں ہونا درکنار، کسی اور نے اسے ان کی طرف منسوب بھی نہیں کیا۔ بروالخ غزل کا چھٹا حصہ شعر ہے۔

اور یہ غیر مصرع ہے اور اس میں نہ بطور قافیہ آیا ہی نہیں۔

(۸) "صلاح کار کجا و من خراب کجا

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا"

منسوب بہ حافظ، یہ بھی لطیفہ ۵ میں ہے۔ اور اس کے متعلق مرقوم ہے " اس شعر میں روی متحرک، قافیہ نصیب اعداء" شعر واقعی حافظ کا ہے اور بہت مشہور ہے ـــــ کہیں اور غالب نے لکھا ہے کہ حافظ نے خود ہی کہا ہے کہ " صلاح.. خراب کجا" تو یہ غلطی کا اقرار ہے اور اس صورت میں واقعی غلطی غلطی نہیں رہتی۔

(۹) مرزا غالب از ڈاکٹر تارا چند، اردوئے معلیٰ دہلی کا دوسرا غالب نمبر ۲۰ ص ۳۸ تا ۴۳ـــ" غالب کا کلام مقدار میں کم ہے، لیکن انسانی جذبات کے سرگرم کا کوئی سر نہیں جو اس میں

گو سمجھتا نہ ہو: کون سی ایسی حالت ہے جو دل پر گزرتی ہے اور
جس کا خوشنما عکس غالب کے اشعار میں نہیں۔ غالب کی زندگی
ایسے زمانے میں کٹی جو ہماری تاریخ کا افسوسناک زمانہ تھا
آپا دھاپی خودغرضی کا دور دورہ تھا، عقل اور تدبیر کی آنکھیں
بند تھیں، اخلاق ہوا و ہوس کی اندھیری رات میں روپوش تھا،
ایسی ہولناک فضا میں، عجیب بات ہے اردو ادب کے آسمان
میں تارے چمک رہے تھے۔ میر اور سودا (غالب سودا کی
موت کے برسوں بعد پیدا ہوئے۔ ق۔ع۔و) مومن اور ذوق
اردو شاعری کو اونچی سیڑھیوں پر لے جا رہے تھے، جہاں سے
غالب نے اسے بام فلک پر پہنچا دیا۔" ہندوستانی تہذیب کی
بے مثل خصوصیت" یہ ہے کہ ظاہر میں کتنا بڑا تغیر کیوں نہ ہوا ہو
"باطن میں ایک مسلسل پیوستگی جاری ہے جو ویدوں کے زمانے سے
برقرار ہے" ہندوستان کے تہذیب و تمدن میں ایک مذہب
کارفرما ہے جس نے اس ملک کے باشندوں کے ذہنوں میں یگانگت
پیدا کرنے کی انتھک کوشش کی ہے۔" غالب" اس سلسلے کی کڑی ہیں
اپنشدوں، بھگوت گیتا اور بادرین کے اتر میما نسا کے سوتروں میں
اس فلسفۂ وحدت کی وہ روشن۔ تعلیم ملے گی جو ہندوستان سے
ماوراالنہر تک پہونچ گئی اور وہاں عربوں کا تسلط ہوا جب بھی ایرانی
مذہبوں کا بالکل خاتمہ نہیں ہوا۔" یہیں" تصوف کا پودا اُگا" یہاں
"ویدانت کے بیج منتشر تھے، اسلامی آب و ہوا میں، یہ اُگے اور
بڑھے اور تصوف کا تناور درخت بنے" مسلمان ہندوستان

آئے تو ان کے ساتھ اسلامی ویدانت یعنی تصوف اپنے وطن کو لوٹا۔
یہی ویدانت یا تصوف ہندوستانی ذہنوں کے پردوں کو
اٹھانے والا اور ایک دوسرے سے ملانے والا عامل ہوا۔ اسی کی
قسیری نیاز غالب کے کلام کی مٹھاس ہے" ایک شعر میں" غالب نے
اس دیرینہ خیال کو باندھا ہے ... "نقش فریادی الخ" اس شعر
میں ویدانت اور تصوف دونوں کو سمویا ہے.. تصویر حقیقت
نہیں، اسی لئے دوام پذیر نہیں ہوتی، مثل کاغذ کے اس کی زندگی
عارضی ہے.. تصویر جو کاغذی پیرہن میں قید ہے فریاد کرتی ہے۔
آخر میری کیا تقصیر ہے جو مجھے قید مکان و زمان میں بند کیا ہے.؟ یہ
کس شوخ ہستی کا مذاق ہے؟ غالب نے سوال ہی میں جواب دے
دیا ہے۔ اس کائنات کے پردے میں کوئی ایک ہے۔" جس کا
نام اور جس کے صفات نامعلوم ہیں۔ اس سوال کا کیا جواب
ہے۔ کہ اس نے چند روزہ عالم کو جس کی حیثیت نقش سے
زیادہ نہیں" کیوں پیدا کیا؟" ہندو فلسفے کا ایک مکتب ہے
جس کا نظریہ یہ ہے کہ برہم کے ماسوا کوئی شئے نہیں، وہ مختار
ہے، مجبور نہیں، دنیا اس کا کھیل ہے، شوخی ہے، لیلا ہے، اور
لیلا ایسی خود رو حرکت ہے، جس کے لئے کسی محرک کی ضرورت نہیں
گمان.. ہے کہ غالب نے ا ب فلسفہ سے استفادہ کیا ہے"۔
یہ صحیح ہے تو غالب نے" ہندوستان کے اس تخیل کو جو ہزار ہا برس
کی میراث ہے۔ اپنے شعر میں کھپایا ہے، وحدت الوجود کا ایک
دفتر جمع کر دیا ہے" اردوئے معلی سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ڈاکٹر

تارا چند نے کہاں تقریر کی، خود تقریر میں ہے ہماری کا بجا اور خوشبخت عقیدت ہے جو ہمیں ہر سال اس کے مزار پر کھینچ لاتی ہے ہمارا فرض ہے کہ کم از کم سال میں ایک مرتبہ یہاں جمع ہوں، اور ان احسانوں کا جو غالب نے ہم پر کئے ہیں، اقرار کریں ... ہم اپنی زندگی پر نظر ڈالتے ہیں اور ان لمحوں کو یاد کرتے ہیں جو ایک خاص ذہنی اور روحانی لطف سے محظوظ ہتے تو ان میں کچھ لمحے ایسے ضرور ملیں گے جن کا سرچشمہ غالب کا کلام تھا۔" انہوں نے ہندوستانی تہذیب اور ویدانت و اسلامی تصوف کے تعلق کے بارے میں جو کچھ کہا ہے، اس سے اختلاف کی گنجائش ہے۔ رہا غالب کا اپنشد وغیرہ سے متاثر ہونا تو اس کا مطلقاً کوئی ثبوت موجود نہیں۔ وہ اتنی متناقض باتیں کہتے ہیں کہ ان کے اصلی عقائد کا معلوم کرنا سخت دشوار ہے۔ شعر کا مطلب غالب خود بیان کر چکے ہیں۔ اور اس سے مختلف نہیں ہو سکتا۔

(۱۰) گفتۂ غالب، ماخوذ از بیاض مکتوبہ ۱۸۵۱ء ذخیرۂ دہلی انڈیا آفس۔ از ڈاکٹر احمد فاروقی، اردوی معلی غالب نمبر ۲، ص ۱۲۰۔ اس بیاض میں پہلے ذوق کا سہرا اس عنوان کے ساتھ ہے "گفتۂ ذوق شاعر استاد شاہی، سہرا جوانبخت بہادر... بن بہادر شاہ ... از شکم تاج محل،... جمید الثانی ۱۲۶۸ھ" پھر غالب کا سہرا بعنوان "گفتۂ غالب شاعر" بعد از آں، منظوم ہے گذارش احوال واقعی الخ" بعنوان غزل غالب۔ یہ سب ورق ۲۷ ب اور ۲۸ الف میں ہیں، ۲۸، ب میں ہے: "نوشتہ سید مراد علی یوم پنجشنبہ ماہ جمید الثانی ۱۲۶۸ھ"

## ج = (جہانِ غالب' راقم الحروف نے جو کچھ اپنی طرف سے لکھا ہے ۔)

—— ناظر وحید الدین کا سال وفات کا قطعۂ تاریخ عرف باغ دودر میں ہے : "کہ چون ناظر وحید الدین ز دنیا / انتقال گزنم آیا بہ کدام آئین. بود سال وفات / گفت غالب کہ سر زاری' اگر بنشین بر نند۔ خود بگویند تا" وحید الدین بود سال وفات' عرش ؛ ؟" اس پر 'لا' اور 'الی' لکھ کر کالعدم قرار دے دیا ہے۔ 'ناظر وحید الدین' سے ۱۲۷۴ نکلتے ہیں ؛ اس میں 'زاری' (مراد از سر زاری یعنی زاج) کے ۷ عدد جمع کر دیے جائیں تو ۱۲۸۹ (یہ صریحاً غلط طباعت ' ۱۲۸۱ چاہئے ج ، ہو جاتی ہیں جو سال وفات ہے" (اردو سہ ماہی غالب نمبر جنوری ۔ مارچ ۱۹۶۹ ص ۵۱۱) مرتب باغ دودر ؟" ناظر وحید الدین سے مراد ہیں سرسید کے بڑے ماموں .. مختار الدولہ وحید الدین احمد خاں بہادر جو ... مرزا جہانگیر کے بیٹے تیمور شاہ کی سرکار میں مختار رہے (حیات جاوید ص ۸۸) ناظر کہلاتے تھے (یہ بات مرتب نے بے سند لکھی ہے ج)۔ وحید الدین کی بجائے صرف وحید الدین بھی کہہ سکتے ہیں چنانچہ غالب نے علاء الدین احمد، شہاب الدین احمد ، امین الدین احمد اور ضیاء الدین احمد نام جزو آخر کے بغیر استعمال کیے ہیں .. وحید الدین احمد فتح دہلی کے بعد ایک موقع پر مسجد میں نماز پڑھتے ہوئے کسی سپاہی کی گولی سے مارے گئے تھے (حیات جاوید ص ۸۸)۔ مادۂ تاریخ میں ناظر وحید الدین کے اعداد ۱۲۷۵ (۱۲۷۴ صحیح ج) ہے سر زاری کے معنی نکے ۷ عدد کا تخرجہ ہے جس کا قرینہ ہے بر ند، اسی طرح سال وفات ۱۲۷۸ھ حاصل ہوتا ہے جس کی مطابقت ۱۸۵۷ سے نہیں ہے" (تحقیقنامہ) ——— ج :

ناظر جزو اسم نہیں' عہدہ ہے ، وحید الدین یا وحید الدین احمد غالب کے یہاں کہیں اور نہیں آیا ، اور علاء الدین احمد وغیرہ کا نام خواہ احمد کے ساتھ ، خواہ اس کے بغیر بکثرت آیا ہے اور ان لوگوں سے غالب کے تعلقات کا علم غالب کو بیشتر جاننے والوں کو تھا ، جس شخص کا نام صرف ایک جگہ آئے اور مقصد سال وفات کا اخراج ہو ، تو نامکمل نام کا استعمال ٹھیک نہیں ۔ سرسید کے ماموں کا نظر کہا جانا ثابت نہیں ؛ فتح دہلی کے بعد مقتول ہونے سے مراد یہی ہو سکتی ہے کہ ۵۷ یا ۵۸ء (مرتب ۵۷ء) میں قتل وقوع میں آیا ہو ، لیکن مرتب کے حساب سے ابتدا کا سنہ ۱۲۷۹ھ ہے جو ۱۸۵۷ سے چند سال قبل ہے۔ مرتب کے نزدیک بر ند بالفتح ہے ، صحیح بالضم ہے ، اور اس صورت میں تخرجہ نہیں ، کچھ اضافہ کرنا ہے ، اور ۱۲۷۴ پر اضافۂ ۷ سے ۱۲۸۱ ہوتا ہے ۔ ناظر وحید الدین کا خال سرسید ہونا صحیح نہیں ۔

—— ابو القاسم خاں مصلح الدولہ قاسم کا پورا نام بہادر شاہ کے روزنامچے (شائع کردۂ خواجہ حسن نظامی ..) کے اس اندراج سے معلوم ہوتا ہے ۱۲ دسمبر ۱۸۴۵ء کو مصلح الدولہ سید ابو القاسم خاں مرحوم وقائع نگار سلطانی نے خاں مرحوم وفات

نگار سلطانی سے بمرحمت دیا.. ایک دن میں انتقال کیا،» ص ۲۸۳۷ - یہ عبارت جناب عرشی کی ہے جو ان کے قلم سے غالب کے شعر ذیل کے متعلق نکلی ہے" ہم سخن اور ہم زباں حضرت قاسم و طپاں ایک طپش کا جانشیں دوسرا یادگار" (دیوان مرتبۂ عرشی ص ۲۹۶) لیکن اس شعر میں جس قاسم کی طرف اشارہ ہے وہ روزنامچہ مذکور کے ابوالقاسم خاں نہیں۔ گلستان سخن میں ابوالقاسم خاں کے دو اردو شعر درج ہیں اور ان کا ترجمہ اس طرح مرقوم ہے" محب" میر ابوالقاسم (خاں) خطابی تھا، (اس جگہ چھوٹ گیا ہے ج) برادر زادۂ ممنون.. حکیم احسن اللہ خاں کی قدردانی سے وقائع نگاری خاص سلطانی کو جہد سے ممتاز اور تا دم مرگ یہی منصب ان کے واسطے موجب امتیاز رہا - چند سال ہوئے کہ عالم فانی کو پدرود کیا " آثار غالب علی گڑھ میگزین کے غالب نمبر مرتبۂ مختار الدین احمد میں آثار غالب کے نام سے شامل ہے، اور دیوان مرتبۂ عرشی میں آثار غالب کے نام سے اس کا حوالہ ہے۔ اس میں ابوالقاسم خاں متخلص بہ قاسم کے بارے میں لکھا ہے: " دیوان جہاں.. میں ہے کہ خاندان شاہی سے کچھ قرابت رکھتے ہیں، نسخۂ دلکشا کے مصنف کا بیان ہے کہ خاندان شاہی سے تھے۔ ناسخ نے انہیں تیموری اولاد سے بتایا ہے۔ نسخۂ دلکشا میں ان کا ذکر اس طرح ہے کہ گویا مر چکے ہیں۔ قرینہ ہے کہ طپاں کی وفات کے کچھ ہی بعد راہی عدم ہوئے" ص ۸۰ ۔ مآثر غالب ص ۸۵ میں سال وفات طپاں ۱۸۳۲ ۔ ابوالقاسم خاں قاسم شاگرد طپش تیموری تھے اور ان سے غالب کے تعلقات زمانۂ قیام کلکتہ میں پیدا ہوئے۔ ان کے نام کے متعدد خطوط موجود ہیں ۔ یہ اصلاً دہلوی ہوں، مگر اس کا مطلقاً کہیں ذکر نہیں آیا کہ یہ کسی زمانے میں بھی مقیم دہلی تھے ۔ ابوالقاسم خاں محب تیموری نہیں، فاطمی تھے ان کا تخلص محب تھا قاسم نہ تھا، ان کا ایک لمحے کے لئے بھی کلکتہ جانا ثابت نہیں ۔ غالب سے ابوالقاسم خاں محب کے تعلقات کا کہیں ذکر نہیں آیا، لیکن دونوں کا تعلق شاہی دربار سے تھا؛ ایک دوسرے سے واقف ضرور ہونگے۔

—— میر کرم علی۔ خط پنج آہنگ اسمی علی بخش خاں از دہلی بہ فیروز پور جھرکہ - میر کرم علی را باعرضداشت (ناپدید نیست) بخدمت نواب (احمد بخش خاں ج) فرستادہ ام.. میر کرم علی را بسخن دلیری بخشید.. طرح آن افگنند کہ میر کرم علی زود برگردند" خط پنج آہنگ اسمی محمد علی خاں" دانم کہ از عہدۂ سپاس میر کرم علی کہ مرا بخاک آن آستان (خانۂ محمد علی خاں ج) رہنمونی کردہ اند، و بدان سر منزل خضر راہم گردیدہ اند، بیرون آمدن نتوانم، چہ جائے آنکہ مدح ملازمان گویم، حاشا، ثم حاشا " ۔ مجموعۂ دہلی میں بھی یہ عبارت ہے مگر نام کی جگہ خطی نسخے میں ضائع ہو گئی ہے۔ یہ عبارت اس پر مشعر ہے کہ محمد علی خاں کے یہاں غالب کی رسائی میر کرم علی کی بدولت ہوئی۔ مجموعۂ دہلی کے متعدد خطوط میں ان کا ذکر ہے (۱) خط اسمی میر کرم علی کا مطلب انہیں سمجھا دیں کہ انہیں اپنی "فکر الٰہی" سے کام لینے کی ضرورت نہ پڑے ۔ ان کا جواب عنایت ہو (۲) ان کے نام کا خط جاتا ہے۔ (۳) "میر کرم علی با آن ہمہ گرمخوئی و کوچکدلی یا سخنی نفر ستادہ.. میر کرم علی را بخلوت بنشانند و.. رازہا دریابند.. تا ظاہر شود کہ نواب (ذوالفقار بہادر ج) داہلہ رنجش با من چگونہ اند" (۴) اس وقت میر کرم علی کو خط نہیں لکھ سکتا۔ یہ خط ان سے چھپائیں ورنہ انہیں شکایت ہوگی۔ آئندہ انہیں خط لکھوں گا ۔ یہ سب خط کلکتہ سے باندا گئے تھے۔ میر کرم علی ظاہرا ذوالفقار بہادر کے متوسلین سے تھے ۔ باندہ والے ایک خط اسمی "دوست" (اس نام درج نہیں) مئی ۱۸۴۹ء میں میر کرم علی کی طرف سے دوست کو سلام ہے۔ یہ سب میر کرم علی ایک ہی ہیں یا مختلف اس کا فیصلہ میں نہیں کر سکتا۔

—— مرزا مغل۔ خط اسمی محمد علی خاں از چلہ تارا پر باندا "مرزا مغل صاحب بہ باندا فرمودہ بودند کہ عریضۂ اسمی جناب مولوی صاحب (محمد علی خان ج) بتھانہ دار چلہ تارا حوالہ باید کرد کہ او خواہد رساند" یہ خط مجموعۂ دہلی میں ہے۔ مرتب نامہ ہائے فارسی غالب نے اپنے مقدمے میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ جواد بیگ عرف مرزا مغل خواہرزادۂ غالب ہیں جن کا تعارفی خط بنام محمد علی خاں غالب تھانیدار کے حوالے کرنا چاہتے تھے ص ۲۲۔ مرزا مغل ایک شخص کا نام تھا جس نے باندا میں غالب سے کہا تھا کہ محمد علی خاں کو خط بھیجنا ہو تو تھانہ دار چلہ تارا کو دیا جائے۔ یہ مرزا مغل نہ غالب کے بھانجے تھے اور نہ انہوں نے تعارفی خط دیا تھا بھانجے ہوتے تو اس طرح ذکر نہ ہوتا، تعارفی خط باندا سے روانگی کے بعد بھیجنا بے معنی سی بات ہے۔ اشاریۂ نامہ ہے۔ فارسی غالب اس پر مشعر ہے کہ اس کتاب میں دو جگہ مرزا مغل کا نام آیا ہے، ص ۱۸ و ص ۲۳، ص ۱۸ میں مرزا مغل ضرور ہے، لیکن ص ۲۳ میں مرزا مغل بیگ ہے اس کا امکان ہے کہ غالب نے ایک جگہ پورا نام لکھا ہو اور دوسری جگہ نامکمل۔ لیکن مرزا مغل اور مرزا مغل بیگ ایک ہیں تو یہ غالب کے بھانجے نہیں ہو سکتے، اس لئے کہ مرزا مغل بیگ غالب کے ماموں کے بیٹے کے برادر بزرگ تھے۔

—— جانو ظہان کا خدمتگار تھا، ان سے شکایت کی ہے کہ ۳ دن سے بلا رہا ہوں نہیں آتا، بچوں کی درستی اس کے ذریعے مطلوب ہے۔ استدعا کی ہے کہ کل اسے بھیجیں۔ خط ۲۱ مآثر غالب "شکوہ بے پروایہای خدمت کار سرکار بیش از آنست کہ بتحریر آید.. ناچار ہیچ شبدرا بجا تو دعا نورا بخدا سپردم" خط ۲۳ ایضاً۔

—— فتح النسا بیگم بنت محمد نور خاں خواہر زادۂ فیض اللہ خاں، نواب یوسف علی خاں والی رامپور کی والدہ تھیں۔ مکاتیب غالب کے خط اسمی یوسف علی خاں ۲۱، ۸، ۱۲۷۵ میں ان کی موت کی تعزیت ہے، اور انہیں کے نام کے خط ۱۳، ۹، ۱۲۷۵ میں دو بیتی قطعۂ تاریخ وفات مادہ "خلد و خلا" باضافۂ عدد الف "آلیام" (=۱۲۷۵ھ) غالب لکھتے ہیں "تعمیہ کتنا خوب اور بے تکلف ہے" یہ قطعہ ان کے نام کے خط ۱۴، ۹، ۱۲۷۵ میں بھی ہے۔ (حالات حواشی مکاتیب غالب میں ہیں۔ بحوالۂ گلشن فتوحات علمی و اخبار الصنادید)

—— سکندر زمانی بیگم بنت امداد اللہ خاں، بن کفایت اللہ بن نصر اللہ خاں و آفتاب بیگم بنت کریم اللہ خاں بن فیض اللہ خاں، نواب کلب علی خاں والی رامپور کی زوجہ اور مشتاق علی خاں کی ماں تھیں۔ ان کی شادی ۱۲۶۲ میں ہوئی۔ خط مکاتیب غالب اسمی کلب علی خاں ۱۰، ۹، ۱۸۶۵ء "حضور کو ابتدائی جلوس میں وہ رنج پہونچا کہ اس سے زیادہ تصور میں نہیں آتا" اب مدۃ العمر حضرت کو کوئی غم نہ ہوگا، قطعۂ تاریخ وفات کے دو ابیات میں سے بیت آخر "چو سیار روضہ (= ۱۲۸۲) بود سال فوتش سپہر اسم دی یاد جنت مکانی" (حالات حواشی مکاتیب غالب میں ہیں، بحوالۂ انتخاب یادگار و اخبار الصنادید)

—— فاضل، شطرنج باز کو بموجب تحریر مرزا رحیم الدین بہادر حیا خرچ دے کر روانہ کیا۔ مکاتیب غالب خط اسمی نواب کلب علی خاں، ۲۲، ۷، ۱۸۶۷ء جناب عرشی نے حواشی مکاتیب غالب میں لکھا ہے کہ حیا کے پوتے سے دریافت کیا وہ نہ بتا سکے کہ فاضل کون تھا۔

—— راو شیو راؤ۔ مآثر غالب کے ایک خط میں جو یقیناً ہے کہ تپاں کے نام سے ہے یہ مطالب ہیں: ایک لطیف بات سوجھی ہے، چاہتا تھا کہ آپ کے یہاں آؤں، اور آپ کے ساتھ راؤ صاحب والا مناقب راؤ شیو راؤ صاحب کے یہاں چلیں،

لیکن خلوت جیسی چاہئے ان دو جگہوں میں میسر نہ ہوگی اس لئے گذارش ہے کہ یہ رقعہ انہیں بھیج دیں، اور آخر روز یا اول شب، آپ اور راؤ صاحب میرے یہاں قدم رنجہ فرمائیں۔

—— خواجہ مستقیم۔ مآثر غالب کے ایک خط میں جو قیاس متقتضی ہے کہ تیاں کے نام کا ہو، اور جس میں نواب مہدی علی خاں، کا نام آیا ہے، مرقوم ہے "بخدمت خواجہ صاحب مشفق خواجہ مستقیم صاحب سلام نیاز و بپذیرائی بہرہ ور گزیدہ باد" اسی کتاب کے ایک دوسرے خط میں جس کے متعلق یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ تیاں ہی کے نام کا ہے، یہ عبارت ہے "دیوان ظہوری، اغلب کہ بہ خواجہ مستقیم صاحب رسیدہ باشد"

۲ مصرعوں کی تضمین بھی ہے۔

—— غالب بلند خیال قطعات "مفتون کو لڈی شاعر غالب نمبر فروری مارچ ۱۹۶۹ —— دو دو شعروں کے ۹ قطعے مختلف زمینوں میں قطعۂ آخر "فلسفہ منطق و تخیل کی آمیزش ہو اس کو جذبات و تاثر سے دیا جائے نکھار / اس میں پھر لطف زبان حسن بیاں کی ہو جھلک ہو خمیر ایسا تو ہو پیکر غالب تیار" ان قطعات میں غالب کے ۵ مصرعوں کی (۲ میں تصرف) اور ایک مکمل شعر کی تضمین

—— بہروپ، خالد شفائی، شاعر غالب نمبر فروری مارچ ۱۹۶۹ ص ۳۱۹ - ۳۱ مصرعوں کی نظم مصرعہائے ۱ تا ۵ "غالب اک قومی شاعر تھے / غالب ایک مہان کوی تھے / غالب ایک انمول بے تن تھے / غالب تھے سرتاج کلا کے / غالب پر گورو اور ابھیمان ہے ہم کو" مصرعہائے ۱۱ و ۱۲ "غالب نے اس دیش کا سارے جگ میں روشن نام کیا" مصرعہائے ۲۸ تا ۳۱ "لیکن ہم / غالب کی بھاشا / اس بھومی پر / پھولنے پھلنے کبھی نہ دیں گے"

—— غالب اعجاز صدیقی، شاعر غالب نمبر فروری مارچ ۱۹۶۹، ص ۵۱۶ —— ۱۴ ابیتی قطعہ اشعار ۱۳ و ۱۴ - "وہ عہد جس میں تجھے داد فکر و فن نہ ملی اس

اپنے عہد کی معراج قد بہ قد تو تھا۔ تجھے یوں تو حافظ و بیدار بھی میر و مومن بھی مگر اسد مجھے کہنا ہے یکہ تو تو تھا"

—— غالب، جمیل مظہری، شاخسار (مجلہ کٹک) مشترکہ شمارہ ۲۴، ۲۵، ۱۹۶۹، ص ۱۸ قطعہ ۱۲ بیتی اشعار ۹ تا ۱۳؛ "وہ نظر دی کہ چٹانوں کے کلیجے میں جمیل رقص اصنام دل آرا نظر آیا مجھ کو / ذہن امروز کو تولا تو وہ پیغمبر فن آج بھی شاعر فردا نظر آیا مجھ کو / کیوں نہ سجدے میں جھکے فکر کہ دیوان اس کا مصحف دیدۂ بینا نظر آیا مجھ کو / جب بھی اس مصحف الہام کے اوراق الٹے لیک پردہ سا سرکتا نظر آیا مجھ کو / مظہری جب بھی کھلا اس معانی کا طلسم تو مراطق بھی گویا نظر آیا مجھ کو۔

—— غالب اور نئی نسل، کرامت علی کرامت۔ شاخسار مجلہ کٹک، شمارہ ۲۴، ۲۵، ۱۹۶۹، ص ۸۲ تا ۸۴ —— نظم ۵۸ مصرع، ابتدا کے ۴ مصرع "اے مرے خوابوں میں بسنے والے میرے گلشن ناآفریدہ کے امین رنگ و بو / اے مری دشت تصور کی صدائے بازگشت / اے کہ تم ہو ناشنیدہ نغمہ دنیا کے نقیب / تم بظاہر خود کو کہلاتے ہو میرے فلسفے کے پاسباں" یہ غالب کا خطاب نئی نسل سے ہے، اس کے بعد وہ کہتے ہیں۔ تم یہ کہتے ہو کہ مایوسی تنہائی کی قدریں اور ویرانی کا جذبہ میرا تمہارا مشترک اثاثہ ہیں، تم یہ کہتے ہو کہ تمہاری طرح بھی عرفان ذات تھا جس سے راز ہستی مجھ پر منکشف ہو گیا تھا اور مجھے پیکر تراشی میں مہارت تھی، لیکن یہ بھی سوچا کہ اب صدہا ہنہیں کہ ملیتی مٹ کر اجزائے ایماں ہو سکیں۔ میری تنہائی گویا انجمن در انجمن تھی، لیکن تمہیں انجمن میں تنہائی کا جذبہ ناگ بن کر ڈس رہا ہے۔ تمہارا فلسفہ زندگی یاس ہے لیکن میری یاس میں آس اور آس میں یاس تھی، میری ویرانی تہذیب شکستہ کا کھنڈر تھی جس پر ایک نئی تہذیب کا قصر حسین تعمیر ہو چکا تھا،

—— قاضی فصیح الدین بداؤنی کے نام سے قبلہ کرمی، اور ایک جگہ "ایہنس فرخندہ آیین" لکھا ہے۔

یہ آگرہ سے دہلی پہنچے تھے اور تفضل حسین خاں
سے مل کر آئے تھے، ان سے غالب کو معلوم ہوا تھا
کہ تفضل حسین خاں ٹونک سے متھرا اور متھرا سے آگرہ
گئے تھے۔ غالب لکھتے ہیں کہ "نہیں" جون خود ثنا
خواں و در ستایش یا خویشتن ہم زباں یافتم" (باغ
دو در خط ۱۲ اسمی تفضل حسین خاں)

—— احمد مرزا بن عاشور بیگ خواہرزادۂ غالب
"۱۹ برس کا بچہ" مقتولین ہنگامۂ ۵۷ میں تھا خط
اسمی ۔ مرزا" ۲، ۵۰۲، ۱۲۷۶ — دستنبو میں اکے
قتل کا ذکر نہیں۔

—— عاشور بیگ "غم مرگ میں قلق نا مبارک
سے قطع نظر کر کے اہل شہر کو گنتا ہوں۔ مرزا عاشور
بیگ میرا بھانجا، اس کا بیٹا احمد مرزا" (مراد از مقتولین
ح) خط اسمی یوسف مرزا، ۲، ۵۰۲، ۱۲۷۶ ——
دستنبو میں ان دونوں کا نام بھی نہیں آیا۔

—— دل ناداں تجھے ہوا کیا ہے، فلک پیما (میاں
عبدالعزیز ح) 'غالب سے معذرت کے ساتھ'
ص ۱۰۸ تا ۱۱۰ — "مرزا غالب کی ایک مشہور غزل
کے سوالوں کا حل شاید ناظرین ہمارا ہوں (ماہنامۂ
لاہور' شمارہ ۲ ح) کو اور چند سوالوں کے انکشاف
میں مدد دے۔ سوال" دل ناداں۔۔ دوا کیا ہے"
جواب" ہوا ہے خبط اور دوا ہے کام" سوال" ہم ہیں
مشتاق۔۔ ماجرا کیا ہے،، جواب"۔۔ بالکل ممکن
ہے کہ پیر و مرشد نے یہ سوال انگلستان کی طرف
سے ہندوستان کو مخاطب کر کے کیا ہو۔ اگر یہ
قیاس صحیح ہو تو ممکن ہے کہ درست جواب صرف
ایک لفظ ہو "جیب" دل ناداں! لخ کی زمین میں
خود فلک پیما کی ۶ بیتی غزل جس کا تعلق انقرہ فنڈ
سے ہے جس کی بہت بڑی رقم تحریک خلافت کے زمانے
میں ضائع ہو گئی تھی بیت آخر خادم القوم سے حساب
طلب تو نہیں جانتا دغا کیا ہے۔

—— غالب کی یاد میں' اسما سعیدی' اردو دہلی
معلی غالب نمبر فروری ۱۹۶۰' ص ۹ - ۴ رباعیاں

بیت ار باعی اور جذبات کے انداز کو بھلا تو نے
افکار کی پرواز کو ہر لا تو نے بیت آخر رباعی ۴
اشعار بہار خلد کے آئینے دنیا سے نرالی ہے تری
طرز سخن"

—— "غالب خستہ کے بغیر" (چند رباعیات) [illegible]
آبادی شاعر غالب نمبر فروری مارچ ۱۹۶۹' ص ۳۰۴
کوی ۷ رباعیاں۔ ۲ رباعیوں کا ایک ایک مصرع۔
"غالب بھی عظیم تھا کہ غالب بھی عظیم" "غالب نے دیا موڑ
نیا اردو۔

—— بیخبر دور تو قمر اقبالی شاعر غالب نمبر فروری
مارچ ۱۹۶۹ ص ۳۰۸ —— چار چار اشعار کے ۸
بندوں کی ایک نظم بیت ۱۔ تو وہ شاعر کہ جو بیخبر دور
تو تھا ہے مقدس ترے دیوان کا ہر ایک ورق،، بعض
مصرع یا مکمل شعر تو نے دریافت کئے فکر کے نادیدہ
افق" "تو مرے دور کا شاعر تو نہیں ہے لیکن ہیں مرے
دور کی پرچھائیاں شعروں میں ترے" "زندگی کھینچ
رہی ہے کروٹ ترے ہر مصرع میں۔ اس نظم میں غالب کے
تمہاری ویرانی ایک بنجر سرزمین ہے جس
میں نخل آرزو کی نشو نما کے لئے تو مدتوں ترسا تھا
انا کی خول میں چھپ کر سمجھتے ہو کہ عرفان ذات
حاصل ہو گیا۔ میری انا کے قبضے میں ساری کائنات
تھی۔ میری روح شاعری سے تم نا آشنا
رہے۔ میرے فن کو بازیچہ سمجھ لیا ہے۔ زندگی
سے میرے فن کا جو تعلق ہے اسے تم نے نظر
انداز کر دیا۔ میرا تمہارا کیا واسطہ؟ آخر کو ۳
مصرع "اس لئے میرے عزیزو آرزو اتنی ہے کہ مجھ
کو تو نے گمنامی کے غاروں کی لحدوں میں یوں اتار
آئے / کہ میرا ہمنوا کوئی نہ ہو اور ہمزباں کوئی نہ ہو"
یہ نظم شاخسار میں نشر کر بہ آل انڈیا ریڈیو پٹنہ
چھپی ہے۔

—— خالق الفاظ و معانی، ماجد الباقری، شاعر
غالب نمبر فروری مارچ ۱۹۶۹ ص ۳۱۶ ——
غزل متعلق غالب' ابیات ۱۶، قوافی گفتار سردار

وغیرہ، ردیف "ہے غالب"، بیت "سو سال کے بعد آج کی گفتار ہے غالب اقلیم سخن کا دہی سواد ہے غالب" مصرعہائے ۳ و ۱۳، ۲۷، ۳۲، "غالب ہے غزل اور غزل سے ہے زمانہ" "انسان سے ہے انسان کی عظمت کا امیں ہے" "سر جس کا جھکا ہی نہیں تنقید کے آگے" "ہم جس کی رعایا ہیں وہ سرکار ہے غالب"۔

—— غالب، محسن فروغ، شاعر غالب نمبر فروری مارچ ۱۹۶۹، ص ۳۰۴ تا ۳۰۳ —— نظم، ایک بحر میں ۱۱ اشعار ۳ مختلف زمینوں میں شعر اول "اتفاقاً کبھی صدیوں میں گذر کرتا ہے سوئے گیتی کوئی میقلگ آئینہ سنگ" متعدد مصرعوں میں غالب کے مصرعوں کی صدائے بازگشت سنائی دیتی ہے، ازاں جملہ "شیوۂ عشق تنگ ظرفی منصور نہیں" "آبگینے کو مے تند سے پگھلاتا ہے" شعر آخر "تری تخییل کی کھاتا ہے ہمالا سوگند، کہ دیوان ترا دید مقدس کی نظیر"

—— تخییل کا خدا، زبیر کنجاہی، شاعر غالب نمبر فروری مارچ ۱۹۶۹ ص ۳۱۸ —غزل، ۱۷ ابیات درباره غالب بیت ۱ و ۲ "تجھ سا شاعر نہ زمانے میں ہوا تیرے بعد جو تیرے رنگ میں ہو نغمہ سرا تیرے بعد" "شاعری جیسے نجا زہ سر مدفن خاموش جلوۂ فکر سیہ پوش ہوا تیرے بعد" (جو اول مصرع غالب بتصرف ہے) مصرع ۴ "کون کہلایا تخییل کا خدا تیرے بعد"

—— برگ سبز، طالب چکوالی، کوہ نور پرنٹنگ پریس دہلی ۱۹۶۵، ص ۲۲۴ — مجموعہ اشعار مع حالات زندگی، جن سے معلوم ہوتا ہے: نام منوہر لال، پسر لالہ بالمکند کپور، ۱۹۰۰ء تقسیم ہند کے بعد وطن چھوڑ کر دہلی میں بس گئے۔ ص ۱۴۳ میں ۸ بیتی نظم "غالب کے مزار شکستہ پر" جس کے ساتھ یہ اطلاع ہے، ۱۹۵۰ میں دہلی میں لکھی گئی اور مخزن لاہور میں شائع ہوئی، بیت ۲ "ادب سے ذرا پاؤں رکھنا یہاں پہ یہ خوابگاہ نقیب خیال/ادب ہے کہ غالب کی تربت ہے یہ" یہ غالب سے شاعر کی تربیت کا

حالی" ص ۱۲۰ —میں مشاعرہ یوم غالب دہلی ۱۹۴۹ کی طرحی غزل، محسن کا ذکر نہ کرنا "حسن نظر ہونے (کذا) تک" ۶۷۔ ص ۱۴۲ میں ۱۹۵۰ کے مشاعرہ غالب ڈے دہلی کی غزل، اس کا مقطع "میری باتوں سے بھی غالب رنگ غالب ہے عیاں میری باتیں بھی حدیث بزم ہمکاں ہو گئیں"

—— غالب کا الحاقی کلام — ایک داستان، جلیل قدوائی، اردو سہ ماہی غالب نمبر جنوری تا مارچ ۱۹۶۹، ص ۳۵۵ تا ۳۶۳ — غالباً ۱۹۲۳ میں میری ملاقات وصل بلگرامی سے ہوئی، جو اس زمانے میں لکھنؤ سے ماہنامہ مرقع نکالتے تھے، بعد کو ان سے بے تکلفی کے تعلقات ہو گئے، اور میں ان کے یہاں ٹھہرنے لگا۔ ایک بار شام کے وقت ان کے یہاں کچھ لوگ جمع تھے، کسی نے آسی کا کلام سننے کے بعد ان سے اچانک کچھ اس قسم کا سوال کیا "کہیے غالب کا غیر مطبوعہ کلام کچھ ہوا؟" آسی نے جواب دیا: "جی کیوں نہیں پچھلے دنوں تھوڑا بہت ہو لیا ہے، دو ہیش کرتا ہوں" اور ایک آدھ غزل یا اشعار ایسے سنائے جن پر بلاشبہ غالب کے فن کی چھوٹ پڑتی معلوم ہوتی تھی" میں شبہے میں پڑ گیا، مگر حاضرین اسے ایک لطیفہ سمجھے اور ہنس۔ اس کے بعد بھی اس قسم کا کلام آسی کی زبان سے سنا۔ ۱۹۲۵ میں ڈاکٹر عشمت الہی سے دہیں ملاقات ہوئی، جن کی نسبت یہ علم ہوا کہ "ملا فروشی" کرتے ہیں۔ حامد اللہ افسر سے ان کے متعلق بعد کو یہ خبر ملی کہ اس سلسلے میں انہیں سزا ملی، اور یہ اسی حالت میں فوت ہوئی۔ ایک مدت کے بعد انہیں کی بیاض سے نیاز نے آسی کی "دریافت" کے طور پر غالب کا غیر مطبوعہ کلام شائع کیا، اور یا لآخر یہی باقیہ کلام غالب کا ایک مستقل حصہ بن گیا، اور دیوان غالب مرتبۂ عرشی میں بذیل "یادگار نالہ" بحوالۂ آسی شامل ہوا عرشی نے شبہے کا اظہار ضرور کیا، مگر اس کی وجہ نہیں بتائی۔ میں نے ۱۹۶۰ میں بمشورہ سید ہاشمی فرید آبادی کلام غالب کا انتخاب بترتیب نو شائع کیا تو اس میں کچھ آسی کا پیش کردہ کلام بھی آگیا، مگر میں نے اس نوع کے جو اشعار خود ان کی زبان سے

سنے تھے، نہ پیے۔ عرشی کو اس کا شمول پسند نہ آیا، شاید اس لیے کہ اس سے پہلے میں انہیں آسی سے منسوب کلام کو غیر معتبر بتا چکا تھا۔ میں نے ایک مدت تک ان امور کو بطور مقالہ سپرد قلم نہیں کیا، لیکن مالکرام و عرشی کو اس کے بارے میں خطوط لکھے اور ناظم سیتاپوری و حامد اللہ افسر سے اس کے متعلق گفتگو کی۔

— غالب کا انداز بیان؛ رضا علی وحشت نساخ سے وحشت تک۔ مصنفہ سید لطیف الرحمٰن طبع کلکتہ ۱۹۵۹۔ مصنف نے اطلاع دی ہے کہ مقالۂ وحشت ص ۲۲۶ تا ۲۳۵ "نقاد" آگرہ جنوری ۱۹۲۰ میں شائع ہوا تھا۔ آغاز مقالہ اس شعر سے ہے "ہیں۔۔ غالب کا ہے انداز بیاں اور"۔ غالب کا انداز بیان اسے ریختہ گویوں میں ممتاز کرتا ہے، وہ ایک "طرز خاص الخاص کا موجد ہے"۔ اس نے اردو شاعری میں وہ باتیں پیدا کیں جو پہلے نہ تھیں۔ دہلوی معاصرین غالب میں علوی، صہبائی، آزردہ، مومن، ذوق، احسان، شیفتہ، نیر ایسے لوگ تھے جن کی مثال بزم پیشیں میں بھی نظر نہ آئی ہوگی۔ معاصرین پر غالب کا "غلبہ" "ندرت تخیل" کی بدولت تھا۔ ادائل میں جو رنگ اختیار کیا ہے اسے خود اس نے "طرز بیدل" کہا ہے مگر وہ مخصوص بہ بیدل نہیں۔ اس طرز میں عموماً تصوف و فلسفہ کے مطالب ادا کیے ہیں۔ اس رنگ کے کچھ شعر "بوجھل" نظر آتے ہیں، مگر ان کے "ثقالت" ناگوار نہیں۔ اعتراض ہوا ہے کہ غالب کا ہر اردو شعر زبان کے معاملے میں سند کا کام نہیں دے سکتا، اسکے خیالات کی بلند پروازیاں اس حد تک پہنچی ہیں کہ بیچاری زبان متحمل نہیں ہوتی" وہ جرات میں جدت پیدا کر لیا کرتا ہے اور سادہ طرز بیان اسکا دستور العمل" نہیں اپنی مشکل پسندی کا وہ خود معترف ہے "سخن سادہ دلم را نفریبد غالب نکتہ چند ز پیچیدہ بیانی بمن آر" مگر اس کے بہت سے اشعار اپنی صفائی میں عدیم النظیر ہیں۔ بیدل کے یہاں یکرنگی مضامین دماغ کو منقبض کرتی ہے، تصنع واضح نظر آتا ہے" اور

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اجتماع الفاظ محض مرعوب کرنے کے لئے ہوا ہے، مگر ایسا "بلند پایہ شاعر ہند میں پیدا نہیں ہوا، عجم میں بھی ایسے "متین الکلام سخنور" کم ہیں۔ اس کا انداز مطبوع شعرای عجم" نہیں گویا ہندوستان کا اختراع ہے شوکت و اسیر کے کلام میں کسی قدر اس کی مشابہت" ملتی ہے۔ "غالب نے اردو میں یہ طرز ایجاد کیا، لیکن اپنے فارسی کلام میں اس کی ہوا تک نہ لگنے دی" اردو میں اس سے ایک خصوصیت پیدا ہو گئی جو ہرگز خالی از لطف نہیں، مثلاً "ہے آزردگاں کا "ہمہ۔۔ خوردگاں تھا" غالب اردو میں کسی کے مقلد نہیں، دیوان میں ایسے اشعار ملتے ہیں، جن سے ذاتی قوت مشاہدہ ظاہر ہوتی ہے، وہ ہر چیز کو فلسفیانہ نگاہ سے دیکھتا ہے، "لفظی شاعری اور مصنوعی رعایتوں سے محترز ہے" "زندگی کے اہم مسائل" پر اس کی نظر ہے، اور وہ پامال مضامین پر قانع نہیں۔ غالب کے بہتیرے شعر بطور ضرب المثل مستعمل ہونے لگے ہیں" "اس سے بہتر ثبوت حسن بیان کا ممکن نہیں" اکثر موقعوں پر بے ساختہ غالب کا شعر حسب حال ہوتا ہے" اور بے ساختہ زبان سے نکل جاتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے ہی لئے یہ شعر کہا ہے"۔ اس کے یہاں مضمون تابع قافیہ نہیں، تصنع نام کو نہیں" اس لئے کلام اثر میں ڈوبا ہوا ہے" اس کی گریں رکابی" کی شکایت ہے تو سکڑا داد طلب ہے بعض اشعار میں لطف بیان کی معراج ہو گئی ہے۔ غالب کا خاص انداز رنگ ہے مثلاً کی پشیماں ہوتا ہے۔۔ غمگسار ہوتا" "میں۔ ہوا تھا زندگی۔ یاد آیا، غالب۔۔ کیوں "تم۔۔ گناہ ہو" جب۔۔ خانقاہ ہو" غالب۔۔ اجارہ نہیں کرتے، مقصد۔۔ بغیر موت۔۔ نہیں آتی، دل۔۔ کیا ہے، ہم۔ ماجرا کیا ہے، اپنا۔۔ ہو آئے، اس۔۔ رو آئے، قہر۔۔ ہوتے، ایں۔۔ کرے کوئی، نکلے۔۔

ہم نکلے، کہاں.. ہم نکلے، کیا.. طور کی، ایسے بہت سے اشعار اور بھی ہیں۔ اس کی ایک خصوصیت کی کثرت استعمال ہے اس سے عجیب کیفیت پیدا کر دیتا ہے، مثلاً پنہاں.. ہم ہو، دام.. تنگنا نہ لٹنا۔ رہزن کو۔ "غالب بھی حسن الفاظ کا گرویدہ ہے اور لفظوں کی آرائش سے" مضمون کو چارچاند لگا دیتا ہے مثلاً بوی.. پریشاں نکلا' غالب کا قطعہ" اک تازہ وارداں بساط ہوائے دل.. توش ہے ان جو اردو کا بہترین قطعہ ہے' اور غزل مدت ہوئی ہے یار کو مہماں کئے ہوئے لو.. رنگینیٔ الفاظ کی بہت اچھی مثالیں ہیں۔ تشبیہ ابیانی، جان تغزل ہے، اور غالب اس کا بادشاہ ہے "وہ انداز وہ ادائیں جن کے بیان.. سے الفاظ قاصر ہیں' ان کی تشریح غالب کی زبان سے سنئے".. لاکھوں.. عتاب میں جان.. سم ہے ہم کو، غیر.. شرما جائے ہے، نہ ہے.. کیا کہیئے، وہ۔ آشنا کہیئے، بہت.. کم ہے، کس.. درمیان نہیں، منہ.. منہ پہ کھلا، اس قسم کے متعدد اشعار دیوان میں ہیں 'غالب شیوا بیانی میں عدیم المثال' ہے کوئی اردو کا شاعر اس شہسوار میدان سخن کی گرد کو نہیں پہنچا۔ محض فارسی تراکیب و اضافت کی کثرت استعمال سے تتبع غالب کا حق ادا نہیں ہو سکتا، فارسیت نے غالب سے بہت سے شعر کہوائے ہیں جو "حسن بیان اور خوبی تخیل" کا بہترین نمونہ ہیں' لیکن اس سے کہیں کہیں اردو پر ظلم بھی ہوا ہے 'مرغوب آنا، ساغر کھینچنا۔ نا کھینچنا' گنہ نہیں آتا محاورۂ اردو کے خلاف ہے۔ شبنم بگل ولالہ نہ خالی ادا ہے' میں 'نہ' بجائے 'نہیں' قابل اعتراض ہے اس کی شکایت بجا مگر اسکا یہ احسان بھی ہے کہ اس کی بدولت اس کی اردو شاعری میں وہ متانت آگئی کہ بعض معمولی الفاظ بھی دلفریبی کی ایک شان رکھتے ہیں

—— غالب کی قنوطیت' سلطان مقصود' شاعر فریدی ۴۸ ۱۹ ص ۹ تا ۱۵ — غالب پر مصیبتیں نازل ہوئیں انہیں نا قدر دانوں کا شکوہ رہا، نہ ستائش۔ نہ صلہ کی "سے بے نیازی ٹپکتی ہے مگر پاس کی جھلک لیئے ہوئے غالب طبعاً شگفتہ خاطر تھے، مگر ضرور نہیں اس طبیعت کا آدمی متفاد دل بھی ہو۔ غالب کا خندہ دراصل گریہ ہے۔ قنوطیت سے مراد نظام عالم سے اظہار مایوسی ہے۔ دنیا میں غم ہی غم ہے عیش ہے تو محض غم کو دوبالا کرنے کے لیئے: حنائے پائے خزاں ہے بہار اگر ہے یہی دوام کلفت خاطر ہے عیش دنیا کا،، کے صحیح معنی یہ ہیں کہ جس طرح حنا سے زینت پیدا ہوتی ہے اسی طرح بہار یعنی عیش دنیا سے کلفت خاطر میں دوام آجاتا ہے۔ غالب جانتے ہیں کہ شکست یقینی ہے مگر ہمت نہیں ہارتے۔ مدت ہوئے جامعہ ملیہ (کذا ح) میں ایک نامکمل سلسلۂ مضامین نکلا تھا جس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی تھی کہ غالب نہایت طربیہ طرز فکر کے مالک تھے یہ دنیا درکنار، غالب کے نزدیک تو موت بھی بدخوشی کے سامان کا ہونا مشکوک تھا، مگر یہ انہیں کی ہمت تھی کہ وہ دونوں جہاں سے مایوس ہو کر بھی پائے عمل کو سست کرنے کی صلاح نہیں دیتے، بلا میں ہے تکلف کود پڑنے کیلئے کہتے ہیں:

—— بیمانۂ عہد غالب کی دہلی میں عام طور پر مستعمل نہ تھی اور غالب کی نظم و نثر میں اسکا نام تک نہیں آیا۔ یادگار غالب میں البتہ یہ کہ شیفتہ کے یہاں وحشت کا آنا معلوم کر کے غالب نے انہیں حافظ کا شعر بتصرف اس طرح لکھا تھا "چو با حبیب نشینی و بادہ پیمائی بیاد آر حریفان بادہ پیما را" غالب کا یہ خط جسکی طرف یادگار غالب میں اشارہ ہے نایاب ہے۔

—— فرنچ۔ پانیوکی حد کا نومنش فرنچ اور شامپین (کذا ح) کے رنگین مصرعے.. ہیں، میں کہاں وہ تمر بہ پیتے جاؤں گا؟ خط اگلی مہر نیمروز ہو۔ فرنچ بقول فرانسیسی چیز ہے فرانس کے باشندوں اور وہاں کی زبان کو بھی فرنچ کہتے ہیں لیکن کسی خاص شراب کو فرنچ نہیں کہتے۔ غالب کے زمانے کی دہلی میں بعض خاص فرانسیسی شرابوں کو جو شیمپین سے مختلف ہیں، فرنچ کہتے ہیں تو اور بات ہے۔

غالب اور تلامذۂ غالب تذکرۂ بشیر میں' مرتبہ مشفق خواجہ (ج ۲) اردو سہ ماہی غالب نمبر جنوری تا مارچ ۱۹۶۹ء ص ۲۲۰ تا ۲۲۴۔ شاہ بہاء الدین بشیر دہلوی م ۱۲۶۹ اخترزادہ سمیر بن شاہ نصیر نے ۳ تذکرے لکھے تھے۔ نگارستان بشیر تذکرہ قطعہ گویاں جس کے صرف ابتدائی اوراق ملے ہیں۔ بہارستان اشعار اور فیضان نصیر، ہر سہ نام تاریخی، دوسرا اور تیسرا بالکل ناپید ہے۔ ان تذکروں کا "بنیادی مواد" مختلف تذکروں کے حواشی میں موجود ہے۔ بشیر نے جن شعراء پر جو حواشی لکھے ہیں، ان میں سے

کے پیش کردہ معلومات پر اضافے سے قطع نظر اس میں نئے شعرا کا ذکر ہے۔ کتابیں جن پر بشیر کے حاشیے ہیں انجمن ترقی اردو کراچی، اور دانشگاہ پنجاب کے کتب خانوں میں ہیں۔ بشیر کی ایک بیاض علیگڑھ میں ہے۔ وہ تا رجب جولائی ستمبر ۲۴۔ بشیر کو تاریخ گوئی سے بیحد دلچسپی تھی، ان کا ایک مجموعہ کنز تواریخ ہے۔ شعرا کے حالات سے متعلق بشیر کی کل دستیاب شدہ تحریریں تذکرۂ بشیر کے نام سے مرتب کر لی گئی ہیں۔ اس میں ۳۴ تلامذۂ غالب ہیں جن میں سے ۵ کو کسی نے شاگرد غالب نہیں لکھا۔

کنز تواریخ از بشیر دہلوی (غالب اور تلامذۂ غالب تذکرہ بشیر میں) کا قلمی نسخہ غالباً کتب خانہ انجمن ترقی اردو پاکستان میں ہے۔ اس میں م غالب کے ۹ قطعات تاریخ ہیں: (۱) "غالب یکتائی دوران" مادہ "موجد طرز فصاحت شد از ین دنیا" (۲) مادہ "بنیاد سخن از پا بیفتاد" (۳) مادہ "سرشار صہبائی معنی بمرد" (۴) "خسرو اقلیم معنی" مادہ "فرشتہ نسکر" (۵) مادہ "گل ہوئی ہے شمع بزم سخن" (۶) مادہ "ہے ہے ہوا افسوس کشور معنی" (۷) مادہ "پیا آج غالب نے جام فنا" (۸) ۲۹ بیتی قطعہ (باقی ۲ بیتی ج) مادہ دہی جو ہے کا (۹) "از سر اسم ذات (الف) اللہ ج) شد تاریخ رشک سرفہ دیہسر صابہ" (بشیر نے خلاف قاعدہ صاحب کا ۹۳ لیا ہے ج)

عود ہندی طبع اول۔ عبارات صفحہ کہ ۱ "خداوندی نسبت بندگی نہ پیری درو نہ پراگندگی" بفضل واہب العطیات خالق بالخیر والحسنات انشاد (گذا ج) اردو لاجواب موسومہ بہ / عود ہندی / من تصنیف جناب استاد زمان علامہ عصر اسداللہ خان المتخلص بہ غالب حسب فرمائش مجمع خوبیہائے جہان میاں محمد ممتاز علی خان رئیس میرٹھ / در مطبع مجتبائی واقع میرٹھ طبع گردید" صفحہ ۲ میں بعد بسم اللہ الخ ۱۱ سطور، سطر ۱۱ "بندے سے خدا کی تعریف ہو کیا مجال ہے، زبان محدود ہے خالق کو سکے نہ وہم و خیال ہے۔ لغت کا" پیشرو نوشتہ ممتاز علی خان ص ۲ تا ص ۲ سطر ۱: "نجم الدولہ اسداللہ خاں بہادر غالب: کی ذات با کمالات محتاج تعریف نہیں۔۔ کوئی آفتاب کی تابش کے دلائل لاوے تو کب عقل کا مقتضا ہے؟ ۔۔ سارا ہندوستان جانتا ہے، ایران تک ان کی جادو بیانی کا چرچا ہے" مدت سے خیال تھا کہ غالب کی تصانیف فارسی چھپے، لیکن اردو کا کوئی کلام" (اس جگہ نظم و نثر دونوں مراد ہیں ج) بجز دیوان طبع نہ ہوا (عود ہندی سے قبل نامہ غالب لطائف غیبی اور تیغ تیز کا انطباع ہو چکا تھا ج) حالانکہ ان کی نثر اردو بہ نسبت ان کی فارسی کے "ہزار درجہ بہتر" دیدہ سلاست بیان شستگی زبان صفائی محاورہ، شوخی ادا اور ان کو کب میسر ہے اس کا ذکر غالب کے شاگرد "یکتا" چودھری عبدالغفور سرور سے آیا۔ انھوں نے اپنے نام کے کل خطوط یکجا کر کے اس پر ایک دیباچہ لکھا اور مجموعہ مجھے دیا۔ میں نے خود بھی جابجا سے غالب کی تحریریں فراہم کیں خواجہ غلام غوث خان بے خبر غالب کے "مخلص با اختصاص" نے بھی تلاش میں مدد کی، اور بہت کچھ ذخیرہ ان کی بدولت ملا۔ عود ہندی اس مجموعہ کا نام ہے، اس میں دو فصلیں اور ایک خاتمہ ہے۔ فصل ایک میں سرور کے جمع کردہ خطوط اور ان کا دیباچہ ہے، فصل ۲ میں میرے فراہم کردہ خطوط ہیں، خاتمے میں غالب کی چند نثریں دوسری کتابوں سے متعلق ہیں۔ فصل ۱: دیباچہ سرور ص ۳ سطر ۱ تا ص ۶ سطر ۱۲: "زمانہ کبھی سخنوروں اور معانی فہموں سے خالی نہیں رہا نکاتی، حالی، ظہوری، عرفی اپنے اپنے وقت میں تھے، آجکل "عمدۃ البلغا قدوۃ الفصحا سخنور یگانہ فردوسی زمانہ خاقانی جاہ انوری پناہ سحبان خان نظامی نظام، ظہوری ظہور نظیری نظیر فیضی فیض ضمیری ضمیر ثنائی شان نوالی نوا افغانی فغان مخدومی و استادی (کذا ج) نجم الدولہ دبیر الملک محمد اسداللہ خان بہادر نظام جنگ" کی "ہمہ دانی" کا "تمام عالم" قائل اور ان کی "شیوا بیانی کا مائل" ہے۔ عرفی زندہ ہوتا تو اس سے اپنے دعوے کی تصدیق کراتا نظیری ہوتا تو داد سخن دیتا، بلکہ یہ کہیے کہ "زانوی سبق خوانی تہ کرتا۔ فقرات سہ نثر ظہوری شراب بینش کے پیالے ہیں تو کلمات عبارت رنگین جناب غالب شیریں کے نوالے ہیں۔ طاہر وحید و ابوالفضل نثریں یکتا ہیں لیکن ان میں انداز کہاں؟ اس کی گواہ ان کی کتابیں مہر نیمروز، ماہ نیم ماہ (یہ لکھی ہی نہیں گئی ج) دستنبو اور قاطع برہان ہیں۔" تحفظ عبارت رنگین، پنج آہنگ الحان داؤدی ہے۔ ریختہ کا وہ انداز کہ "میر کو زندہ کیا ہے، سودا کو مول لیا ہے۔ عبارت اردو باغ و بہار ہے۔" کلام بلاغت نظام رشک صائب فخر طالب ۔۔۔ غالب کا ۔۔۔ دل کو بھایا ترسیل میں سلاست میں قدم بڑھایا۔ ہر خط کا بے تنگ جواب آیا، اصلاح نظم و نثر سے کبھی دریغ نہ کیا۔ یہ ارادہ کہ غالب

کے خطوط کو منظر عام پر لاؤں لیکن " ہنوز یہ قصد ناتمام تھا " کہ " فخر زمان وحید دہر " ممتاز علی خان میرٹھی وارد دار پرہ ہوئے۔ ایک دن غالب کی ہمہ دانی و شیوا بیانی " کا ذکر آیا ہوئے کہ جو خطوط تمہارے نام آئے ہیں (فصل ۱ میں اوروں کے نام کے خطوط بھی ہیں ج) اور تم نے سنائے ہیں جمع کر دو تو میں انھیں چھپوا دوں۔ میں نے انھیں ترتیب دے کر اس بنا پر کہ غالب کی محبت مجھ پر غالب ہے مجموعے کا نام مہر غالب بکسر میم رکھا ' سال ختم تالیف بھی اس نام سے مطابق پایا۔ " (اس کے بعد دو بیتی قطعہ تاریخ ہے ـــــ مہر غالب = ۱۲۷۷ ج) ۔ فصل ۱ میں ۳۱ خطوط بصراحت ذیل ہیں: بنام سرور ۲۶، بنام صاحب عالم ۲، بنام شاہ عالم ۲۔ مرتب نے جس خط کو جہاں چاہا رکھ دیا ہے ـــ فصل ۲ میں غالب کے ۱۳۲ خطوط بصراحت ذیل ہیں: انور الدولہ شفق ۲۰۔ مرزا یوسف علی خان عزیز ۲، میر مہدی مجروح ۳۱، علاء الدین خان ۱، سرفراز حسین ۱، تفتہ ۱، مہر ۱۸، بےخبر ۲۵، عبدالغفور نساخ ۱، بنام قمر ظہیر الدین من جانب ظہیر الدین ۱، مصطفیٰ خان (شیفتہ) ۱، مردان علی خان رعنا ۲، نامۂ غالب بنام رحیم بیگ، عبدالرزاق شاکر ۱۰، قاضی عبدالجلیل جنون ۱۷، عزیز الدین ۱، مفتی محمد عباس ۱۔ فصل ۲ میں غالب کی ایک خط اس بےخبر جواب اس عبارت کے ساتھ درج ہے " اس خط کا جواب جو مکتوب الیہ نے لکھا وہ بھی میرے ہاتھ آگیا تھا ناظرین کے حظ کے لئے یہاں لکھے دیتا ہوں " ص ۱۷۲ و ۱۷۷۔ جواب کی نقل بےخبر نے بھیجی ہوگی، اور ان کی اشارے سے درج کتاب ہوا ہوگا۔ غالب نے ایک خط میں بےخبر کی ایک فارسی غزل کی تعریف کی تھی، اس خط کے مابعد یہ غزل نقل ہوئی ہے ص ۱۷۵ و ۱۷۶، اس کا اندراج بھی بےخبر کی تحریک سے ہوا ہوگا، اس کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ غالب نے اپنے خط میں لکھی ہو۔ ص ۱۳۲ کے حاشیے میں کچھ باتیں عارف علی شاہ خراسانی سے متعلق ہیں، ان کا تعلق غالب کے بعض خطوط سے ہے قیاس مقتضی ہے کہ بےخبر نے تحریر کی ہیں۔ حاشیہ ص ۱۴۱ میں رعنا کا ایک شعر ہے جس کا علاقہ غالب کے ایک خط اسمی رعنا سے ہے۔ یہ شعر جزو خط نہیں، رعنا نے لکھ کر بھیجا ہوگا ـــ

فصل ۲ میں خطوط کی ترتیب بھی ویسی ہی بیڈھنگی ہے جیسی فصل ۱ میں ہے ـــ خاتمہ ص ۱۷۹ سطر ۱۳ تا ص ۱۸۶ سطر ۵ ـ

تقریظ مثنوی مہر ـــ تقریظ دیباچہ گلزار سرور دیباچہ حدائق الانظار ـــ دیباچہ رسالہ قواعد تذکیر و تانیث مصنفہ صفیر ـــ دیباچہ مجموعۂ قصائد کلب حسین خان بہادر نادر خط اسمی ـــ تقریظ حکیم غلام مولا قلق ساکن میرٹھ ص ۱۸۶ سطر ۵ تا ص ۱۸۸ سطر ۱۴: " حضرت جامع (مراد از ممتاز علی خان ج) کی جانب سے عبارت خاتمہ کے لئے فرمائش ہوئی رباعی " کیا نامہ نامی ہے صہبائی ظہور ہے چونکہ ہر نقطہ کو چشم بد دور اللہ ری کیفیت لفظ و معنی وہ آنکھ میں ہے نور تو دل میں سرور .. ایک عمر دلی کے روڑوں میں سنگسار رہا ہوں ... مگر ایسا شخص جس کی .. وارستگی پر تلسوف دیوانہ .. لیاقت سے لیاقت شرمسار شوخی سے شوخی سادگی شعار .. طبیعت سے طلیت بہرہ مند ملکیت سے بشریت ارجمند۔ شیوا بیانی سے شیوا بیانی سنت کش سحر زبانی سے سحر زبانی اعجاز دش .. طالب مطلوب مطلوب طالب یعنی اسد اللہ خان غالب دام دوالہ و اقام مقامہ کس زبان سے سراہا جائے .. مثنوی (۱۱ ابیات ج) لکھے کیا کوئی اوج فکر غالب بیاں سے دور حرف ذکر غالب / سخندانی اگر ہوئے کوئی دیں تو ایماں سب کا ہو غالب کا آئین .. / سواد قدس شکل نامہ اس کی قم عیسی صریر خامہ اس کی .. / جو زہر خندہ اس کے لب پہ (کذا ج) جا پائے تو نیش درد نوش جاں بن جائے .. سخن کا مبتلا ہو اس کے کیا ذکر ہر اک نقطہ ہے جس کا محشر فکر .. " " سر دفتر سخن آرایان منشی محمد ممتاز علی خان .. خاص روز سانے میرٹھ آنام اللہ اجلالہا دید افضالہ " دونے کس عمدہ عنوان سے فضلہ طبیعت میرزا غالب یعنی خطوط ہائے پریشان اردو زبان کو دورخ روان (کذا ج) اور مغز جان بنا دیا اور کس (کذا ج) عبارات بے سرو پا سے کیا باغستان معنی کھلا دیا .. طالبان زبان اس تحریر کو ملاحظہ فرمائینگے تو دلی .. روزمرہ اردو .. گھر بیٹھے سیکھ جائینگے / .. کیا بیساختہ عبارت ہے کہ نثر میں نظم کا

مزہ آتا ہے.. مگر افسوس اہل مشرق کی جگت بندی نے وہ مذاق بگاڑا کہ دلی سے زیادہ اس کی زبان کو اجاڑا ــــ قطعۂ تاریخ " از فلق ص ۱۸۰ سطر ۱۵ تا ۱۷ " مطبوع طبع جنگ ہے عود ہندی (اس مصرع کے نیچے ۱۲۸۴ جو کسی طرح اس سے نہیں نکلتا ج) کیا طرز گفتگو ہے اردو کا باغ ہے یہ / خود سال طبع دل سے کہتا ہے اے فلق لکھ کیا سہل مادہ ہے راح دماغ ہے یہ " (اس کے نیچے ۱۲۸۵ ج) ـ قطعۂ تاریخ عبدالحکیم عورت شاگرد فلق ۴ بیتی مادہ " طبیعت بر دماغ نہیں " با اضافہ ۲ ج) سطر ۱۸ تا ۲۰ ـ ص ۱۸۸ کے بالکل اخیر کی سطر کے مقابل ایک گوشے میں " در مطبع مجتبائی ممتاز علی " اور دوسرے گوشہ میں ۱۰ رجب ۱۲۸۵ ہجری طبع شدہ " مرقوم ہے اسی صفحے کے حاشیے پر دہنی طرف ۱۵ سطروں میں دو قطعات تاریخ ہر دو شعر بر ۱۲۸۵ پہلا دو بیتی دوسرا چہار بیتی بیت اقطعہ ۱ جو " (چوں بکوشش عود ہندی طبع شد) از پریشانی خاطر جمع شدہ " بیت او ۲ قطعہ ۲ " چو میور صاحب والا مناہز داد داد از ارجمندی / برای نذر ممتاز علی خان بیا مدد این ساماں حسن و خوبی " یہ دونوں بھی ممتاز علی خان کے کہے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ " قطعہ ۲ کے مصرع آخر کے بعد تمت بالخیر والعافیت ــــ عود ہندی کی ترتیب بری ، چھاپا برا ہے ، اغلاط طباعت بکثرت ہیں ، خطوط کے ضروری عبارات نکال دیئے گئے ہیں اور کتاب میں بعض ایسی چیزیں جو جزو کتاب نہیں شامل ہیں ـــ فلق کی تقریظ کا وہ ٹکڑا جس کا تعلق کتاب کے حسن ترتیب سے ہے ـ تقریظ میں نہیں ہونا چاہئے تھا۔

" مطالعہ " مارچ ، اپریل ۱۹۷۱ء

باغ دو در غالب کی فارسی نظم و نثر جس میں ۱۲۰۵ھ تک کی نظم ہے۔ اس کا واحد قلمی نسخہ جو جناب سید وزیر الحسن عابدی کے پاس ہے، میری نظر سے گزرا ہے، اس وقت مطبوعہ نسخہ جو انھیں کا مرتبہ ہے، پیش نظر ہے۔ مجموعہ دہلی سے غالب وغیرہ کی نثر فارسی کا وہ خطی مجموعہ مراد ہے جو نیشنل آرکائیوز دہلی میں ہے، اور جس سے میرے تعارف کا باعث جناب سید اکبر علی ترمذی ہوئے ہیں، اس وقت عکس پیش نظر۔ عود کے نسخۂ مرتبۂ جناب فاضل سے کام لیا گیا ہے۔ پنج آہنگ کا ایک قدیم خطی نسخہ ماخذ۔ قاطع برہان و رسائل متعلقہ مرتبۂ قاضی عبدالودود اس میں قاطع برہان، سوالات عبدالکریم، لطائف غیبی، نامۂ غالب اور تیغ تیز شامل ہیں۔

۱۔ راحت (ج۳) از فرزند علی صوفی منیری شاگرد غالب، ایک قصہ جس میں رموز تصوف بیان ہوئے ہیں، پہلی بار کم و بیش ۷۰ سال قبل چھپا تھا۔ طبع ثانی بتصحیح و تحشیۂ جناب محمد ایوب ابدالی غالباً ۱۹۶۸ء میں طبع ہوا ہے۔ متن ۱۷۸ صفحات۔ راحت میں ایک طویل قصیدہ ہے جس میں یہ بیت آئی ہے:

کیا بھی اس راہ میں چلتے ہیں زماں بے شک    معتقد کر گئی غالب کی کرامت مجھ کو

ص ۲۶-۲۷ میں یہ عبارات ہیں: "خسرو اقلیم سخنوری، فخر خاقانی و انوری، مشہور آفاق، اس مدح کے مصداق۔ رباعی:

جب تیغ زباں سے انھیں پہچانتے ہیں    غالب ہیں وہ سب اہل فن جانتے ہیں
یہ شیر خدا کے نام کی ہے برکت    لوہا اسد اللہ کا سب مانتے ہیں

کہ آفتاب عمران کا لب بام بلکہ قریب سرحد شام تھا، اور اسی سبب سے اس افسانے کے اتمام میں مجھ کو ابرام تھا۔ ان کے انتقال کی خبر آئی، امراد کی مراد بر آئی۔ اب بندہ.. میرزا اسے مرحوم کی تاریخ طرز تریب طراز کرے، غفور رحیم.. خلعت مغفرت سے ان کو سرفراز کرے۔ قولہ (مصرع اول کے نیچے '۱۲۷۵ف'):

اسد اللہ خاں تمام ہوا    اسعد و خیاوہ رند شاہد باز

قطعہ: یگانہ شاعر رشک ظہوری و عرفی    سخن پناہ اسد اللہ خاں تمام ہوا
یہ اس کا مصرع مشہور سال فصلی کا    ہے خود گواہ "اسد اللہ خاں تمام ہوا"
پڑھا کے رکن لکھا میں نے سال ہجری کا یوں    کہ آج آہ "اسد اللہ خاں تمام ہوا"

بقول مرزا اسد اللہ خاں صاحب کہ تخلص ان کا کہیں اسد ہے اور کہیں غالب" ص ۲۴۔ ص ۲۵ میں صوفی نے غالب کو اپنا استاد، اور ص ۱۲۱ میں "فارس جولانگاہ فارسی و پہلوان میدان پہلوی" لکھا ہے۔ ص ۳۶-۳۷ میں غالب کے دیوان اردو کی غزل اول کے ۵ اشعار کا مخمس ہے۔ بند اول و آخر:

دادخواہ آتا ہے ہر مضمون خط تقدیر کا    دشت ہستی میں ہر قوں سے بندھا زنجیر کا
ہے جو سدا گردش میں پرکار آسمان پیر کا    نقش فریادی ہے کس کی شوخی تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکر تصویر کا

شعلہ رکھتا ہے جدا سے وہ پری وش زیر پا    آگ میں ڈالے ہے جن کو نعل دلکش زیر پا
پیری سے ہے مری صوفی کو کبھی من زیر پا    بسکہ ہوں غالب اسیری میں بھی آتش زیر پا
موئے آتش دیدہ ہے حلقہ مری زنجیر کا

اشعار مخمس سے قطع نظر، صوفی نے مختلف مقامات میں غالب کے ۲ فارسی اور ۳۴ اردو اشعار نقل کیے ہیں۔ ص ۱۲۵ میں صوفی کا یہ قطعہ ہے:

پھر بیسویں برس اسے لکھنے لگا ہوں میں    ٹالا ہے غم میں دل کو مگر اس کتاب نے
افسوس ہے میرے دل میں یہ حسرت ہی رہ گئی    دیکھا نہ اس کو غالب غفراں مآب نے
یاں تک میں لکھ چکا تھا کہ وہ کوچ کر گئے    پھیری سمند عزم کی باگ انقلاب نے
دل کو مگر خیال لگا تھا کہ ان دنوں    قصہ وہی شروع کیا نکو خواب نے

۲۔ میر فسوں: راحت (ج۳) ص ۶۷: "بقول میر فسوں تخلص شاگرد غالب:

اشک لانے جو ہے دل کو ڈبا کر چھوڑا    آہ کے تیر جو پلٹے تو جگر پر بیٹھے

ایضاً ص ۱۳۰-۱۳۹ "ایک طرف میر فسوں صاحب کہ آخر عمر میں مجذوب ہو گئے تھے، اللہ کی یاد میں تانیں اڑاتے تھے، اپنی دھن میں یہ غزل گاتے تھے۔" غزل کے ۸ شعر مگر مقطع نہیں، مطلع یہ ہے:

کیا ٹھکانا ہے کہ جب گم ہو تو ملتا تو ہے    بن کے اندھے تجھے دیکھے وہ تماشا تو ہے

ص ۶۷ کی عبارت سے متعلق حاشیہ ہے: "بقول میر افسوں (کذا) صاحب فرخ آبادی المشتہر بہ ستان شاہ، شاگرد غالب رحمۃ اللہ" یہ حاشیے میں لکھا ہوا ہے، اور مرتب نے اضافہ کیا ہے: "قلم زدہ" مرتب نے حاشیہ ص ۶۷ میں لکھا ہے: "حیرت ہے کہ.. صوفی.. کے علاوہ اب تک کسی نے ان کا تذکرہ تلامذہ (کذا) غالب کی حیثیت سے نہیں کیا ہے"۔ میر افسوں یا افسوں شاگرد غالب کا ذکر، راحت کے سوا، میں نے بھی کہیں نہیں دیکھا۔

۳۔ انسلی۔ خط ۸۲ بنام مجروح میں جو غالباً ۱۸۵۹ کا معلوم ہوتا ہے، یہ عبارت ہے: "یہ حضرت کا سوال امیر خسرو کی انسلی ہے۔ "چیل بسولا لے گئی تو کا ہے سے بھیکوں ساب؟" (ٹوھنڈی) لطائف غیبی میں ہے "یہ تو امیر خسرو کی انسلی ہوئی چیل الخ" ص ۱۹۹۔ اس کا کوئی قابل قبول ثبوت موجود نہیں کہ جو انسلیاں امیر خسرو کی طرف منسوب ہیں، واقعی ان کی ہیں۔

۴۔ متا یا متا جاہ دار۔ خط ۸۰ بنام مجروح میں ہے: "متا جا ہوا دس روپے مہینے کا سکہ مہر (سکہ نمبر) سال بھر کے ایک سو بیس ملے آیا"۔ بحث ان لوگوں کی تھی جنھیں انگریزی پنشن ملتی تھی۔ (ٹوھنڈی) سود کی اشاعت اول میں متا جوں، اردوئے معلیٰ میں متابتا، جناب فاضل کے متن میں "متا" اور حاشیے میں متوار۔

۵۔ آذری۔ غالب نے خط ۲۹ بنام سرور ہردی میں فارسی شاعری کے مختلف اسالیب کے ذکر کے بعد قطعۂ ذیل نقل کیا ہے، مگر یہ نہیں بتایا کہ کس کا ہے:

اگرچہ شاعران نغز گفتار — ز یک جام اند در بزم سخن مست
ولے با بادۂ بعضے حریفاں — خمار چشم ساقی نیز پیوست
مشو منکر کہ در اشعار ایں قوم — ورای شاعری چیزے دگر ہست

مصرع ۱ میں "از ردوے اشعار" بجائے "نغز گفتار"، مصرع ۴ "فریب" بجائے "خمار"، مصرع ۵ "مبین یکساں" بجائے "مشو منکر" بموجب تذکرۂ دولت شاہ، جس میں منسوب بہ آذری، اور شعر ۲ کے بعد یہ دو شعر:

زبان معنی ایشاں گہ نظم — دہان از گفتۂ صورت فرو بست
بہ غواص دریای کسانند — کہ در بحر حقیقت انگذشت (ص ۴۰۰-۱)

اسی تذکرے میں نام و ولدیت اس طرح ہے: حمزہ بن علی، اور سال وفات ۸۶۶ھ مندرج ہے۔ اس میں آذری کے ہند آنے کا بھی ذکر ہے، اور کسی دوسرے تذکرے میں جس کا نام اس وقت یاد نہیں مرقوم ہے کہ یہاں آکر اس نے بہمن نامہ لکھنا شروع کیا تھا، مگر یہ مکمل نہ ہو سکا۔ اس کی کتاب جواہر الاسرار (نسخۂ خدا بخش) اور بعض مثنویاں جو کلکتہ میں ہیں، میری نظر سے گزری ہیں۔ قطعۂ زیر بحث جواہر الاسرار میں بھی ہے، اور اسی طرح جیسے تذکرۂ دولت شاہ میں ہے۔ نہ جانے غالب نے جو شکل اس کی پیش کی ہے، وہ انھیں کہاں ملی۔ ایک بات اور ہے: "چیزے دگر" سے غالب کیا سمجھے، اس کے معلوم کرنے کا اس کے سوا کوئی ذریعہ نہیں کہ ان مثالوں پر غور کیا جائے، جو انھوں نے پیش کی ہیں۔ آذری کی مراد صریحاً متصوفانہ مضامین ہیں، بقائم کے شعر: "قائم اور ریختہ سے طلب یوں سے کی کچھ کہا توں" الخ" میں (ان اشعار میں ہے جو غالب نے مثال میں دیے ہیں) کسی طرح وہ "چیز دگر" نہیں، جو آذری کے ذہن میں تھی۔

۶۔ آذر کیوان سے متعلق معلومات کا واحد ذریعہ، غالب کے لیے دبستان مذاہب ہے، جو یقین ہے کہ اس کے بیٹے کیخسرو کی تصنیف ہے۔ اس کے اور اس کے تعلقے کے لوگوں کے بارے میں جو خرافات اس میں درج ہیں، اسے دیکھ کر وہ اس کے معتقد ہو گئے تھے۔ لطائف غیبی میں ہے: "اگر زردشتیوں میں سے کسی نے فرہنگ... لکھی ہوتی یا مسلمان عجم نے کوئی مجموعہ فراہم کیا ہوتا، یا متاخرین میں آذر کیوان کی کوئی تحریر موجود ہوتی، اور ہم اس کو نہ مانتے، اور وہاں اپنے قیاس کو دوڑاتے تو عقل کے فتوے کے مطابق کافر ہو جاتے" ص ۲۲۳۔ قاطع برہان کی اشاعت ثانی کے دیباچۂ جدید میں ہے: "وہ نامآوران پارس از حکیم جاماسپ تا بہ منجم ساسان و دو دمان ساسان تا بحر العلوم (غالب نے سہواً "دو العلوم" کی جگہ لکھ دیا ہے) آذر کیوان، و در سخن گستران ایران آن سخن جہانگیران کہ پیش از آن روشن ضمیران و پیش از فروغ پذیران بودہ اند... رودکی... تا... قاآنی ہیچ کس فرہنگ طراز نگشتہ"۔ غالب نے تیغ تیز یا سفرنگ ساقیو میں آذر کیوان کا نام اس طرح لیا ہے کہ یہ گویا ہمسایۂ جاماسپ و ساسان ہے۔ عبارت دیباچہ سے دو نتیجے نکلتے ہیں: غالب کیوان کو روشن ضمیر سمجھتے ہیں۔ اس کا زمانہ رودکی سے قبل تھا۔ یقین ہے کہ دوسری بات اسلوب بیان کے سقم کی وجہ سے ہو، اس لیے کہ دبستان سے ثابت ہے کہ وہ رودکی کے سیکڑوں برس بعد فوت ہوا ہے۔ غالب جن توہمات میں گرفتار تھے، ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ چنیود وغیرہ الفاظ استیلائے اسلام کے بعد ان زردشتیوں نے گڑھے تھے، جو منافقانہ مسلمان ہو گئے تھے، اور یہ دکھانا چاہتے تھے کہ اسلام اور زردشتیت میں بہت سی باتیں مشترک ہیں (قاطع ص ۱۵۰)۔ غالب لطائف کی بحث چنیود میں لکھتے ہیں: "یہ جو متاخرین میں فرزانہ بہرام وغیرہ تلامذۂ آذر کیوان نے اپنی نظم میں ان الفاظ کا استعمال یا صراط کا ذکر لکھا ہے، یہ لوگ تو واضعین لغات کے اخلاف و اعقاب میں سے تھے، اور اپنے اسی عقیدۂ زردشتیہ پر ثابت قدم تھے، کیوں نہ لکھتے؟" ص ۲۲۲۔ واضعین الفاظ منافقین تھے جو دل میں زردشتی تھے، لیکن بظاہر مسلمان ہو گئے تھے۔ بہرام علانیہ مذہب دساتیر کا متبع تھا، اور وہ خود کسی طرح منافق نہیں کہا جا سکتا۔ اس کے بزرگ منافقین میں تھے، یا نہیں، اس کا حال غالب کو کس طرح معلوم ہوا؟ غالب کا بیان علمی مسائل سے متعلق عموماً غیر واضح ہوتا ہے۔ انھوں نے یہ نہیں لکھا کہ منافقین نے امور بالا کو صرف ظاہری طور پر عقائد میں شامل کر لیا تھا، اور زردشتیت کی تعلیم کے وقت بتا دیا کرتے تھے کہ یہ در اصل زردشتی عقائد نہیں، یا معاملہ برعکس تھا۔ "اسی عقیدۂ زردشتیہ" سے کیا مراد ہے؟ چنیود وغیرہ جب اصلی عقائد میں شامل نہیں، تو "عقیدۂ زردشتیہ" کیوں کہا؟ یہ بات توجہ طلب ہے کہ بہرام و تلامذۂ دیگر "اخلاف و اعقاب" منافقین سے ہیں، تو اس کا اطلاق کیوان پر بھی ہو سکتا ہے:

کیوان کا نسب نامہ دبستان میں اس طرح دیا ہے: آذر کیوان بن آذر گشسپ بن آذر زردشت بن آذر برزین، بن آذر خورین، بن آذر آئین

بن آذر بہرام' بن آذر نوش بن آذر مہتر بن کہتر آذر ساسان یعنی ساسان پنجم ص ۴۴ پر ساسان پنجم معاصر خسرو پرویز ہے۔ کیوان اور ساسان کے درمیان ۸ پشتوں سے زیادہ ہونی چاہئیں۔ اسی صفحے میں ساسان پنجم ابن ساسان چہارم' ابن ساسان سوم ابن ساسان دوم ابن ساسان اول ابن داراب خرد ابن داراب بزرگ ابن بہمن۔ یہاں بھی زیادہ پشتیں درکار ہیں۔ مزید یہ کہ یہ نسب نامہ بالکل فرضی ہے۔ پانچ ساسان یکے بعد دیگرے جس طرح دبستان میں ہے' نہیں ہوئے اور ساسان پنجم (معاصر خسرو پرویز) محض فرضی شخص ہے۔ واضح رہے کہ غالب کے فرضی استاد عبدالصمد کا نسب بھی اسی پر منتہی ہوتا ہے۔ یہ دساتیر کا آخری پیغمبر ہے' اور متن دساتیر کا زبان "دری" میں مترجم و مفسر۔ اس کے نام کا جو صحیفہ دساتیر میں ہے' اس میں دساتیری خدا نے ساسان پنجم سے وعدہ کیا ہے کہ تیری نسل میں پیمبری رہے گی۔ دبستان ص ۳۵، ۳۶ و ۲۲۹ میں ہے: ۵ سال کی عمر میں کم خوری و شب بیداری کا شروع کی' خاص ریاضت کے [illegible] نے میں غذا ایک درم رہ جاتی تھی۔ ۲۸ سال خم میں بیٹھا' آخری زمانے میں ہند آیا' اور پٹنہ میں کچھ دن مقیم رہا۔ وہیں ۱۰۲۷ یا ۱۰۲۵ (شارستان مصنفہ بہرام ص ؟ میں ۱۰۲۸) میں موت' عمر ۸۵ سال۔ شارستان میں ہے کہ ابتدائے سلوک میں "حکمائے سترگ یونان و پارس" نے خواب میں "اقسام حکمت" اس کے سپرد کیے۔ ایک دن کسی مدرسے میں گیا (نام مدرسہ؟) ہر سوال کا جواب دیا' اور مشکلات حل کیے۔ ذوالعلوم لقب ملا (کس نے دیا؟) دو متصوف کیوان کے منکر تھے' ان کے مرشد نے جو "عالم و عامل" اور شناسید تھا' ایک شب "بیخود" ہو گیا' اور اس عالم میں پیمبر صاحب نے اس سے کہا کہ مریدوں سے کہو کہ کیوان کے منکر نہ ہوں' وہ مرد کامل ہے اور مؤید بتائید الٰہی (ز کا تھو دستاد میں تعریف) خواب بیخودی سے بیدار ہوا تو راوی سے مستفسر ہوا کہ کیوان کون ہے۔ اس نے جواب دیا کہ حال میں اصطخر کی طرف سے آیا ہے۔ وہ راوی کے ساتھ اس کے یہاں چلا' مگر اس کی اقامت گاہ کا پتا نہ تھا' کچھ دیر گئے پہنچے کہ کیوان کا ایک مرید تھا جو اس کی ہدایت سے رہنمائی کے لیے آیا تھا۔ اس کے پاس پہنچے' تو مرشد کا ارادہ سلام میں سبقت کا تھا مگر کیوان نے اس کا موقع نہ دیا۔ اس نے خواب کا حال کہا اور اسے چھپانے کی ہدایت کی۔ مرشد نے "مرید (کذا) ناقص" کو کیوان کے کمالات سے باخبر کیا اور کہا کہ اس کے منکر نہ ہو۔ کیوان اہل دنیا سے کم تعلق رکھتا' شاگردوں اور حق پژوہوں کے سوا کم لوگوں سے ملتا' اور اپنے کو ظاہر نہ کرتا۔ بہاء الدین محمد عاملی اس سے ملنے کے بعد اپنے کو "پژوہندۂ کیوان" کہا کرتے تھے۔ ابوالقاسم فندرسکی نے آفتاب پرستی و ترک آزار حیوانات اس کے شاگردوں کی صحبت میں سیکھا تھا۔ عہد اکبر میں کیوان "سرگروہ یزدانیاں و آبادیاں" کو خط لکھ کر بلایا گیا' لیکن اس نے عذر کیا اور ۱۴ اجزا کی ایک کتاب بھیجی" در ستائش واجب الوجود و عقول و نفوس و سماوات و کواکب و عناصر و در نصائح پادشاہ... ہر اول سطر آن پارسی بحث دری بود' و تصحیف آن... عربی... چون قلب می کردند' ترکی بود' چون تصحیف آن می خواندند' ہندی می گشت"۔ ابوالفضل کو اس سے کمال عقیدت تھی۔ اس کتاب میں کیوان کی ایک مثنوی کے چند اشعار ہیں (ص ۲۷) اور اس کی شرح جام کیخسرو کا ذکر (ص ۲۵)۔ پہلا شعر جو دبستان میں ہے' یہ ہے:

چو زاید انہا بر گذشتم روان — رسیدم سوے پاک فرخ روان (کذا)

صحیح نسخے میں "ابدانہا" نہیں' "ابدامہا" ہے۔ ابدام بمعنی بدن متن دساتیر کا لفظ ہے' اور برہان قاطع میں اسی کے لیے بدون صراحت ماخذ آیا ہے۔ غالب قاطع (ص ۳۰) میں معترض ہیں کہ ابدام کوئی لفظ نہیں' یہ اندام ہے یا ابدان۔ جو اس پر مشعر ہے کہ غالب' اس مثنوی سے واقف نہیں' یا یہ کہ وہ اسے صحیح نہ پڑھ سکے۔

بہرام (رجوع بہ بحث بہرام) کی شارستان کے ۴ چمنوں میں سے ایک جیسا کہ میں نے زردشتیوں سے سنا ہے' اور غالباً کسی کتاب میں بھی ہے' کیوان کے ذکر کے لیے مخصوص تھا' مگر یہ چمن مفقود ہے' اور شارستان طبع ۲ میں جو چمن چہارم ہے' اس کا کچھ سروکار بہرام سے نہیں' اور اس کا موضوع مختلف ہے۔ اس کتاب کے باقی چمنوں سے معلوم ہوتا ہے: کیوان کا قول ہے کہ جو ہے' جو تھا' اور جو ہوگا اس کو میں نے "برالی یقین" دریافت کیا ہے' اسرار الٰہی سے واقف ہوں' اور جو کہتا ہوں' اسے دیکھتا ہوں۔ میرا جسم پیرہن کی طرح ہے' میری روح جب میں چاہوں اس سے نکل جاتی ہے' اور جب چاہوں اس میں داخل ہو جاتی ہے۔ یہ امام معصوم تھا' اور صاحب ناموس اعظم' (انبیا... را الحکماء صاحب ناموس خوانند' و احکام او را ناموس") ارسطو اسے ہم پایۂ فلاطون سمجھتا تھا۔ بہرام نے کیوان کو بعض انبیا کا ہمسر کہا ہے۔ اس کے نزدیک امامت و نبوت میں کچھ فرق نہیں اور بموجب تحقیق آبادیاں (دساتیر کو ماننے والے) امامت در آذر رزمست (آباد اخلاف آذر کیوان) بعد از نیاگان۔ کیوان صاحب این فرمودہ' واکنون نوبت بفرزند نامدارش کیخسرو اسفندیار رسیدہ"۔ اس نے موبد ہوش' تلمیذ کیوان کا قول نقل کیا ہے "حاشا وکلا کہ ما با امامت عرب قائل باشیم' و اعتقاد آنست کہ عرب امامت را نشاید"۔ بہرام نے عربوں کی تذلیل و تحقیر میں کتاب کے کئی صفحے صرف کیے ہیں' اور زردشتیوں سے اختلاف کے باوجود' وہ ان کے متعلق لکھتا ہے "زردشتیاں کثرہم اللہ"۔ بہاء الدین محمد عاملی عہد صفوی کے نامور عالم کی زبانی کیوان کو "امام زمان" کہا ہے' اور نبوت زردشت کی بحث میں ان کی زبان سے یہ کہا ہے کہ کیوان جب اسے تسلیم کرتے ہیں' تو ٹھیک ہے' گفتگو کی گنجائش ہی نہیں۔ ابوالفضل نے ایک دستور العمل متعلق ستارہ پرستی وغیرہ اس سے منگوایا تھا اور کبھی اس سے برگشتہ نہیں ہوا۔ بہرام نے ایک شخص کا قول نقل کیا ہے کہ دستکام یزدانی کیش (آبادی) سے ابوالفضل و فیضی نے طریقۂ آفتاب و کوکب پرستی سیکھا تھا۔ شارستان میں کیوان کی ۲ کتابوں کا ذکر ہے۔ آئینہ سکندری و پرتو فرہنگ۔ یہ دونوں مفقود ہیں۔ (صفحات کا حوالہ بحث بہرام میں ملے گا)۔

میں قطعی ثبوت تو اس کا نہیں پیش کر سکتا، مگر مجھے یقین ہے کہ دساتیر کا اصلی مصنف آذر کیوان ہے۔ دساتیر میں ۱۵ کتب سماوی جو ۱۵ پیمبروں پر نازل ہوئے اور سند نامۂ سکندر موجود ہیں۔ یہ سب بر حسب ادعائے دساتیر آسمانی زبان میں ہیں، ان کا ترجمہ و تفسیر کی زبان دری بتائی گئی ہے۔ ان پیمبروں میں صاحب شریعت صرف پہلا پیمبر آباد ہے، جس کا زمانہ دساتیر کے مطابق ۲۲ ہزار مہاسنکھ سال ہے۔ اس کے بعد جو پیمبر آئے ہیں انھیں پیروی آباد کا حکم دیا گیا ہے۔ ان میں سے ایک زردشت ہے۔ اس کے نام کا جو صحیفہ دساتیر میں ہے وہ اوستا سے مختلف ہے۔ اوستا و دساتیر میں عقائد و احکام دونوں کا بڑا فرق ہے۔ دساتیر کے مطابق عالم حادث نہیں، قدیم ہے۔ اس کے خاتمے کا سوال ہی نہیں، اس لیے قیامت بے معنی ہے۔ دساتیر حشر اجساد کو نہیں تناسخ کو مانتی ہے۔ اوستا ان امور میں وہی عقائد پیش کرتی ہے جو مسلمانوں کے ہیں، مزید یہ کہ اس میں زردشت اس عالم کا سب سے بڑا انسان ہے۔ دساتیر میں یکے از چہاردہ پیمبران جنھیں تتبع آباد کا فرمان آیا ہے۔ (تفاصیل اور حوالوں کے لیے بحث دساتیر کی طرف رجوع) نامۂ ساسان پنجم میں جو پیش گوئی ہے، وہ اس لیے ہے کہ کیوان کے دعواے نبوت کے لیے زمین ہموار ہو جائے۔ اس وقت دساتیر کے سوا جو ظاہر ہے کہ اس کے نام سے نہیں ہو سکتی اس کی صرف ایک مثنوی موجود ہے جس کی تصنیف کا وہ مقر ہے۔ مگر میرا خیال ہے کہ دساتیر کے ارد گرد جو ادب پیدا ہوا تھا، اس میں سے بہت سی کتابیں یا تو اس نے خود دوسرے ناموں سے لکھی تھیں یا لکھوائی تھیں۔ مثنوی میں دعوائے نبوت نہیں، مگر سیر افلاک کا مفصل بیان ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس نے دعوائے پیمبری ضرور کیا۔ (اس کے معتقدین کی جو تعلیق کتابیں کا مال اور تمثیل النشئی ٹوٹ میں ہیں۔ ان میں اسے صراحۃً نبی کہا گیا ہے) مگر اس کا علم بہت کم لوگوں کو ہو سکا۔ تقیے کو دساتیر جائز رکھتی ہے۔ وہ مختلف اشخاص کے سامنے مختلف رنگوں میں آتا ہوگا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ مصنف دساتیر فریب خوردہ نہیں ہو سکتا، اس کا مقصد فریب دینا ہے۔ بہرام وغیرہ جو اس کے ماننے والے تھے، ممکن ہے کہ ان میں سے بعض اس کے ساتھ سازش میں شریک ہوں، اور بعض فریب خوردہ۔ ایک سوال یہ ہے کہ خود کیوان کا اصلی عقیدہ کیا تھا۔ کیا دساتیر کی تصنیف کے بعد بھی آبائی مذہب پر قائم تھا، یا یہ حرکت مصلحتاً کی تھی۔ اس کا قطعی جواب پیش نظر مواد سے نہیں دیا جا سکتا۔

غالب عمر بھر اس دھوکے میں رہے کہ دساتیر زردشتیوں کی کتاب مقدس ہے، اور جو باتیں اس میں کھٹکتی نہیں ملی، اسے وہ اصلی زردشتی عقائد کے خلاف سمجھتے رہے۔ غالب نے دبستان کا بھی غور سے مطالعہ کیا ہوتا تو آبادیوں اور زردشتیوں کا فرق انھیں کسی حد تک معلوم ہو جاتا۔ اس میں دونوں کے عقائد وغیرہ کی بحث الگ الگ ہے۔

۷۔ دیوان نہال چند۔ قاطع القاطع ۱۲۸۳ھ میں ہے:
چند سال قبل ایک دن میرزا غالب دیوان نہال چند کے بیٹے کی شادی کے سلسلے میں جو بزم رقص و سرود تھی، اس میں شریک تھے (ص ۱۷۹–۱۸۰)

۸۔ جوالا سہائے۔ قاطع القاطع (ص ۱۷۹ و ۱۸۰) دیوان نہال چند کے یہاں تقریب میں (وہی جس کا ذکر ۷ میں ہے) غالب جوالا سہائے سے جو اس زمانے میں "سرشتہ دار کچہری دیوانی" دہلی تھے، ہم کلام تھے کہ لفظ 'منار' بالکسر ان کی زبان پر آیا۔ جوالا سہائے نے جو اس کا اعادہ کیا تو 'منیار' کہا۔ غالب نے اس کی تصحیح کی۔ جوالا سہائے نشے میں تھا، متوجہ نہ ہوا، اور پھر یہ لفظ اسی طرح اس کی زبان پر آیا۔ غالب نے بآواز بلند کہا کہ منیار بدون یا ہے۔ امین الدین اس وقت خاموش تھا۔ اب سرشتہ دار سے مخاطب ہو کر بولا کہ میرزا صاحب فرماتے ہیں کہ بیائے تحتانی غلط ہے اور میم مفتوح ہے۔ غالب قدرے تامل کے بعد بولے کہ ہاں صیغۂ ظرف ہے، 'نوسے' بالفتح چاہیے۔

۹۔ قیصر التواریخ جلد ۲ مصنفہ سید کمال الدین حیدر مطبوعہ مطبع نول کشور لکھنؤ ۱۸۹۶ء: "نجم الدولہ دبیر الملک مرزا اسد اللہ خاں بہادر نظام جنگ غالب تخلص اولاد پشنگ افراسیاب، استاد بادشاہ فن شعر میں، اس معرکے میں بسلامت رہے لیکن اجل بھی دینے نہ تھی۔ ایک رسالہ بھی اپنے طرز کلام پر اس معرکۂ خاص کا چھپایا۔ حکام نے حبطائف الحیل ان کا پنشن سرکاری موقوف کر دیا۔ بعد اس کے نواب یوسف علی خاں رئیس رامپور خدمت کرتے رہے، تاآنکہ دلی میں انتقال کیا۔" ص ۲۹۴۔ اس کتاب میں موقوف ہو کر جاری ہونے کا ذکر نہیں۔

۱۰۔ شیریں۔ دیوان غالب مرتبۂ جناب عرشی ص ۳۱۰ میں شعر ذیل اور ص ۳۹۳ میں اس کے متعلق مرقوم ہے کہ لطائف غالب مصنفہ حکیم محمد حسن میرٹھی میں ہے کہ دلی کی ایک نامی رنڈی حج کو چلی، غالب نے یہ شعر کہا۔ شعر:

بجا ہے شیریں اگر چھوڑ دلی حج کو چلی — مثل ہے نو سو چوہے کھا کے بلی حج کو چلی

لطائف غالب کے سوا اس شعر کے غالب کی طرف انتساب کا کوئی ثبوت موجود نہیں، اور اس کتاب کا یہ حال ہے کہ جو لطیفہ بھی پسند آیا، خواہ اس کا دور کا تعلق بھی غالب سے نہ ہو، مصنف نے اسے غالب سے منسوب کر دیا ہے۔ یہ معاملہ غیر معروف لطائف تک محدود ہوتا تو مصنف کی پستی اخلاق ہی کی شکایت ہوتی۔ کمال یہ ہے کہ گلستاں تک کو نہ چھوڑا، اور اس میں کرشوم کے کسی خاص موسم میں باہر نہ نکلنے سے متعلق جو سوال و جواب ہے، وہ بھی لطائف غالب میں موجود ہے۔ شعر زیر بحث کے متعلق آب حیات کے ترجمۂ غالب میں ہے: "دلی میں شیریں ایک بڑی نامی رنڈی تھی، وہ حج کو چلی۔ آپ (عبداللہ خاں، آذر) نے کہا: بجا ہے الخ۔" ظاہرا ترتیب دیوان کے وقت جناب عرشی کو یاد نہ رہا کہ یہ شعر آب حیات میں آذر کے نام سے ہے۔ یہ تو باور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ بحیثیت راوی میرٹھی کو مرجح سمجھتے ہیں۔

۱۱۔ سید عبد اللہ۔ آبِ حیات کے ترجمۂ غالب میں ہے: "ساطع برہان کے اخیر میں چند ورق سید عبد اللہ کے نام سے ہیں، وہ بھی مرزا صاحب کے ہیں"۔ آگے چل کر آزاد نے ساطع برہان کے متعلق بتایا ہے کہ یہ غالب کی قاطع برہان کا جواب من جانب حافظ عبد الرحیم تھا، نامۂ غالب جواب الجواب ہے: یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ غالب کی مخالفت میں جو کتاب لکھی گئی تھی، اس کے اخیر میں غالب کی تحریر کس طرح آ گئی، اور ساطع کے اخیر میں کسی دوسرے شخص کی، خواہ وہ سید عبد اللہ ہوں، یا کوئی اور تحریر (قطع نظر از قطعۂ تاریخ) ہے بھی نہیں۔ قیاس مقتضی ہے کہ آزاد کی مراد ساطع نہیں، دافع ھذیان مصنفۂ نجف علی خاں ہو، جو غالب کی حمایت میں لکھی گئی تھی، اور چند ورق، در اصل سوالات عبد الکریم ہوں۔ اس رسالے کے نسخ موجودہ میں نام مطبع اور سال انطباع نہیں، لیکن قرینہ ہے کہ یہ اسی وقت اور اسی مطبع میں چھپا تھا، جہاں دافع طبع ہوئی تھی، اور چونکہ بعض اصحاب کے پاس دافع و سوالات کے نسخے ہیں، یک جا سلے ہوئے، ان کا خیال ہے کہ سوالات، دافع کا جزو ہے۔ بہر حال، سید عبد اللہ نام کے کسی شخص نے اس ہنگامے میں جو قاطع کی اشاعت کے بعد برپا ہوا تھا، شرکت نہیں کی۔

۱۲۔ آوج تخلص، عبد اللہ خاں ساکن سردھنہ، زیادہ پڑھے لکھے نہ تھے۔ طبیعت مائل بہ کج تھی، مضامین بلند باندھنا چاہتے تھے، مگر اس کا حق نہ ادا کر سکنے کی بنا پر حسب دلخواہ نہ ہوتی تو بہت شاکی ہوتے تھے۔ جشن شاعروں میں فسوز نینے لہجے میں پڑھتے کہ خلل دماغ پر دلالت کرتا۔ "بیشتر کاملان سخن بطریق ظرافت... استاد کہتے" اور وہ اسے حقیقت سمجھتے۔ مرزا محزون، نبیرۂ شاہ عالم کے نوکر اور استاد تھے۔ گلستانِ سخن میں جس وقت حال درج ہوا، اس سے ایک سال قبل فوت ہو چکے۔ آبِ حیات کے ترجمے میں ہے: "ایسے بلند مضمون اور نازک خیال پیدا کرتے تھے کہ قابو میں نہ لا سکتے تھے، ... سنگلاخ ... زمینوں میں غزل کہتے ... پڑھتے اس زور شور سے تھے کہ دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ بعض اشخاص شہر کے اور قلعے میں اکثر شہزادے شاگرد تھے، مگر استاد سب کہتے تھے ... ذوق ... باوجود کم سخنی ... خوب خوب کہتے اور مکرر پڑھواتے تھے۔ مرزا (یعنی غالب) تو ایسے دل لگی کے مصالح ڈھونڈتے رہتے تھے ... شعر سنتے اور کہتے تھے کہ یہ سب کافر ہیں جو تمھیں استاد کہتے ہیں، شعر کے قدا ہو خدا سجدے کا اشارہ کرتے اور کہتے، سبحان اللہ، سبحان اللہ ... ایک دن رستے میں ملے ... کہنے لگے آج کیا تھا، انھیں بھی سنا آیا، میں نے کہا کیا، کہ اک کر کہا: ڈیڑھ جز پر بھی تو ہے مطلع و مقطع غائب غالب کی سان نہیں صاحبِ دیوان ہونا پھر بیان کیا کہ ایک جلسے میں مومن خاں بھی تھے ... میں نے ... غزل ... سنائی مقطع پر بہت حیران ہوئے۔ کہ جس کو کہتے ہیں چرخ ہفتم ورق ہے دیوان نہیں کا۔ پوچھنے لگے کہ کیا آپ سات وال دیوان سمجھتے ہیں، میں نے کہا کہ ... اب تو آٹھواں ہے۔"

۱۳۔ میر کرار حسین۔ باغِ دو در کے ایک خط بنام قطب الدولہ میں ہے: پہ ر پیکش، میر کرار حسین ساکن "محامدِ سادات والا تبار" سے ہیں، اور "روشناس" "بادشاہ" "فرماندہانِ انگلشیہ" نے انھیں خطاب شرف تو کلا دیا ہے۔ نوشتۂ رجب ۱۲۶۵ھ گلستانِ سخن کے ترجمۂ پیکش میں نام کے بعد مرحوم، اس سے زمانۂ وفات کی کسی حد تک تعیین ہو سکتی ہے۔

۱۴۔ شاہ غلام زکریا ان لوگوں میں ہیں جنھیں محمد علی خاں (باندا) کے نام کے خطوں میں ایک سے زیادہ بار سلام لکھا ہے۔ مجموعۂ دہلی۔

۱۵۔ سفر تنگ دساتیر (یعنی شرح دساتیر) از نجف علی خاں جھجری مصنف دافع ھذیان (ردِّ محرقِ قاطع برہان) مطبوعہ مطبع سراجی بفرمایش امیر مرزا دہلوی ۱۲۸۰ھ کتاب صفحہ ۲ سے شروع اور ص ۱۹۴ میں ختم ہوتی ہے۔ آخر میں جو عبارات ہیں، ان میں معذرت کی ہے کہ مسلمان ہو کر زردشتی صحیفے کی شرح لکھی۔ کتاب میں متن دساتیر جو بموجب ادعائے دساتیر آسمانی زبان میں ہے۔ ص ۹۹ اس پر مشعر ہے کہ دساتیر کے نسخوں میں بعض الفاظ مختلف طور پر ہیں، مگر نجف علی خاں نے یہ نہیں بتایا کہ یہ دو نسخے کون سے ہیں۔ یہ بھی، غالب کی طرح، اس غلط فہمی میں مبتلا تھے کہ دساتیر زردشتیوں کی کتاب مقدس ہے، اور انھوں نے اپنے دیباچے میں بکثرت مصنوعی الفاظ جو ترجمہ و تفسیر مذکور میں ہیں، استعمال کیے ہیں۔ غالب کی تقریظ کتاب کے ما بعد ۲ صفحوں میں ہے، اور اس کے بعد، ان کے شاگرد سالک کی۔

عنوان تقریظ یہ ہے: "تقریظی کہ والا فرگاہ، خردی باز آگاہ، ستودہ گفتار، سخن پرور، سرمایۂ نازش کمال ہنر، جناب مرزا اسد اللہ خاں المتخلص بہ غالب المشہور بہ میرزا نوشہ ادام اللہ تعالیٰ برین نامہ نوشتہ"۔ تقریظ اس کتاب سے مآثر غالب میں نقل ہوئی، اور باغِ دو در میں شامل ہے۔

اقتباسات تقریظ:

"ہنر ورا آفرین در خور را آفرین گستری باید کہ تیرو می باز گشاد اندیشۂ باشد تا ... باندازۂ بایست تواند ستود، نہ چون من ابلہی ... ستودن را باز ندانست، و نادانستہ ستودن و ناستودن را یک فرا نمانست، اما ذوق دانش ستای (ستایی؟) ... زبان را خموش نگذاشت۔ بدل گفتم اگر بہ دگی سمۂ (بدل گفتم اگر بہ ذکر است" — باغِ دو در۔ میرا قیاس ہے کہ اسمۂ در اصل ابمۂ دساتیری لفظ ہے۔ ہمہ باضافۂ الف نفی) ایم ... سخنی ... گفتہ باشیم۔ دیدہ وری کوتا بنگرد کہ امروز ... یوسفی را ... بیازار آوردہ اند کہ زیبائی جمال با کمالش سرمایۂ نازش روزگار است، فی فی، پہلوی زبان پہلوانی را ... بروی کار آوردہ اند کہ استادان استادان را گزین آموزگار است۔ جاماسپ مایہ، ساسان (مراد از ساسان پنجم) نمایۂ آذر کیوان پایہ، مولوی نجف علی خاں ... کہ روان گویا بہ پیکر سخن جنبش از آن نازد کہ پیکر ہائی دیگر بروان گویا ... غالب ... چون حسن عبارت نگریست، ... بجشم داشت دفع گزند چشم زخم سود مند جز زی بنشست"

اس تقریظ میں بھی دساتیری الفاظ ہیں، اور جو تعریف کی ہے اس سے زیادہ کسی دوسرے فارسی نثر لکھنے والے کی نہیں کی۔ یہ اس

عشرِ عشیر کہے بھی مستحق نہیں، مگر غالب کو بعد صاحب موصوف کے خلاف ان سے جو شکایت پیدا ہوا تھا، اس کا بدلہ دینا تھا۔ دساتیر کے اردگرد جو ادب پیدا ہوا تھا، اس سے یہ ناواقف ہیں، اور بعض معمولی الفاظ کے متعلق ان کے بیانات محل نظر ہیں۔ دیوان کے نزدیک تجبر یا ہے مگر بیر بیچیم، یعنی ۳۴، حالانکہ دونوں میں ایک ہی لاحقہ "بذ" ہے۔ شید بہ یائے مجہول میں ۳۰۴، لیکن جمشید جس کا ایک جزو شیت ہے، بہ یائے معروف ہے۔

۱۶۔ ترک شراب۔ باغ دودر میں ایک دوازدہ بیتی قطعہ ہے جس کی بیت اول یہ ہے:

ہر شب بقدر رنجتی بادہ گلفام　　آری زندہ سی سال مرا قاعدہ این بود

اس کے بعد یہ مطالب منظوم ہوئے ہیں: ترک شراب کو ۲ دن گزرے ہیں، یہ بڑی اذیت میں بسر ہوئے۔ دو صاحبوں نے (نام نہیں دیا) نہ از راہ بغض، بلکہ از روئے شریعت شراب نوشی چھوڑنے کے لیے کہا تھا، مگر میں نے ان کی بات نہ مانی تھی۔ چھوٹی تو اس طرح کہ جس شراب فروش سے شراب خریدا کرتا تھا، اس کے رُپے میرے ذمے معمول سے زیادہ ہو گئے، اور اس نے آیندہ ادھار دینے سے انکار کیا۔ رُپے بھی پاس نہ تھے کہ دوسری جگہ خریدتا۔ غرۂ شعبان سے شراب بند ہے۔ تاریخ "غالب پژمردہ" (= ۱۲۹۱) سے بہ تخرجۂ شش نکالی۔ غالب کی وفات ۱۲۸۵ھ کی ذیقعدہ کو ہوئی، غالباً ۹ شعبان ۱۲۸۵ھ کے بعد کبھی پینے کا اتفاق نہ ہوا۔

۱۷۔ شنائی تخلص خواجہ حسین مشہدی (منتخب التواریخ) بعض تذکروں میں جو بارھویں صدی کے ہیں سال وفات ۹۹۶ھ ملا۔ یقین ہے کہ اس کی قدیم تر سند مل جائے۔ اس شاعر کا مقطع ذیل باغ دودر کے ۲ خطوں اور مجموعۂ دہلی کے ایک خط میں آیا ہے، اور غالب نے اسے اپنے حالات پر منطبق کیا ہے، غزل جس کا یہ مقطع ہے، دیوان شنائی (خدا بخش) میں موجود ہے، مگر اس میں 'زماں' بہ جائے 'جہاں'۔ غالب نے دیوان شاید ہی دیکھا ہو۔ یہ علم نہیں کہ شعر کہاں سے لیا:

جہاں بمہر دگیتی دشمن و دلدار مستغنی

مرا بر آرزو ہائے شنائی خندہ می آید

۱۸۔ جعفر چہارم۔ سبد چین و باغ دودر میں یہ قطعہ ہے

بستہ کی زرہ ستم ظریفی　　بر لاشۂ جعفر چہارم

در خواہش پاسخ سوالات　　صد بار فغاں زدم کہ قم قم

از زیست نیافتم نشانی　　جز یک دو سہ بارہ جنبش دم

از دیدن این شگفت رو داد　　گشتند بعرصہ جمیع مردم

زاں زمرہ یکے بمن رخ آورد　　کی کردہ طریقۂ خود گم

این پیکر خاص را بہ طنبور　　البتہ روا بود ترنم

بو جنبش گوش و دم چہ خواہی　　از جعفر چارمین تکلم

در بانگ زند حسند کہ طنبور　　مانند نہیق را ایسی مستم

انگیوزہ کساں چہ آفرینی　　اے خالق آسمان دانجم

مقتضائے مقام ہے کہ جعفر، خر ہو، اس لیے کہ 'خوطنبور' ہے، لیکن تاج العروس میں یہ معنی نہیں۔ یہ تو ظاہر ہے کہ کسی شخص کی ہجو ہے، مگر یہ شخص کون ہے، یہ معلوم نہیں، اور کسی کو جعفر چہارم کہنے کی وجہ کیا ہے یہ بھی واضح نہیں۔ دیوان مروجہ میں میرزا جعفر کی شادی کی تاریخ ہے، مگر یہ قرین قیاس نہیں کہ اس قطعے کا تعلق اس شخص سے ہے۔

۱۹۔ میکش تخلص میر احمد حسین۔ ایک خط ان کے نام کا پنج آہنگ کی کل اشاعتوں میں ہے۔ اس میں مرقوم ہے:

اقامت ٹونک تمھارے مرتبے کے منافی ہے۔ تم نے شغل عدالت دیوانی ناحق چھوڑ دیا۔ تجمل حسین خاں، نواب فرخ آباد نے مجھے بلایا ہے، اسی ہفتے آجاؤ، اور میرے ساتھ وہاں چلو۔ (اس کا ثبوت موجود نہیں کہ میکش دہلی واپس آئے یا نہیں۔ غالب کا فرخ آباد جانا نہ ہوا، ورنہ اس کا ذکر کہیں نہ کہیں ضرور ملتا)۔ باغ دودر میں ان کے نام کے ۱۳ خط ہیں:

(۱) میر مہدی (مجروح) سے رامپور میں ۷۰ رُپے ماہانہ کی ملازمت پر قناعت نہ کرنے، بیماری سے صحت یاب ہونے، اور آمادۂ سفر لکھنؤ ہونے کا حال معلوم ہوا۔ ایک ہفتے کے بعد نوروز علی خاں کو دوسرا خط لکھوں گا، قطب الدولہ سے بہتر اور کوئی ذریعہ نہیں (۲) خط ملا، نواب صاحب (مراد از قطب الدولہ) قدرداں شرفا ہیں، اس "امیر بے نظیر" کا ساتھ نہ چھوڑو، اور جو مشاہرہ دیں اس پر قناعت کرو۔ ۲۹ جون ۱۸۴۸ (۳) اس "قوم" (کون لوگ؟) کی بدسرشتی کا رنج نہ کرو۔ میر تفضل حسین خاں کے نام مختار نامہ لکھا اور رُپے خزانے سے برآمد کر کے حوالۂ فیض علی کرنا چاہیے۔ (۴) دیوان چھپ کر اودھ پہنچا، قصیدۂ مدح "جنت آرام گاہ" (مراد از امجد علی شاہ، پدر واجد علی شاہ) کیونکر دوسرے کے نام کر دوں؟ اودھ سے کچھ وصول ہونے کی صورت ... (۵) بتاریخ ۱۳ نومبر ۱۸۴۸، اکیس رُپے ۱۲ آنے کی ہنڈوی بھیج چکا ہوں (کس لیے، یہ نہیں لکھا)، نوروز علی خاں کو تمھارے متعلق لکھ چکا ہوں۔ شاہ اودھ سے وصول زر کی باتیں (۶) یہ دیکھو کہ قطعے اور خط میں تمھارا ذکر کس طرح ہے۔ آج جمعہ ۴ محرم ہے، سید اکبر علی تمھیں خط بھیج رہے ہیں، یہ خط اسی کے ساتھ ہوگا (۷) شاہ اودھ (مراد از واجد علی شاہ) مجنون محض ہے۔ میری قسمت ہی ایسی ہے کہ بات بن بن کر بگڑ جاتی ہے۔ تمھاری طرف سے "اندیشہ ناک" اور قطب الدولہ کے لیے غمگین ہوں۔ ۵ جولائی = ۱۳ شعبان (۸) سہ شنبہ ۲۳ جنوری کو تاریخ بھیجی بھیجی، آج ۴ فروری ہے، اور اب تک رسید نہیں آئی (۹) تاریخ مینی اپنی جانب سے راجہ امداد علی خاں بہادر کو پیش کرو، اور انھیں اپنا ممنون بناؤ۔ وہ کیا جانیں کہ میں کون ہوں، تمھاری 'ناموری' سے میری 'بلند نامی' ہے۔ یہ بتاؤ کہ اتنی مہربانی کے باوجود نواب نے تمھیں نوکری کیوں نہیں دی۔

اب تک اور تمھارا خرچ کس طرح چلتا ہے، اور آیندہ کے لیے کیا امید ہے؟ میر امام الدین (خسر میکش) ویسے ہی ہوں گے، جیسے تم کہتے ہو، مگر تب تک تم میرے سامنے تمھیں برا نہیں کہا، سمجھے ہوں گے کہ میں ایسی بات نہیں سن سکتا۔ ۲۵ صفر ۱۲۶۵ھ = ۲۱ جنوری ۱۸۴۹ء (۱۰) خط ملا، اور سود مند نصائح دل نشین ہوے۔ ظاہر ہوا کہ شاہ جی (ان کا نام نامعلوم، باغ دودر میں ایک شاہ صاحب کے نام کا خط ہے، وہ یہی ہیں) کرم التفات کرتے ہیں۔ اپنی عقل خداداد سے کام لو، اور خدا سے امید وار رہو۔ پشیمانی ہے کہ نوروز علی خاں کو تمھارے کہنے سے کیوں خط لکھا، جانتا تھا کیا جواب ہوگا۔ خدا تمھیں پایۂ بلند کو پہنچائے۔ محرم ۱۲۶۵ء۔ (۱۱) تم جس دن سے لکھنؤ میں ہو، اور تمھاری تحریروں سے معلوم ہوا تھا کہ قطب الدولہ کو تم سے اُنس ہے، یقین ہو گیا تھا کہ تم جو بمنزلۂ فرزند ہو، اور سعادت مند، عجب نہیں اگر قطب الدولہ کو اس پر مائل کرو کہ وہ شاہ اودھ سے میری سفارش کریں، مگر قسمت کو کیا کروں؟ میر مہدی نے تمھارا خط دکھایا، جس سے معلوم ہوا کہ تمھیں ناکام ہو کر لکھنؤ سے کہیں اور جانا ہوگا۔ خدا اور اسدِ واحد آئمہ کی قسم، اپنا حال ٹھیک ٹھیک لکھو (۱۲) حروف لفظ عربی بجائے خود ہے۔ قطب الدولہ سے تعلق تمھیں اور سب مجھے مبارک۔ اس "جوائن صاحب دل" کو ہرگز نہ چھوڑنا۔ نوشتہ ۱۰ ربیع الاول، ۶ مارچ (۱۳) غالب نے فرض کر لیا ہے کہ شاہ اودھ سے قصیدے کا صلہ ۵ ہزار ملے گا، اس میں سے پانچ سو وہ میکش کو دینا چاہتے ہیں، یہ دریافت کرتے ہیں کہ اس کی کیا صورت پسند ہے۔ یہ بھی بتایا ہے کہ روپے دلی کس طرح پہنچیں جائیں۔ میکش کے بارے میں لکھا ہے: اگر تمھاری جگہ "روح الامین" بھی اس کام پر متعین کرتا، تو وہ اس سے بہتر نہ کرتا جیسا تمھاری امید پرندگی ہے۔ بیٹے پدر پیر کی خدمت کرتے ہیں، اگر صلہ اس طرح مل گیا کہ میرے اور تمھارے سوا کسی کو اس کا علم نہ ہو تو باقی عمر تمھارے سایۂ احسان میں گزاروں گا۔ نوشتہ ۲۲ دسمبر روز عید نصاریٰ، ۲۴ دسمبر۔ مکتوب غالب بنام قطب الدولہ مورخہ ۱ رجب ۱۲۶۵ = ۲۴ مئی ۱۸۴۹ء (باغ دودر) میں میکش کے متعلق مرقوم ہے: "انھیں مجھ سے پیوند روحانی ہے۔ ان کے والد میر کرار حسین نے انھیں نازونعمت سے پالا، اور علم و ادب سکھایا ہے۔ پیش گاہ حکام سے منشی وکالت عدالت بھی انھیں حاصل ہوا ہے۔ ان کی بلند ہمتی اس پر قانع نہ ہوئی، اور یہ خوان نوال شاہ اودھ کے ریزہ خوار ہونا چاہتے ہیں۔ میں ان کی کامیابی کی دعا کرتا ہوں۔ میری دو آرزوئیں ہیں، ایک یہ کہ یہ کامیاب ہوں، دوسری یہ کہ قصیدے کا صلہ ملے، مگر قطب الدولہ کی وساطت سے صلہ نہ ملا، مفصل بحث واجد علی شاہ کے ذکر میں ہوگی۔

اردوئے معلی میں میکش کے نام کے ۲ خط ہیں: (۱) "بھائی میکش ... ہزار آفریں ... خدا جانے وہ خوے کس مزے کے ہوں گے جن کی تاریخ ایسی ہے ... کہیں یہ ... خیال میں نہ آئے کہ یہ حسن طلب ہے کہ ناحق تم دین محمد غریب کو دوبارہ تکلیف دو ... بفرض محال یوں ہی عمل میں لاؤ گے ... تو ہم بھی کہیں گے تازہ شے بہتر بارہ سو بہتر"۔ (۲) "میکش بیمار ہیں، نہ غالب ملنے جا سکتے ہیں، نہ وہ آسکتے ہیں۔" مکتوب بنام سرفراز حسین میں ہے: "میکش چین میں ہے، باتیں بناتا پھرتا ہے، سلطان جی میں تھا، اب شہر میں آگیا ہے۔ دو تین بار میرے پاس آیا، پانچ سات دن سے نہیں آیا۔ کہتا تھا کہ بیبی کو، اور لڑکی کو ہمراہ میر ونیر علی کے پاس بھیج دیا ہے۔ خود بیٹھا لوٹ کی کتابیں خریدتا پھرتا ہے۔" اسی کے ایک اور خط میں ہے: "میکش کا حال ... کچھ ... معلوم ہے؟ مخنوق ہوا۔ گویا اس نام کا آدمی شہر میں تھا ہی نہیں۔" ایک خط میں چند مقتولین جنگ ۱۸۵۷ء کے ذکر کے بعد لکھا ہے: "ہائے میں بھول گیا، حکیم رضی الدین حسن اور میکش۔" ایک میں یہ عبارت ہے "کل سے میکش بہت یاد آرہا ہے۔" کلیات فارسی میں ایک رباعی ہے:

| | |
|---|---|
| تا میکش و جوہر در سخن وا داریم | شان دگر و شوکت دیگر داریم |
| در میکدہ پیریم کہ میکش از ماست | در معرکہ تیغیم کہ جوہر داریم |

جوہر، جواہر سنگھ ہیں، یہ اور میکش دونوں فارسی گو تھے۔

۲۰۔ شوق و ثبات تخلص شاہ امین احمد شاہ امیر الدین، وحید سجادہ نشین خانقاہ شاہ شرف الدین بہاری، بہار شریف۔ متولد ۱۲۴۸۔ فارسی میں متعدد مثنویاں کہیں، غزلیں بھی ہیں، مگر دیوان فارسی مرتب نہیں۔ دیوان اردو غیر مطبوعہ ہے (نمائش ادارۂ تحقیقات اردو کے لیے آیا تھا، اور میری نظر سے گزرا تھا، اس وقت پیش نظر نہیں)۔ وفات ۱۳۲۱ھ۔ یہ حالات تاریخ شعرائے بہار جلد ۱ مصنفہ راسخ عظیم آبادی سے ماخوذ۔ اس کتاب میں ان کے جو اشعار ہیں، ان میں اشعار ذیل بھی ہیں:

| | |
|---|---|
| خارزار عشق سے اے شوق نکلو تم کہیں | گلشن ہستی میں ہو جاؤ گے ورنہ گم کہیں |
| تن سے سر کٹ گیا حل ہو گئی مشکل میری | واہ کیا عقدہ کشا ناخن شمشیر بھی تھا |

طرز غالب مجھے اے شوق بہت مرغوب ہے
ابتدا میں تو میں کچھ معتقد میر بھی تھا

۱— انتخاب غالب، طبع اوّل، مرتبۂ محمد عبد الرزاق مددگار صدر محاسب حکومت آصفیہ، مطبع چشتیہ حیدر آباد دکن ۱۳۴۵ھ صفحات ۴۴ جس میں وہ صفحہ جس میں نام کتاب وغیرہ ہے، وہ جس میں اشتہار ہے، اور وہ ۳ صفحے جن میں دیباچۂ مرتب ہے، شامل ہیں۔ دیباچہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا واحد خطی نسخہ ڈاکٹر ضیاء الدین استاد دہلی کالج کے کتبخانے میں تھا، اور وقتِ تحریرِ دیباچہ منشی سید سجاد ایم۔ اے، کی ملک تھا، نام کاتب و سالِ کتابت نامعلوم، صفحات ۲۴، مسطر ۲۲ سطری۔ بظاہر نصف صدی قبل کا لکھا ہوا ہے، سرورق پر سرخ روشنائی سے "رقعہ ہای مرزا اسد اللہ خان عرف مرزا نوشہ" مرقوم ہے۔ نام مجوزۂ مرتب ہے۔ قیمت ۸؍
تمہید غالب ص ۱ و ۲ : سطر ۱ "یہ کتاب دو بابہ (کذا) کی ہے، حقیقت اس کتاب کی یہ کہ پہلے باب میں دو دیباچے" عبارات مابعد" اور کئی لطیفے اور کئی مکتوب ہیں۔ اگر میری لکھی ہوئی نہ ہوتی، تو میں کہتا کہ بہت خوب ہیں۔ دوسرا باب اشعار کا ہے کہ وہ بھی کلام اس خاکسار کا ہے۔ اگر کوئی خطار و وزبان میں لکھا جائے ان اشعار میں سے شعر محل و مقام کے مناسب درج کیا جائے" کتاب نذرِ مکلوڈ صاحب فیننشل کمشنر پنجاب" اگر ان کے حکم سے چھاپی جائیگی، تو صاحبانِ تازہ واردِ ولایت کی پڑھنے کی کام آئیگی"۔ غالب نصر اللہ بیگ خان بہادر کا بھتیجا ہے، قصیدہ بذریعۂ لارڈ النبرا وزیر اعظم تک پہنچا اور ملکۂ وکٹوریا کی خدمت میں پیش ہوا۔ اس کا مستحق ہے کہ "کومنس پوئیٹ" گنا جائے۔ رتبہ بڑھے نہیں، تو کم بھی نہ ہو۔ تمہید کے آخر میں ۳ شعر جن میں مکلوڈ کو دعا دی ہے۔ دیباچے (ص ۲ تا ۵) گلزار سرور اور حدائق الانظار کے ہیں، ۱۱ رقعات ص ۶ تا ۱۴ میں ہیں اور وہ عبارات جن سے انگریزوں کی ناراض ہونے کا اندیشہ ہو سکتا تھا، نکال دی

گئے ہیں۔ دیباچوں کی طرح خطوط بھی پہلے چھپ چکے ہیں۔ دو نقلیں اور ایک لطیفہ ص ۱۴ تا ۱۶۔

"نقل" ۱: ایک مولوی صاحب نے وعظ میں کہا: جب تک شرابی کے منہ سے شراب کی بُو آتی ہے، اس کی دعا قبول نہیں ہوتی۔ میں نے کہا کہ شراب اسی وقت پی جاتی ہے، جب تندرستی، دولتمندی اور اطمینانِ خاطر ہو، یہ سب ہو، تو باقی کیا ہے، جس کے لیے دعا ہو —

"لطیفہ": اسی دوشنبے کو باغی داخلِ دہلی ہوئے، فتح دہلی کا دن بھی دوشنبہ، دو ایک دوستوں نے اس اتفاق کا ذکر کیا، میں نے کہا کہ یوں تصوّر کرو کہ جس دن شکست کھائی، اسی دن فتح پائی۔

"نقل" ۲: بلیماروں کے محلّے میں میرا گھر تھا، اس کوچہ میں، جہاں میں رہتا تھا، پچاس ساٹھ آدمی کی بستی" ہوگی، سات آٹھ گورے دیوار پر چڑھ کر اس کوچے میں اتر آئے، سب کو اپنے ساتھ لے چلے مگر کسی کی بےحرمتی نہیں کی۔ راہ میں "سارجن" ملا، اس نے بعد صاحب سلامت پوچھا: کہ "مسلمان ہو" میں نے کہا آدھا، اس نے کہا کہ یہ کیا، میں نے جواب دیا کہ "شراب پیتا ہوں، ہیم ہوک (کذا)، نہیں کھاتا" وہ مجھے چاندنی چوک حافظ قطب الدین سوداگر کی حویلی میں جہاں کرنل بروں (صحیح براؤن) صاحب مقیم تھے، لے گیا۔ انھوں نے مجھ سے صرف نام پوچھا، اوروں سے پیشہ بھی۔ مجھ سے کہا۔ بڑا تعجب ہے کہ تم "باڈی" پر نہ آئے۔ میں نے اجازت لے کر جواب دیا: تلنگے دروازے سے باہر نکلنے نہیں دیتے تھے، اگر بات بنا کر نکل جاتا اور باڈی کے قریب پہنچ جاتا تو پہرے والا گورا گولی مار دیتا۔ مانا کہ اس سے بھی بچ جاتا، مگر میری صورت دیکھیے، بوڑھا، پاؤں سے اپاہج، بہرا، لڑائی یا مشورت کے قابل نہیں، رہی دعا تو وہ تو گھر پر بھی کرتا رہا۔ کرنل ہنس کر بولے: اپنے نوکروں اور علاقہ داروں، کو ساتھ لے کر گھر جاؤ، باقی اہلِ محلہ سے غرض نہ رکھو۔ انھیں دعا دیتا ہوا گھر آیا۔ اشعار ۱۳۱ ص ۱۶ تا ۱۹ ہیں۔ کہ نہیں آتی ہیں .... مدعا کیا ہے، پھر .... فوجداری ہی ہو .... سررشتہ داری ہے، پھر .... زاری ہے پھر .... جاری ہے دل .... روبکاری ہے، بوسہ .... مال اچھا ہے، ان .... حال اچھا ہے، پیوں .... سبو کیا ہے، میری .... ویلی ہوتی، خط .... نام کے منحصر .... دیکھا چاہیے" پلادے اوک سے ساقی جو ہم سے نفرت ہے گلاس (دیوان میں پیالہ) گر نہیں دیتا نہ دے شراب تو دے" گو .... مینا مرے آگے کون

.... رواکری کوئی' بھوکے .... بہار کی' غالب .... اچھا کہیں جسے' واعظ .... طہور کی' سب ....
مہرباں ہو جائیگا' کہتے .... پر کہے بغیر' ہم .... خبر ہونے تک' قاصد .... جواب میں' وہ ...
گھر کو دیکھتے ہیں' رنج .... آساں ہو گئیں' سیکھو .... ملاقات چاہیے' کیا .... زباں ہے'
بینش .... بدلتے نہیں دیتے' ساتگیری .... قدر ہے۔ "خاتمہ" ص ۱۹: خدا سے دعا ہے کہ یہ میرے
مربی اور محسن کو پسند آئے" ان کا نام دیباچے میں ہے' تو بار بار اس کا قلم سے نکلنا ادب سے دور ہے'
خاتمہ اس شعر پر ہوتا ہے: "سب .... مہرباں ہو جائیگا" اس کے بعد "غالب"

<u>۲-انتخاب غالب</u> طبع ۲: شائع کردہ اقبال اکیڈمی' تاجپورہ' لاہور' ۱۹۴۲ء اصل کتابت
از ص ۹ تا ۴۸' اس نسخے میں دیباچۂ مرتب طبع اول شامل ہے' اور ۲ صفحے اس سے پیشتر محمد شاہ
ایم۔اے سکرٹری اقبال اکیڈمی کے لکھے ہوئے عنوان ذیل سے ہیں: "ناشرین کی طرف سے" وہ
لکھتے ہیں: اس انتخاب غالب کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ مصنف کا اپنا انتخاب ہے جس سے اس کے
ملتخب (کذا) ذوق کا پتا چلتا ہے۔ علاوہ ازیں بعض تاریخی واقعات پر روشنی پڑتی ہے۔ نیز
غالب کی سیرت و کردار اور اس کی ذہانت و فطانت کا ایک منقح تصور آنکھوں کے سامنے..
آجاتا ہے۔

<u>۳-بیرعلیخان</u> - دیوان کے نسخۂ حمیدیہ کی ایک غزل کا مقطع ہے:

مسیح کشتۂ الفت بیرعلیخان ہے     کہ جو اسد تپش نبض آرزو جانے (ص ۲۱۹)

نسخۂ عرشی کے اشاریے میں "بیرعلی خاں" حکیم "ہے' مکاتیب غالب کے ایک خط بنام کلب علی خاں
نوشتۂ اگست ۱۸۶۵ء میں ہے: "معجون طلائے عنبری تقویت قلب میں مجوزۂ بیرعلی خان
مغفور' ورق طلا' عرق کیوڑہ' قند' کثرت اجزا اس ترکیب خاص میں ناپسند' حاشیہ نوشتۂ
جناب عرشی: "اس قدر پتا چلتا ہے کہ یہ دہلی کے مشہور طبیب تھے ان کے بیٹے کا ذکر کسی تذکرے

میں بذیلِ شعرا دیکھا تھا، اور اس وقت اس سے یہ اندازہ کیا تھا کہ ببر علی خان آخر بارھویں صدی کے اہلِ علم میں تھے"۔ چونکہ اس عبارت میں نہ تذکرے کا نام ہے، نہ بیٹے کا نام و تخلص، اس کی مدد سے پڑھنے والا بطورِ خود ان کے زمانے کے متعلق کوئی رائے نہیں قائم کر سکتا۔ مجموعۂ دہلی میں غالب کا ایک خط بنام محمد علی خان ہے جو کلکتے سے بھیجا گیا تھا، یہ الفاظ ہیں: "مرا در مدت عمر دو جا اتفاق نازش پدر خوانگی افتادہ است، یکی با میر ببر علیخان مغفور و دیگر با حضور، ہر دو جا آثارِ عطوفتِ پدری باستینا معاینہ کردم، جناب مغفور نیز پس از روزی چند شیوۂ تحریر برگردانده در القاب سہیم اخوی مخدومی میر وارث علیخان ساختہ بودند" باغ دودر کا ایک خط بنام تفتہ میں جو آگرہ دگیا تھا، یہ ہے کہ "روشنِ گہر گرامی دودمان حکیم وارث علی خان میرے حقیقی بھائی کی طرح ہیں، انھیں میرا سلام کہو، ہزار سلام ملاقات اور مراسلت نہ ہو، تب بھی دلی تعلق برقرار رہیگا۔ قریب بیقین ہے کہ یہ وہی وارث علیخاں ہیں جن کا ذکر مکتوب اسمی محمد علیخان میں ہے۔ یہ بھی قریب بیقین ہے کہ ببر علیخان، بیٹے کی طرح حکیم ہوں، اور معجون انھیں کا مجوزہ ہو، مگر دہلی سے ان کا سروکار ثابت نہیں، اور غالب سے ان کے تعلق کے پیشِ نظر، یہ نہیں کہنا چاہیے کہ اواخر مأیۃ دوازدہم کے اہلِ علم میں تھے۔ ان کی عمر کا معتدبہ حصہ ۱۳ سو ۱۳ میں بھی گزرا ہوگا۔

۴۔ ظہور الدین علی کے نام سے قبل "مطاعی و مخدومی مولوی" اور اس کے بعد "دامت برکاتہ" ایک خط میں جو بنام تفضل حسین خاں ہے، اور جس میں یہ خواہش ظاہر کی ہے کہ "پیچھاے بانگ" پر جو رسالہ غالب نے ٹونک بھیجا ہے، خود دیکھیں اور ظہور علی کو دکھائیں کہ یہ معلوم ہو کہ کیا کمال کیا ہے۔ (باغ دودر)

۵۔ قاضی فصیح الدین بداؤنی۔ اسی خط میں جس کا ذکر ۴ میں ہے، ان کے بارے میں مرقوم ہے: "مکرمی قاضی فصیح الدین بداؤنی را از آگرہ بہ دہلی گذار افتاد، چون شما را دیدہ بود، دہم از آن انجمن میآمد و درودِ شما از ٹونک بہ متھرا و متھرا بہ اکبر آباد و من بازگفت۔ این فرخندہ آیین را نیز چون خود ثناخوان و در ستایش با خویش ہمزبان یافتم" (باغ دودر)

۶ ــ جوزف جارج ۔ غالب تفتہ کو ۱۷ر نومبر ۱۸۵۰ء کے ایک خط میں لکھتے ہیں: "جانی بانکی لال را بخانۂ جوزف جارج کہ دوستِ دیرینۂ من است دیدہ ام" (باغ دودر)

۷ ــ نواب محمد حسن خان بہادر: اسی خط میں جس کا ذکر ۶ میں ہے غالب لکھتے ہیں: "نواب محمد حسن خان بہادر کہ جرنیل صاحب گفتہ میشوند، لبسبیل ڈاک درین شہر آمدہ اند، وچون بدیدن .... کالی صاحب .... تشریف آوردہ اند، مرا نیز بدیدارِ خود شادمان کردہ اند، وبا من از شما سخن راندہ دشمار السخنوری ستودہ مانا ساز آنجاکہ بہ چھاؤنی فرود آمدہ بودند و راہ دور بود و من رنجور، دیدار آن فرخ تبار جز دوبار روزی نشد، وحسرت ہمسخنی وہمانجمنی دردل ماند"۔

۸ ــ امراؤ بیگم ۔ میکش کے نام کے ایک خط نوشتۂ پنجشنبہ ۵ر جولائی = ۱۳ شعبان میں ہے: "امراؤ بیگم زوجۂ بادشاہ (بہادر شاہ) میرا نام الدین (خسر میکش) را جواب داد" (باغ دودر)

۹ ــ شاہ سمن خان وعلی محمد خان رسالہ دار ۔ میکش کے نام کے ایک مورخہ ۵ر صفر ۱۲۶۴ھ (یہ غلط، ۱۲۶۵ھ چاہیے) میں ہے: "شاہ سمن خان پسر علی محمد خان رسالہ دار کہ در لکھنؤ رسیدہ از منتسبان رضی الدولہ است، ندیافتہ رقم میتوان کرد" (باغ دودر)

۱۰ ــ سید اکبر علی ۔ خط بنام میکش میں جو لکھنؤ گیا تھا، یہ عبارت ہے: "امروز کہ آدینہ چارم محرم است مخدومی ومولائی سید اکبر علی بدیدنِ من آمدہ بودند، گفتند کہ فردا کتابتی بفلانی میفرستم، من نیز این دو سہ سطر نگاشتہ بسید ستودہ خوی سپردم تا در نورد نامۂ خود فرو پیچید و بشما فرستند (باغ دودر)

۱۱ ــ راجہ امداد علی خان بہادر ۔ خط بنام میکش نوشتۂ ۲۶ر صفر ۱۲۶۶ھ میں ہے: تاریخ یمینی (مرتب کا قول ہے کہ خطی نسخے میں یمینی نہیں، یمنی) عجالتاً بہر قیمت کہ دست

بہم داد خریدہ درمومیں جامہ پیچیدہ بعد ادای محصول بشما فرستادہ ام ۔ بی تکلف
از جانب خود بخدمت راجہ امداد علیخان بہادر پیشکش کنند و نام من نبرند۔ راجہ مرا چہ داند
کہ من کیستم بیہدہ از من پذیرد سپاس چہ انہتد ممنونِ خودش سازند کہ ناموری شما
بلند نامی من است وبس"۔ ایک دوسرے خط بنام سیکش میں جو نوشتہ ۲۴ فروری
۱۸۴۹ء ہے: تاریخ یمینی بھیجی اب تک رسید نہیں ملی (ایضاً)

۱۲ــــ دیوان عارف ۔ خط بنام جواہر سنگھ جوہر نوشتہ ۲۴ مئی ۱۸۵۴ء میں ہے:
"دیوان عارف بہ رای صاحب (مراد از پدر جوہر) سپردہ آمدہ وا جلد ضیاء الدین احمد خان
در تطلبیدہ اند و ہر گاہ طلب خواہند کرد دادہ خواہد شد ۔ این قدر زودی چہرا اگر دانستی
کہ زود ہمی باید ادا کرد، فرمانِ شمارا کاربستی و یازدہ روپیہ فرستادمی" (باغ دودر)
یقین ہے کہ زین العابدین خان عارف کے دیوان کی بات ہے۔

۱۳ــــ دیوان بیدل : خط بنام تفتہ مورخہ ۱۷ نومبر ۱۸۵۰ء میں ہے: "درہنگامِ تماشای
دیوانِ شما گفتہ ام کہ میرزا بیدل چون دیوان غزلیات ساز دادہ است، طرح آن ریختہ
است کہ در ہر زمین دو غزل انشا کند، و آن ہر دو غزل را کہ در یک ردیف و قافیہ باشد،
غزل دیگر از زمین دیگر درمیان دادہ بر صفحہ نقش زند، و از بای بسم اللہ تا تای تمت ہم بدین
ہنجار رہ سپردہ است ۔ چہ خوش باشد کہ دیوانِ شما نیز بدین روش داشتہ باشد گویی ہمان شد
کہ ما فرستادہ بودیم"۔ (باغ دودر)

۱۴ــــ مولوی امتیاز خان ۔ قاضی عبد الجمیل کے نام کے خط مورخہ ۲۰ نومبر ۱۸۵۵ء میں ہے:
"مولوی امتیاز خان ... کا میرے ہاں آنا اور میرا اس وقت مکان پر موجود نہ ہونا، واللہ ...
بڑا رنج ہوا ۔ اگر ... ملیں تو میرا سلام کہیگا، اور میرا ملال ان سے بیان کیجیگا" (عود ہندی)

۱۵ــــ "خلیفہ حسین علی .... رامپور میں مجھ سے ملے ہونگے مگر واللہ مجھ کو یاد نہیں ۔ چونکہ میں

دلّی میں ہوں اور وہ رامپور گئے ہیں تو البتہ وہ آپ کے پیام جوان کی زبان کے تحویل فقیر، بدستور ان کی تحویل میں رہی اور مجھ تک نہ پہنچے۔ (عود ہندی)

۱۶ — احمد حسین خان بن سردار خان بن دلاور خان، غلام حسین خان بن مصاحب خان کے نواسے تھے۔ غالب ۱۸۶۱ء کے ایک خط بنام ممدوح میں لکھتے ہیں کہ یہ پانی پت کے رہنے والے ہیں۔... "قوم، معاش، طریق، عمر، لیاقت ذاتی، طبیعت کے ڈھنگ مفصل از روئے تحقیق تحریر کرد۔" (عود ہندی)۔

۱۷ — حکیم سلامت علی خان کے متعلق غالب نے محمد علیخان کو کلکتہ سے لکھا ہے کہ اگر آپ التفات حسین خاں سے واقف نہ ہوں، تو ان سے خط منگوا کر بھیج دیں۔

۱۸ — سید علی حسن خان۔ مجموعۂ دہلی ہیں جس کے متعلق میرا مقالہ اردو کراچی کی غالب نمبر میں شائع ہوگا، دو خط سید افضل علی تحصیلدار پرگنۂ بروساو کالنجر ضلع باندا کے بنام منشی سید علی حسن خان ہیں جن میں سے ایک نوشتۂ ۳ اگست ۱۸۳۹ء ہے، ایک لفافے پر جو عبارت ہے وہ بھی اس میں منقول ہے: "بسامی خدمت لطف (کذا) درجت مخدوم و معظم نیازمندان، مصدرِ لطف و کرم جناب منشی سید علی حسن خان صاحب زاد مجدکم العالی، ذریعہ اخلاص افضل علی عفی عنہ"... مجموعۂ مذکور کے بالکل آخر میں یہ انگریزی عبارت ہے:

"WRITEN (SIC) BY MOONSHEE ALLY HASSAN OF MOUZAH KANRA"

انگریزی عبارت نہ جانے کس کے قلم سے ہے، اس میں جو منشی علی حسن ہیں وہی منشی سید علی حسن خان معلوم ہوتے ہیں جن کے نام کے دو خطوں کا ذکر اوپر آیا ہے۔ دونوں ایک ہیں، تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا کاتب اور جامع ایک ہی شخص ہے؟ قرینہ ایک ہی ہونے کا ہے۔

۱۹ — امیر بیگ خاں نواب ذوالفقار بہادر باندا کے نام غالب نے ایک خط کلکتہ سے محمد علی خان

کی پاس بھیجا تھا کہ دیکھ کر مکتوب الیہ تک پہنچا دیں۔ (مجموعۂ دہلی) ذوالفقار بہادر راوزبک جان (غالب کی ماموں کی بیٹے" اور رضاعی بھائی) کی خالہ زاد بھائی تھے۔

۲۰ — گوسی خانساماں و منٹھالی (کذا) و میاں رمضان - غالب بنارس میں حویلی منٹھالی و میاں رمضان میں جو حویلی گوسی خانساماں کی قریب محلۂ نورنگ آباد میں سرای نورنگ آباد کی عقب میں تھی، ٹھہرے تھے۔ غالب، جس خط میں یہ باتیں ہیں (اسمی محمد علیخاں، بنارس سی لکھا گیا تھا) اسی میں لکھتے ہیں: "درزاویۂ کہ فرود آمدہ ام، کلبۂ پیرزنیست کہ خودش بردعن چراغ محتاجست، وخرابہ اش فارغ از پرسش وجو، چوں دہ ویراں از بیم خراج، نہ بانامہ نامیی، درپہلویش، نہ قصر محتشمی دربرابرش" (مجموعۂ دہلی)

۲۱ — حافظ نظام الدین کا ذکر انورالدولہ شفق کے نام کی ایک خط میں ہی جو اس بنا پر کہ اس میں ا۷ برس اقربای سببی کی ستم اٹھانی کا ذکر ہی، ۱۲۷۴ھ کا لکھا ہوا ہونا چاہیے: "شاہ اسرار الحق کو آپ کا اور حافظ نظام الدین صاحب کا خط بھجوا دیا، ہفتہ بھر بعد جواب مانگا، جواب دیا کہ اب بھیجتا ہوں۔ دس بارہ دن ہوئی کہ حضرت خود تشریف لائے... کہا کہ کل بھیج دونگا، اس کو آج قریب دو ہفتی کے عرصہ ہوا، ناچار ان کے جواب سے قطع نظر کرکے .... یہ چند سطریں لکھیں... حافظ جی صاحب کو میری بندگی کہیگا اور یہ خط ان کو پڑھوا دیجیگا" (عود ہندی)

جناب فاضل کی مرتبہ عود ہندی کی اشاریے سے معلوم ہوتا ہی کہ حافظ نظام الدین اور میاں نظام الدین پسر کالی صاحب ایک ہیں، میری نزدیک دو مختلف شخص ہیں۔

۲۲ — حسن علی و جان محمد - میر فتح علی اردوی معلی کی ایک خط بنام شہاب الدین احمد خان نوشتۂ ۲۴ ستمبر ۱۸۶۱ء میں ہی:

"حسن علی .... سید ہیں، دوا سازی میں یگانہ، رکابداری میں یکتا، جان محمد ان کا

باپ ملازم سرکارِ شاہی تھا۔ اب ان کا چچا میر فتح علی ۱۵ روپے مہینے کا اور
میں نوکر ہے۔۔۔ان سے کہا گیا کہ پانچ روپیہ مہینا ملیگا، اور لوہارو جانا ہوگا۔ انکار کیا کہ۔۔۔۔
کیا کھاؤنگا، یہاں۔۔۔۔ کیا بھجواؤنگا۔ جواب دیا گیا کہ سرکار بڑی ہے۔ اگر کام۔۔۔
پسند آیا تو اضافہ ہو جائیگا۔ اب وہ کہتا ہے کہ خیر توقع پر۔۔۔ قبول کرتا ہوں، مگر
دونوں وقت روٹی سرکار سے پاؤں۔۔۔۔ حق بجانب اس۔۔۔کی ہے۔۔۔۔ اب یہ
کہتا ہے کہ دو ماہہ مجھے پیشگی دو، تاکہ کچھ کپڑا لتا بناؤں اور کچھ گھر میں دے جاؤں،
راہ میں روٹی اور سواری سرکار سے پاؤں، تو یہاں بھی حق بجانب سائل کے جانتا
ہوں مگر کچھ کہہ نہیں سکتا۔"

"عیار غالب"

۱۔ مہ آباد۔" قاطع برہان" کے فائدہ پنجم میں ہے "مہ آباد بکسر میم نخستین پیمبر است از پیمبران عجم۔ نام "آباد" ہے، "مہ" بزرگ جو دساتیر کے متن کی زبان میں "فرز" ہے کا اضافہ ہے۔ یہ پہلا دساتیری پیمبر ہے، اور دساتیر کا صحیفۂ اولین اس کے نام کا ہے۔ صحیفۂ جی افرام پسر آباد آزاد کے بموجب "آباد" نام کے تیرہ پیمبر اور گزرے ہیں (ترجمہ انگریزی صفحہ ۵۵) مگر ان کے نام کے صحیفے نہیں۔ صحیفۂ آباد کے مطابق سابق دور عظیم ختم ہوا تو صرف دو انسان باقی رہ گیے۔ آباد اور اس کی زوجہ، موجودہ دور عظیم کے انسان انہیں دونوں کی نسل سے ہیں، جی افرام کی پیمبری سے قبل کا زمانہ "آبادیوں" کا دور ہے، بموجب صحیفۂ جی افرام اس کی مدت سو "زاد" سال ہے ہزار بار" فرد" ایک "ورد" ہزار "ورد" یک مرد، ہزار "مرد" ایک "جاد" تین ہزار جاد ایک "واد"، اور دو ہزار "واد" ایک "زد" ہے۔ دساتیر کا واحد صاحب شریعت پیمبر "آباد" ہے، باقی پیمبروں کو جن میں زردشت اور ساسان پنجم پیمبر آخریں شامل ہیں، حکم دیا ہے کہ شریعت "آباد" پر عمل اور اس کی ترویج کریں۔ دساتیر کے بموجب صرف آباد صحیح راہ دکھانے والا ہے اور احکام خداوندی میں تغیر نہیں ہوتا۔ ساسان پنجم کا زمانہ وہی ہے جو آغاز اسلام کا ہے اور اس کے صحیفہ میں اسے بشارت دی گئی ہے کہ اس کی نسل میں پیمبری رہے گی۔ ظاہر ہے کہ اس کے بعد اسلام کی گنجایش نہیں۔ "دبستانِ مذاہب" میں "آباد" کی ایک تصنیف "بیان فرہنگ" کا ذکر ہے جس کا ترجمہ بقول مصنف پہلے فریدوں نے اور پھر بزرگمہر نے عہد نوشیرواں میں کیا تھا۔ "دبستان مذاہب" میں اس کے کچھ مطالب درج ہیں، مگر مصنف نے یہ نہیں بتایا کہ اصل کتاب کس زبان میں تھی اور اب کہاں ہے۔ اس نے یہ بھی نہیں لکھا کہ تراجم موجود ہیں یا نہیں اور نہیں ہیں تو مطالب مذکور کا ماخذ کیا ہے۔ غالب کو ظاہر مطلقاً اس کا ادراک نہیں کہ "آبادیوں کا دور کتنی مدت رہا۔ اور نہ وہ دساتیر کو جعلی کتاب سمجھتے تھے۔ میری رائے میں اس کا بنانے والا آذر کیوان تھا جو عہد جہانگیر میں فوت ہوا۔ میں کسی اور جگہ دساتیر سے تفصیلی بحث کر چکا ہوں، اور اس میں حوالے بھی ہیں۔

۲۔ نگارستان فارس مصنفہ محمد حسین آزاد طبع ۱۹۲۲ء شائع کردہ محمد طاہر نبیرۂ آزاد۔ ناشر نے لکھا ہے کہ "فیضی، ابوالفضل اور ہمارے میرزا غالب۔ ان میں سے کسی نے فارسی سے متعلق "تحقیق و تدقیق" میں وہ کاوش اور محنت نہیں کی

جو حضرت آزاد نے کی۔ یہ علم تھا کہ انہوں نے تذکرہ شعرا لکھا ہے۔ لیکن تلاش کے باوجود مسودہ نہ مل سکا تھا۔ یہاں تک کہ والد نے انتقال کیا۔ اس کے بعد پھر ڈھونڈا تو مل گیا، لیکن کچھ شعرا کے حالات و اشعار پڑھے نہ جا سکے کچھ پرچے پڑھے نہ جا سکے، پنسل سے لکھے ہوئے تھے مگر نظر گڑو دینے سے معلوم ہوا کہ غالباً مرزا کی فارسی حضرت غالب کا ذکر ہے، جن کو مولانا (مراد آزاد) نے آب حیات میں فارسی شاعر مانا ہے"۔

۳ ۔ میر امداد علی شاہ۔ خط اسمی چودھری عبد الغفور سرور مارہروی میں جو ۱۸۵۹ء کا لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے، یہ عبارت ہے: "میر امداد علی شاہ کو میری دعا کہنا۔ میری طرف سے خاطر جمع کر دیجئے گا کہ اب اچھی سبیل نکل آئی ہے، چودھری صاحب کے ذریعے جو کچھ بھیجنا ہو گا بھجواؤں گا" (عود ہندی، مرتبہ فاضل ص ۶۰) مجھے ان کا نام کسی اور خط میں نہیں ملا۔ لیکن اشاریہ عود مرتبۂ فاضل اس پر مشعر ہے کہ ان کا نام عود کے ص ۹۰ میں بھی آیا ہے۔

۴ ۔ صاحب، شیر زماں خاں، نبیرۂ حافظ عبد الرحمٰن خاں احسان جن کے دوران حیات میں صاحب ان سے اصلاح لیتے رہے۔ ان کی موت کے بعد صاحب، ذوق کے شاگرد ہوئے (گلستانِ سخن) دیوان صاحب (مطبع مقتبس دکن، ۱۳۱۹ھ) کا دیباچہ محمد وحید الدین خاں کے قلم سے ہے۔ آغا حیدر حسن صاحب دہلوی نے مجھے بتایا تھا کہ یہ ضیاء الدولہ کے بیٹے تھے۔ اور یہ خود دیباچے میں صاحب کو اپنا "بزرگ" لکھتے ہیں۔ حالات ماخوذ از دیباچہ: "نواب سید محمد شیر زماں خاں بن نواب علی شیر خاں مخاطب بہ فتح نصیب خاں کے اجداد میں سید علی ہمدانی، نواب حمید الدین خاں عالمگیری، نواب شرف الدین محمد خانی بہادر صوبہ دار کشمیر، مجد الدولہ عبد الاحد خاں بہرام جنگ ہوئے ہیں۔ فارسی کی ضروری تحصیل کے بعد شاگرد ذوق ہوئے اور ان کی وفات کے بعد غالب سے اصلاح لیتے رہے۔ صاحب سرکار انگریزی میں ملازم رہے پھر ضعیفی میں ترکِ روزگار و وطن کر کے اپنے بیٹے سید محمد وزیر الزماں خاں لیفٹننٹ "فوج باقاعدہ" نظام کے پاس حیدر آباد چلے آئے اور تادم آخر وہیں رہے" موت ۱۳۱۲ھ میں واقع ہوئی، اس وقت تخمیناً ۷۰ برس کے ہوں گے۔ ایک قابل ذکر بات یہ ہے کہ دیوان کے آخر (ص ۱۴۰) میں مرزا محمد داؤد خاں آہی کی تاریخ طبع دیوان یہ ہے:

کیوں نہ صاحب کے ہوں عمدہ اشعار      ان کے نانا تھے جناب رنگیں

فکر تاریخ کی کیا ہے آہی      کہ دو ہے خوب کلام شیریں

("ہے خوب کلام شیریں" کے نیچے ۱۳۱۹ مرقوم، مگر اس سے ۱۲۸۴ نکلتا ہے۔)

گلستانِ سخن میں صاحب کے جو ۳ شعر ہیں وہ دیوانِ مطبوعہ میں موجود ہیں۔ گلستانِ سخن کے مؤلف صابر دہلوی[1]، شاگرد

---

[1] شعر ذیل میں صابر غالباً قادر بخش ہی کا تخلص ہے ~ میاں صابر وارشد و نکر صاحب :: بہت خوش ہوئے پڑھ کے دیوان میرا

احسان و صہبائی ہیں، اور سرورق کے بموجب یہ صہبائی کی اصلاح سے مزین ہے۔ قرینہ یہ ہے کہ یہ تذکرہ لکھا ہوا صہبائی کا ہے۔ حالات و کلام کی فراہمی میں صابر بھی شریک رہے ہیں، احسان سید نہ تھے اس لیے نبیرہ سے مراد بیٹے کا بیٹا نہیں؛ نانا بھی نہیں کہہ سکتے، آہی کی تاریخ اس پر شاہد ہے کہ رنگین صاحب کے نانا صاحب یہ کس طرح سمجھا جائے کہ صابر ایک ایسے شخص کو جو احسان سے تعلق نہیں رکھتا، ان کا نبیرہ لکھ دیں اور یہ نبیرہ اور شاگرد تھے، تو دیباچہ نگار اس کا ذکر نہ کرے؟ مزید یہ کہ دیوان صاحب میں کئی جگہ ذوق و غالب کا ذکر ہے، احسان کا نہیں۔ آغا صاحب کو یہ گتھی سلجھانی چاہیے۔ صرف ذوق سے متعلق اشعار:

| | |
|---|---|
| الٰہی رکھ مرے استاد کو قائم قیامت تک | ہمیشہ ہوئے سر پر ان کے سایہ ابر رحمت کا |
| طفیل خاک پائے حضرت ذوق اب تو اے صاحب | گیا عرش معلیٰ پر دماغ اپنی طبیعت کا! |
| سب ہیں یہ مقر کہ افصح ہندوستاں ہیں ذوق | سودا و میر رتبے سے جن کے ہیں کمتر آج |
| ہندوستاں سے کشور ایران تک کہیں | کہتے ہیں ذوق سا نہیں پیدا سخنور آج |

اور جگہ بھی ذوق کو یاد کیا ہے۔ ایک غزل اور ایک رباعی میں ذوق و غالب دونوں کے نام آئے ہیں:

| | |
|---|---|
| شاگرد ہوں میں ذوق سے عالی دماغ کا | کیوں تیغ کوئی میرے سخن میں نکال دے |
| فیضان روح گر نہ ہو غالب کی صاحبا | پھر کون اس ردیف کٹھن سے نکال دے |
| غالب کا کلام سب سے غالب پایا | اشعار کا ان کے سب کو طالب پایا |
| صاحب شاگرد ذوق و غالب ہو کر | اللہ اللہ عجب مراتب پایا |

صاحب کی زبان ذوق و غالب و مومن سے قدیم تر ہے اور ان کی شاعری کا پایہ بلند نہیں۔

۵ ۔ "فرہنگ فارسی" از پروفیسر محمد معین، جلدوں میں ہے، جن میں سے ۵ اس وقت تک شائع ہو چکی ہیں۔ آخری دو جلدیں بطور دائرۃ المعارف ہیں۔ جلد ۵ ص ۱۲۳۸ تا ۱۲۳۹ میں غالب کا ترجمہ ہے۔ غالب اور ان کے والد کے نام کے ساتھ "خاں" ہے مگر قوسین کے اندر۔ غالب کا سال ولادت ۱۷۹۷ء لکھا ہے۔ ان کے اجداد کے متعلق مرقوم ہے کہ ترک ایبک تھے[1] لفظ ایبک جلد ۵ میں الگ نہیں آیا۔ اور جلد ۱ میں اس کی شرح یوں کی گئی ہے "ایبک ۔۔ نامیست ترکی ازا ۔۔۔ قاصد، غلام"۔ اس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ مولف کے نزدیک ایک ترکوں کا ایک قبیلہ ہے۔ جلد پنجم میں ایبک نہیں؛ ترک ایبک لکھنا محض تقلیداً ہے۔

مولف کا قول ہے کہ غالب کے دادا عہد شاہ عالم میں وطن چھوڑ کر دہلی آئے۔ غالب کے چچا "نصر اللہ بیگ خاں"

[1] غالب کے اور خطاب درج ہیں، مگر نظام جنگ نہیں۔

"صوبہ دار آگرہ تھے۔ ان کی موت کے بعد شاہ دہلی نے رقم ماہانہ "معادل پنجاہ روپیہ" مقرر کردی۔ نہ وہ صوبہ دار تھے اور نہ ان کی وفات کے بعد شاہ دہلی نے ماہانہ مقرر کیا۔ مولف نے کچھ اور حالات لکھنے کے بعد تحریر کیا ہے۔

"ہزواقعی شعراو پس از شورش عظیم سال ۱۸۵۷م بظہور پیوست۔ ایں شورش بزرگ کہ نمائندہ نزاع و اختلافات متضاد بود، بسیاری از تشکیلات و موسسات مفید دورہ مغول را ویران کرد۔ علاوہ بریں اضمحلال سلسلۂ باعظمت مغول نیز غالب را سخت متاثر ساخت و در نتیجۂ اشعارش کہ ایں تاثر و احساسات منعکس میسازد، بصورتی مولم و درد آمیز در آمدہ و شنوندہ را متاثر میسازد۔ وی پیشرو سبک نو در شعر اردو ست، و نخستین شاعریست کہ عقائد و نظرات فلسفی را در شعر اردو وارد کردہ، و در نتیجہ شورش ترکیبی از فلسفہ و عرفان و حالی از در و تاثر است، و از ایں رو او را بدر شعر اردو مینامند۔ مع ہذا خود با شعار فارسی خویش مباہات میکند۔

فارسی بیں تا بہبینی نقشہای رنگ رنگ          بگذر از مجموعہ اردو کہ بیرنگ من است

در اشعار فارسی شیوۂ شاعران سبک ہندی را تتبع میکردہ۔ وی معاصر با برہان بود، و در مدح آخرین پادشاہ از یں سلسلہ بہادر شاہ دوم چند قصیدہ گفتہ۔ وی کتبی ہم نشر دارد کہ از آں جملہ است قاطع برہان مولف بسال ۱۲۷۶ھ ق و آں انتقاد یست بر برہان قاطع، و ہمیں کتاب موجب غوغای عظیم بین محققان ہند شد گروہی بطرف برہان تبریزی برخاستند و از غالب سخت انتقاد کردند و گروہی دیگر بطرفداری غالب قیام کردند"

غالب کی شاعری پر ۱۸۵۷ء کی شورش کے اثر کی نسبت جو کچھ مولف نے لکھا ہے محل نظر ہے۔ یہ بھی قابل قبول نہیں کہ غالب "پدر شعر اردو" کہا جاتا ہے۔ علیٰ ہذا یہ بھی کہ غالب سے قبل فلسفیانہ افکار سے شعر اردو نا آشنا تھا۔ مولف نے آغاز ترجمہ میں جلد ۱ کا حوالہ دیا ہے، مگر اس میں غالب کا نام تک نہیں آیا۔

۲۔ مقدمہ "برہان قاطع" مرتبہ پروفیسر محمد معین۔ پروفیسر محمد معین نے جو ایران کے مشہور زبان شناس تھے، پہلے چار، اور پھر پانچ جلدوں میں "برہان قاطع" کا ایک ناقدانہ نسخہ شائع کیا تھا۔ اس کے مقدمہ میں انہوں نے "قاطع برہان" و کتب متعلقہ کا بھی ذکر کیا ہے۔ بحث "قاطع برہان" میں غالب کا سال ولادت و وفات درج کرنے کے بعد دیباچۂ قاطع برہان سے اس کا سبب تالیف نقل کیا ہے، اور پھر "آبدار" "درپروشان" "توسن" "دمیدن" سے متعلق برہان قاطع و "قاطع برہان" کی عبارات نقل کر کے یہ رائے دی ہے:

"چنانکہ دیدہ میشود، در برخی موارد حق با غالب است، و در برخی دیگر ایراد نابجاست، و در مواضع بسیار نزاع لفظی است، و کرائی گفتن نہ کند"

انہوں نے اشاعت اول کا سال طبع بتایا ہے، لیکن اشاعت آخر ملقب بہ "درفش کاویانی" کا مطلقاً ذکر نہیں کیا۔ ان کے مقدمہ میں مجملاً محرق قاطع برہان، ساطع برہان، دافع ہذیان، اس کے متعلق حاشیے میں ہے: مرحوم

تربیت درکتاب دانشمندان آذر بایجان ص ۹۹، ونیز در فہرستِ کتابخانۂ عمومی معارف ج ۱ ص ۱۹۲" "رافعِ ہذیان" نوشتہ اند، وصحیح سواقعِ ہذیان" است) "لطائفِ غیبی" (ظاہرا غالب دہلوی آن را بنام شاگردِ خویش شہرت دادہ است) "سوالات عبدالکریم" (احتمال قوی میرود کہ تالیف خود غالب باشد) "نامۂ غالب" "قطعۂ غالب" "ہنگامۂ دل آشوب" (اس کی بحث میں محمد امیر، امیر لکھنوی کو امیر مینائی قرار دیا ہے، یہ صحیح نہیں، امیر مینائی کا نام امیر احمد تھا) "تیغ تیز" "تیغ تیز تر" اور "شمشیر تیز تر" کا ذکر ہے، اور اس کا اعتراف کیا ہے کہ جو کچھ لکھا ہے وہ عرشی صاحب کی تحریر پر مبنی ہے۔ ملحقات کے متعلق جو کچھ ہے اس کے لیے رجوع بہ بحث ملحقات برہانِ قاطع۔

۷۔ علی اصغر حکمت نے جو ہندوستان میں سفیر ایران رہ چکے ہیں، فرہنگستانِ ایران کے ایک خاص جلسے میں جو تالیفِ برہان قاطع کے ۳۰۰ سال بعد اس غرض سے کہ اس کی یادتازہ کی جائے، منعقد ہوا تھا، ایک لکچر دیا تھا جس کا عنوان "سیصدمین سالِ تالیف کتاب برہان قاطع" ہے۔ یہ مجلۂ فرہنگستان جلد ۳ شمارہ ۱ (خرداد ۱۳۲۴) میں شائع ہوا تھا اور یہ شمارہ میرے پاس تھا، لیکن اسوقت پیش نظر نہیں، اور اس کی نقل جو مقدمۂ برہان قاطع مرتبۂ پروفیسر محمد معین میں شامل ہے اقتباسات: "موتفِ کتاب محمد حسین بن خلف تبریزی متخلص بہ برہان است، واز ترجمۂ احوال او نظر بہ قلت منابعِ تاریخی موجود، اطلاعِ جامعی در دست نیست۔۔ بقدری مقدور تجسس کردم اما اطلاعاتی مفصل تحصیل نشد، باید در موقع فرصت کتابہائی را مانند تاریخ مآثر قطب شاہیۂ محمودی تالیف محمود بن عبداللہ النیشاپوری، حدیقۃ السلاطین تالیف عبداللہ الشیرازی الصیدی۔۔ تاریخ قادری تالیف میرزا قادر خان منشی، تاریخ ہا ئے قطبیہ یا تاریخ سوانحِ دکن و دیگر کتب کہ در باب رجال علم و ادب دکن نوشتہ شدہ است، مطالعہ نمود۔۔ شاید بتوان اشاراتی در ترجمۂ احوال موتف بدست آورد۔۔ منابع برہان قاطع۔۔ فرہنگِ جہانگیری۔۔ "از بہترین وجامع ترین ودقیق ترین فرہنگہائی زبان فارسی میباشد۔۔ مجمع الفرس سروری کاشانی۔۔ را۔۔ در ایران بادشاہ عباس اول مینوشتہ اند۔۔ سرمۂ سلیمانی تالیف تقی اوحدی است کہ در اصفہان متولد شدہ۔۔ صحاح الادویۂ حسین انصاری۔ ظاہرا جمال الدین حسین انصاری اصفہانی طبیبی معروف بودکہ در سال ۱۵، در اصفہان میزیستہ۔۔ برہان در میان کتب فرہنگ دارای مزایائی وخصائص چنداست وہمچنیں مورد اعتراضات۔۔ عدیدہ شدہ است۔ بعد از آنکہ در اواخر قرن یازدہم ہجری این کتاب نخست در ہندستان وسپس در ایران شہرت وآوازۂ عظیم حاصل نمود مرحوم محمد علی، تربیت کتاب شناس معروف کہ نسخ فارسی بسیار دیدہ وجمع کردہ بود، در کتاب "دانشمندانِ آذر بایجان" در ضمنِ شرحِ احوال موتف مجلی دراین باب اشارہ کردہ، وگفتہ است:

"برہان قاطع جامع ترین فرہنگہای پارسیست، وموتف آن بعضی کلمات اجنبی وغیر پارسی را نیز کہ در نظم ونثر فارسی

معمول بوده است همه را .. دراین مجموعه مندرج ساخته است، ولی مانند سائر فرہنگہا محتاج تنقیح و تصحیح است، ولذا بعضی از ادبای نامیِ ہند مانند غالب دہلوی وغیر او در خصوص این کتاب حواشی و تعلیقات عدیده بعنوان مختلفه مثلی قاطع برہان وساطع برہان و دافع ہذیان[1] ومحرق برہان قاطع وتیغ تیز وتیغ تیزتر وغیر آنہا مشتمل بر رد و انتقاد یکدیگر نوشته و نشر کرده اند ..

از روی انصاف بسیاری ازین اعتراضات بر صاحب برہان وارد است و او اشتباہات و سہوہای عظیم و متعدد مرتکب شده، ولی چون ما امروز در مقام بحث انتقادی نیستیم، بلکه مقصود ما ذکر جمیل وی تقدیم سپاسی نسبت بخدمت بزرگی که انجام کرده می باشد از باب تیمم فائده فقط بذکر چند نمونه .. اکتفا میکنیم تا معلوم شود که ایرادات و اعتراضات بر این کتاب چگونه و از چه مقوله است (اس کے بعد اشتباہات کے انواع کا ذکر اور ان کے نمونے) .. نباید توقع داشت که .. برہانِ قاطع فرہنگی باشد در عرض یا شبیه کتابهای لغت کامروزه علمای فیلولوژی بابک در روش جدید مینویسند، و متضمن تحقیقات دقیق و کامل در رشته لغات وضبط آنہا بلہجه ہای مختلف بلکه آن را کتابی باید دانست که در سیصد سال قبل مردی ایرانی[2] در یکی از بلاد اقصای ہندوستان با داشتن معلومات معمولی آن عصر و با وسائل واسباب محدود نگاشته است، و بقدر امکان از لغات و کلمات مختلفه که در زبان فارسی رواج داشته است، در آن جمع کرده و کتاب وی از مرتبهٔ معلومات وادب متداول عصر و زمان او پایین تر نیست. خود او عذر ہر گونه سہو واشتباہ سخنانِ خود را نیکو خواسته است، و بنده نیز بہمان سخنان عذر تقصیر میخواہم و بعبارتش خود خاتمه میدہم :

"استدعا از اہل تمیز وانصاف .. آنست که چون بلفظی از الفاظ یا اسمی از اسما یا معانی نقیضه و امثال آنہا برخورند زبانِ اعتراض را بکام خاموشی و دیدهٔ عیب ساز را سرمهٔ پرده پوشی بکشند، چه غیر جامع لغات و تابع ارباب لغت است نه واضع .. " (ص ۸، تا ۹۶)۔

۸ ۔ سرمۂ سلیمانی مؤلفہ تقی اوحدی صاحبِ تذکرۂ "عرفات العاشقین" اب تک معرضِ طبع میں نہیں آئی، اور اس کے خطی نسخے بہت کمیاب ہیں۔ ایک روس میں ہے جس کا ذکر "معیار جمالی" (حصہ لغات) کے روسی مرتب نے کیا ہے، ایک یا دو نسخے ایران میں ہیں، ہندوستان میں شاید ہی ہو۔ ایران کے ایک نسخے کا عکس البتہ کتب خانہ خدا بخش کے لیے حاصل کیا گیا ہے میں نے اس کا سرسری مطالعہ کیا ہے۔ دیباچے کا کچھ حصہ جو اہم مطالب سے خالی ہوگا، غائب ہے، خاتمے کا

---

[1] صحیح دافع ہذیان ۔ [2] غالب صاحبِ برہانِ قاطع کو کبھی دکنی کبھی بوبزۂ دکنی لکھتے ہیں! زیادہ سے زیادہ رعایت جو وہ کرتے ہیں یہ ہے کہ ان کے نزدیک یہ ممکن ہے کہ اس کا باپ دادا ایران سے آیا ہو لیکن تربیت نے مؤلف برہان قاطع کو "دانشمندان آذر بائیجان" میں شامل کیا ہے، اور علی اصغر حکمت کو اس کے ایرانی ماننے میں تامل نہیں۔

کچھ حصہ بھی غالباً ضائع ہو گیا ہے، اور درمیان کے بعض اوراق بھی نہیں ہیں۔ موجودہ عکس ۲۲۶ صفحوں پر مشتمل ہے، مسطرا ۱۴ سطری ہے، ایک سطر کی عبارت یہ ہے: "نام دوائیست کنج کنج حرارت باشد۔ مع الدال" مؤلف نے کسی جگہ شعر یا عبارت نثر سے استشہاد نہیں کیا، اور دیباچہ میں یا کسی اور جگہ کتاب کا حوالہ نہیں دیا۔ مولف دیباچے میں تالیف کتاب کی علت غائی یوں بتایا ہے: "بعد از عبور و مرور بر نسخ متداولہ متعارفہ کتب مبسوطۂ مشروحۂ ارباب لغت وغیرہ بخاطر کثیر التقصیر رسانید کہ لغات مشکلہ چہ متعارفہ شایدہ فرس را در سلک بیان آورد، واز آں مختصری ساز و مفید، نہ بر نہجی کہ متتبعان سابقہ ولاحقہ فرمودہ اند بل بچوں جامع ومانع کہ حقیقت خیر الکلام "ما قلّ ودلّ" باحسن وجہی از ناصیہ وروش بصد ظہور رسانید کہ چہ اشارات متقدمین از فوائد زوائد پیراستہ وافادات متاخرین بزوائد فوائد آراستہ است، وخلعت اختصاص ـــــ "خیر الامور اوسطہا" کہ استاد قدرتش طراز ندہ و برآں کلام براز ندہ است، سزاوار دوش و بر شاہد بیان، ہیچ یک نیامدہ حینئذ چوں کحل الجواہر الفاظ این مجمع الکمال کہ خزینۂ عرفان ذو الجلال است، استبصار دیدۂ تحقیق میفزاید و روحانیات معانی نسبت[1] اکتحال آں رخ مینماید و پرورش دیدگان عین بصیرت مسمّیٰ بہ سرمۂ سلیمانیست وجا، واثق . . است کہ ناظران مناظر تدقیق و شاہدان مشاہد تحقیق چوں بر سہو خطائی کہ بموجب "ظلوماً جہولاً" لازمۂ ذات انسانست عارف وواقف گردند یا (کذا) راز دوستانہ بذیل عفو بپوشیدہ بل مشفقانہ وعارفانہ در اصلاح کوشند وہذا دین التحقیق ومن اللہ الاعانۃ والتوفیق"۔

کتاب مختصر ضرور ہے، لیکن جامع ومانع ہونے کا دعویٰ فضول ہے۔ "سرمۂ سلیمانی" ان چار کتابوں میں سے ایک ہے جو مولف برہان قاطع کے خاص مآخذ میں ہیں، اور ان کا نام اس کے دیباچے میں آیا ہے۔ "برہان قاطع" کی بحث غنزک کے ذیل میں اس کی ایک غنزک بعین مہملہ بھی بحوالہ "مجمع الفرس" و "سرمۂ سلیمانی" درج ہے، لیکن باب عین مہملہ میں یہ لفظ داخل نہیں۔ مجھے "غنزک" "سرمۂ سلیمانی" میں نہیں ملا، مگر یہ اس سے مانع نہیں کہ اس کے کسی دوسرے نسخے میں ہو۔ غالب نے "قاطع برہان" کی بحث غنزک وغیرہ میں غنزک کے متعلق لکھا ہے کہ "مسخرگی و بلعجبی" ہے۔ اس جگہ انھوں نے "سرمۂ سلیمانی" یا "مجمع الفرس" کا ذکر نہیں کیا، لیکن "برہان قاطع" کے نسخۂ افضل المطابع میں جو خود غالب کے قلم سے جابجا اعتراضات درج ہیں، ان میں سے ایک غنزک کے متعلق بھی ہے۔ اس جگہ جہاں تک مجھے یاد ہے، غالب نے اوحدی کے ایرانی المولد ہونے سے انکار کیا ہے۔ غالب نے "قاطع برہان" کی بحث مذکور میں لکھا ہے کہ "وقت نگارش" "مولف برہان قاطع" کی سہ مآخذ جو کا اس کے دیباچے میں ذکر ہے، ابھی پیش نظر نہیں، ورنہ ان کا صفحہ صفحہ اس غرض سے دیکھتا کہ اس لفظ کے لیے اس کا ماخذ معلوم کر دوں، اس کے بعد وہ فرماتے ہیں:

"من آن پندارم کہ تنہا سرمۂ سلیمانی فروغ افزائی چشم این دکنیست (مراد از مولف برہان قاطع) اما نہ آن

---

[1] (اسی طرح ہے)

سرمۂ سلیمانی کہ کتابیست موسوم بدین اسم، بلکہ آن سرمۂ سلیمانی کہ اسپری از قاف آوردہ و درچشم عمرو عیار کشیدہ بود، تا بسبب آن دیو و پری رامیدید۔ نشگفت کہ اندکی از آن سرمہ بدین دکنی رسیدہ باشد، کہ اجنّہ[1] رامعاینہ میکرد، و زبان قاف از ایشان بیاموخت " (قاطع برہان و رسائل متعلقہ ص ۱۳۲)

اس کے بعد غالب نے لطائف غیبی وغیرہ میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ ہندستانیوں کے سوا کسی نے فرہنگ فارسی نہیں لکھی، ظاہر ہے کہ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مؤلف سرمۂ سلیمانی ان کے نزدیک ہندستانی ہے۔ "وقت نگارش" کی قید درست نہیں، غالب نے کسی زمانہ میں "سرمۂ سلیمانی" کو نہ دیکھا ہوگا۔ رہا مؤلف "برہان قاطع" کا اسے نہ دیکھنا یہ باور کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ اوحدی نے بکثرت لغات مسلک غالب کے خلاف لکھے ہیں، از آن جملہ "باختر" بمعنی مشرق و مغرب ہر دو آمدہ، و ہمچنیں خاور" "دالان دہلیز" (غالب اسے ہندی کہتے ہیں، اوحدی ظاہراً اسے فارسی سمجھتا ہے) " فراز پوشیدن و روگشودن در . . " غاژ و غاژ دہن درہ است یعنی خمیازہ۔ "ارتنگ و ارژنگ صورتہای مانی و تنجانہ چینی و ارغنگ نیز گفتہ اند"

۹۔ بر و این دام بر مرغ دگر نہ — کہ عنقا را بلند است آشیانہ

غالب نے اپنے بعض فاحش اغلاط کی تخفیف کی غرض سے "لطائف غیبی" کے لطیفہ ۵ میں یہ دکھانا چاہا ہے کہ اکابر سلف سے غلطیاں سرزد ہوئی ہیں اس سلسلے میں شعر بالا جامی کی طرف منسوب کیا ہے اور اس کا سقم یہ بتایا ہے کہ اس میں ہائے اصلی و ہائے مختفی کا قافیہ ہے۔ "بر و الخ" نہ دیوان جامی میں ہے، نہ لطیفہ مذکور کے سوا کہیں اور جامی کی طرف منسوب ہوا ہے۔ یہ حافظ کا شعر ہے، اور شاید ہی دیوان حافظ کا کوئی نسخہ ہو جس میں نہ ہو۔ دیوان حافظ مرتبہ قزوینی و قاسم غنی کی ایک دو بیتی غزل کا "بر و الخ" شعر ششم ہے۔ یہ مطلع نہیں، اور عیب قافیہ سے بری ہے۔ بیت اول غزل:

سحر گاہاں کہ مخمور شبانہ — گرفتم بادہ با چنگ و چغانہ

۱۰۔ لغات متفرقہ "برہان قاطع" برہان قاطع میں الف تا یا کے لغات کے لیے ۲۰ باب ہیں (گفتار = باب) اور ان کے بعد باب ۲۹ مشتمل بر ۱۱ لغات ہے۔ غالب "قاطع برہان" کی اشاعت ۲ میں رقمطراز ہیں: " این بزرگ بعد اختتام "برہان قاطع" فصلی (بابی، چاہیے) در لغات متفرقہ چرا فزود، و از الحاق ملحقات چہ خواست؛ آخر بہ الامتیازی میبایست کہ اہل نظر بدان علاقہ متفرقہ را از مجموعہ (یعنی لغات باب ۱ تا ۲۰) و ملحقات را از متفرقات جدا میتوانستند کرد، و آن خود جز در اندیشۂ جامع موجود نیست " واقعی لغات متفرقہ کے لیے ایک جداگانہ باب قائم کرنے کی کوئی وجہ جواز نہیں۔ اشاعت

---

[1] اجنّہ عربی میں جن نہیں، جنین کی جمع ہے، فارسی میں عامیانہ زبان میں البتہ جمع جن ہے، چنانچہ اجنّہ رموز حمزہ میں آیا ہے۔

۲ میں باب ۹ ، کے بعض لغات سے بحث ہے اپنے اعتراضات کو "بقدر قطرۂ از دریا" کہا ہے۔ اسی بحث میں وہ فرماتے ہیں:

"دیگر در یکی از یں دو سواد کہ بملحقات و لغات متفرقہ موسوم و جداشناس درمیانۂ ہذہ گنا معلوم ست زہرہ را سعد اصغر و مشتری را سعد اکبر مینویسد و درست مینویسد نادرستی بنگر کہ از سعدین ماہ و مشتری مراد دارد"

(کل عبارات منقولہ قاطع برہان" در رسائل متعلقہ کے ص ۱۴۷ یا ۱۴۸ میں ہیں) سعد اکبر و سعد اصغر و سعدین لغات متفرقہ میں نہیں، غالب نے نہ جانے کیوں "در یکی از یں دو سواد" لکھا، اور ملحقات کی بحث میں جو الگ ہے ان کا ذکر کیوں نہیں کیا۔ پہلے ۲ لغات ملحقات میں خاتمہ "فرہنگ جہانگیری" سے ماخوذ ہیں، تیسرا برہان قاطع قلمی کے حاشیے میں تھا۔

"ملحقاتِ "برہان قاطع" برہان کی دونوں اشاعتوں میں ہے، پس از انجا میدن سیر گفتار با گفتار باب) و بیانہای (بیان یہ فصل) برہان قاطع .. سواد ملحقات در نظر آمد، و این خود سواد اعظم مہملات مضحکا تست از آن ہمہ مضحکات منلطہ چند .. نشان دادہ میشود" "قاطع برہان" در رسائل متعلقہ ص ۱۴۵) باندازۂ ذرۂ از ریگ ساحل" (اشاعت ۲، "قاطع برہان" در رسائل متعلقہ ص ۱۴۷)۔ غالب نے "قاطع برہان" (ہر دو اشاعت) کے باب ت پر جو اعتراض کیے ہیں ان میں سے ایک "تیغ دوستی" سے متعلق بھی ہے، لیکن یہ ملحقات میں ہے، باب مذکور میں "تیغ و دوستی زدن" ہے۔ مؤید برہان میں اس غلطی کی نشاندہی ہوئی ہے، مگر غالب نے "تیغ تیز" (جوابِ مؤید برہان) میں اسے نظر انداز کیا۔ ملحقات کی حقیقت یہ ہے:

انڈیا آفس کے کتب خانہ میں "برہان قاطع" کے کئی قلمی نسخے ہیں از آں جملہ ایک شمارہ ۲۹۵ ہے۔ فہرست نگار مخطوطات فارسی نے یہ لکھا ہے کہ اس کتب خانہ کی کل مخطوطات برہان قاطع میں سب سے قدیم یہ ہے اور مؤلف "برہان قاطع" کے ہاتھ کے لکھے ہوئے نسخے سے منقول ہے۔ مگر اس نے یہ سمجھنے کی وجہ نہیں بتائی۔ کاتب نے اگر خاتمہ اپنی طرف سے تحریر کیا تھا، تو یہ فہرست میں موجود نہیں۔ اس کا بیان ہے کہ اس کے حواشی میں جا بجا لغات کا اضافہ ہوا ہے اور ہر جگہ لغات کے بعد "ملحقات" مرقوم ہے۔ روبک نے انیسویں صدی کے ربع اول میں "برہان قاطع" کے چھپوانے کا ارادہ کیا تو ۱۳ مخطوطات جمع کیے۔ جس میں سب سے پرانا نسخہ ۱۰۷۱ھ ہے۔ اس کا قول ہے کہ ان میں سے ۴ نسخے کے حواشی میں لغات اسی طور سے درج ہیں، جس طرح کہ اصل کتاب میں ہیں۔ مگر وہ یہ فیصلہ نہ کر سکا کہ اضافات کا ذمہ دار کون ہے۔ اس نے اپنے مرتبہ نسخے میں انہیں باب ۲۹ کے بعد اس عبارت کے ساتھ درج کیا:

"تتمہ مشتمل بر لغات و کنایات کہ بہ ملحقات برہان شہرت دارد، مع بعضی لغات و کنایات مستعملہ کتاب دیگر کہ احوالش در مقدمۃ الطبع مرقوم گشت"۔

مقدمے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اپنی طرف سے بھی اضافہ کیا ہے اور قدیم ملحقات اور اپنے بڑھائے ہوئے لغات میں تمیز کے لیے موخر الذکر کے آخر میں اپنے ماخذ کے نام دیے ہیں۔ یہ نام مکمل درج نہیں، ان کی جگہ نشانہ ہای اختصاری ہیں، مثلاً م، بہار عجم، جح: خاتمہ فرہنگ جہانگیری مع۔ محمد شفیع شیرازی بمقدمہ محمد معین میں متعدد مخطوطات "برہان قاطع" کا ذکر ہے مگر کسی ایک کے متعلق انہوں نے یہ نہیں لکھا کہ اس میں ملحقات ہیں یا نہیں[2] غالب نے بحث "دیباس" میں جو "قاطع برہان" کی دونوں اشاعتوں میں ہے "برہان قاطع" کے ایک مطبوعہ نسخے کی طرف اشارہ کیا ہے مگر یہ نہیں بتایا کہ یہ کس مطبع کا چھپا ہوا ہے۔ اشاعت ۲ میں انہوں نے صرف ایک نسخے کا ذکر کیا ہے، یہ نسخہ شائع کردہ حکیم عبدالمجید بعہد لارڈ بنٹنک ہے، درآں حالے کہ جس مطبوعہ نسخے میں انہوں نے جابجا اعتراضات لکھے ہیں، وہ یہ نسخہ نہیں، نسخہ افضل المطابع ہے میں نے یہ دونوں نسخے دیکھے ہیں، لیکن اس وقت ان کی طرف رجوع ممکن نہیں۔ مجھے جہاں تک یاد ہے، نسخہ حکیم عبدالمجید میں کسی جگہ صراحتاً مرقوم ہے کہ یہ نسخہ روبک کی نقل ہے اور نسخہ روبک کے انگریزی اور فارسی مقدمے اس میں شامل نہیں۔ نسخہ مطبع طبی جو اس وقت پیش نظر ہے بموجب اعتراف ناشر نسخہ حکیم عبدالمجید کی نقل ہے اس میں ملحقات کے آغاز میں وہی عبارت درج ہے جو نسخہ روبک میں ہے مگر آخری الفاظ "کہ احوالش در مقدمۂ الطبع مرقوم گشت" اس میں نشانہ ہائے اختصاری بھی اس طرح ہیں جس طرح نسخہ روبک میں ہیں، اور یقین ہے کہ یہ سب یونہیں نسخہ حکیم عبدالمجید میں بھی ہوگا۔ آغا احمد علی صاحب "مؤید برہان" نے ملحقات کے متعلق لکھا ہے: "بعد از برہان دیگر بزرگان متاخرین از او الفاظی چند بطور ملحقات در آخر کتاب لاحق کردند، و نیز کاتبان بتدریج الفاظی چند بر آں افزودند مولوی عبدالمجید مغفور کہ در ۱۲۵۰ھ بتصحیح تمام۔۔ برہان قاطع را بطبع آوردند بعد از اختتام بست و ہشتم گفتار آں بست و نہم ـــــ گفتار را کہ محتوی بر ہفتاد و یک لغت است علیحدہ و سپس ملحقات[1] را جداگانہ طبع نمودند و قبل ازیں کپتان روبک ہم بدیں نمط برہان قاطع را ممتاز نمودہ بود"۔

میں نے برہان قاطع کے ۲ قلمی نسخے کو جو کتب خانۂ خدا بخش میں ہیں دیکھا ان میں سے ایک میں جو نسبتاً نیا ہے، ملحقات ہیں، دوسرے میں نہیں ہیں۔ نسخہ مطبوعہ کے تتمے کے بعض الفاظ اس میں نہیں ہیں، اور کئی ایسے الفاظ ہیں

---

1. لغات متفرقہ کے بھی ملحقات ہیں، اور نسخہ مطبوعہ کے بالکل آخر میں ہیں۔ ان میں بشمول نسخہ مطبع طبی (عبدالمجید میں بھی ہوگی) نشانہ ہائے اختصاری کی فہرست بھی ہے۔ 2. مقدمہ برہان قاطع مرتبہ محمد معین میں متعدد مخطوطات برہان کا ذکر ہے مگر کسی کے بارے میں یہ نہیں بتایا کہ اس میں ملحقات ہیں یا نہیں۔ قدیم ترین نسخہ جس کی کیفیت مقدمہ میں درج ہے نسخہ ۱۰۶۳ھ (سنہ اختتام کتاب ۱۰۶۲ھ) ہے محمد معین کو اشتباہ ہوا ہے کہ ملحقات عبدالمجید اور ان کے رفقا کی تالیف ہے۔

جو نسخ مطبوعہ میں نہیں اگر یہ ثابت ہو جائے کہ نسخہ ۱۰۶۲ھ واقعی موٴلف "برہان قاطع" کے ہاتھ کے لکھے ہوئے نسخے کی نقل مطابق اصل ہے، تو یہ معلوم ہو جائے گا کہ وہ خود کن لغات کے اضافے کا ذمہ دار ہے ۱۰۶۲ھ کے نسخے میں ملحقات نہیں ہیں، تو اس سے یہ نتیجہ نکل سکتا ہے کہ ملحقات کا اضافہ بعد کو ہوا۔ قرینہ یہ ہے کہ ۲۸ الباب لکھنے کے بعد نئے لغات ملے، تو مولف نے انہیں باب ۲۹ میں درج کر دیا اور متن میں انہیں شامل نہیں کیا کتاب کے نسخے مختلف اصحاب کو ملنے کے بعد کچھ اور لغات کے اضافے کی ضرورت متصور ہوئی۔ مولف نے کتاب میں تغیر مناسب نہ سمجھا اور انہیں جا بجا حواشی میں درج کر دیا۔ غالب نے نسخہ حکیم عبد المجید میں "مستعملہ کتب دیگر" سے یہ سمجھا تھا کہ تتمے کے کل لغات کا ذمہ دار موٴلف نہیں ہو سکتا۔ اس بات کی طرف بھی ان کا ذہن نہیں گیا کہ ہم جی، مع وغیرہ کیا ہیں۔ اگرچہ بلاوجہ ہیں تو اعتراض کرنا تھا۔ غالب نے ملحقات کے چند لغات کی اشکال یا معانی پر اعتراض کیے ہیں اور ۳۰ الفاظ کے متعلق لکھا ہے:

"دل چنان میخواہد کہ از آن الفاظ مشہور کہ زبان زد ہر دو زن و پیر و برناست، و دکنی آن را در ملحقات لغت فرض میکند، لفظی چند بہر رہ شخند نشان دہم"۔ "از کثرت اینچنین الفاظ کہ در ملحقات یافتم دیوانہ شدم و نتوانستم از ہر حرف لفظی چند نگاشتن، ناچار از مصادر و مشتقات کہ آن نزد صاحب برہان لغت است اغماض رفت و از اسمای جامد اسمی چند صورت نگارش گرفت۔"

مشہور الفاظ کے شمول پر اعتراض غلط ہے (اس کی بحث غالب بحیثیت محقق میں ملے گی) اس سے قطع نظر ۲ لفظ جس شکل میں غالب نے دیئے ہیں وہ اس سے مختلف ہے، جو ملحقات میں ہے: تپ (صحیح تب)، یاقوت (صحیح یاقوب)، مزید یہ کہ ان میں سے کم و بیش ۱۸ الفاظ نشانہ ہائے اختصاری کے ساتھ ہیں، ان کے شمول کا موٴلف برہان قاطع کسی طرح ذمہ دار نہیں۔ مصادر کو لغات نہ سمجھنا عجیب بات ہے۔ آزردہ و آزمائش و بخشش کو جامد قرار دینا کم تعجب کی بات نہیں۔

۸ - اے کس ما بیکسی ما ببین     قافلہ شد واپسی ما ببین

"برہان قاطع" میں ہے "قافلہ شد، بمعنی قافلہ رفت یا شد یعنی قافلہ سالار رفت کہ کنایہ از فوت شدن پیغمبر باشد، صلوٰۃ اللہ علیہ"۔

غالب قاطع برہان میں (تحت قافلہ شد) لکھتے ہیں: "در ضمیر من چنان فرو میآید کہ این دکنی سوختنی شعر جامی را شنیدہ است واز فحوای این کنایہ اندیشیدہ است۔ اے کس الخ، جامی در عہد آن حضرت ... نبود واگر بود، مانند دکنی (مراد از موٴلف "برہان قاطع") لغو نبود کہ از فراق خواجہ دو جہان بدین عبارت مہمل دریغ میخورد۔ اگر درین بیت خطاب سخن بسوی خداوند است، خطاب حاضر و غائب را چون بہم آمیخت، و اگر تضرع با خداست، از قافلہ رفت معنی پیغمبر مرد، چسان انگیخت؟ جامی

از درد دوری ہمدمان ہم قدمان کہ در زندگی وی مردہ اند مینالد نہ ہے ہے چہ میاند یشم؟ این گمان من است وگرنہ ماخذ قیاس دکنی جز تباہی رائ دے نیست۔"

ایک غلطی کی نشاندہی میں غالب سے ۴ غلطیاں سرزد ہوئی ہیں (۱) قافلہ شد الخ مصرع اول ہے اور اسے کس الخ مصرع آخر۔ (۲) اشعر جامی کا نہیں نظامی کا ہے۔ اور ان کی مشہور مثنوی "مخزن اسرار" میں ہے (۳) شعر مناجات کا ہے اور اس میں خدا سے خطاب ہے، "درد دوری ہمدمان و ہمقدمان" سے اس کا مطلقاً علاقہ نہیں (۴) مؤلف برہان قاطع نے قیاس معنی نہیں لکھے۔

[1]۔ تاریخ ادبیات اردو (بزبان انگریزی) از ڈاکٹر محمد صادق ناشر اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس ۱۹۶۴ء صفحات ۴۲۹

مصنف کتاب کی اشاعت کے وقت دیال سنگھ کالج، لاہور کے پرنسپل تھے۔ اور اس سے قبل شعبہ اردو کے صدر اور گورنمنٹ کالج لاہور کے شعبہ انگریزی کے "صدر" اور "پروفیسر" رہ چکے تھے۔ اس کتاب پر میرا تبصرہ مجلّہ "نوائے ادب" بمبئی میں شائع ہو چکا ہے۔ ذوق و مومن و غالب کے عہد کو مصنف نے عہد غالب کہا ہے اور غالب سے ص ۱۷۰ تا ۲۰۰ میں بحث کی ہے۔ حالات زندگی بہت کم ہیں اور اس میں مضایقہ نہیں لیکن اختصار کے باوجود مصنف سے فاش اغلاط کا ارتکاب ہوا ہے۔ غالب کے والد کا نام مرزا عبداللہ مرقوم ہے اور انہیں فوج رام پور کا افسر بتایا ہے۔ اس کتاب کے بموجب غالب کا لڑکپن اور شباب آگرہ میں اپنی ماں کے "گرینڈ انکل" کے ساتھ گزرا۔ مصنف نے عبدالصمد کا اصلی نام ہر جگہ ہرمز لکھا ہے، اور وہ ظاہراً اس کے وجود خارجی کے قائل ہیں۔ نگران کا خیال ہے کہ غالب کو جو تبحر حاصل تھا، وہ سال دو سال کے سرسری مطالعے کا نتیجہ نہیں ہو سکتا تھا، غالب نے اپنی جوانی میں کبھی نہ کبھی تندہی کے ساتھ اپنی ذہنی صلاحیت بڑھانے کی کوشش کی ہوگی۔ مصنف نے غالب کو شاعر کا "سر نیم" لکھا ہے۔ شاید تخلص کو "سر نیم" کہنا درست نہ ہو۔ غالب کی شاعری اور شخصیت کے بارے میں جو کچھ اس کتاب میں ہے، نسبتاً کہیں زیادہ قابل التفات ہے۔ مگر مصنف کو خود اعتراف ہے کہ انہوں نے غالب کی فارسی شاعری کا مطالعہ نہیں کیا، اور ضرورۃً فارسی اشعار نقل کیے ہیں، تو یہ دوسروں کے مضامین سے ماخوذ ہیں۔ مصنف نے اس کا بھی اقرار کیا ہے کہ فارسی شاعری کے مطالعے کے بغیر غالب کی شاعری سے بحث نامکمل، بلکہ گمراہ کن ہو سکتی ہے۔ شخصیت سے بحث ہو یا شاعری سے فارسی اردو دونوں کی نظم و نثر کا مطالعہ واجب ہے۔ شخصیت کے بارے میں مصنف کے اقوال کا خلاصہ: غالب کے شعر:

بندگی میں بھی وہ آزادہ و خود بیں ہیں کہ ہم    الٹے پھر آئے در کعبہ اگر وا نہ ہوا

---

[1] انگریزی نام A HISTORY OF URDU LITERATURE میں نے کہیں کہیں مصنف سے اپنا اختلاف ظاہر کیا ہے اور ان کے بعض اشتباہات کی طرف اشارہ کیا ہے، مگر التزاماً نہیں۔

میں جس آزادگی و خود بینی کا دعویٰ ہے، وہ ان کے حالات زندگی سے ثابت نہیں۔ وہ دراصل ایک دنیادار آدمی تھے، انہیں حصول مدعا سے کام تھا، اصول پرستی سے غرض نہ تھی ان میں بطلیت یا بطل پرستی بہت کم تھی، انہیں اگر کسی بطل کا علم تھا تو وہ خود غالبؔ تھا جس کی پرستش وہ بڑی تندہی سے کیا کرتے تھے۔ وہ بیشتر شعرا کی طرح خود غرض تھے، اور ان میں وفاداری کا مادہ بہت کم تھا۔ یہ صحیح ہے کہ شورش ۱۸۵۷ء کے بعد انہیں دوسروں کی مصیبتوں کا احساس ہونے لگا تھا، مگر اس سے چند ہی سال قبل یہ معلوم ہوتے ہی کہ مغلوں کی بادشاہی بہادر شاہ تک ہے، انہیں انگریزوں سے تعلقات پیدا کرنے میں مطلقاً تامل نہ ہوا تھا اور انہوں نے لارڈ کیننگ[1] کی وساطت سے وکٹوریا کو قصیدہ بھیجا تھا۔ شورش ۱۸۵۷ء کے بعد غالب نے لارڈ کیننگ کو بہت سے قصیدے ارسال کیے اور اس کا سلسلہ اس وقت بند ہوا جب صاف لفظوں میں انہیں اس کی ممانعت کی گئی۔ غالبؔ کے ابن الوقت ہونے میں شبہ نہیں، مگر تھے آدمی دھنی، بہادر شاہ ان سے خوش نہ تھے، اس کے باوجود قصیدے پر قصیدہ لکھ کر انہوں نے دربار میں رسائی حاصل ہی کر لی۔ غالب کا عجب بعض اوقات مضحکہ خیزی کی سرحد پر آجاتا ہے ان کی شہرت اور مرتبے کا شاید ہی کوئی شاعر ہو جسے نام و نمود کی اتنی ہوس رہی ہو اور جو خطابات، القاب، خلعت یابی، شرکت دربار اور حکام سے روابط سے اتنی طفلانہ گرویدگی رکھتا ہو، وہ اپنے خطوط میں مزے لے لے کر تفصیل کے ساتھ ان باتوں کا ذکر کیا کرتے ہیں غالبؔ میں حسد کا مادہ بھی تھا، انہوں نے اپنے کامیاب رقیب ذوقؔ کے بارے میں جو کہا ہے، وہ ان کی تنگ دلی کا مظہر ہے۔ مصنف کا خیال ہے کہ اپنے عہد کی عام پسند شاعری کو جو وہ ناپسند کرتے تھے، اس کا ایک بڑا باعث اس عہد کے مقبول ترین شاعر، ذوقؔ سے نفرت تھا غالب میں یہ عیوب تھے تو ان کی خوبیاں بھی تھیں غریبوں کے ساتھ ان کا برتاؤ بزرگانہ مگر مشفقانہ تھا۔ وہ ضرورت سے زیادہ فیاض تھے، تنگدستی کی حالت میں بھی انہوں نے نوکروں کو نہیں چھوڑا، اور اپنے متوسلین کی مدد کرتے رہے، شاعر کی حیثیت سے ان کا جو پایہ تھا، اس کی بدولت انہیں دوست ملے، اور ان کی ظرافت، فیاضی اور امیرانہ اطوار نے دوستیوں کو برقرار رکھا۔ "نوبلس اوبلیز"[2] ان کے یہاں آمد تھا آورد نہ تھا، غالب بہت کچھ معاف کر سکتے تھے، لیکن کوئی ان کے پندار کو ٹھیس لگاتا، تو وہ ہمیشہ کے لیے اس کے دشمن ہو جاتے تھے۔ ان کی دشنام طرازی طرح طرح کی تھی، وہ بڑھاپے میں بھی ذوقؔ کو معاف نہ کر سکے، قتیلؔ کا تو نام آتے ہی سخت سست کہنے لگتے تھے، حال آنکہ اس کا قصور یہ تھا تو یہ کہ کلکتہ میں لوگوں نے ان کے خلاف اس کے اقوال سے استناد کیا تھا۔ شاعری سے متعلق مصنف کے اقوال کا خلاصہ: شعرائے اردو کے اشعار کا بڑا حصہ محض رسمی ہوتا ہے، غالب

---

[1] کیننگ سے قبل ہی انہوں نے وکٹوریا کی مدح سرائی شروع کر دی تھی، وہ انگریزوں کے قدیم وظیفہ خوار تھے۔

[2] NOBLESS OBLIGE کا انگریزی ترجمہ۔

اس کلیے کا استثنا نہیں، نہیں رسمی اشعار میں اور ان اشعار میں جو ان کے دل سے نکلے ہیں، فرق کرنا ہے، یہ یاد رکھنا چاہئے کہ پختگی کے بہترین ایام ۱۸۲۷ء تا ۱۸۴۷ء میں وہ زیادہ تر فارسی ہی کی طرف متوجہ رہے، اور شورش ۱۸۵۷ء کے بعد بھی اسی کی طرف زیادہ التفات رہا۔ اگر شاعر کی حیثیت سے وہ زندہ جاوید ہونے کی امید رکھتے تھے، تو یہ فارسی شاعری کی بنا پر تھی، "فارسی بیں تا بہ بینی نقش ہائے رنگ رنگ ۔ بیرنگ من است"، جس میں ذوق پر طعن ہے، اس کا شاہد ہے۔ غالب بنیادی طور پر بہت بڑی حد تک "پیگن" تھے اور صلاح الدین خدا بخش کا یہ کہنا کہ غالب اور المانی شاعر ہائنے میں مشابہت ہے، غلط نہیں غالب کا کوئی سمجھا بوجھا نظریہ حیات نہیں، انھیں زندگی سے بحث تھی، اس سے متعلق نظریہ سازی سے نہیں۔ ان کی شاعری، ان کے حالات زندگی اور انھیں ذاتی طور پر جاننے والوں کے اقوال اس نتیجہ پر پہنچاتے ہیں کہ اگر کسی چیز کی تلاش تھی تو وہ یہ تھی کہ زندگی سے ذاتی طور پر زیادہ سے زیادہ لطف کس طرح اٹھایا جا سکتا ہے، مگر وہ زمانۂ قدیم کے نہیں، عہد حاضر کے پیگن تھے۔ دونوں کے درمیان مذہبیت کی ایک وسیع خلیج ہے۔ مذہب کے نواحی اور اس کا نیا نظامِ اقدار، زندگی سے پورا لطف اٹھانے سے مانع ہے۔ عہد حاضر کے پیگن کو اس کا احساس ہے کہ وہ مذہب کے خلاف بغاوت کرتا ہے، عہد قدیم کا پیگن اس احساس سے خالی تھا۔ غالب مذہبی قیود سے گھبراتے تھے اور ان سے اپنی بے تعلقی کا علانیہ اظہار کرتے تھے۔ تصوّف ان کے خمیر میں مطلقاً نہ تھا، دنیا ان کی طبیعت سے بالکل ہم آہنگ تھی، مذہبی قیود سے ان کی بغاوت اشعار ذیل سے ظاہر ہے:

| | |
|---|---|
| خوے آدم دارم آدم زادہ ام | آشکارا دم زعصیان می زنم |
| مگیر خوردہ از ان فرقہ ام کہ میداند | سواد خالِ رخِ یار داغِ عصیاں را |
| خوشا نندی وجوش ژندہ رود مشرب عذبش | بہ لب خشکی چہ میری در سرابستان مذہبہا |
| شباب و زہد چہ ناقدردانی ہستی است | بلا بہ جان جوانان پارسا ریزد |
| اگر بہ بادہ بود میل شاعرم نہ فقیہہ | سخن چہ ننگ ز آلودہ دامنی دارد |
| رموزِ دیں نشناسم درست و معذورم | نہادِ من عجمی و طریق من عربیست |

اگر وہ کبھی کبھی یہ کہتے ہیں کہ زندگی ہیچ ہے، تو اس کی وجہ یہ احساس ہے کہ کیا کچھ میری دسترس سے باہر ہے:

| | |
|---|---|
| دم عیش جز رقص بسمل نہ بود | بہ اندازۂ خواہش دل نہ بود |

غالب پر کبھی کبھی افسردگی اور مایوسی کا غلبہ نظر آتا ہے، مگر انہوں نے کبھی یہ نہیں کہا کہ زندگی لاحاصل ہے۔ وہ مکمل

---

HEINE ¹ PAGAN ²

زندگی کو صحت مندانہ انداز میں یوں کہتے ہیں:

بخشے ہے جلوۂ گل ذوقِ تماشہ غالبؔ چشم کو چاہئے ہر رنگ میں وا ہو جانا

یہی نہیں، زندگی کیسی ہی کیوں نہ ہو، ان کے نزدیک ایک نعمت ہے، سب سے بری موت ہے، قبر کی تاریکی "نغمہائے" "ایک ہنگامہ نہ سہی" "اسد نیم شبی"۔

"رونق ہستی"۔ "خرمن میں نہیں" "جاتا۔ محفل نہیں رہا" "آئے ہے داغ" "نہ مانگ" "اہے"۔ عبادت ہی کیوں نہ ہو" "ہزاروں۔ کم نکلے" "ناکردہ۔ سزا ہے" "تعجب ہے یہ لوگ غالبؔ کو قنوطی کہتے ہیں" "قنوطی اچھی سے اچھی زندگی کو برا سمجھتا ہے، غالبؔ کا معاملہ برعکس ہے۔ غالب کی شاعری کا جہاں تک تعلق ہے "ان پر کبھی کبھی ایسی کیفیت طاری ہو جاتی تھی کہ وہ اپنے آپ پر رحم کرنے لگتے تھے" اور زندگی کی شکایت کرنے لگتے تھے۔ مگر یہ محض دل کا بخار نکالنے کی غرض سے تھا۔ حالیؔ اس سے منکر ہیں کہ وہ افسردہ مزاج تھے۔ اشعار ذیل کے متعلق یہ کہنا کہ ان میں زندگی کی نسبت غالبؔ کی قطعی اور آخری رائے ظاہر کی گئی ہے، ارادی طور پر غلط ترجمانی کرنا ہے۔ "رنج۔ آساں ہو گئیں"۔ "زندگی خدار کھتے تھے" "غم ہستی۔ سحر ہونے تک" "قید" "نجات۔ پائے کیوں"۔ "خزاں۔ پر کاہے" "غالبؔ کی زندگی "شراب، عورت، موسیقی اور گڈ فلوشپ[1] سے عبارت تھی، طویل مقدمے کی وجہ سے جو مالی پریشانیاں ہوئیں، تو ان سب کی یاد رہ گئی، اور اس بہشت کا ذکر بحسرت کرنے لگے جس سے وہ نکالے گئے تھے" "فلک۔۔ رہزن پر" "سے ناز۔۔ کہن ہنوز" "محفلیں۔۔ بتخانہ ہم" "یاد۔ نسیاں ہو گئیں" "وہ بادہ۔۔ سحر گہی" "ما را زمانے۔۔ کدھر گئی" یہ اشعار ۱۲۴۳ھ کے بعد کی غزلوں کے ہیں ۱۲۳۱ھ کی لکھی ہوئی غزل "وہ فراق اور وہ وصال کہاں الخ" میں انہوں نے اپنی گزری ہوئی زندگی پر روشنی ڈالی ہے۔ "مدت ۔۔ کیے ہوئے" "جی ڈھونڈتا ہے" ان اشعار میں وہ دوبارہ وہ زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں، جو وقت تحریر انہیں نصیب نہ تھی، غالبؔ کی زندگی صرف جسمانی مطالبات کی نہ تھی، ان کے ذہنی مطالبات کچھ کم نہ تھے۔ اسی وجہ سے لوگ انہیں فلسفی سمجھتے ہیں۔ لیکن ان کا کوئی خاص فلسفہ نہ تھا۔ وہ ذہنی طور پر باخبر البتہ تھے، وہ سوالات کرتے تھے، نئی باتیں کہتے تھے، اور اکثر ان کی باتوں میں گہرائی ہوتی تھی۔ غالبؔ زندگی کے کسی پہلو کو خواہ وہ کتنا ہی اہم کیوں نہ ہو، اس کی اجازت نہیں دیتے تھے کہ وہ دوسرے پہلوؤں کو بالکل نظر انداز کر دے، غالبؔ کے تاثرات ذاتی انکشافات ہیں، زندگی کسی خاص وقت میں جس طرح انہیں نظر آئی انہوں نے اسے ظاہر کیا۔ کچھ تاثرات جو ان کے یہاں بار بار ملتے ہیں، ان کی افتادِ طبیعت سے اور ان کے تجربات کی نوعیت سے خاص تعلق رکھتے ہیں، مگر وہ اپنے آپ کو ان کے حوالہ نہیں کرتے، اور ان میں

---

[1] GOOD FELLOWSHIP

زندگی کے متعلق ان کی قطعی رائیں نہیں ملتیں مثلاً ان اشعار کو لیجئے۔ "مری دہقان کا" "ہوس.. مزا کیا" "غافل گیاہ کا"... "رونق ہستی... خرمن میں نہیں" "ہیں زوال.. بادپاں" "عالم.. لیلیٰ کرے کوئی" "حسد... واہو" "دل لگی.. کشتہ ہے" "ایک نظر.. بشر ہونے تک" "ان اشعار میں جو حقائق منظوم ہوئے ہیں، بہت پرانے ہوں، اور ان میں سے کچھ ہیں بھی، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غالب نے انہیں بطور خود دریافت کیا ہے، حالی اور اکرام نے لکھا ہے کہ غالب نے کچھ بالکل نئے خیالات ظاہر کیے ہیں، یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ کس حد تک صحیح ہے، اس سے قطع نظر نئی بات دریافت کرنا ایک بڑے شاعر کا کام نہیں۔ یہ اہل سائنس کا کام ہے۔ شعری صداقت بہت قدیم ہے اور اسی وجہ سے ہم اسے بشدت محسوس کرتے ہیں اکرام نے مثال کے طور پر یہ شعر پیش کیا ہے۔

نہ کرتا کاش نالہ مجھ کو کیا معلوم تھا ہمدم      کہ ہوگا باعث افزائش درد دروں وہ بھی

مجھے یقین نہیں کہ اس میں کوئی نیا خیال ہے، اور ہے تو واقعی بھی ہے۔ شاعری کے متعلق فیصلہ اس بنا پر کیا جاتا ہے کہ شاعر نے خیال سے کس خوبصورتی کے ساتھ کام لیا ہے۔ یہ شعر نغگی سے اس قدر خالی اور اتنا سست رو ہے کہ اسے برداشت کرنا بھی مشکل ہے۔ غالب کا جو احترام ہے وہ بڑی حد تک بحیثیت شاعر ہے، ان کی شخصیت زیادہ دلکش نہیں، ایسی محبت سے جس میں سپردگی ہے، اور جو ذاتی قربانی چاہتی ہے وہ ناآشنا ہیں۔ اس کے متعلق ان کا رویہ ایک عیاش کا رویہ ہے۔ "نیند.. پریشاں ہوگئیں" اس کے بعد مصنف نے ایک خط اسی مہر کا اقتباس دیا ہے جو مہر کی محبوبہ کی موت پر انہیں لکھا، اگر وہ معتر ہیں کہ اس میں ظرافت ہو سکتی ہے۔ تین خطوں کے اقتباس اس کے بعد درج ہیں ایک امراؤ سنگھ کی دوسری بیوی کی وفات کے متعلق ہے، اس میں اس پر رنج ظاہر کیا ہے کہ شادی کو پچاس برس ہو چکے ہیں لیکن بیوی سے نجات نہیں ملی ایک میں پٹیالہ نہ جانے کا ذکر ہے، اس میں ازدواج کو اپنی موت کہا ہے ایک میں یہ کہتے ہیں کہ اگر میں آزاد ہوتا اور پنشن جاری ہو جاتی تو کس چین سے گذرتی۔ مصنف کا خیال ہے کہ اس میں مطلقاً ظرافت نہیں، اور ان میں غالب کے اصلی خیالات ظاہر ہوتے ہیں اس کے مابعد مصنف نے لکھا ہے کہ غالب کی خود غرضی تکلیف دہ ہے، فطرت نے ان کے ساتھ کئی طرح فیاضانہ سلوک کیا ہے مگر ایک چیز نہ دی گئی، جو اس ناقص دنیا کی سب سے بڑی نعمت ہے اور یہ محبت ہے، اگر انہیں مذہب، انسانیت، کسی عورت یا فطرت سے واقعی محبت ہوتی، تو لوگوں کی قدرناشناسی اور دولت کی کمی کا جس کی وہ اکثر شکایت کرتے تھے بدل ہو جاتا، غالب کا خاتمہ حسرت ناک تھا، جوانی میں انہوں نے مذہب سے بغاوت کی تھی لیکن قوائے جسمانی و ذہنی ضعیف ہو گئے تو انہوں نے اس کے آگے سر ڈال دی، اور ایک کمزور اور کمزور بنانے والے تصوف کے دامن میں پناہ لی، زندگی کی اچھائی کے متعلق بھی ان کا عقیدہ بدل گیا، شاعری، فلسفہ اور

مذہب کے متعلق انسان کے عظیم کارنامے انہیں لاحاصل نظر آنے لگے (دو خطوں کے اقتباس)۔ ایک اہم نقطۂ نظر سے غالب کی زندگی ایک المیہ تھی، یہ ایک بڑے طباع شخص کا ایک تقلید پرست عہد میں پیدا ہونا تھا، غالب کے لیے اس بلندی پر پہونچنا جس کی ان میں صلاحیت تھی، ممکن ہی نہ تھا، ان کے احباب و معاصرین شاہ نصیر، مومن، ذوق، فضل حق، شیفتہ، ذہنی حیثیت سے معمولی قسم کے انسان تھے۔ اس تحریک سے جس نے مذہب، تعلیم، سائنس سے متعلق ایک نیا نقطۂ نظر دیا، اور جو عہد حاضر کی نقیب تھی، وہ بے تعلق رہے، اور ان کی وابستگی ماضی کے ساتھ رہی۔ ایک جدت کا دلدادہ اگر ایک تنگ نظر ماضی پرست عہد میں پیدا ہو تو وہ اس کے سوا کیا کرے گا کہ وہ نرالا پن اختیار کرے اور اپنے عہد کے مقبول نصب العین کی تنقیص کرے؟ غالب نے یہ فیصلہ کیا کہ ہر معاملہ میں ایک نئی راہ نکالیں گے، وہ اسے بھول گئے کہ بڑے لوگ دوسروں سے متفاوت اسلئے ہیں کہ وہ بڑے ہیں، اس وجہ سے نہیں، کہ وہ ان سے مختلف بننے کی کوشش کرتے ہیں ایک بڑا ادیب عوام سے کتنا ہی عظیم ترکیوں نہ ہو اس کے فن کا تار و پود عوام کے افکار و محسوسات ہیں جن کا وہ حصہ دار ہے۔ شاعر کی حیثیت سے غالب کی ناکامی کا بڑا سبب ان کی یہ شدید خواہش تھی کہ خواہ قیمت کچھ بھی ادا کرنی پڑے ایک نئی راہ نکالنی ہے۔ مصنف نے اس جگہ پر لیسلے نے میریڈتھ کی جدت پسندی کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اسے غالب پر منطبق کیا ہے مگر یہ اضافہ کیا ہے کہ میریڈتھ کی یہ خواہش کہ وہ دوسروں سے الگ روش رکھے، عمر کے ساتھ ساتھ بڑھتی گئی غالب اس کے برعکس آخر میں راہ راست پر آگئے تھے، غالب کی نجات کچھ تو نکتہ چینوں اور دوستوں کی بدولت اور کچھ اپنی سوجھ بوجھ کی وجہ سے ہوئی۔ اعتراضات (مثلاً اگر اپنا کہا تم آپ ہی سمجھے تو کیا سمجھے الخ) نے انہیں جو نکا دیا، کہنے کو تو انہوں نے کہہ دیا کہ "نہ ستائش... معنی نہ سہی" مگر وہ سوچنے لگے کہ معاملہ کیا ہے۔ بالآخر انہوں نے اپنا دیوان انتخاب کیلئے دوستوں کے حوالے کر دیا، غالب نے تقلید بیدل ترک کی۔ اور عرفی، نظیری، طالب کا رنگ اختیار کیا، جیسا کہ انہوں نے خود لکھا ہے، اس سے ظاہر ہے کہ اس کے بعد بھی اس مختصر دور سے قطع نظر جب انہوں نے میکی پیروی کی تھی ان کی ہمدردیاں بڑی حد تک فارسی "میٹا فزیکلس"[1] کے ساتھ ہیں، غالب کے یہاں غیر معتدل فارسیت کچھ تو فارسی سے ان کی غیر معمولی رغبت کی وجہ سے ہے مگر اس کا ایک سبب پیش پا افتادہ طرز ادا سے ان کی نفرت رہی ہے، غالب کی شاعری عسیر الفہم ہے اور یہ اس لیے نہیں کہ معنی اتنے نازک ہیں کہ ان تک رسائی مشکل ہے، غالب زمانہ آئندہ میں لوگوں کو یاد آئیں گے تو اپنے ان اشعار کی وجہ سے جو کلاسیکل طرز میں ہیں اور جن میں سادگی کے ساتھ انہوں نے اپنا خیال ظاہر کیا ہے۔ ان کی میٹا فزیکل اشعار بھی جن میں نزاکت معنی کے ساتھ خلوص ہے فراموش نہ ہوں گے۔

---

[1] انگریزی کے کچھ شعرا DONNE وغیرہ METAPHYSICALS میٹا فزیکلس کہے جاتے ہیں

غالب کی اردو خط نویسی کا آغاز ۱۸۴۹ء کے لگ بھگ ہوا۔ بعض خطوط سے قطع نظر جو امرا کو لکھے گئے تھے، خطوط میں بے ساختگی اور گفتگو کا انداز ہے۔ شورش ۵۷ء کے بعد خطوط میں دوسروں کے مصائب کا بھی احساس ہے۔ انہیں بڑا ہیومرسٹ کہا گیا ہے لیکن شورش ۵۷ء کے بعد کے صرف چھ خط ہیں جو اس دعویٰ کے ثبوت میں پیش کیے جا سکتے ہیں، مقدار کم ہے مگر درجہ بلند ہے۔ اس کے برخلاف ان[۱] یہاں بذلہ سنجی (WIT) اکثر پائی جاتی ہے۔ اسی کو لوگوں نے ہیومر سمجھ لیا ہے۔

(آجکل، دہلی: فروری ۱۹۷۳ء)

---

[۱] WIT انگریزی میں ہیومر اور وِٹ کے فرق کے متعلق بہت کچھ لکھا گیا ہے۔

(۱) دانشمندانِ آذربائیجان، مصنفہ محمد علی تربیت میں محمد حسین برہان ابن خلف تبریزی جامع برہانِ قاطع اور اس کی کتاب کی بحث ہے، اور اس میں ضمناً غالب کا ذکر آیا ہے۔ تربیت برہان قاطع کے متعلق رقمطراز ہیں:

"جامع‌ترین فرہنگہای پارسیست، و مؤلف آن بعضی کلمات اجنبی و غیر پارسی را نیز کہ در نظم و نثر فارسی معمول بودہ و ہست ہمہ را جمع آوری کردہ، و در این مجموعہ مندرج ساختہ است، ولی مانند سائر فرہنگہا محتاج تنقیح و تصحیح است، ولذا (کذا) بعضی از ادبای ہند مانند غالب دہلوی وغیرہ در خصوص این کتاب حواشی و تعلیقات[1] عدیدہ بعنوان مختلف مثل قاطع برہان و ساطع برہان و رافع[2] ہذیان و محرق قاطع برہان و تیغ تیز و تیغ تیز تر[3] و غیر آنہا مشتمل بر رد و انتقاد یکدیگر نوشتہ و نشر کردہ اند....."

(۲) آقاے علی اصغر حکمت نے جو متعدد کتابوں کے مصنف ہیں اور وزیر ایران متعینہ دہلی رہ چکے ہیں فرہنگستان ایران (ایران کی مقتدر ترین

---

[1] قاطع برہان وغیرہ کو حواشی و تعلیقات کہنا ٹھیک نہیں۔ مزید یہ کہ اگر حواشی و تعلیقات ایک ہیں تو ان میں سے ایک زائد ہے اور یہ دعوی ہو کہ دو ہیں تو اس کا اثبات مشکل ہے

[2] رافع حکمت کے یہاں بھی، مگر صحیح دافع ہے۔

[3] صحیح شمشیر تیز تر

ادبی انجمن) کے ایک خاص جلسے میں جو برہان کے "ذکرِ خیر و تجلیل نام" کی غرض سے تالیف برہانِ قاطع کے ٹھیک ۳ سو سال بعد منعقد ہوا تھا، ایک بسیط مقالہ پڑھا تھا جو نامۂ فرہنگستان (شمارہ ۱ سال ۳) میں درج ہے۔ ترجمے کے عبارات اسی سے ماخوذ ہیں اور ان کے معاً بعد آقاے حکمت یہ لکھتے ہیں:

توضیح آنکہ قاطع برہان تالیف میرزا اسد اللہ غالب[4] دہلوی
شاعر معروف و ساطع برہان براین تالیف شیخ رحیم[5] ہندی
و دافع برہان رد براین رد است،[6] تالیف نجف علی خان
جُجّری[7]" ص ۱۹

مقالے کے آخر میں مرقوم ہے:

نباید توضیح داشت کہ کتاب برہان قاطع فرہنگی باشد در عرض یا شبیہ بکتابہای لغت کہ امروز علمائے فیلولوژی[8] باسبک و متد جدید[9] مینو پسند و متضمن تحقیقات دقیق و کامل در ریشۂ لغات و ضبط آنہا بلہجہ ہای مختلف ملکہ این را کتابی باید دانست کہ در سیصد سال مردی ایرانی[10]

---

[4] اضافۂ خان ضروری ہے

[5] ۔شیخ رحیم صحیح نہیں، مرزا رحیم بیگ رحیم چاہیئے۔

[6] اس کا کیا مطلب؟ دافع برہان کا کچھ تعلق رحیم کی کتاب سے نہیں اس کا مرد کار محرق قاطع برہان مصنفۂ سعادت علی سے ہے

[7] جھجری چاہیئے [8] فایلولوجی

[9] Method

[10] حکمت کو برہان کے ایرانی سمجھنے میں مطلق تامل نہیں۔ غالب کبھی تو اسے بہرۂ دکنی لکھتے ہیں، اور کبھی یہ کہ اس کا باپ دادا ایران سے آیا ہوگا،

باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر

ویکی از بلاد اقصای ہندوستان با داشتن معلومات معمولی
آن عصر و با وسائل و اسباب محدود نگاشتہ است ،
و بقدر امکان از لغات و کلمات مختلفہ کہ در زبان فارسی رواج
داشتہ است در آن جمع کردہ ، و کتاب وی از مرتبۂ معلومات
و ادب متداول عصر و زمان او پا بیشتر نیست ۔ خود او
عذر ہرگونہ سہو و اشتباہ سخنان خود را بدینگونہ خواستہ
است ...... :
"استدعا از اہل تمیز و انصاف کہ عارفان انجمن دانائی و بینائی

---

بہ حاشیہ پچھلے صفحہ کا

د ہندوستان میں متولد ہوا ۔ اس بنا پر کہ برہان قاطع کا مولف ایران
ے متعلق واقف نہیں معلوم ہوتا ، میں یہ سمجھتا ہوں کہ اگر یہاں متولد
ہیں ہوا تو بڑی کم عمری میں یہاں آیا ہوگا ۔ رہے اغلاط ، تو جیسی
لطیاں اس سے سرزد ہوئی ہیں ایرانیوں سے بھی سرزد ہوئی ہیں ۔ اس
سلسلے میں حامیانِ غالب نے فرہنگ انجمن آرای ناصری مؤلفہ ہدایت
کا نام لیا ہے ۔ ہدایت برہان قاطع سے متعلق نزاع سے بالکل بے خبر معلوم ہوتا
ہے ، لیکن اس کی فرہنگ میں متنازعہ فیہ لغات کم از کم ۸۰ فیصدی برہان قاطع
کے مطابق ہیں ۔ خود اس نے ایسی غلطیوں کا ارتکاب کیا ہے کہ حیرت ہوتی
ہے ۔ (مفصل بحث جہانِ غالب کی ایک قسط میں جو معاصر میں چھپی تھی ملاحظہ ہو۔
حامیانِ غالب کا وہم ہے کہ قاطع برہان میں جو کچھ ہے اس سے بعض امور
کو چھوڑ کر ایرانی متفق ہیں ۔ برہانِ جامع میں جو ایک ایرانی کی تالیف ہے
اور قاطع برہان سے قبل چھپی تھی ، ۹۰ فی صدی یا اس سے بھی زیادہ لغات
متنازعہ فیہ برہان قاطع کے مطابق ہیں ۔ ڈاکٹر محمد معین نے غالب پر جو میرے
مضامین "غالب بحیثیت محقق" میں (نقد غالب) ہیں ، انھیں دیکھ کر
ایک خط میں مجھ سے اپنا اتفاق ظاہر کیا ہے ۔

امذ، آنست کہ چون بلفظی .. یا معانی فقیمنہ، وامثال آنہا
بر خورند زبان اعتراض را بلگام خاموشی و دیدۂ عیب ساز
را بسرمۂ پردہ پوشی بکشند، چہ فقیر جامع لغات و تاریخ
ارباب لغتست، نہ واضع .... "

(۳) ڈاکٹر محمد معین، استاذ دانشگاہ تہران نے برہان قاطع کا ایک ناقدانہ نسخہ ۴ جلدوں میں شائع کیا ہے۔ جلد آخر کی اشاعت کو چار پانچ برس گزر رہے ہوں گے۔ جلد اک دیباچے میں انھوں نے قاطع برہان اور اس کی مخالفت یا موافقت میں جو طویل و قصیر کتابیں لکھی گئی ہیں، ان کا ذکر کیا ہے۔ ان کا بیان ہے :

قاطع برہان تالیف میرزا اسداللہ غالب خان[۱۱] دہلوی شاعر
معروف (.. ۱۲۱۲ -- ۱۲۸۵ ..) است و آن
انتقادیست بر برہان قاطع غالب در مقدمۂ قاطع برہان
گوید : "... ہرگاہ غم تنہائی رو[۱۲] آوردی برہان قاطع
را نگرستمی - چون آن سفینہ .. مردم را از راہ میبرد
.. جادہ نمایان ساختم تا میز بہ نیویند ... با این ہمہ
کوشش کہ در جدا کردن راست از کاست مرا بود نوشتہ
ام مگر از بسیار اندکی، چنانکہ بی مبالغہ میگویم از صدیکی۔
ہمانا مخواستم نوشت و میدانستم نوشت اما بسبب
انبوہی بیابانہای ژولیدۂ جامع مجموع نتوانستم نوشت
.. کتاب آسمانی نیست کہ چون و چرا در آن نگنجد۔ گفتار

---

۱۱ اسداللہ خاں غالب چاہیے۔
۱۲ غالب نے رو نہیں، ڑو لکھا ہے۔

آدمی ہست[۱۳] ہر کہ خواہد بمیزان نظر سنجد۔۔" نمونۂ از انتقادات غالب درین کتاب: "عبارت برہان قاطع کے بعد "آبدار نہ لفظیست کہ در شمار لغات جا تواند یافت وازبہر آن ہموزن باید آورد۔ ہمہ دانند کہ صفت جواہر داسلحہ میتواند بود۔ اسم گیاہ کجا؟ تأمل "بمعنی صاحب سامان و مالدار زنہار نیست، آن آمند است نہ آبادہ"۔

"۔۔ برپروشان بوزن پردہ پوشان بمعنی امت میغرماید، ہموزن را بمیزان نظر باید سنجید، برپروشان از پردہ پوشان در وزن بمقدار یک ہای ہوز کمست[۱۴]۔ یکی از معتقدان این کتاب گفت کہ قصور کاتب نویس است کہ بای فارسی را بارای بنقطہ متصل نوشت۔ اگر بدین صورت برپرروشان نوشتی در وزن برابر آمدی۔ گفتم گرفتم کہ چنینست برپروشان زبان کدام سرزمینست۔ گفت در اقصای ملک دکن جنیان بدین زبان سخن میکنند۔ گفتم یاد دار برسان بمعنی امت آمدہ اما مضاف الیہ تیارند یعنی برسان فلان نبی، و آن خود پیداست کہ برسان بمعنی علی و بسان بمعنی طرز و اسلوبست[۱۵]۔"

برہان قاطع "تومن با اول شباتی مجہول رسیدہ میم مفتوح بنون زدہ، قصبہ را گویند کہ صد پارہ دہ در تحت آن باشد و جمع آن تومنانست، و بعضی گویند ترکیست" قاطع برہان "بعضی گویند ترکیست، مگر درگمان جامع عربیست کہ جمع آن تومنات آوردہ۔ نی نی بیچارہ این لغت را از سومنات

۱۳۔ غالب نے 'آدمیت' لکھا ہے۔

۱۴ ہای پردہ غیر ملفوظست

۱۵ وجہ اشتقاق عامیرک برپیدشان در متن و حاشیہ

آورد، وا ورا مجہول مینولیسد، وا و خود کجاست کہ مجہول صفت آن افتد۔ دیگر صد پارہ دہ منش فرزنگان را ہم میزند پارہ دہ یعنی چہ؟ وا و آنست کہ لفظ ترکیست و در تحریر لغات ترکی، اعراب بالحروف نوشتن رسم افتادہ است، واو علامت ضمۂ تای فوقانی والف علامت فتحۂ میم ہر آئینہ تومان مینولیسند و تمن خوانند بتای مضموم و میم مفتوح و تمن در ترکی بیت[۱۶] را گویند، و یوز صدرا و منگ بمیم مکسور و نون ساکن ہزار را۔

برہان قاطع " نمید بفتح اول بر وزن دمید، ماضی نمیدن است۔ یعنی میل کرد و توجہ نمود و نم کشید و امیدوار شد و بضم اول مخفف نا امید و نومید شد" قاطع برہان وہ ہر گام لغزشی و در ہر خطوہ خطا۔ نمیدن اگر از نم بطریق تفنن مصدری آفریند بمعنی نم کشیدن سزاوار، ز نمید نیز بدین [درجہ[۱۷]] ماضی آن خواہد بود، بمعنی میل کردن و میل کرد از کہ شنید؟ این ہم اگر بودہ باشد گو باش۔ معنی نمید امیدوار شد چگونہ جائز باشد؟ حال آنکہ خود مینولیسد کہ بضم نون مخفف نومید است، نمید مخفف نومید و نمیدی مخفف نومیدی مسلم، نون را مضموم چرا ساخت؟

---

[۱۶]۔ یعنی بیست تومان در ترکی ۱۰۰۰۰ است چنانچہ ۲۴۶ رک متن برہان تومن۔ حواشی ۱۳ تا ۱۵ لفظ تومن تک ڈاکٹر محمد معین کے ہیں لفظ صحیح بیست ہے، غالب عموماً بست لکھتے ہیں۔ برہان کے مطابق بھی ی چاہیئے۔ جلد ا ص ۳۳۳

[۱۷]۔ قاطع برہان، معنی۔

در تخفیف تغیر اعراب رسم نیست، الون نومید و نومیلی مفتوح الاصل است بلکه ام عارضه ضمه را بخود درپذیرد؟
چنانکه دیده میشود و در برخی موارد حق با غالبست و در برخی دیگر ایراد نابجاست و در مواضع بسیار نزاع لفظیست و مرای گفتن نکند. قاطع برهان در ۱۲۷۰ قمری در نولکشور بطبع رسیده

محرق قاطع برهان (فارسی) تالیف سید سعادت علی که در سال ۱۲۸۰ قمری مطابق ۱۸۶۳ میلادی در مطبع احمدی دہلی بچاپ رسیده و آن ردیست بر قاطع برہان غالب

ساطع برهان (فارسی) تالیف میرزا رحیم بیگ میرٹھی۔ مولف بسال ۱۲۷۶ قمری و آن درسال ۱۲۸۲ قمری در مطبع ہاشمی میرٹھ چاپ شده آنہم ردیست بر قاطع برہان غالب

موید برہان (فارسی) تالیف آغا احمد علی شیرازی جہانگیرنگری .. مولف بسال ۱۲۸۰ قمری و آن درسال ۱۲۸۲ قمری مطابق ۱۸۶۶ میلادی در مطبع مظہر العجائب کلکته بطبع رسیده است آنهم ردیست بر قاطع برہان غالب۔

قاطع القاطع (فارسی) تالیف امین الدین دہلوی۔ مولف بسال ۱۲۸۱ .. و آن در .. ۱۲۸۳ .. در مطبع مصطفائی دہلی چاپ شده .. رد .. قاطع برہان ..

دافع ہذیان (فارسی) تالیف نجف علی خان جھجری متخلص بنجف متوفی بسال ۱۲۹۰ .. طبع ۱۲۸۱ مطابق ۱۸۶۵ اکمل المطابع دہلی جواب محرق قاطع برہان۔

لطائف غیبی (اردو) بنام سیاح ۱۲۸۱ھ ۱۸۶۵ء اکمل المطابع
ردمحرق قاطع برہان ظاہراً غالب.. آں را بنام
شاگرد خویش شہرت دادہ است۔"

سوالات عبدالکریم (اردو) بنام عبدالکریم ردمحرق اسی
سنہ میں اسی مطبع میں چھپا۔ "احتمال قوی میرود کہ
تالیف خود غالب باشد۔

نامۂ غالب از غالب ردساطع برہان ۱۸۶۵ء مطبع محمدی
دہلی (اردو)، قطعۂ غالب (فارسی) از غالب ۱۲۸۲ھ
اکمل المطابع

ہنگامۂ دل آشوب حصۂ ۱ مشتمل بر قطعات غالب وفدا
وباقر وسخن سب ایک ہی زمین میں۔ ۱۲۸۳ھ ۱۸۶۷ء
مطبع ستت پرشاد آرہ حصۂ ۲: قطعہ جواہر سنگھ جوہر
درجواب قطعۂ غالب "باقر وسخن ہر دو جواب قطعہ ہا سے
جوہر وفدا ہر یک دو قطعہ سرودہ اند درہمیں ہنگام ...
شمس.. در روزنامہ اودھ اخبار (.. ثدوئن ۱۸۶۷ء..)[۱۵]
مقالہ نوشتہ است کہ در آں بر بعض اشعار غالب ایراد
کردہ است۔ سخن درجواب اعتراض او بنثر اردو وباقر
بنثر فارسی مقالہ نوشتہ اند۔

محمد امیر لکھنوی تخلص بہ امیر (امیر مینائی) درحمایت غالب قطعۂ

---

[۱۵] نک: رجوع کنید۔ ثدوئن = جون۔ رسائل متعلقہ قاطع برہان کے
متعلق جو کچھ ڈاکٹر محمد معین نے لکھا ہے وہ لازماً مکمل نقل نہیں ہوا۔ کچھ
حذف کر دیا گیا ہے اور اپنی زبان میں ان کے قول کے خلاصے پر بھی
اکتفا کیا گیا ہے۔

باز دو سروده در روزنامه اودھ اخبار نشر کرد۔ مجموع
پنج قطعہ منظوم و دو مقالہ منثور۔ مذکور" ۱۲۸۴ء ۱۸۶۷
مطبع مذکور۔

تیغ تیز (اردو) از غالب جواب موید برہان مولفہ
۱۸۶۷۔ اکمل المطابع۔

تیغ تیز تر مشتمل بر چہار قطعہ مندرج در ہنگامۂ دل آشوب
بعلاوۂ جواب قطعات یا قرو سخن توسط قـرار"

شمشیر تیز تر (فارسی از آغا احمد علی شیرازی مؤلفہ ۱۸۶۷
مطبوعہ مطبع نبوی ۱۸۶۸ رد تیغ تیز۔

حاشیہ متعلق آبدارہ ص ۸ بمعنی تخت، اغادیکر مامور تہیۂ
مشروبات صاحب رتبہ کہ موظف است اب برای نوشیدن یا
نشست شو با میر و پادشاہ دہد دائرۃ المعارف اسلام

حاشیہ متعلق بر پروشان ص ۲۴۹ " این کلمہ تصحیف بہ دد خشان
دقیقی است۔ اسدی در لغت فرس ص ۲۵۰ گوید" برروشنان
است بود۔ دقیقی گوید:

شیفتہ باش برشہ مرا بدین ذلت چو مصطفیٰ بزداد برروشان
را این کلمہ در پہلوی داروشـنکاں بمعنی مومناں و گروندگانست
بر روی سکہ ۔۔ بسال ۶۵ ہجری ضرب این جملہ پہلوی ثبوت
شدہ (اس کی پہلوی عبارت) ۔۔ "

حاشیہ متعلق تومن: " تومان بضم اول، ترکی مغولی لغت
بمعنی دہ ہزار ۔۔ نیز تومان دہ ہزار دینار است ۔۔ امروزہ ریال
را یکصد تومان گویند"

حاشیہ متعلق نمید: نومید = ناامید ۔۔ از عطای خدا
نمید مشو۔" سنائی غزنوی" رشیدی" اسداللہ غالب دہلی ۔۔

بر معانی لغت نمید اعتراضاتی دارد که ... در مقدمہ .. نقل کردہ ایم - رک رشیدی ؛ وقت مرگ و درد آلنسو می تی، چوں کدورت رفت پس چوں عجمی مولوی بلخی بدبی - در ایران باستان Nam دخم شدن، تعظیم کردن .. رک نماز - ونیز (چنانکہ مولف در نمید و نمیدہ گفتہ) بمعنی نم کشیداست .. " بحث نمیدہ میں شعر نزاری قہستانی ماخوذ از رشیدی : پی ارم بر گرفت آں دل رمیدہ نسیمی بردہ از خاک نمیدہ۔

محرق قاطع برہان سے کر شمشیر تیز تر کی بحث تک ڈاکٹر محمد معین نے جو کچھ لکھا ہے - ان کے قول کے مطابق جناب عرشی کی تحقیقات سے کچھ باتیں محل تامل ہیں : (۱) قاطع برہان کی اشاعت[۲] در فش کاویانی ہے جو اشاعت کی نقل محض نہیں، بلکہ اس میں ترمیم و اضافہ ہوا ہے - ڈاکٹر محمد معین نے اس کا مطلقاً ذکر نہیں کیا - (۲) قاطع برہان اشاعت ا بقول غالب ۱۲۷۷ھ میں مکمل ہوئی تھی اسال طبع درج ہے، مگر سال تکمیل کتاب غیر مذکور ہے (۳) مطبع نولکشور کی جگہ صرف " نولکشور " لکھنا درست نہیں (۴) ساطع برہان کا سال تالیف ۱۲۷۶ھ اور جس کتاب کا یہ رد ہے اس کا سال طبع ۱۲۷۸ھ یہ کس طرح ہو سکتا ہے ؟ ڈاکٹر محمد معین نے اس کی طرف توجہ نہیں کی - حقیقت یوں ہے کہ قاطع برہان کی قلمی نقل ۱۲۷۷ھ سے قبل رحیم کی نظر سے گزری تھی، اور انطباع قاطع برہان سے پیشتر رحیم نے اس کا رد لکھنا شروع کر دیا تھا، ظاہر ہے کہ مطبوعہ نسخہ ۱۲۷۸ھ میں یا اس کے بھی بعد مطالعے میں آیا - (۵) آغا احمد علی کو کسی نے شیرازی نہیں کہا، غالب کا مصرع ان سے متعلق یہ ہے : خواجہ را از اصفہانی بودن آبا چہ سود " (۶) سوالات عبد الکریم سوالات پر مشتمل ہے، اور فرضی سائل عبد الکریم

ہے، اس بنا پر اسے سوالات عبدالکریم کہا جا سکتا ہے، مگر یہ نام اس رسالے میں کسی جگہ درج نہیں (۷) نسخہ مطبوعہ اس کی نقل (عطیۂ مہیش پرشاد) اور عکس (عطیۂ مالک رام) میں نام مطبع یا سال طبع درج نہیں۔ اکبر علی خاں سلمہٗ کے خط سے معلوم ہوا کہ نسخۂ رامپور میں بھی یہ باتیں مرقوم نہیں۔ مطبع اور سال طبع کے متعلق اطلاعات کہاں سے حاصل ہوئے (۸) تیغ تیز تر: جہاں تک میرا علم ہے کسی کتاب کا نام نہیں۔ شمشیر تیز تر، رد تیغ تیز کے آغاز سے پہلے کسی خاص نام کے بغیر غالب، فدا (در قطعے) با قر و حنی کے قطعات ہیں (ص۔۲ تا ص۵)، اس مجموعہ قطعات کو تیغ تیز تر کس طرح کہا جا سکتا ہے؟ (۹) ہنگامۂ دل آشوب کی بحث میں ایک قطعے کے مصنف امیر مینائی بتائے گئے ہیں، ان کا اس سے کچھ سروکار نہیں۔ ممکن ہے کچھ اور باتیں بھی محل نظر ہوں، اگر یہ گمان صحیح ثابت ہوا تو بعد کو ان کے متعلق لکھا جائے گا۔

یہ بات قابل ذکر تھی کہ قاطع برہان کی اشاعت ۲ میں غالب نے محرق قاطع برہان میں سنائی کا ایک شعر جس میں آبدار، صاحب سامان و مالدار یا مرد با اقتدار آیا ہے، یہ لکھا تھا:

عزیزی درہ شعر حکیم سنائی نشان داد، گفتم شعر سنائی مستدل و من حیث المعنی جائز اما ہمونان و ہمسران سنائی ترک کردہ اند، و وجہ ترک اینست کہ از دیرباز در کارخانہای سلطنت آبدار خانہ نام تحویلدار آن خانہ آبدار مینویسند، ہر آئینہ اندرین ایہام توہم اہانت دارد" ڈاکٹر محمد معین دائرۃ المعارف اسلام سے جو کچھ نقل کیا ہے، وہ بہت تشنہ ہے، مگر یہ بھی ممکن ہے کہ اس کتاب میں تسلی بخش بحث ہو۔ بہرحال، غالب کا اعتراض اندراج معنی مذکور پر تھا، اور یہ

فضول ہے، ارباب لغت وہ معانی بھی درج کرتے ہیں جو متروک ہو گئے ہیں ۔ قرینۂ غالب یہ ہے کہ اشاعت ۲ میں جو اضافہ ہے وہ نکتہ لبعدالوقوع ہے پہلے انھیں اس کا علم نہ تھا کہ سنائی یا کسی اور شاعر کے یہاں اس طور پر آیا ہے ۔ یہ بھی صحیح نہیں کہ کسی اور کے یہاں نہیں، منوچہری کے کلیات میں اس طرح موجود ہے جس طرح سنائی کے یہاں ہے ۔ آبدار؛ عہدۂ دار خاص یوسف زلیخا منسوب بہ فردوسی میں آیا ہے، اگر اس کے بعد بمعنی عہدہ خاص فوراً کثیر الاستعمال نہیں ہوا چنانچہ عہد اکبری سے قبل تک اس کی مثالیں اگر ملیں گی تو بہت کم ۔ عرفی کے یہاں آیا ہے اور تذکرہ طاہر نصرآبادی میں آبدار باشی ملتا ہے

بپروشان کی بحث میں اشاعت ۲ میں دقیقی کا شعر کسی مخالف کے یہاں دیکھ کر غالب نے یہ اضافہ کیا ہے : ضرورت وزن نظم لغت را صورت دیگر نیستواں بخشید، چنانکہ پاداشت و پالشت ہماں پاداش و بالش است، و تبدل شین ... و سین ... باہمدگر اصلیت محکم در ضوابط زبان ایران ۔ لاجرم بپروشان ہماں پرسان لغت باضافۂ حرفی چند در وسط و تبدل سین مہملہ بشین قرشت"

یہ بھی نکتۂ لبعدالوقوع ہے، غالب پرسان کو تو مانتے تھے لیکن بپروشان کے وجود کے قائل نہ تھے، شعر دیکھا تو اس کی توجیہ کرنی پڑی ۔ ضرورت شعری سے پرسان بپروشان کی شکل اختیار کر سکتا ہے ۔ یہ سمجھ میں آنے کی بات نہیں ۔ اس سلسلے میں یہ بھی پیش نظر رکھنا چاہئے کہ فرہنگ جہانگیری وغیرہ اور فرہنگ اسدی غالباً طبع یورپ میں بھی شعر دقیقی میں پرروشان نہیں بپروشان ہے، گو صحیح مقدم الذکر ہی ہے ۔

ین کی بحث غالب بحیثیت محقق میں دیکھی جائے ۔

(۴) کلیات نظم فارسی میں غالب کا ایک قطعہ ہے جس کی بیت ۳ یہ ہے:

ایبکم از جماعۂ اتراک　　　در تمامی ز ماہ دہ چندیم

غالب نے اس کے متعلق حاشیے میں لکھا ہے : "ایبک بہمزۂ مفتوح و موحدۂ مفتوح قومی از اقوام ترک" مجھے یاد آتا ہے کہ حالی نے یادگارِ غالب میں نیر کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ہندوستان میں فارسی شاعری کا آغاز ایک ترک لاچین (خسرو) سے ہوا، اور اس کا خاتمہ ایک ترک ایبک (غالب) پر ہوا۔ جناب مہر اپنی کتاب غالب (طبع ۱ صـ۷) میں فرماتے ہیں کہ "غالب قوم کے ایبک ترک تھے۔" جناب مالک رام بھی انھیں ایبک ترک سمجھتے ہیں (ذکرِ غالب طبع ۲ صـ۱۲)۔ میں نے شجرۃ الاتراک وغیرہ میں اسے ڈھونڈا لیکن نہ پایا۔ کسی اور جگہ بھی ایبک ترکوں کی کسی قسم یا قبیلے کا نام نہیں ملا۔ اپنی تحقیق پر بھروسا نہ کر کے میں نے استاد ذکی ولیدی طوغان سے ان کے ورودِ پٹنہ کے وقت اس کے متعلق دریافت کیا، انھوں نے جواب دیا کہ آئی بمعنی ماہ ہے اور بک بمعنی امیر ہے، یہ لقب ہے، ترکوں کی کسی قسم یا قبیلے کا نام نہیں۔ غالب پر تعجب نہیں حیرت اس پر ہے کہ نیر نے جو علم الانساب کے ماہر سمجھے جاتے ہیں، ایسی بات کیونکر کہی۔

---

جناب مالک رام سلاجقہ کو ترکان ایبک قرار دیتے ہیں حالانکہ پرانی کتابوں میں انھیں ترکمان کہا گیا ہے اور ایبک کسی نے انھیں نہیں کہا۔ انھیں مسلم ہے کہ ترک سلجوقی تھے، اس لیے ان کے نزدیک ایبک بھی ہو گئے۔

"آج کل" دہلی۔ جون ۱۹۶۴ء

# تتمۂ جہانِ غالبؔ

یہ وہ چند مضامین ہیں جو ہمیں بعد میں ملے جنہیں تتمۂ جہان غالب کے طور سے دے دیا گیا ہے۔ ان کا اشاریہ بھی الگ سے دیا جا رہا ہے۔

**ارمان، جمنج مثریا شندہ کلکتہ**۔ ارمان نے نسخۂ دل کش جلد اول میں اسد کے تحت لکھا ہے "نواب اسد اللہ خان غالب مشہور مرزا نوشہ باشندے شاہ جہان آباد کے اور غالب بھی ان کا تخلص ہے"۔ اسی کتاب غالب کے تحت عبارت ذیل مندرج ہے: "نواب اسد اللہ خان بہادر المخاطب بہ مرزا نوشہ دہلوی نواب مہابت جنگ کے عہد میں مرشد آباد اور کلکتہ میں آئے تھے فارسی اور ریختہ شعر خوب فرماتے ہیں اور ان کے اشعار اسد تخلص کو ہمراہ بھی لکھے گئے ہیں"۔ ارمان نے مہابت جنگ کی جگہ ہیبت جنگ لکھ دیا ہے، ایک دہلوی بزرگ جو غالب کے ہم نام و ہم تخلص تھے، مہابت جنگ کے عہد میں مرشد آباد گئے تھے ارمان کو نام اور تخلص کے ایک ہونے سے دھوکا ہوا۔

**اشپرنگر**:۔ اشپرنگر نے اپنی فہرست میں جس کا سال طبع سرورق پر ۱۸۵۴ء درج ہے۔ غالب کا ذکر تین جگہ کیا ہے ص ۲۲ اسد کے تحت۔ "اسد اللہ خان عرف مرزا نوشہ، ان کے اجداد سمرقند کے تھے۔ خود دلی میں پیدا ہوئے (تذکرہ اعظم الدولہ سرور) یہ وہی شاعر ہیں جن کا ذکر غالب تخلص کے تحت بھی آئے گا فی الحال ان کی عمر ۶۰ برس کے قریب ہے ان کا دیوان چھپ گیا ہے آج کل یہ صرف فارسی شعر کہتے ہیں۔ یہ ایک فارسی انشا اور مثنوی کے بھی مصنف ہیں جو علی کی مدح میں ہے" ص ۲۲۸ "غالب۔۔ پہلے آگرہ میں اور اب دلی میں مقیم ہیں۔ یہ اچھے شاعر ہیں، پہلے بیدل کی تقلید کرتے تھے اب ان کا خاص اسلوب ہے"، ص [illegible] "دیوان مرزا اسد اللہ خان، غالب۔ آج کل ۱۸۵۰ء میں دلی میں ہیں۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ شاہ دہلی کی فرمائش سے تیمور سے مغل شہنشاہان ہند کی تاریخ لکھنے میں مصروف ہیں۔ آغاز: "یگانہ یزداں دانش بانکہ بخشیدہ اوست"، طبع دلی ۱۲۶۱ھ ۵۰۸ صفحات ۵۰۶

**بحر شاگرد ناسخ**:۔ بحر کا رام پور سے عہد یوسف علی خان میں تعلق پیدا ہو گیا تھا، لیکن میں یہ کہنے سے قاصر ہوں کہ غالب جو اس زمانے میں یا اس کے بعد جو رام پور گئے ہیں تو یہ وہاں تھے یا نہیں۔ غالب کی کسی تحریر میں بحر کا ذکر آیا اور نہ بحر کے دیوان مطبوعہ میں کہیں غالب کا نام آیا ہے، صفیر بلگرامی جلوہ خضر جلد اول (ص ۲۲) میں لکھتے ہیں کہ غالب نے اس امر کے ثبوت میں کہ لکھنؤ کے شعرا اچھے مضامین نظم نہیں کرتے شعرائے لکھنؤ کے جو اشعار پڑھے تھے ان کے ساتھ بحر کا یہ مصرع بھی تھا،

"نہاتا ہے وہ مہ دریا میں کپڑے جو کہ دھوتی ہے"

اس مصرع پر (صفیر نے صرف یہ مصرع دیا ہے اور یہ صراحت نہیں کی کہ دوسرا مصرع پڑھا تھا یا نہیں) غالب کا اعتراض یہ تھا کہ یہ معشوق کی تعریف نہیں ہوئی، بلکہ ایسا غریب معشوق ہے کہ کپڑے گھاٹ دھلاتا ہے"، لیکن مصرع زیر بحث میں "دریا" کی جگہ "کوزے" ہے اور اس کا پیش مصرع یوں ہے،

"کسی کا ہم نے یہ عالم نہیں دیکھا نکھرنے میں، ریاض البحر ص ۲۵۳

اس شعر سے معشوق کا غریب ہونا نہیں، عالم حسن میں اس کی بلند رتبگی ثابت ہوتی ہے،

**تاریخ**:۔ غالب کو بہادر شاہ نے شاہان مغلیہ کی تاریخ لکھنے کا کام سپرد کیا تھا اور انہوں نے اس تاریخ کا پرتوستان

---

۱؎ یہ غلطی ہے سرور نے غالب کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ معیار پٹنہ (۱۹۳۶ء) میں دیکھا جائے،

نام رکھ کر اس کا پہلا حصہ جس میں ابتدائے آفرینش سے ہمایوں تک کا حال ہے مہر نیم روز کے نام سے شائع بھی کر دیا تھا۔ یہ دیکھ کر کچھ لوگ ان سے تاریخی سوالات کرنے لگے، غالب ایک سائل کو نبی بخش خان کے نام کے خط میں یہ جواب دیتے ہیں،

"میں فنِ تاریخ و ساحت و سیاق سے اتنا بیگانہ ہوں کہ ان فنون کو سمجھ بھی نہیں سکتا، کارپردازانِ دفتر شاہی خلاصۂ حالات از روئے کتب اردو میں لکھ کر میرے پاس بھیج دیتے ہیں میں اس کو فارسی کر کے حوالہ کرتا ہوں میرے ہاں ایک کتاب بھی نہیں میں اسی قدر ہوں کہ نظم و نثر بہ قدر اپنی استعداد کے لکھ سکتا ہوں مورخ نہیں ہوں۔ بھائی صاحب تمہاری جان کی قسم میں اس فن سے اتنا بے خبر ہوں کہ یہ بھی آج تک نہیں سمجھا کہ پنڈت صاحب نے کیا کچھ لکھ لیا ہے اور وہ کیا ہے جس کی ان کو خواہش ہے" (نادرات غالب ص ۲۹)

اس اقتباس سے صاف ظاہر ہے کہ بعض اصحاب کا یہ خیال کہ جن کتابوں کے حوالے مہر نیم روز میں ہیں وہ لازماً غالب کی نظر سے گزری ہیں، صحیح نہیں، آئین اکبری مرتبہ سید احمد خان کے بارے میں غالب نے اپنی مثنوی میں جو رائے ظاہر کی ہے اس سے قطعی طور پر ثابت ہے کہ غالب حاسۂ تاریخی سے محروم تھے۔ انگریزوں کی بنی ہوئی آئین عہد اکبری سے بہتر سہی، مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ موخر الذکر سے واقفیت ضروری نہیں، یہ بات کہ حال کو سمجھنے کے لئے ماضی کا علم لازم ہے غالب کے ذہن میں کبھی نہ آئی۔ تاریخی کتابوں کا اگر کبھی انہوں نے مطالعہ بھی کیا ہوگا تو قصے کے طور پر یا مصنفین کی انشاپردازی کی وجہ سے غالب تاریخ اور اساطیر میں بھی فرق نہیں کرتے۔ ترجمہ بوستان خیال کی تقریظ میں رقم طراز ہیں،

"کیا تواریخ میں ممتنع الوقوع حکایات نہیں؟ .... سام اپنے فرزند کو پہاڑ پر پھکوا دے، سیمرغ اس کو اپنے گھونسلے میں اٹھا لائے پرورش کر کے پہلوان بنائے ...."

غالب کی تاریخی معلومات نہ ہونے کے برابر ہیں اپنے دادا کے متعلق ایک طرف تو انہوں نے یہ لکھا ہے کہ وہ شاہ عالم میں ہندستان آئے اور دوسری طرف یہ بتایا ہے کہ معین الملک کے زمانے میں لاہور پہنچے تھے۔ حالانکہ معین الملک کی وفات آغاز عہد شاہ عالم سے پہلے ہی ہو چکی تھی۔

**تواریخ اودھ:** جلد ۲ مصنفہ سید کمال الدین حیدر۔ تواریخ اودھ جس کا نام قیصر التواریخ بھی ہے شورش ۱۸۵۷ء کا حال بھی درج ہے۔ مصنف نے یہ بھی بتایا ہے کہ ردِ سلطنت دہلی پر کیا گذری۔ غالب سے متعلق ان کا بیان ہے "اولاد شنگ فراسیاب استاد بادشاہ فن شعر میں اس معرکہ میں بہ سلامت رہے، لیکن اجل در پے نہ تھی۔ ایک رسالہ بھی اپنی طرز کلام پر اس معرکۂ خاص کا چھپوایا۔ حکام نے بدلطف انہیں ان کا پنشن سرکاری موقوف کر دیا بعد اس کے نواب یوسف علی خاں خدمت کرتے رہے تا این کہ دہلی میں انتقال کیا"

**جویا:** سید محمد علی مراد آبادی مصنف خیابان تاریخ۔ جویا نے خیابان تاریخ میں جس کا سال طبع ۱۲۹۲ھ ہے غالب کی وفات کا قطعۂ تاریخ لکھا ہے اور جس کے عنوان میں مرقوم ہے کہ "غالب فن شاعری میں یکتا عدیم المثال تھے" مادۂ تاریخ "تاج سر شاعراں" ہے مگر اس سے ۱۲۸۷ نکلتا ہے اور یہ سنہ اس کے نیچے مرقوم ہے۔ جویا نے غالب کے ایک مصرع "اسد اللہ خان تمام ہوا" سے بھی سال وفات (جو ان کے نزدیک ۱۲۸۶ھ ہے) نکالا ہے مگر اس طرح کہ یہ ہوا[۳۲] کو ہوئے کر دیا ہے اور اس پر سے دو بڑھائے ہیں۔ پیش مصرع یہ ہے "پس غالب یہ سال ہاتھ آیا"، ص ۸۲ غالب کی کسی تحریر میں جویا کا ذکر نہیں ہے۔

**خوش معرکۂ زیبا:** ناصر نے اپنے تذکرے میں جو باستثنائے عبارات حواشی ۱۲۶۲ھ میں مکمل ہوا ہے غالب

---

[۳۲] جویا نے یہ دعوےٰ تو کیا ہے کہ غالب کے مصرع سے تاریخ نکالی ہے لیکن یہ نہیں لکھا کہ "ہوا" کو "ہوئے" بنا دیا ہے۔

کا ترجمہ ان الفاظ میں لکھا ہے "صاحب رائے صائب مرزا نوشاہ اسد اللہ خان تخلص غالب نقاوۂ دودمان کریم، خلاصۂ خاندانِ فخیم، کبھی مسکن اس کا دہلی کبھی اکبرآباد"، تعداد اشعار ۲۲ گلشن بے خار ناصر کے ماخذوں میں ہے لیکن اشعار اس سے نہیں لئے۔

**زکی محمد زکریا خان**:- زکی نے اپنے دیوان مطبوعہ کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ غالب اور میرے بزرگوں کے درمیان "ربط و دوستی و یک جہتی" تھی، (یہ اعظم الدولہ سرور کے بھائی کے پوتے تھے) اور اس تعلق کی بنا پر دس بارہ برس کی عمر سے آستاں بوسی کیا کرتا تھا۔ زکی نے غالب سے تلمذ کا بڑے فخر سے ذکر کیا ہے اور دیباچہ میں غالب کی یہ سارٹیفکیٹ درج کی ہے، جس کا سال تحریر معلوم نہیں، لیکن صریحاً ان کے آخری زمانے کی ہے،

"سبحان اللہ! سارٹیفکیٹ لکھنے کا کس وقت اتفاق ہوا ہے کہ میں نیم جاں چند روز کا مہمان ہوں، مہینا بھر سے غذا بالکل مفقود، صرف گوشت کے پانی پر مدار ہے، اگر اٹھوں تو دوران سر سے گر پڑوں۔ سید محمد زکریا خان نسب میں سید، امیرزادہ عالی دودمان، ان کے بزرگ وزارت کا منصب پا چکے ہیں۔ جاگیر اب تک بھی، پھر بعوض جاگیر پنشن مقرر ہوا۔ مع ہذا یہ شخص بذات خود نیک اور صاحب علم اور متواضع اور دانشمند اور نیک طینت اور رنگین طبع۔ معنی سے طبیعت کو علاقہ اچھا ہے شعر کہتے ہیں اور خوب کہتے ہیں اور اس فن میں میرے شاگرد رشید ہیں"

زکی کے دیوان مطبوعہ میں دیباچہ کے سوا کہیں اور نام نہیں آیا، اور دیوان غیر مطبوعہ میری نظر سے نہیں گزرا۔ سارٹیفکیٹ سے قطع نظر غالب کی کسی تحریر میں ان کا ذکر نہیں۔ زکی کی وفات بقول لالہ سری رام ۱۹۰۳ء میں ہوئی تھی،

**سید غلام مصطفیٰ**:- جہاں گیر نگری (۱۲۲۸ تا ۱۳۲۵ھ) سید غلام مصطفیٰ کو غالب سے ذاتی تعلقات تھے یا نہیں، لیکن فدا علی خان مرحوم نے اپنے ایک مقالے میں جو جادہ ڈھاکہ (اکتوبر ۱۹۲۳ء) میں شائع ہوا تھا لکھا ہے کہ غالب کے شاگرد معنوی تھے اور "۵۰۰ صفحوں کے ایک مجموعۂ مکاتیب کے مصنف جو غالب کے پنج آہنگ کی تقلید میں لکھا گیا ہے" اور جس کا نام اسی رعایت سے گردپا ہنگ غالب رکھا گیا ہے۔ پہلوی نامانوس الفاظ کی تشریح مصنف نے خود حاشیۂ کتاب پر کی ہے۔ چناں چہ "پاہنگ" کے معنی پاپوش بتائے ہیں ان تشریحات کے متعلق جہاں کہیں صاحب برہان قاطع اور میرزا کی رائے میں اختلاف پایا ہے سید مرحوم نے میرزا ہی کو ترجیح دی ہے" فدا علی خاں مرحوم کا بیان ہے کہ "ان مکاتیب کا کم از کم نصف آخیر" اس پہلوی میں ہے جو تسلط عرب سے پہلے ایران میں رائج تھی،

**متفاد**:- غالب نے پنج آہنگ (ص ۔۔) میں لکھا ہے کہ "ہیچ گاہ دل بہ فن تاریخ و معما نہادہ ام" لیکن اس کے بہت بعد جب صغیر بلگرامی نے انہیں لکھا کہ پٹنے کے لوگ آپ کے معمے کے مشتاق ہیں، انہوں نے آپ کو معمے میں کامل سنا ہے تو غالب نے جواب دیا کہ اصل فطرت میں میرا ذہن تاریخ و معما کو مناسب نہیں۔ جوانی میں از راہ شوخی طبع کئی کے عامیانہ معمے لکھے ہیں وہ مبادی کلیات فارسی میں موجود ہیں، غالب کے معمے تین ہیں جو مطبوعہ کلیات میں نہیں۔ کلیات کے غیر مطبوعہ نسخوں میں ہیں ان میں سے یہ تینوں ماثر غالب (از نبیرۂ راقم) میں نقل کر دیے گئے ہیں ان میں سے ایک جس کا حل کمال ہے یہ ہے،

دو نیمہ گشت کلام از نہایت نامش — سرش بجائے خود و باز گونہ اندامش

**مغل جان**:- غالب مہر کو لکھتے ہیں "بھائی تمہاری طرح واری کا ذکر میں نے مغل جان سے سنا تھا جس زمانے میں کہ وہ نواب حامد علی خان کی نوکر تھی اور اس میں مجھ میں بے تکلفانہ ربط تھا تو اکثر مغل جان سے پہروں اختلاط ہوا کرتے تھے اس نے تمہارے شعر اپنی تعریف کے بھی مجھے دکھائے تھے" (اردوئے معلی ص ۔۔) احساس ہے کہ دیوان مہر میں ایک مثنوی ہے جس کے ابتدائی اشعار کا تعلق مغل جان سے ہے،

اک روز یہ بندۂ رو سیہ مہر — تھا وارد بزم شوخ مہ چہر

لیعنی ہے میاں فرخ آباد — ہلتیس زمانہ اک پری زاد
میں تو ہوں مخل وہ ہے مری جان — کہتا ہے ہر اک اسے مغل جان
فی الجملہ ہے صاحب طبیعت — کچھ شعر و سخن سے بھی ہے رغبت
مجھ سے کہا اس نے کیجے ارشاد — کچھ ہجو نواب آپ کو یاد (ص ۲۱۹)

قیاس چاہتا ہے کہ وہ اشعار جن کی طرف غالب نے اشارہ کیا ہے، یہ نہ ہوں، مگر دیوان میں دوسرے اشعار جو مغل جان کی مدح میں ہوں موجود نہیں، ایک قطعے سے یہ البتہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی وفات ۱۲۵۹ھ میں ہوئی تھی (ص ۵۹)

**مغلوب**:- سید افتخار الدین رام پوری: مغلوب غالب اور احمد علی رسا کے شاگرد تھے ۸۰ برس کی عمر میں ۱۳۱۸ھ میں قضا کی (انتخاب یادگار ص ۲۲۵)

ماحول (۸) ۱۹۵۲ء

(۱) ابوسعید ابوالخیر: غالب قاطع برہان میں رقمطراز ہیں:

"اہل عجم در الفاظ عربیہ تصرفہای بدیع بکار بردہ اند، در الفاظ عجمی ... جنبشہای سہ گانہ چرا برنگردانند؟ ... شیخ ابوسعید ابوالخیر ... در یک رباعی گذر و نگر و دہر را، گذرہ و نگرہ و برہ بہای مختلف میتوبسد، وکس[1] را مجالِ گرفت وگیر نیست ....

درویشانیم نشستہ[2] درکوہ و درہ | جاییکہ پلنگ و شیر و اژدر گذرہ
پیران قوی دارم و یاران سرہ | ہرکس کہ بما کج نگرہ جان نبرہ"

شیخ کے اخلاف میں سے ایک شخص نے اسرار التوحید فی مقامات الشیخ ابی سعید لکھی ہے، اس میں اپنے دادا کی زبانی جنھوں نے شیخ کا زمانہ پایا تھا اور اُن کے پوتے تھے، بتایا ہے کہ

"جماعتی بر آنند کہ بیتہا کہ بزبانِ شیخ رفتہ است او گفتہ، و نہ چنانست کہ او را چندان استغراق بودی بحضرتِ حق کہ پروای بیت گفتن نداشتی، الّا این یک بیت کہ بخاطرِ مبارکِ او گذشت و این دو بیت دیگر درست نگشتہ است کہ شیخ گفتہ (تینوں شعر ص۲۱۸ میں موجود اور درویشانیم الخ ان میں نہیں) ... دیگر ہمہ آن بودہ است کہ از پیران یاد داشتہ است" ص۲۱۹

آقای سعید نفیسی نے شیخ کا جو مجموعۂ اشعار مرتب کیا ہے، اس کے مقدمے میں باوجود اس کے کہ وہ اسرار التوحید کے اقتباس بالا سے واقف ہیں شیخ کو شاعر مانا ہے، لیکن اس سے مطلق بحث نہیں کی کہ شیخ کے پوتے کا قول کیوں نہ تسلیم کیا جائے۔ ان کے دلائل کمزور ہیں، اور اُن اشعار کے سوا جو اسرار التوحید میں اُن کی طرف منسوب ہیں، کسی اور کو اُن کا طبع زاد سمجھنے کی کوئی وجہ معقول نظر نہیں آتی۔ آقای موصوف نے اپنے حواشی میں بہت سی رباعیوں کے متعلق یہ بتایا ہے کہ شیخ کے علاوہ اور کن اصحاب کی طرف اِن کا انتساب ہوا ہے۔ درویشانیم الخ، کی نسبت انھوں نے یہ اطلاع تو دی ہے کہ عبدالخالق عجدوانی کے اشعار میں بھی یہ رباعی ملتی ہے، لیکن، یہ نہیں لکھا کہ احمد جام کے دیوان میں بھی ہے۔ شیخ کی طرف جو مجموعہ منسوب ہے، غالب کی نظر سے گزرا تھا یا نہیں، اس کے بارے میں کوئی فیصلہ کن بات نہیں کہی جاسکتی۔

(۲) فرہنگ قطران: غالب نے تیغ تیز میں لکھا ہے:

"مولانا (احمد علی) مؤید کے صفحہ ۶ میں اسدی طوسی اور حکیم قطران کو دو فرہنگوں کا مولف بتاتے ہیں، بھلا صاحب اگر اسدی طوسی نے فرہنگ

---

[1] گذرہ وبرہ ونگرہ تصرف کی مثال میں نہیں پیش کیے جا سکتے، اس کی بحث 'غالب بحیثیت محقق' (نقد غالب ص۲۲۳) میں ملے گی۔

[2] رباعی کا متن آقای سعید نفیسی کے مجموعے میں قدرے مختلف ہے (سخنان منظوم ابوسعید ابوالخیر ص۸۰)

لکھی ہوئی تو محمود کی ... عصر سے آج تک سب فرہنگ نگاروں کا ماخذ وہی ہوتا اور اختلاف لفظ و معنی کسی لغت میں راہ نہ پاتا۔ لیس فلیس" ص۳

غالب نے فرہنگ قطران کا نام تو لیا، لیکن، یہ نہ لکھا کہ وہ اس کے وجود کے منکر ہیں یا نہیں، حالانکہ اقتضائے مقام یہ تھا کہ فرہنگ اسدی کی طرح وہ اس کے وجود کا بھی انکار کرتے۔ احمد علی نے ماخذ فرہنگ جہانگیری کے سلسلے میں اس کا نام لیا تھا اور فرہنگ جہانگیری کے مقدمے میں اس سے استفادے کا ذکر ہے۔ فرہنگ اسدی کے دیباچے میں بھی اس کا نام آیا ہے، اور اس میں شک نہیں کہ قطران نے فرہنگ لکھی تھی، گو فی الحال یہ ناپید ہے۔

(۲) ویس ورامین: غالب نے تیغ تیز میں لکھا ہے:

"قصۂ ویس ورامین میں فخر گرگانی نے قید حرکات ثلثہ اٹھادی ہے: گشتہ، کشتہ قافیہ، وہ مثنوی منطبع ہوگئی ہے جو چاہے دیکھ لے۔" ص۹۱

'گشتہ وکشتہ' کا قافیہ بالکل صحیح ہے، ک کی حرکت داخل قافیہ ہی نہیں ۔۔۔ غالب نے قاطع برہان میں آواز یا آوازہ[له] گشتن: شہرت پہ اعتراض کیا تھا، اس کے جواب میں ویس ورامین کی سند پیش ہوئی تھی، غالب نے قاطع برہان کی اشاعت ثانی میں اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

"گویم این نادرست و برنا در حکم نتوان کرد، حدیثی را کہ راوی آن یکی باشد مسلم ندارند و ضعیف شمارند، کلامیکہ ہمین در یکجا مذکور یافتہ شد و آن نیز خلاف عقیدۂ جمہور باشد پذیرفتن از روی کدام دستور باشد؟ نہ در گفتار معاصرین فخر گرگانی ازین ترکیب نشان و نہ آنانکہ بعد از وی در فن سخن کوس "انا و لاغیری" ملبند آوازہ ساختہ اند این کلمۂ غریب بر زبان"

ویس ورامین میں ایک جگہ نہیں دو جگہ 'آواز گردم' آیا ہے (نقد غالب ص ۲۳۹ و ص ۲۴۱)

غالب نے ویس ورامین تو دیکھی ضرور، لیکن، ظاہراً غائر نظر سے نہیں، اس کا امکان بھی ہے کہ انھوں نے یہ مثنوی قاطع کی اشاعت ۲ کے انطباع کے بعد پڑھی ہو ۔۔۔ وہ مطبوعہ نسخہ جس کی طرف انھوں نے اشارہ کیا ہے، احمد علی کا مرتب کیا ہوا ہے۔

(۳) جعفر زٹلی: نامۂ غالب ص۱۲ میں جعفر زٹلی کا نام آیا ہے:

"عبدالرشید کی کیا شیخی اور میاں انجو میں کیا پیری ہے، قطب شاہ و جہانگیر کے عہد میں ہوتا اگر نشأ برتری ہے تو بیچارہ جعفر زٹلی بھی فرخ سیری ہے۔"

جعفر زٹلی عہد فرخ سیر کے اوائل میں مقتول ہوا۔ اس کی عمر کا بڑا حصہ عہد عالمگیر میں گزرا: اسے فرخ سیری کہنا صحیح نہیں۔ جعفر زٹلی کی نظم ونثر کا کچھ حصہ غالب کی نظر سے گزرا ہو تو بعید نہیں۔

(۵) آصفی: نامرادی کی بحث میں غالب نے قاطع برہان کی اشاعت ۲ میں (اشاعت ۱ میں نہیں) آصفی کا ایک شعر نقل کیا ہے:

ہمہ شب آصفی دست دعا بر آسماں دارد      زروی نامرادی ماندہ سر در پای دیوارت

یہ اور اس بحث کے اور شعر جو اشاعت ۲ میں ہیں، یقین ہے کہ مصطلحات شعرا سے لیے گئے ہیں۔ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ دیوان آصفی غالب کی نظر سے گزرا تھا یا نہیں۔

---

له اس کی بحث نقد غالب ص۲۳۹ میں ملاحظہ ہو۔

(۶) رضی الدین نیشاپوری: رضی الدین نیشاپوری کا دیوان کمیاب ہے۔ غالب کے یہاں بکنے آیا تھا مگر انھوں نے اسے خریدا نہیں۔ اس میں دیکھ کر ایک شعر اس شاعر کا انھوں نے نقل کیا ہے۔ (خطوط غالب ص۳۲۲)

(۷) عنصری: غالب اس کے مدعی معلوم ہوتے ہیں کہ عنصری کا کلام بالاستیعاب ان کی نظر سے گزرا ہے، لیکن، ان کی تصانیف سے اس کا ثبوت نہیں ملتا، اس کے بعض شعر جو لطائف غیبی میں نقل ہوئے ہیں، صریحاً محرق قاطع برہان سے ماخوذ ہیں۔ غالب نے عنصری کی یہ رباعی:

گر عیب سر زلف بت از کاستن است | چہ جای بغم نشستن و خاستن است
ہنگام طرب و نشاط و می خواستن است | کاراستن سرو ز پیراستن است

فردوسی کی طرف منسوب کی ہے۔ (نکات غالب)

صاحب محرق قاطع برہان نے باختر و خاور کی بحث میں جو اشعار نقل کیے ہیں ان میں سے شعر ذیل فردوسی کی طرف منسوب کیا ہے:

چو مہر آورد سوی خاور گریغ | ہم از باختر بر زند باز تیغ

ص۲۱۔ غالب نے لطائف غیبی میں اسے نقل کیا ہے، لیکن اس انتساب سے جس کا ذکر انھوں نے نہیں کیا اختلاف نہیں کیا جس سے یہ نتیجہ نکل سکتا ہے کہ وہ اسے غلط نہیں سمجھتے تھے۔ شعر زیر بحث شاہنامۂ فردوسی میں نہیں، اور فرہنگ جہانگیری میں عنصری کے نام سے ہے۔ عجب نہیں اگر فرہنگ اسدی میں بھی ہو۔

(۸) مناقب العارفین: مناقب العارفین مصنفۂ افلاکی کے حوالے سے غالب نے لکھا ہے کہ جلال الدین رومی کی بیبی کا نام کرا کما تھا۔ ... وہ ایک شاہزادی تھیں (قاطع برہان)؛ مناقب میں اس کے برخلاف یہ مرقوم ہے کہ کرا کا ان کی بہو تھیں اور ان کے ایک دوست صلاح الدین (ان کا کسی شاہی خاندان سے کسی قسم کا تعلق ثابت نہیں) کی بیٹی تھیں۔

(۹) نزاری: تیغ تیز میں ہے: "مولوی مؤید کی ۹۴ صفحے میں فرماتے ہیں کہ آرا بمعنی آرایش نزاری نے لکھا ہے اور یہ شعر سند میں لاتے ہیں:

نمیباید برافزودن اگر مشاطۂ فطرت | جمالی را بزیبائی نگاری کرد و آرائی

فقیر عرض کرتا ہے یہ جھوٹ ہے، نزاری نے آرا کو بمعنی آرایش نہیں لکھا۔ آرائی کو بمعنی آرایش لکھا ہے۔ آرائی میں مصدری تحتانی لگی ہے پھر آرایش کے معنی کیوں نہ لیے جائیں، یہ شعر اس بات کی سند ہے کہ متقدم اسم کے آخر میں یای مصدری لاتے ہیں۔ مجرد آرا مصدر کے یا حاصل بالمصدر کے معنی کہاں دیتا ہے؟"

احمد علی نے شمشیر تیز تر میں اس کا جواب یوں دیا ہے:

"در لفظ نگارے و آرایے یای مجہول است، قطع نظر از اینکہ آرایے بقافیۂ رایے و جایے و امثال آن بیای مجہول در اشعار دیگر این قصیدہ واقعست، دلیل عدم مصدریت تحتانی . . . . اندکہ یای مصدری غالباً در آخر صفات میاید . . . و آرا بقول او خود ش صفت نیست امر است"

نزاری کا قصیدہ میری نظر سے نہیں گزرا، اس لیے میں احمد علی کے قول کی تصدیق یا تکذیب نہیں کر سکتا۔ یہ بات کہ غالب نے

بیان نزاری دیکھا ہو بہت مستبعد ہو۔ آرا کی بحث غالب بحیثیت محقق، (نقد غالب ص۲۱۳) میں دیکھی جائے۔

(۱۰) خالق باری: تیغ تیز میں غالب لکھتے ہیں کہ "خالق باری کو منسوب بہ امیر خسرو اپنی طرف سے نہیں لکھا، قول بعض لکھا ہو" ص۱۲
اس سے قبل قاطع برہان (اشاعت ۱ ص۱۱۰) میں ان کے قلم سے نکلا تھا۔

"موش پران . . . اگر فارسی مبود مصنف خالق باری کہ بگمان گروہی امیر خسرو دہلویست ہمیں اسم در خالق باری چرا نمی نوشت"

(۱۱) مسعود سعد سلمان: مسعود سعد سلمان ہندوستان میں پیدا ہوا تھا، لیکن غالب ظاہرا اس سے واقف نہیں۔ ان کے یہاں اس کا کوئی شعر نہیں آیا، محرق قاطع برہان میں اس کے بعض اشعار دیکھ کر انھوں نے اس کی طرف لطائف غیبی میں اشارہ البتہ کیا ہو ص۲۹

(۱۲) عسجدی کا نام لطائف غیبی میں، فردوسی وغیرہ کے ساتھ آیا ہو، دعویٰ یہ کہ ان شعرا نے فرہنگ نہیں لکھی ص۲۹

---

فکر نو۔ دلی کالج اردو میگزین، اپریل ۱۹۶۳ء

۱) نوائے وطن ۔ شاد عظیم آبادی بقول خود ۱۸۴۶ء میں متولد ہوئے اور ان کا سال وفات ۱۹۲۷ء ہے ۔ ان کی کتاب نوائے وطن ۱۹۰۰ء میں چھپی تھی اور اس پر ان کے وطن میں بڑی لے دے ہوئی تھی اس میں چند شعرا کے حالات و کلام اور اور چند شعرا سودا، میر، مصحفی، جرأت، ناسخ و آتش وغیرہ کے صرف اشعار ہیں ۔ غالب کا نہ حال ہے نہ کلام لیکن ان کی نثر سے متعلق عبارات ذیل مرقوم ہیں ۔

۱۸۵۷ء کے بعد کا زمانہ مبارک زمانہ ہے نثر اردو کا پتلا بیجان تھا ۔ دفعتاً ایسی باد بہشت نسیم چلی کہ اس سو برس کے غنچۂ پژمردہ میں یکایک طراوت آگئی زبان نے اپنا پیرایہ بدلا اور ایشیائی مضامین نے یورپ کا لباس پہنا ۔ یہ کہنا تو مشکل ہے کہ سب سے پہلے کس عالی خیال نے اس طرز تحریر کے میدان میں سمند ہمت کو جولان کیا اور اس عمدہ انداز کا بانی مبانی ٹھہرا ۔ مگر نجابخرا اسد اللہ خاں غالب نے اردو میں دوستوں کو خط لکھنے شروع کئے ۔ اس کی شوخی تحریر، متانت الفاظ سادے سادے محاوروں کے ساتھ نہایت اثر انگیز ہیں بعض خود پتا بتاتے ہیں کہ میری پیدائش کا زمانہ ۱۸۵۹ء تھا ان کے اردو رقعوں کا کلیات اردوئے معلیٰ ہر جگہ مل سکتا ہے ۔" ص ۱۵

اس کتاب میں شعرا کے حالات و کلام اور نثر اردو کے ذکر کے علاوہ اور مباحث بھی ہیں ۔

۲) مکتوبات شاد عظیم آبادی (طبع ۱۹۳۹ء) میں کل خطوط باستثنائے بعض شاد کے استاد فریاد کے بیٹے ہمایوں مرزا مرحوم کے نام ہیں ۔ اس کتاب میں غالب کا ذکر کئی خطوط میں ہے اور یہ سب اس زمانے کے ہیں جب "حیات فریاد" لکھی جا رہی تھی ۔

(الف) غالب کی لائف ۔ ابرس ہیں ۔ ۔ حالی نے لکھی ۔ ۔ ۔ انھوں نے بہت کچھ مجھ سے رائے لی تھی ۔ ۔ دہلی میں اس وقت تک دس بارہ ذی علم غالب کے شاگرد مدد دینے والے اس پر نواب احمد سعید خاں ۔ ۔ نے ایک ہزار روپیہ صاف کرنے اور مسودے کی درستی کیلئے دیئے اور ایک ہزار کتاب کی چھپائی ۔ حالی نے ایک خط میں مفصل لکھا تھا میری عبارت ان کے بالکل برخلاف اور رسالہ دہلی و پنجاب وغیرہ کے نقادوں کا اگر کم سے کم ۲۰ نمبر دینا ہوں تو مجھ پر حیف در اگر موازنہ کلام میں غالب سے ۱۹ بھی ہو تو مجھ پر لعنت اور میرے مر جانے کی جگہ ہے ۔ ۔ حضرت میرے جو کلام تلف ہو گئے اب اس کا رونا بیکار ہے ۔ میری یہ کتاب قائم مقام انکی ہو جائیگی ۔ خدا کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ یہ جو کچھ میں کہ رہا ہوں میری کیا مجال ہے

واللہ امین کی روح مدد دیباچہ ہی ہے صرف دو ما اساتذہ کامل کی غزلوں کا موازنہ وہ بھی چوٹی کی میں پر۔ حالی نے مباہات کیا ہے اور غالب کو نمودار... من جملہ مہت سے موازنے کے بھیجتا ہوں۔ مجبور ہوں کہ روپیہ میرے پاس نہیں" ص ۱۸۳ میں تکبور) غالبؔ خانخانان نظیری ذرفریاد.. کی دو دو غزلیں .. روانہ کرتا ہوں تاکہ آپ نقادانِ فارسی کو دکھائیں۔ ص ۱۸۰

(ب) حالی.. نے غالب کیلئے بقول انھیں کے ۴ برس تک کانٹ چھانٹ کی اور یوبارد د) والے نواب سعید احمد (کذا)، نے کوئی دقیقہ فروگذاشت (کذا) وکوشش کا اٹھا نہ رکھا تھیں بہت بنائیں مگر جوے کی وجہ سے قید میں جانا اور محض بیقید ہونے کو مٹا نہ سکے۔ دوسرا تکلف سنیے کہ خود غالب کا خط نقل کرتے ہیں کہ میں دیگر صواب کہ کچھ نہیں سمجھتا.. میرا اعتقاد یہ ہے کہ رسول کے بعد خلیفہ بلافصل علی ثم الحسن ثم الحسین الیٰ آخرہ اور پھر آخر میں تفضیلی سنی بتاتے ہیں.. غالب کی سوانح عمری سے اگر واہوگا۔ تو باطل ص ۱۹۹

(ج) فارسی والی موازنے کی غزلیں جو میں بھیج چکا ہوں اور جن پر مجھ کو دعویٰ ہے کہ بلاشبہ غالب سے تو بڑھی ہوئی ہیں اور شاید نظیری .. وظہوری سے بہتر نہ ہوں تو کم بھی نہیں" ص ۲۳۱

(د) فریدؔ اکثر فرماتے تھے کہ میں حیران ہوں کہ غالب ایسے توڑ مروڑ کر شعر کیوں کہتا ہے کہ سیدھی سی بات کو پہیلی کر دیتا ہے الخ لیکن تصوف المبیات کے رموز سے کلام اس کا خالی ہے۔ صرف سن لیا کہ تصوف وحدت وجود کا نام ہے وغیرہ ص ۱۶۹!

۱) احمدیہ غالب کے متعلق مکتوبات میں جو کچھ ہے وہ ایسی صورت میں قبول ہو سکتا ہے کہ ثبوت میں حالی کا خط پیش ہو۔ شاد نے اپنا کچھ کلام حیات فریاد میں فرید کی طرف منسوب کر دیا تھا یہ مکتوبات سے قطعاً ثابت ہے اور اس میں سہو کی گنجائش نہیں، شاد جن اشعار کو غالب کے اشعار پر ترجیح دیتے ہیں وہی اشعار ہیں ۲؎ غالب نے کہیں وہ بات جو شاد نے ان کی طرف منسوب کی ہے نہیں لکھی اور نہ یہ یادگار غالب میں ہے غالب نے حضرت ؑ کو دوسرے سبھی پر ترجیح ضرور دی ہے۔ یادگار غالب اس وقت سامنے نہیں ہے جہاں تک مجھے یاد ہے حالی غالب کو تفضیلی سنی نہیں شیعہ کہتے ہیں۔ شاد کے ذہن میں غالب کی جو عبارت ہے وہ یہ ہے "منقطع نبوت کا مطلع امامت اور امامت نہ اجماعی بلکہ من اللہ، امام من اللہ علی ثم حسن ثم حسین اسی طرح تا مہدی موعود" (خط بنام علائی) غالب کا ایک فارسی خط بنام انگلستیہ مطبوعہ مجموعوں میں نہیں اس پر مشعر ہے کہ وہ خلافت و امامت میں فرق کرتے تھے اور ان کی رائے میں تو خلفائے ثلاثہ صرف خلیفہ تھے امام نہ تھے۔ حضرت علی کی ذات میں امامت و خلافت جمع ہوئی۔ یہ اصل عقیدہ غالب کا تھا یا نہیں، یہ وہ جانیں۔

۳) حیات فریاد کا ذکر آچکا ہے۔ یہ شاد کے زمانہ آخر کی تالیف ہے جو ان کی وفات کے بعد شائع ہوئی۔

(۱) ... چند سال پہلے.. غالب کلکتہ گئے تو .. بعض بے دخلیاں بھی وقوع میں آچکی تھیں)۔ اس نئے زباندانان ایران نے ذرا سا گویان ہند کی طرف سے نظر توجہ پھیر لی تھی مرزا صاحب پر کثرت سے اعتراضات زباندان زمرۂ اہل عجم ہی نے کئے تھے قتیل و واقف... و.. بہ بڑے پائے کے لوگ تھے.. بعد خسرو کے اکثر ہند کے شعرا فارسی گو میں سے کسی کا کلام ...

ملا کے حالات جہاں تک معلوم ہیں وہ اس کے منافی ہیں کہ زمانہ آصف الدولہ میں لکھنؤ آکر مقیم ہوئے ہوں اس زمانے میں تو شاید پیدا بھی نہ ہوئے ہوں یا ہوئے ہوں تو ان کی طفولیت کا دور ہو۔ بہر حال لکھنؤ میں قیام تیرھویں صدی کے ربع ثالث کا واقعہ ہے۔ ملا اور غالب کا معاملہ نہ لکھنؤ میں پیش آیا اور نہ دونوں میں اس بارے میں بالمشافہ گفتگو ہوئی ملا نے غالب کے مصرع پر اصلاح بھی نہیں دی اور یہ اصلاح غلط بھی ہے۔

ایک محمد ت انسان سے مورد ہو گئی تھی کسی کے غصہ ہونے کی بات ہی نہیں۔ ملا دہلی میں رہ چکے تھے۔ اور غالب سے ان کے تعلقات تھے لکھنؤ جانے کے بعد انھوں نے غالب کی مثنوی دیکھی اور مؤدبانہ طور پر ایک خط میں ان کی توجہ اس مصرع کی طرف منعطف کرائی ان کا خط ان کے کلیات مطبوعہ میں موجود ہے اور غالب کا جواب پنج آہنگ میں ہے۔

(ج) خلاصہ: ایرانیوں کا خیال ہے کہ اہل ہند کی فارسی میں ہندی پن رہ جاتا ہے ابتہ امیر خسرو کو اکثر جانتے ہیں بیدل کی زبان کو اجنبی بتاتے ہیں واقف و فقیر و قتیل وغیرہ کے بارے میں بالاتفاق یہ کہتے سنائی "پارسی را از بابا دست و یاد گرفتہ بود" خود صاحب برہان قاطع کو مسلم الثبوت سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایک مدت تک ایران میں یہ لغت بہار عجم ایران میں متداول ہے اور ایرانی کہتے ہیں کہ اس کے "مأخذ" میں کلام نہیں۔ ۲۵ سال قبل میں کلکتہ گیا تو انجم کے یہاں ٹھہرا۔ وہ اور میں ایک دن شمس العلماء شیخ محمود جیلانی سے ملنے گئے اس دن ان کے یہاں سفیر ایران وردو کلاں کی دعوت تھی اور کل "اعیان ایران" ساکن کلکتہ موجود تھے اس مجمع میں مرزا محمد باقر شیرازی بھی تھے۔ میں نے اپنی مثنوی فغان دلکش کا ایک نسخہ شیخ صاحب کو دیا۔ مرزا محمد باقر نے کہا کہ ہندیوں کا تنطال وا امیر خسرو کے بعد مثنوی لکھتا جانے خندہ ہے میں نے چند اشعار بیہانی کی زبان وملا کے سنائے تو بڑی تعریف کی۔ میں نے معاً منقبی محمد .. کی مثنوی من وکلونی کے کچھ شعر کا جوڑ لگایا ساری صحبت مدح سرائی کرنے لگی۔ پھر اسی بحر میں استاد کے کچھ پڑھے۔ ساری صحبت متاثر ہوئی اور سفیر صاحب بولے "حق اینست کہ این سلاست وعذوبت بجز اہل ایران دیگران کلام کردن نمی توانند" میں نے مرزا سے دریافت کیا کہ یہ اشعار کیسے تھے جواب دیا کہ ایں چنین چیزی خنی یا نے فارسی اہل ہند نمی تواند اب میں "مشتر" ہوا اور کہا کہ یہ اشعار مفتی محمد عباس ہندی احمد فرہاد عظیم آبادی کے ہیں۔ بات تیر از کمان جستہ تھی کہنے لگے ہے ممکن کہ اہل ہند ملائکی ترنم بعض زبندہ چیلے مثل ما با سلاست و لیکنی زبان دانند اس صحبت میں بعض متعصب لکھنوی موجود تھے انھوں نے غالب کا ذکر کیا مرزا نے کہا "کلا مش بر اہل ہند خوبست دیوانش دیدہ ام و ناپسند یدہ ام" لکھنوی نے تو غنیمت کیا۔ کہنے لگے کہ مجھ کو تو ایک شعر بھی مطابق قاعدہ نہ معلوم ہوا۔ دوسرے صاحب بولے کہ غالب نے اردو پر تو چھری پھیری ہے مجھے یہ معلوم ہو مجھ سے رہا نہ گیا میں نے مرزا کے بعض فارسی بیس شعر پڑھ کر سنائے اس کے جواب میں ان صاحب نے چار پانچ شعر اس کے برخلاف پڑھے پھر ان کے اردو کے ... اشعار پڑھے۔ سفیر صاحب کہنے لگے رذالعجب بابا

اینکہ نہ فارسیت نہ اردو" موقع گفتگو نہ رہا۔ میں رخصت ہوا" فریاد کے فارسی اشعار جب بھی نام بتائے بغیر ایرانیوں کو سنائے کسی کو یقین نہ آیا کہ کسی ہندی کے ہیں" اور تسمیہ کہا حاشا ایں حال ہندی نیست" ص ۹۹

شاد حد درجہ غیر معتبر راوی ہیں اور یہ سب ان کے اختراعات سے ہے۔ جن اصحاب کو اس میں شبہ ہو وہ ان کی کتاب "شاد کی کہانی شاد کی زبانی" پر میرا تبصرہ "صبح" دہلی میں دیکھیں۔

(د) حیات فریاد میں غالب کی جو دو غزلوں کا غزلہائے شاد منسوب بہ فریاد سے موازنہ ہوا ہے ان کے پہلے مصرع یہ ہیں "چو صبح من زسیاہی بشام مانند است" "بوا دیکہ دراں خضر را عصا خفت است" اس مصرع کے متعلق لکھا ہے "عصا خفتن نامردی کے معنی میں اہل زبان بولتے ہیں" اس لفظ پر اعتراض بھی ہوا تھا، مگر یہ فروگذاشت قابل التفات نہیں ص ۲۳۳ عموماً صرف غالب اور مقابلے کے اشعار کے ترجمے پر اکتفا کیا گیا ہے۔ غالب کے اشعار ذیل کا "موازنہ" بھی کیا گیا ہے۔ پہلے غالب اور اس کے بعد فریاد کا شعر درج ہوگا۔

خستگاں را دل بہ پرسشہای پنہاں بردہٗ ‌ ‌ ‌ ‌ بادہ پرستان کہ نواز ستہای پیدا کردہٗ

ماندہ ایم اگر نعمت ظاہر غم نیست ‌ ‌ ‌ ‌ ہرچہ پوشیدہ بما دادہٗ آں ہم کم نیست

چشمۂ نوسفت از زہر عنایت نوشجاں ‌ ‌ ‌ ‌ تلخی مادر مذاق ما گوارا کردہٗ

اگر بہ گفتم نقلی ندارد بلکہ احسانست ‌ ‌ ‌ ‌ کہ می سخت اماد مذاق جان ما آمد

چارہ در سنگ و گیاہ و رنج با جانداربو ‌ ‌ ‌ ‌ پیش از یں کیس درد رسد آنہا مہیا کردہٗ

اس شعر میں عبارت کا سخت الجھاؤ ہے ص ۲۴۷

آنکہ در دم را درپیش آفریدند دردہا ‌ ‌ ‌ ‌ میتواں کردن مہیا پیرہن ساقی شراب

درتعلق دشتہ نہاں دخستہ غالب امروز ‌ ‌ ‌ ‌ نگذارید کہ ماتم زدہ پنہان دتنہا ماند

صحبت موعظہ و کارد بدست فریاد ‌ ‌ ‌ ‌ نگذارید کہ ہم مست و ہم آشفتہ سراست

شعلہ چکد نغم کرا گل شگفتہ مرد کو ‌ ‌ ‌ ‌ شمع شبستانیم یاد سحر گاہیم

زندہ کردم نفس غنچہ و رفتم چو صبا ‌ ‌ ‌ ‌ کس نپرسید کہ در باغ چرا آمدہٗ

(۱) لالہ چھجمل کے نام کے ۲ خط پنج آہنگ کی کل اشاعتوں میں ہیں ان میں سے (۱) فیروزپور سے لکھا گیا ہے جہاں غالب احمد بخش خاں کی واپسی کے منتظر تھے اور یہ جاننا چاہتے تھے کہ وہ دہاں کب پہنچیں گے۔ چھجمل کے متعلق یہ الفاظ اس خط میں ہیں "دستانیکہ دررد کاب نواب (احمد بخش) اند وانداں جملہ آں مہربان اسد نوازی و غالب پروری بیشتر از بیشتر متصف اند" دوسرے خط میں لالہ کے خط آنے اور عنقریب اس کے مطلب کا جواب دینے کا وعدہ کرنے کے بعد حامل رقعہ مرزا مجد علی خاں کی سفارش کی ہے۔ تیسرے خط میں جو کانپور سے لکھا گیا

تھا۔ آغا میر اور عزم باندہ کا ذکر ہے۔ چوتھا خط جس کا آغاز اس طرح ہوتا ہے، "راے صاحب مشفق شفیق غمخوار و ماندگان درماندگان و آوارگان سلامت" بنارس کا ہے۔ اس کے ساتھ ۳ خط دوسروں کے نام کے بھیجے گئے تھے، درخواست کی گئی تھی کہ ان لوگوں کو بھجوا دیں۔ خط (از کلکتہ) کے القاب میں یہ الفاظ بھی ہیں "مظہر الطاف بے نہایت فراواں" اس کے کچھ عبارات یہ ہیں "ہرگاہ . . . سگالش کردہ میشود کہ آیا شفیق من از ارباب وطن کیست بمجرد تامل حضرت بضمیر می آید مراد در مستقبل بجناب کارہا۔ مست ازل ساغر وردی چہ معنی دارد ہرگاہ کہ در مبادی صرف تحریر تغافل میفرمایند زحمت سرانجام کارہای سترگ کجا خواہند کشید" غالب۔ خط جو سید راجہ سوہن لعل بھی تھا ملا ہو گا لیکن گذشتہ طاق نسیان ہوا۔ فخر الدولہ (احمد بخش) کی موت کے بعد جو حالات سرکار میں ظہور میں آئے یوں لکھے۔ "اور حال دربارہ فرزندی داماں ایکالار ہمہ تبدیل و دمغ تباہ ہمہ یکباتازہ مسند نشین ریاست (شمس الدین احمد) بھی معلوم کیجئے۔ ایک ضروری سوال ہے کہ اگر مجھے اس معاملے کے سلسلے میں دہلی کے لئے وکیل کی ضرورت پڑے تو آپ اس کے لئے آمادہ ہیں یا نہیں جواب صاف دیجئے۔ چھٹے خط میں علاقہ سعادت زیب النسا بیگم" (بیگم سمرو دمنا) پیدا ہو جانے پر مبارکباد دیکر یہ امید ظاہر کی ہے کہ ترقیات آئندہ کا پیش خیمہ ثابت ہوگا۔ لالہ کے بیٹے اور غالب کے شاگرد جواہر سنگھ کی شادی غالب کی غیبت میں ہوئی تھی، غالب مبارکباد کے بعد یہ لکھتے ہیں کہ میری دعوت باقی رہی کچھ روپے اس کے لئے الگ رکھ دیجئے اگر واپس پہنچا ہوا تو "عشرت از ماست ورنہ ترا زیست" لالہ نے اپنے خط میں غالب کو نواب لکھا تھا غالب کہتے ہیں کہ یہ خطاب میرا نہیں۔ اپنے خط میں لالہ نے کسی امیر کی نسبت لکھا تھا کہ وہ "حکیمانہ مرکات" غالب نے اس کی تردید کی ہے۔

غالب کے کلیات نظم فارسی کا ایک قدیم ترین نسخہ موجود ہے اور جس کے حاشیے میں غالب کے قلم کی تحریریں ہیں، چھجمل کا لکھا ہوا ہے، یقین ہے کہ یہی ہوں۔ اس کے حاشیے میں ایک مثنوی (مصرع اول "جو ہرا ز تو غم دور باد") جواہر سنگھ کے نام بطور مکتوب ہے اس میں چھجمل کی طرف سے بھی پیام ہے۔ یہ آثار غالب اور باغ دو در دونوں میں شامل ہے۔ موخرالذکر میں ایک خط بھی چھجمل کے نام کا ہے جس کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں: "مہاراج باوجودی کہ خبر محبت کیش دیگر ندارم خطاب چیرا و خشم از چہ راہ؟" اس میں ان کی وفات کا قطعہ تاریخ بھی ہے

گویند لالہ چھجمل تیرہ ایام مرد — دیرینہ دوست رفت ازین خاکدان دریغ

گفتم کہ سال رحلت آن نامور ہمہ — غالب شنید وگفت چہ گوئیم بلا دریغ

بلا دریغ = ۱۲۷۷۔

سب رس، اپریل ۱۹۶۴ء

(۱) سلیمان شکوہ متخلص بہ سلیمان، شاہ عالم کے بیٹے اور اکبر ثانی کے حقیقی بھائی تھے۔ یہ اوائل عمرِ تا سیز دہم میں باپ کی اجازت کے بغیر دلی سے نکلے اور لکھنؤ میں مقیم ہوئے۔ یہ صاحبِ دیوان شاعر اور شعرا کے مربی تھے اور جیسا کہ عام طور پر معلوم ہے مصحفی و انشا و جرأت برسوں ان کے دامنِ دولت سے وابستہ رہے تھے۔ غازی الدین حیدر کے اعلانِ بادشاہی کے بعد ان کی ایک بیٹی کی شادی اس کے بیٹے نصیر الدین حیدر سے ہوئی تھی لیکن جب باپ کی موت کے بعد نصیر الدین حیدر شاہِ اودھ ہوا تو اس کی بدسلوکی کی وجہ سے سلیمان شکوہ کو لکھنؤ چھوڑنا پڑا اور بعض دوسرے مقامات پر ٹھہرنے کے بعد یہ آگرہ میں مستقل طور پر سکونت پذیر ہو گئے اور یہیں ۱۲۵۳ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ گلشنِ بے خار میں جس وقت ان کا ترجمہ درج ہوا ہے، اس سے "چند سال" قبل یہ دلی بھی گئے تھے۔ اس کا امکان ہے کہ غالب لکھنؤ، دلی یا آگرہ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوئے ہوں۔ بہر حال ان کا ایک شقہ "غالب کے نام آیا تھا جس کے جواب میں جو عرضداشت انھوں نے لکھی تھی پنج آہنگ کی کل اشاعتوں میں درج ہے۔ یہ شقہ عجب نہیں اگر سید قاسم علی خاں کی معرفت ملا ہو۔ سلیمان شکوہ کے کسی کام کے سلسلے میں کسی "حاکم" (ممکن ہے کہ کوئی انگریز) سے جس سے کہ ظاہراً غالب سے تعلقات تھے، ملاقات کرانا چاہتے تھے۔ غالب لکھتے ہیں کہ حاکم دلی سے باہر گیا ہوا ہے اور میں خود پا بہ رکاب ہوں۔ سید مذکور میرے منع ہونے کے باوجود حاکم کی تلاش میں پانی پت تک گئے لیکن وہاں نہ ملا۔ میں نے انھیں کاربرآری کے کچھ طریقے بتا دیے ہیں، ان پر عمل ہو تو اغلب ہے کہ کام حسبِ دل خواہ انجام پائے۔ عرضداشت میں یہ عبارت بھی ہے "سید قاسم علی خاں مشاہدہ کردہ اند کہ خانہ زاد را باغم وا ماندہ چہ آویزشیں بودہ است پا در رکابم و فردائے ایں نگارش گام سنج بادیہ آوارگی میشوم" یہ خبر نہیں کہ کس سفر کی طرف اشارہ ہے۔

(۲) ادب، دانش گاہ کابل کے شعبۂ ادبیات کا دو ماہی رسالہ ہے جس کے شمارہ ۱-۲ بابت جولائی ۱۹۶۶ء سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے "مدیر مسئول" محمد حسین راضی ہیں۔ شمارۂ مذکورہ میں ۳ مقالے غالب سے متعلق ہیں جن میں سے دو کے بارے میں صراحتہً مرقوم ہے کہ ایک جلسے میں جو "بمناسبت یادبود" "صدمین (قمری) سالِ وفاتِ غالب بتاریخ ۱۳ فروری ۱۹۶۶ء تالار کلب مطبوعات میں بصدارت خلیل اللہ خلیلی سفارت ہندوستان کی طرف سے منعقد ہوا تھا۔ اس جلسے کا ایک عکس اس شمارے میں شامل ہے لیکن کاروائیوں کی روداد درج نہیں۔ عکس کے ساتھ یہ عبارت ہے: "پوہاند غلام حسن مجددی رئیس پوہنځی پوهنتون کابل در محفلے کہ بیادبود شاعر توانائے سرزمین ادب خیز ہندوستان (دوسری جگہ: من جانب ادارہ "شاعر توانای دیگر") از طرف سفارت کبرائے آن کشور مقیم کابل ۔۔ ترتیب شدہ بود بیانیہ شان را ایراد میکند۔ دریں محفل یک عدۂ زیادی از دانشمندان ادیبان و شاعران اشتراک ورزیدہ بودند"

(۳) خلیل اللہ خلیلی کے مقالے سے قبل جو منتبہ ادارے کی طرف سے ہے، اس میں ان کا نام یوں مرقوم ہے: "ادیب فرزانہ و شاعر چیرہ دست افغانستان استاد خلیل اللہ خلیلی" عنوان مقالہ "بیانیہ استاد خلیل اللہ خلیلی" (ص ۳ تا ۷)۔ خلیلی نے ہر جگہ غالب کا نام مرزا اسداللہ لکھا ہے۔

خلیلی نے غالب کے بارے میں جو رائیں ظاہر کی ہیں ان میں سے بہت سے اشعار غالب سے ماخوذ ہیں (مقالے میں ۲۸ اشعار فارسی منقول) خلاصہ آرا: "بزرگ ترین شاعر و متفکر متاخر ہندوستان" "در قصیدہ، مثنوی، قطعہ، خاصہ در غزل ہم در... فارسی و ہم در... اردو در میان شاعران استاد بود... شاعرے نکتہ سنج، دقیقہ یاب، جگر، ژرف نگر، نازک خیال... بقول خودش زمانہ ہر چہ را از دیگراں ستانیدہ بود گویا بوے باز دادہ بود "۔ (داد در ردیف اور مقام وغیرہ تیاق: "ای غزل کے ۲ شعر)" غالب کے یہاں مذاق بھی ہے لیکن رومی کے سوا کوئی شاعر اس عیب سے خالی نہیں۔ غالب کو حضرت علی سے بڑی محبت تھی، ان کے بہترین قصائد ان کی شان میں ہیں۔" ابن مردی کہ می پنداشت قاعدۂ آسمان و آئین جہان را میتواند بگردش یک رطل گران بگرداند...

شاعر مردی زبان ہندوستان بود کہ نسبت معنوی از سعدی و حافظ، جامی و عرفی، نذیری (کذا) و بیدل داشت" (مجردانیم ردیف والی غزل کے ۳ شعر) "وی ہندوستانی، پشنگی، جمشیدی، ایبکی (کذا) تورانی بلکہ جہانی بود، شاگرد فیض حق، فرزند عقل کل، ہم نفس تابش برق و ہم دست بخشش ابر بود (غالب کے ایک قطعہ کے ۳ شعر)... وی حق داشت کہ خود را جہانی و ہم گمانی خواند" "غالب در دبستان فطرت بکمال رسیدہ و درس آں مدرسہ یکتنگی فراگرفتہ و آنچہ از معلم فطرت شنیدہ درست افادہ کردہ" مقالے کا خاتمہ ایک "قطعہ (دراصل غزل) دل انگیز" پر ہوا ہے جو بقول خلیلی "نکہتی از بستان آسمانی مولانا جلال الدین دارد" شعر اول

اے ذوق سخن سنجی بازم بخرد ستی آور
غوغائے شبے خونی بر بنگہ ہوش آور

(۴) غلام حسن مجددی۔ ادب کے شمارۂ ۱، ۲، ۱۹۶۹ء میں ایک مقالہ بعنوان "بیانیہ پوہاند غلام حسن مجددی" (ص ۸ تا ۱۴) ہے، اور یہ بھی جلسۂ مذکور میں پڑھا گیا تھا۔ اس میں مختصر حالات ہیں، جن کے ضمن میں لکھا ہے: "نزد مدرسین معروف آن زمان از جمیل نگیر اکبر آبادی و مولوی محمد معظم بتحصیل پرداخت ذوق تحصیل زبان دری را بالخاصہ از مولوی محمد معظم فرا گرفتہ" "از تصانیف میرزا استفادہ میشود کہ وی در علوم متداول مانند منطق، فلسفہ، طب، ہیئت، فقہ و تفسیر بہرہ کافی داشتہ... در لسان عربی و صرف و نحو، علم عروض نیز دارای معلومات وافرے بودہ است۔ علاوہ بر علوم فوق الذکر چیزی کہ وی را مقام زد معروف تر نمودہ است بہرہ دانش و لیاقت وی در زبان و ادب دری و قدرت وی، در بیان و افادہ آن میباشد"

گیارھویں سال اردو اور فارسی شعر کہنا شروع کیا اور ۱۸۶۹ میں فوت ہوئے۔ قبرستان خاندان لوہارو (کذا) میں مدفون ہوئے ان کے لوح مزار پر یہ بیت مرقوم ہے۔

رشک عرفی و فخر طالب مرد
اسداللہ خاں غالب مرد

"غالب مرد" سال وفات پر مشعر ہے (مقالہ نگار نے اس پر غور نہیں کیا کہ اس سے ۱۲۷۷ نکلتا ہے)۔ غالب کے دور اول (تا ۲۰ سالگی) کا کلام صائب سے مشابہ، اکثر غزلوں کا مصرع ثانی تمثیل اور تشابیہ کی افراط۔ دور دوم میں ضبط پیدا ہوا اور غالب نے دور اول کی "آزاد مشربی" کی تلافی کی۔ ان کے آئینہ طبع نے جلا پائی، تراکیب کی پیچیدگی کم ہوئی، تشبیہ زیادہ طبیعی اور موزوں ہوئی۔ اس دور کا کلام عرفی و نظیری سے متاثر، مدت دور ۱۰ سال۔ دورۂ سوم (از ۳۰ سالگی تا ۵۰ سالگی) میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن غالب ان سے مغلوب نہ ہوئے۔ غالب ۱۵ سالگی سے قبل زیادہ تر اردو کہتے تھے۔ اس دور میں فارسی کی طرف زیادہ التفات ہوا۔ کلام زیادہ رسا اور پختہ ہوا۔ دور چہارم از پنجاہ سالگی تا شصت سالگی: اس دور

ہیں، غالب شاہی مورخ، استاد بادشاہ اور درباری شاعر ہونے، اور اردو کی طرف ان کی توجہ زیادہ رہی۔ وہ دہ پنجم دوداخیر ہے، اس میں دیوان اردو کو از سر نو مرتب اور شائع کیا۔ دیوان فارسی جو ۱۸۴۵ء میں چھپا تھا باضافۂ کلام "نواب ضیاء الدین" کی طرف سے ۱۸۶۳ء میں بنام کلیات نظم فارسی طبع ہوا۔ غالب کے مقام و آثار ادبی" کے عنوان سے اس مقالے میں جو کچھ مرقوم ہے اس کا خلاصہ: ادبی ذوق رکھنے والا کوئی اردو داں نہیں جسے غالب کے کچھ اشعار یاد نہ ہوں اور ان سے اپنی گفتگو یا تحریر میں کام نہ لیتا ہو۔ لغات و تراکیب اردو کی نسبت اختلاف ہوتا ہے تو کلام غالب سے استناد کیا جاتا ہے ان کی نظم و نثر درس میں داخل ہے اور ایک مصور نسخہ دیوان اردو برلن میں چھپا ہے۔ ان کی شہرت اور عظمت، اردو کے باعث ہے لیکن وہ خود اپنے فارسی کلام پر نازاں تھے۔ ان کی تصانیف نثر دستنبو، پنج آہنگ، مہر نیمروز اور درفش کاویانی ہیں۔ بعض تذکرہ نویسوں کا عقیدہ ہے کہ غالب نثر میں ابوالفضل و ظہوری سے سبقت لے گئے ہیں۔ اوپر جو کچھ مرقوم ہے اس کے باوجود ایک دوسرے عنوان "انشائے غالب" کے تحت مضمون نگار نے لکھا ہے کہ غالب نے فارسی میں ایک رسالہ فن انشا میں لکھا تھا جو پنج آہنگ سے مختلف ہے (حالاں کہ جسے وہ ایک مختلف رسالہ قرار دیتے ہیں وہ پنج آہنگ کا ایک باب ہے) اسلوب نثر کے بارے میں ان کی رائے ہے کہ "در انشائے مراسلات تمثیل سلیس و روان داشت" اسی عنوان کے تحت انھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ کلیات نثر فارسی بار اول ۱۸۴۸ء میں چھپا (حالانکہ اس سے قبل پہلی بار ۱۸۴۵ء میں طبع ہو تا کہ چکے ہیں)۔ مثنوی ابر گہربار ان کے نزدیک "یکے از شاہکارہائے وی است" اور غالب بحیثیت مثنوی سرا ان کی رائے میں اس فن کے مقتدر اساتذہ کے ہمسر ہیں۔ ان کا قول ہے کہ قصیدہ سرائی میں لوگ انھیں خاقانی، عرفی، ظہوری اور نظیری کا ہم پایہ سمجھتے ہیں۔ اعتقاد بہ بان قاطع کی بدولت مناقشۂ شدید رونما ہوا۔ "محاسن ادبی" کے تحت: "در باب مقبولیت غالب باید گفت کہ اسلوب تخیلات او بعصر و زمان تطابق داشتہ۔ تجدد پسندی در پیدا کردن مضامین بدیع و ابتکار تشبیہات تازہ توجہ معنی آفرینی ہمیشہ شعار او بودہ۔۔"

"غالب و اقبال" کے تحت لکھا ہے کہ دونوں میں رفعت تخیل، جدت پسندی، رسائی و عمق فکر اور تفکر حکیمانہ تھا۔ دونوں محاسن معنوی کے مقابلے میں محاورہ و زبان کی پروا نہ کرتے تھے۔ ان وجوہ سے یہ دونوں نسل جدید میں مقبول ہیں۔ مضمون میں غالب کے "اندیشہ ہائے فلسفی" سے بھی بحث ہے اور یہ قطعاً ناقابل اعتنا ہے۔ اس کے ذیل میں غالب کے اشعار جن میں ظہوری و بیدل و غیرہ کا ذکر آیا ہے نقل کئے ہیں۔ موخر الذکر کے متعلق لکھا ہے کہ غالب اوائل میں ان کی روش پر چلتے تھے۔ حالاں کہ اس سے قبل یہ دعویٰ کیا ہے کہ ابتدائی کلام صائب سے متاثر ہے۔ مضمون نگار نے تین تین شعر از مخالب (غالب) اور عرفان (بیدل) کے دئے ہیں جو ان کے نزدیک ایک دوسرے کے مشابہ ہیں:

غالب: اے تماشائیان بزم سخن
دے مسیحا دمان نادر فن
برق بے طاقتے بجان زدہ
آتشِ غم بخانمان زدہ
دیگرم با ہزار رنگ خروش
این نوا میخورد بپردۂ گوش

بیدل: اے جنون پیروان جہل گزیں
بگمان تاختہ از جہان یقین
عاشق بیدل جنون زدہ
قدح آرزو بخون زدہ
روزگاریست با ہزار خروش
میخورد این نوا بپردۂ گوش

مضمون کا خاتمہ ابر گہربار کے چند اشعار پر ہوتا ہے جو اس دعوے کے ثبوت میں پیش کئے گئے ہیں کہ "سبک بیدل خاصۃً در مثنوی روان تر و سلیس تر شدہ"۔

(   ) ابراہیم شرفی کا انگریزی مقالہ جس کے عنوان کا ترجمہ "غالب: خوش حال خان خٹک کا تقابلی مطالعہ" ہے ادب کے شمارۂ مذکورہ میں شامل ہے (۵ صفحات) اور قیاس چاہتا ہے کہ اس جلسہ میں جس کا ذکر آ چکا ہے پڑھا گیا ہو۔ ابتدا میں مضمون نگار نے لکھا ہے کہ ہندوستان کے ادبی آسمان پر کوئی ستارہ غالب سے زیادہ تاباں نہیں اور کسی نے ادبی میلانات پر ان سے زیادہ گہرا اثر نہیں ڈالا۔ آگے بڑھ کر وہ یہ کہتے ہیں کہ مصنفین وید و اپنشد و کالی داس سے لے کر میرزا اداغ تک برصغیر ہند میں کوئی ایسا نہیں جس کی عشاقی شاعری، بلندی مرتبہ اور مقبولیت میں غالب کا مقابلہ کر سکتی ہو۔ غالب کی مقبولیت کی اصل وجہ یہ ہے کہ حافظ اور خوش حال خان خٹک کی طرح ان کے اشعار کا بڑا حصہ سادہ لیکن پُرشور زبان میں ہے۔ غالب اور خوش حال خان خٹک (= خوش حال) کے زمانوں میں کم و بیش دو سو سال کا فرق ہے لیکن دونوں کو ایک ہی طرح کے مصائب کا سامنا کرنا پڑا، اور دونوں معاشی، اجتماعی پس منظر کی پیداوار ہیں۔ خوش حال کو اگر اپنی سپہ گری پر ناز ہے تو غالب بھی اس پر فخر کرتے ہیں کہ پیشہ آبائی سپہ گری ہے۔ خوش حال اپنے ملک سے مغلوں کو نکالنا چاہتے تھے تو غالب انگریزوں کے مظالم سے نالاں ہیں۔ دونوں کے افکار و حسیات میں مشابہت ہے لیکن نقطۂ نظر میں اختلاف بھی ہے۔ غالب مشکلات کے آگے جھک جاتے ہیں۔ خوش حال معاشی حالات میں زمانے کا مقابلہ کرتا ہے اور اسے للکارتا ہے کہ جو چاہے کر تو مجھ پر غالب نہیں آ سکتا۔ اس سلسلے میں آخری بات جو انھوں نے کہی ہے یہ ہے۔

GHALIB IS ALL MODESTY AND ROMANCE, KHUSHAL IS FIRE AND BRIMSTONE.

مضمون نگار کے نزدیک عشاقی شاعری میں دونوں کی طرز فکر ایک ہے۔ انھوں نے غالب کے اردو اور خوش حال کے پشتو اشعار ترجمہ معانی میں پیش کئے ہیں۔ غالب کے ان اشعار میں سے ایک یہ ہے

قید حیات و بند غم اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں

خوش حال کے مماثل شعر جو انھوں نے دیا ہے اس کا ترجمہ یہ ہے:

دنیا میں غم و شادی ساتھ ساتھ ہیں۔ ہنسنے کے بعد رونا پڑتا ہے

مضمون کا خاتمہ اس پر ہوتا ہے کہ یہ دونوں عدیم المثال شاعر ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ ان کا پیام دائمی شباب، محبت، بے غرضی وفاداری، مسالمت اور عالمگیر انسانی اخوت کا پیام ہے۔

(   ) عبدالمالک۔ پنجاب اردو، قاہرہ کے اردو ماہنامے کے شمارہ ۵ جلد ۲ بابت فروری ۱۹۲۱ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے مدیر "خان احمد حسین خان بی۔ اے۔ ممبر ایشیاٹک سوسائٹی بنگال و ممبر رائل ایشیاٹک سوسائٹی لندن" اور "آنریری اڈیٹر" خان بہادر شیخ عبدالقادر بیرسٹر ایٹ لا تھے۔ شمارۂ مذکورہ میں ایک مقالہ بعنوان "مہملات غالب" درج ہے (ص ۲۰ تا ۱۵) جو "جناب صاحب حاجی علامہ محمد عبدالمالک صاحب شیر مال بھنڈی پورہ" (مضمون نگار کے متعلق مجھے کوئی اور بات معلوم نہیں) کے نتائج افکار سے ہے۔ وہ کلام غالب کے محاسن کے مختصر ذکر کے بعد رقم طراز ہیں کہ "باوجود اس اعتقاد کے کہ مرزا کا ہر... شعر گوہر بے بہا معانی ہے تو زانہ تقلید ہے۔ مرزا... کے اگر بعض اشعار معنی خیز ہیں تو بعض بے معنی... ہیں... ثابت کردوں گا کہ جو معنی خود مصنف نے تحریر کئے الفاظ میں اس کی گنجائش نہیں.. البتہ اگر شرح کی نثر کو نظم کردیا جائے تو پھر یہ اشعار بامعنی ہو جاتے ہیں.. دیوان غالب کے اشعار بے معنی اس قدر ہیں کہ اس پر ایک بسیط کتاب لکھی جا سکتی ہے.. غرض میری.. یہ ہے کہ.. دیوان.. کا انتخاب کر کے مہملات کو نکال دینا چاہئے.. مرزا.. نے خود اپنے کلام کا ایک طومار بے معنی پھاڑ ڈالا تھا، ممکن ہے کہ بعض رہ گئے ہوں اور ان کو شاید سمجھ لیا گیا ہو۔ اپنے دعوے کے ثبوت میں مضمون نگار نے غالب کے ۲ شعر

مع شرح غالب پیش کئے ہیں اور تین اشعار کی شرح کی طرف اشارہ کیا ہے

تجھ سے تو کچھ کلام نہیں لیکن اے ندیم
میرا سلام کہیو اگر نامہ بر ملے

"یہ معنی کہ شاعر کو قاصد کی ضرورت ہے اور یہ اندیشہ کہ کہیں قاصد بھی جا کر عاشق نہ ہو جائے۔ ایک دوست کا یہ ذکر کرنا اور ایک قاصد کو روانہ، ضمانت دینا اور قاصد کا دعویٰ عاشق نہ ہونے کا کرنا اور پھر عاشق ہو کر کپڑے پھاڑنا اور جنگل کو نکل جانا نہ تو کسی لفظ سے نکلتے ہیں اور نہ تلمیح ہے۔ نہ کسی واقعہ محققہ پر کوئی لفظ دال ہے۔"

حسن اور اس پہ حسن ظن رہ گئی بوالہوس کی شرم
اپنے پہ اعتماد ہے غیر کو آزمائے کیوں

"اول تو حسن ظن غیر کی نسبت ہوتا ہے، نہ اپنی نسبت، اور مرزا ... نے جو حسن ظن کے معنی لکھے ہیں کہ "گمان اس کا صحیح ہے کبھی خطا نہیں کرتا اور یہ گمان اس کو اپنی نسبت ہے" صحیح نہیں۔ حسن ظن کے معنی گمان صحیح ... نہیں بلکہ حسن ظن کے معنی ہیں کسی دوسرے شخص کی نسبت اچھا خیال رکھنا۔ تسلیم کیا کہ معشوق کو اپنی نسبت حسن ظن ہے مگر حسن ظن کرنے والے کا اس کا مادہ انہیں بچتا کہاں سے نکلے؟ اور آزمائش سے آزمائش قتل کہاں سے مراد لی گئی ہے؟"

قطرۂ مے بسکہ حیرت سے نفس پرور ہوا
خط جام مے سراسر رشتۂ گوہر ہوا

"خط جام سے یہ ثابت نہیں ہوا کہ پیالے کے لبوں پر کیا مسلسل کس طرح قطرہ ہائے شراب جم گئے۔ نفس پرور بفتحۂ نون و فا کے کیا معنی؟ نفس پروری ہندی بسکون فا محاورہ ہے، نفس پروری بفتحۂ نون و فا غیر مستعمل۔ اس جگہ حیرت کو ازالۂ حرکت بتایا ہے مگر ایک دوسرے شعر

اہل بینش نے بحیرت کدۂ شوخی ناز
جوہر آئینہ کو طوطی بسمل باندھا

"جوہر آئینہ کو حرکت دے کر طوطی بسمل بنا دیا یعنی سکون سے حرکت میں لایا۔ کارگاہ ہستی میں لالہ داغ ساماں ہے الخ۔ غنچہ نا شگفتہ برگ عافیت معلوم الخ۔ ہم سے رنج بیتابی کس طرح اٹھایا جائے الخ۔ ان میں تین اشعار کے جو معنی خود ہندی میں ہیں ان پر عربی مثل المعنیٰ فی بطن الشاعر صادق ہوتی ہے۔"

---

ماہنامہ صبح دہلی نومبر، دسمبر ۱۹۶۲ء

۱۔ پرتوستان۔ غالب تاریخ سلاطین مغلیہ دو حصوں میں لکھنا چاہتے تھے۔ حصۂ اول کیفیات تیموریہ شمول سے قبل الگ بھی چھپ چکا ہے "مہر نیمروز" ہے، دوسرا "ماہ نیم ماہ" وجود ہی میں نہ آیا۔ انھوں نے دونوں کا مجموعی نام پرتوستان رکھا تھا، اور یہ مہر نیمروز کے مقدمے (طبع اول ص۱۹) میں مکتوب ہے لیکن اس کتاب کے سر ورق میں درج نہیں۔ اس نام کی رعایت سے وہ اس کتاب میں "باب" کی جگہ "پرتو" لاتے ہیں۔ غالب سے پیشتر اس لفظ کے استعمال کی تنہا مثال جارات دساتیر منسوب بہ ساسان پنجم میں ملتی ہے۔ "پرتوستان را پرتو دہش" (نامۂ جی افرام)۔ فرہنگ دساتیر میں ملا فیروز نے اس کے معنی "جائے بسیار شعاع و روشنی" دیے ہیں۔ ساسان پنجم کی طرف سے اس نام کی ایک کتاب کے مصنف ہونے کا بھی دعویٰ کیا گیا ہے:

"ما۔۔ نامہ پیراستہ ایم پرتوستان نام" (نامۂ جمشید) برہان قاطع یا اس سے قبل کی کسی لغت میں یہ لفظ نہیں۔ یقین ہے کہ غالب نے یہ نام دساتیر ہی سے لیا ہوگا۔

۲۔ فرزانہ بہرام۔ غالب قاطع برہان کی بحث چینود وغیرہ میں لکھتے ہیں: برہان اتنا بھی نہیں جانتا کہ ضغطۂ قبر، پرسشِ نکیرین، نفخِ صور، حشرِ اجساد اور مرور صراط سے بحث اسلام کے سوا کسی مذہب میں نہیں۔" آیین گبران و زردشتیان" میں صراط کا نشان دہی نہ پرتو "دری و پہلوی و پارسی" میں اس کا نام کہاں سے آنے؟ یہ کہیں کہ زردشتیوں نے قبول اسلام کے بھاس کے لیے لفظ تراشا۔ تو سوال یہ ہے کہ یہ لفظوں میں سے یہ کون ہے (ملخص) فوائد قاطع برہان میں وہ بحوالۂ عبدالصمد فرماتے ہیں کہ جن زردشتیوں نے منافقانہ مذہب بدلا تھا وہ جھوٹ مدعی ہوئے کہ بہت سی باتیں جو اسلام میں ہیں، مذہب زردشت میں بھی ہیں، اور اس سلسلے میں انھوں نے الفاظ بھی وضع کیے جن میں سے ایک چینود ہے۔ اس لفظ کے اسناد پیش ہوئے تو انھوں نے لطائف غیبی میں تحریر کیا: "حشرِ اجساد اور میزان اور نامۂ اعمال اور چینود پل" زردشتی عقائد میں داخل نہیں۔ یہ جو فرزانہ بہرام وغیرہ تلامذۂ آذر کیوان نے اپنی نظم میں ان الفاظ (چینود وغیرہ) کا استعمال کیا ہے، یا صراط کا ذکر لکھا ہے، یہ لوگ تو واضعین کے اخلاف[1] و اعقاب میں سے اور اپنے اسی عقیدۂ[2] زردشتیہ پر ثابت قدم تھے کیوں نہ لکھتے؟۔۔ آذر کیوان کی کوئی تحریر موجود ہوتی، اور ہم اس کو نہ مانتے اور وہاں اپنے نبیما کو دوڑاتے، تو عقل کے فتوے کے مطابق کافر ہو جاتے" (لطیفہ ۱۱)

بہرام (فرزانہ، حکیم، جز و اسم نہیں) بن فرہاد اسپندیار پارسی[3]۔ دبستان مذاہب میں ہے: آذر کیوان کے ورود پٹنہ کے بعد اس کے زمانۂ آخر میں شیراز سے پٹنہ[4] آکر مشغول ریاضت ہوا۔ شاگرد دعوری خواجہ جلال الدین محمود اور عالم معقولات و منقولات تھا۔ کتاب شارستان[5] دانش و گلستان بینش" اسی کی تالیف ہے۔

---

[1] [2] [3] مطابق شارستان [4] دبستان مذاہب، باقرب احتمالات تصنیف کیخسرو پسر آذر کیوان، طبع ۱۸۰۹ء کے موافق "فرزانہ بہرام ابن فرہاد از نژاد گودرز کشوادہ" [5] ظاہرا ایک ہی کتاب۔

شارستان[۸] میں جو اس کی فراہم کردہ ہے، لکھتا ہے کہ میں نے کیوان (آذر کیوان؟) کی مدد سے مختلف قسم کی تجلیات کا معائنہ کیا، اور ملک ملکوت و جبروت و لاہوت کی سیر کی۔ بہاس تجارت میں رہتا تھا، لیکن لوگوں کا خیال ہے کہ اس پردے میں کیمیا گری کرتا تھا۔ جوت لاہور، ۱۰۲۲ھ (ص۲۱۱) سیر ملکوت و معائنہ تجلیات وغیرہ کا ذکر شارستان کے موجودہ نسخے میں نہیں کیمیا گری کا ذکر اس طرح نہ جانے کیسا کیا۔ بہرام خود کہتا ہے کہ میں نے خمار سے کیمیا گری سیکھی، اور اس نے آذر کیوان سے سیکھی تھی۔ اس وقت سے زمانہ تحریر تک اس سے میری اوقات بسر ہوتی ہے (ص۲۱۹)

شارستان کے نسخہ خطی (کاما اورینٹل انسٹی ٹیوٹ بمبئی) اور طبع اول میں تین چمن ہیں، حالانکہ اصلاً اس کے ۴ چمن تھے (مشتمل بر چہار چمن شارستان ص۷) میں نے بمبئی و پونا میں زردشتیوں سے سنا کہ چوتھا چمن مفقود ہے۔ یہ بات بھی میں نے سنی تھی اور غالباً کسی کتاب میں دیکھی بھی ہے کہ چوتھا چمن آذر کیوان کے مفصل حالات کے لئے مخصوص تھا، یہ قرین قیاس ہے۔ بہرام ص۱۵۲ میں لکھتا ہے: احوال او (آذر کیوان) آنچہ متعدد بشرح است مرقوم... خواہد گردید" موجودہ نسخے میں جو جزوی باتیں اس کے متعلق مندرج ہیں، ان پر یہ قول صادق نہیں آتا۔ طبع دوم (بمبئی ۱۳۲۳ھ) نام کتاب شارستان کلیات چہار چمن ہے، لیکن خود بہرام نے شارستان بتایا ہے، ص۷۔ ناشرین طبع ۲ نے لکھا ہے کہ گم شدہ چوتھا چمن بڑی تلاش سے ملا، اور طبع ثانی میں اس کے شمول کا وہ فخریہ ذکر کرتے ہیں۔ دیباچہ مصنف میں چوتھے چمن کے متعلق مرقوم ہے " در ذکر فلک الافلاک و علم جغرافیہ" ص۷۔ میرا خیال ہے کہ مصنف نے کچھ اور لکھا ہوگا۔ یہ ناشرین کا تصرف ہے، شارستان کی تصنیف کی جو علت غائی ہے (دیباچہ ص — ) وہ اس کے منافی ہے کہ اس میں فلکیات و جغرافیہ کی بحث اس طرح آئی جیسی چمن چہارم نسخہ مطبوعہ میں ہے، اس سے قطع نظر چمن چہارم کے دیباچہ میں خاص میر ضیاء الدین شاہ (قاچار) کی مدح ہے۔ ص۴۴۰ اور ص۴۷۶ میں ۱۳۲۲ھ کا ذکر ہے

[۸] ظاہراً "شارستان دانش و گلستان بینش" سے مختلف۔ اس کے سوا بہرام کی کسی دوسری کتاب کے کہیں ہونے کا مجھے علم نہیں۔

اس کتاب کے سلسلے میں تین باتیں اور قابل ذکر ہیں: یہ خاص طور پر کیخسرو بن آذر کیوان کے لئے لکھی گئی تھی ص۲۔ اس سے بہرام کی شعر گوئی[۸] ثابت نہیں بہرام حد درجہ مبالغہ گو ہے، فرضی کتابوں سے قطع نظر، وہ اپنی وسعت مطالعہ کے اظہار کے لئے ایسی کتابوں کے پڑھنے[۹] کا ذکر کرتا ہے جو یقین ہے کہ اس نے نہ دیکھی ہوں۔

بہرام نے آذر کیوان کو کہیں "امام معصوم" ص۱۲۲، کہیں "امام زمان"[۹] کہیں "صاحب ناموس[۱۰] اعظم" ص۲۲۹ لکھا ہے اور اس کے نام کے بعد کہیں کہیں "علیہ السلام" بھی آیا ہے ص۲۳۳۔ اس نے آذر کیوان کو صریحاً نبی نہیں[۱۱] کہا، لیکن اس کے نزدیک امامت و نبوت میں کچھ فرق نہیں ص۲۲۲، اور اس نے اسے (نبی کا ہم رتبہ قرار دیا ہے، ہرمس حکیم میں اسے شیث (نبی) کا ہمسر کہتا ہے ص۲۲۲، اعتقاد صابئین متعلق نبوت ہرمس و سقراط و افلاطون ارسطو وغیرہ کے ذکر کے بعد آذر کیوان کو ان کا ہم پایہ لکھا ہے ص۲۲۵۔ ارسطو خواب میں فلسفۂ اسلام کو افلاطون کے پاسنگ برابر بھی نہیں مانتا۔ اکابر صوفیہ مثل بایزید بسطامی کو اس کا ہم جنس تسلیم کرتے ہوئے ہم رتبہ نہیں قرار دیتا۔ لیکن آذر کیوان کو اس کے برابر سمجھتا ہے[۱۲] ص۲۱۹۔ بہرام کے نزدیک امامت آذریوں کا حصہ ہے۔ اپنے اجداد کے بعد آذر کیوان امام تھا اور اس کے بعد اس کے بیٹے کیخسرو کی نوبت ہے ص۲۲۰۔ بہرام آذر کیوان کی وفات کے ذکر میں لکھتا ہے: "بمقام تاب توسن ادا و قی رسید" ص۲۵۱ آذر کیوان امامت عرب کا قائل نہ تھا ص۵۔ بہرام نے اس کی دو کتابوں

[۸] غالب کے سوا کسی نے اس کی نظم کا ذکر نہیں کیا۔

[۹] اور یہ بھی بڑے بھونڈے طریقے سے (دیباچہ ص۲ ٥)

[۹] ابو الدین جلال سے وقت حشری عالم کی زبان سے "امام زمان" کہلایا ہے۔ بحث نبوت زردشت کی تھی، بہرام سے معلوم کرکے کہ آذر کیوان اس کا قائل تھا، انھوں نے بتایا کہ بحث کی ضرورت نہیں، وہ مانتے ہیں تو ٹھیک ہے۔ یہ اختراع محض ہے۔

[۱۰] "ابنیاء... یا حکما صاحب ناموس خانندہ احکام اند" ناموس ص۲۲۳

[۱۱] دوسرے معتقدین نے یہ کمی پوری کر دی ہے اس کی سند کسی دوسرے موقع پر دی جائے گی۔ [۱۲] بہرام کی رائے میں افلاطون کا مرتبہ ارسطو سے بہت زیادہ بلند ہے ص۲۲۹

آئینۂ سکندری صـ۱۶۲ اور پرتو فرہنگ صـ۲۹۹ کے حوالے دیے ہیں، یہ مفقود ہیں۔ اس کی ایک مثنوی مع شرح نوشتۂ یکے از متبعین البتہ کاما اورینٹل انسٹی ٹیوٹ میں موجود ہے۔ اس کے کچھ اشعار دبستان مذاہب میں منقول ہیں، جن میں اپنی روح کے بدن سے جدا ہو کر سیر افلاک کرنے کا ذکر ہے۔ بہرام کہتا ہے کہ وہ اس کا مدعی تھا کہ میں اسرار الٰہی سے کما حقہ واقف ہوں، اور جو کچھ ہے جانتا ہوں، یا ہوگا سب کو برائے العین دیکھ چکا ہوں صـ۱۶۲ مجھے یقین ہے کہ دساتیر کا بنانے والا یہی ہے۔

اوپر جو کچھ لکھا گیا ہے، اس سے واضح ہے کہ آذر کیوان و بہرام میں محض استادی شاگردی کا رشتہ نہیں، امام و ماموم کا تعلق ہے (بلکہ نبی اور اس کا متبع بھی کہہ سکتے ہیں)۔ اہم عقائد مذہبی میں دونوں مختلف نہیں ہو سکتے۔ اس صورت میں آذر کیوان کے آگے سر جھکانا اور بہرام وغیرہ کو اخلاف و اعقاب منافقین کیش ایران سے بد ظن ہونا "چہ معنی دارد؟" اخلاف و اعقاب منافقین اگر بہرام وغیرہ ہیں، تو آذر کیوان بھی ہے۔ یہ بات بھی سمجھ میں نہیں آتی کہ غالب کو آذر کیوان سے اتنی عقیدت کیوں ہے۔ اس کی کوئی کتاب انھوں نے نہیں دیکھی کہ ان کے مطالعے سے اس کی بڑائی کا احساس پیدا ہو سکتا۔ اس کے متعلق ان کی ساری معلومات کا مدار صاحب دبستان مذاہب پر ہے، جو ان کے نزدیک منافقین ایران میں سے ہے (فائدہ قاطع برہان)۔ یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ غالب کے کسی معترض نے زندۂ آذر کیوان کی نظم و نثر اپنے اثبات دعویٰ کے لئے پیش نہ کی تھی۔ غالب نے بہرام کا ذکر ہی کیوں کیا؟

بہرام مسلمان نہ تھا اور نہ علانیہ دساتیری تھا۔ عربوں سے اسے دشمنی تھی، ان کی تحقیر کرتا تھا اور زردشتیوں سے با وجود اختلاف عقائد، محبت، ایک جگہ "زردشتیان کثرہم اللہ" کہتا ہے صـ۳۰۲ وہ حشر اجساد، صراط وغیرہ کا قائل نہیں، اور تناسخ کو مانتا ہے (رجوع بصفحات ۳۵۲، ۴۴۳، ۴۵۵، ۴۵۹، ۶۲۸ وغیرہ)

چینود کا اجمالی ذکر اس کے یہاں ہے تو ایک زردشتی عقیدے کی حیثیت سے جس کی تاویل ضروری ہے صـ۳۰۳۔ بہرام وغیرہ کا خیال ہے کہ زردشت کے یہاں بہت سی باتیں مرموز ہیں، شاہان ایران ان کی تاویل کر کے انھیں دساتیر کے مطابق[13] کر دیتے تھے۔ غالب دساتیریوں اور زردشتیوں میں فرق نہ کر سکے اور جن زردشتی عقائد کی دساتیر سے تصدیق نہ ہو سکی وہ انھیں منافقین کا اضافہ سمجھتے رہے۔ چینود پل، قیامت، نامۂ اعمال اصلی زردشتی عقائد میں شامل ہیں۔ اس کی مفصل بحث "غالب بحیثیت محقق" (نقد غالب شائع کردہ انجمن ترقی اردو) میں ملے گی۔

۱۲ سفرنگ دساتیر۔ یہ شرح دساتیر ہے، شارح محمد نجف علی خاں باشندۂ جھجر، مطبع سراجی، سنہ ۱۲۸۰ھ۔ اس کتاب میں متن دساتیر (ایک مصنوعی زبان، جسے متبعین آذر کیوان آسمانی زبان کہتے تھے) نہیں، لیکن وہ عبارات سب کی سب موجود ہیں، جو بطور ترجمہ و تفسیر ایک فرضی شخص ساسان پنجم کی طرف سے لکھے گئے ہیں۔ شارح کا دیباچہ (صـ۲ تا صـ۸) اسلام کے ساتھ عبارات مذکورہ کی زبان میں ہے، شرح (صـ۸ تا صـ۱۹۳) کی زبان مروجہ عربی آمیز فارسی ہے۔ محمد نجف علی خاں کو اس کا وہم بھی نہیں کہ دساتیر مجعول ہے۔ متن دساتیر ان کے نزدیک "فرازین فواد مہ" آسمانی زبان میں ہے، اور عبارات منسوب بہ ساسان پنجم زبان دری میں ہیں۔ انھوں نے یہ نہیں بتایا کہ دساتیر کے کن نسخے سے انھوں نے کام لیا ہے، لیکن صـ۹۹ پر مرقوم ہے کہ "این فقرہ در دو نسخ دساتیر با یک اختلاف تحریر یافتہ آمد" خاتمۂ کتاب صـ۱۹۳ میں انھوں نے تحریر کیا ہے "زبان بیچارہ بگشایم کہ پیرم بہ سبی کیش اسلام را نیستہ زردشتیان گشادن چہ کار، و با این ہمہ پوزش گستردم ازیں کار کہ کردم۔" کتاب کے آخر میں غالب کی تقریظ ہے جس کا عنوان یہ ہے:

"تقریظ کہ والا فرزانہ خردی راز آگاہ ستودہ گفتار سخن
پرور سرمایۂ نازش کمال ہنر جناب مرزا اسد اللہ خاں
المتخلص بہ غالب المشہور بہ میرزا نوشہ ادام اللہ تعالیٰ
مجدہم برین نامہ نگاشتہ"

غالب کی تقریظ میں بکثرت ساسانی الفاظ ہیں، مگر اس میں دیباچہ

---

سلہ صفحہ ۵، ۵۸ وغیرہ

۱۳ صـ۲۲۳

محمد نجف علی خاں کے خلاف، عربی الفاظ بھی ہیں۔

اقتباسات: تقریظ چہار عنصر... واکنون گستری ایدک... باندازۂ قابلیت تواند ستود... چون من ایں کہ اگر خود را نادان گویم دانایان نگفتہ فرمانند کہ ایں دانش از کجا آمدہ کہ خود را نادان دانست... امروز.. کہ سخن را در مصر معنی لباز از آوردہ اند کہ زیبائے جمال با کمالش سرمایۂ نازش روزگار است... پہلوی زبان پہلوانی... استادان استادان ما گزین آموزگار .. جاماسپ پایہ ساسانی نایہ، آذر کیوان پایہ مولوی نجف علی خاں.. غالب سیہ نامہ... چون حسن عبارت گرست... بچشم داشت دفع گزند چشم زخم سود مند چیزی نشد" ص۱ و ص۲

اس کے بعد غالب کے شاگرد سالک کا قطعۂ تاریخ ہے۔ تقریظ سبد باغ دودر میں شامل ہے، اور آثار غالب مرتبہ مالک رام میں سفرنگ دساتیر سے منقول۔

دساتیر کے سوا دساتیری ادب سے مختصر کو واقفیت تھیں، بعض معمولی الفاظ سے متعلق بھی ان کے بیانات محل نظر ہیں، رشتہ: موبد ان کے نزدیک بکسر یا ہے، اور بہیرہ بضم با ص۲۳، لیکن یہ دونوں لفظوں میں رکی ہی ہے، اور یفتہ یا گیا ہے، شید بہ یار مجہول ص۳۴، جشید کی ی معروف ص۹۲، جشید کا شید وہی ہے جو ص۳۴ پر ہے، اس کی کوئی وجہ نہیں کہ ایک بہ یار مجہول ہو اور دوسرا بہ یار معروف۔

---

ماہنامہ صبح دہلی جنوری و فروری ۱۹۶۰ء

۱۔ خورشید احمد، خورشید لکھنوی مولد دہلوی مسکن اپنے برادر عم زاد رؤف احمد، رافت سے مرید ہونے کے بعد سعد اللہ حیدرآبادی اور شاہ احمد سعید سے مستفید ہوئے، اور اس پر قناعت نہ کرکے اقصائے نواحی ہند، ماوراء النہر و خراسان وغیرہ کے بزرگوں سے فیضیاب ہوئے۔ شاعری میں ان کے استاد، رافت، موتمن، اور غالب تھے (گلستان سخن) امیر مینائی نے انتخاب یادگار مولفہ ۱۲۹۰ھ میں خورشید کی عمر ۲۵ سال بتائی ہے، اور انھیں رافت و موتمن و غالب کا شاگرد لکھا ہے۔ رافت کے متعلق ان کا بیان ہے کہ ۱۲۴۰ھ میں وفات راہ حج میں ہوئی۔ نگارستان سخن نواب صدیق حسن خاں کے بیٹے سید نور الحسن کے نام سے ۱۲۹۲ھ میں طبع ہوا۔ اس تذکرے میں ہے کہ رافت بھوپال سے ۱۲۴۹ھ میں عازم حج ہوئے، اور راہ میں ان کا انتقال ہوا۔ رافت بھوپال سے عازم سفر ہوئے تھے، اس لیے اس تذکرے کے لکھنے والے کو اس کا صحیح زمانہ معلوم کرنے کے جو مواقع تھے، امیر مینائی کو نہ تھے۔ رافت کا سال رحلت ۱۲۴۹ھ ہے، ۱۲۴۰ھ نہیں۔ مالک رام صاحب نے یہ قبول کرتے ہوئے کہ خورشید کی عمر ۱۲۹۰ھ میں ۲۵ سال تھی، دوبارہ اسے تسلیم کیا ہے کہ خورشید غالب کے علاوہ رافت و موتمن کے شاگرد تھے (تلامذۂ متعلق، مقالہ شایع کردۂ اردو ادب، تلامذۂ غالب)۔ وہ ایک سہ ماہی رسالہ تحریر نکالتے ہیں، اس میں ایک مقالہ تلامذۂ مومن پر شایع ہوا تھا، اس میں یہ بات مانی گئی ہے کہ ۱۲۹۰ھ میں ۲۵ سالہ تھے طور انھوں نے تینوں سے اصلاح لی تھی۔ میرا خیال ہے کہ امیر مینائی نے پچیس نہیں، پچپن لکھا ہوگا، پچیس غلط طباعت ہے۔

اگر یہ نہیں، تو رافت درکنار، شاعری میں موتمن کا تلمذ بھی خارج از بحث ہے۔

۲۔ فلسفی غالب، مصنفہ جناب احمد رضا بی اے، ایس سی ایل، ایل بی سابق جج یوپی۔ یہ کتابچہ ۱۹۷۳ء میں اتر پردیش اردو کمیٹی کے مالی اشتراک سے شایع ہوئی ہے۔ اس کا ایک نسخہ براہ کرم جناب مصنف نے دو تین ہفتے قبل مجھے بھیجا تھا اور تبصرے کی فرمائش کی تھی۔ مقدمے میں انھیں شکایت ہے کہ مرگ غالب کو سو سال سے زیادہ گزر چکے، لیکن اس مدت میں کسی کو بھی ان کی شخصیت کی عظمت کا قرار واقعی اندازہ نہیں ہوا، اور نہ کسی سے ان کا سخن سمجھنے کی صلاحیت کا اظہار ہوا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ غالب کی نظر میں ان کے تمام ہمعصر بلا استثنا نااہل اور ناسخن شناس تھے۔ انھوں نے جگر کا شعر بھی نقل کیا ہے:

تو نظم میں ہی نثر میں بھی مجتہد العصر
لیکن وہ ہے معذور کہ جس کی ہے نظر تنگ

اور اس کی شرح اس طرح کی ہے "یعنی تنگ نظر غالب کے اشعار سمجھنے سے معذور ہے، کیونکہ عموماً تنگ نظر وہی شخص ہوتا ہے جسے علم فلسفہ اور علم سائنس سے واقفیت نہ ہو جس کا تجربہ وسیع نہ ہو، اور جو تکبر کا فقیر ہو" اس کتاب میں غالب کس طرح پیش ہوئے ہیں، اس کا اندازہ اقتباسات ذیل سے ہوگا:

(۱) غالب فلسفی تھے اور مذہبی عقائد کے مخالف۔ لیکن وہ ایسے زمانے اور ایسے ماحول میں پیدا ہوئے کہ اگر لوگوں کو معلوم ہو جاتا کہ وہ اسلام سے منحرف ہیں تو وہ نفرت اور ملامت کا نشانہ ہو جاتے، اور مسلم سماج میں

ان کا مقام نہ رہ جاتا ... یہ بھی ممکن تھا کہ وہ الحاد کے الزام میں ماخوذ کر لیے جاتے ص ۱۰ (۲) " ان کے کلام میں کہیں تضاد نہیں " ص ۱۱ " غالب نے ذیل کے اشعار اس مقصد سے کہے ہیں کہ لوگ یہ سمجھیں کہ وہ لا مذہب نہیں ہیں ، لیکن یہ اشعار مہمل بے حقیقت اور غیر سنجیدہ ہیں ۔ ان سے انھوں نے لوگوں کی کم فہمی کا فائدہ اٹھانا چاہا ہے ، ص ۱۴ ۔

اس کی امت میں ہوں میں میرے رہیں کیوں کام بند
واسطے جس شہ کے غالب گنبدِ بے در کھلا
غالب ندیمِ دوست سے آتی ہے بوئے دوست
مشغولِ حق ہوں بندگی بو تراب میں " (ص ۱۵ ،
مشکیں لباس کعبہ علی کے قدم سے جان
نافِ زمین ہے نہ کہ نافِ غزال ہے

(۳) یارب زمانہ مجھ کو مٹاتا ہے کس لیے
لوحِ جہاں پہ حرفِ مکرر نہیں ہوں میں

" اس شعر سے عقیدۂ تناسخ .. کی مخالفت مقصود ہے " ص ۳۵

(۴) " غالب کے اشعار سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ شراب کی مذہبی مخالفت کا ان کی نظر میں جواز نہیں تھا ... تاہم مصلح کی حیثیت سے وہ شراب نوشی سے احتراز کو ضروری قرار دیتے ہیں " ص ۵۰ (۵) غالب کی نظر میں مذہبی عقائد کی حقیقت بس یہ ہے کہ ایک شخص انھیں عقائد کو درست سمجھتا ہے جو اسے اپنے مورثوں سے ورثے میں ملے ہیں ۔

نہیں کچھ سبحہ و زنّار کے پھندے میں گیرائی
وفاداری میں شیخ و برہمن کی آزمائش ہے (ص ۵۸)

(۶) غالب بزرگوں کی کورانہ تقلید کے خلاف ہیں :

لازم نہیں کہ خضر کی ہم پیروی کریں
مانا کہ اک بزرگ ہمیں ہمسفر ملے (ص ۵۰)

(۷) نادان ہو جو کہتے ہو کہ کیوں جیتے ہیں غالب
قسمت میں ہے مرنے کی تمنا کوئی دن اور

" رفتہ رفتہ انھوں نے معلوم کیا کہ آدمی کی تشکیل و تولید اور اس کے حالات اور افعال زندگی کا تعین تاثیر کواکب سے ہوتا ہے " ص ۸۰ " غالب آزاد محبت کے حق میں ہیں ، چونکہ وہ جانتے ہیں کہ دنیا میں نہ وفا ہے نہ پارسائی " ص ۱۱۹ " غالب کے نظریۂ آزاد محبت میں رشک کو دخل نہیں .... لوگوں کو کہتے سنا ہے کہ غالب نے رشک کے اشعار خوب کہے ہیں (اس کے بعد ۱۴ اشعار) ... یہ اشعار سب کے سب خلافِ حقیقت مہمل اور مضحکہ خیز ہیں ... نظریۂ آزاد محبت میں رشک کو دخل نہیں ہے ... اور جب کہ ان کے اشعار با مقصد ہوتے ہیں اور ان میں تضاد نہیں ... تو یہ قابلِ غور ہے کہ ان اشعار سے ان کا کیا منشا ہے ۔ یہ بھی غالب کا ایک خاص انداز ہے کہ جن نظریات کے وہ دل سے مخالف ہیں ، ان کے متعلق جو اشعار انھیں مصلحتاً کہنا پڑتے ہیں ، انھیں وہ بے حقیقت اور غیر سنجیدہ بنا دیتے ہیں " ص ۱۲۰ ۔ ذیل کے اشعار جس غزل کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ ... عارف کا نوحہ ہے کیونکہ وہ انھیں بہت عزیز تھے ..

مجھ سے تمھیں نفرت سہی نیر سے لڑائی
بچوں کا بھی دیکھا نہ تماشا کوئی دن اور
گزری نہ بہر حال یہ مدت خوش و ناخوش
کرنا تھا جواں مرگ گزارہ کوئی دن اور

خیال مذکورۂ بالا کی تحریر آخری دو شعر سے ظاہر ہوتی ہے (اور اشعار بھی نقل کیے ہیں) جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ عارف اور غالب کے باہمی تعلقات کشیدہ تھے ، اور عارف کو غالب سے کھلی ہوئی نفرت تھی ، ایسی صورت میں غالب کو نہ ان سے محبت ہو سکتی تھی نہ ان کی وفات پر صدمہ ہو سکتا تھا ... معلوم ہوتا ہے کہ یہ غزل بیوی کی دلجوئی کے لیے لکھ ڈالی " ص ۱۸۰ ۔

کتاب کا خاتمہ ان عبارات پر ہوتا ہے : " دنیا کا کوئی اور شاعر نہیں ہے جس نے مصلحِ خلق کا فرض زندگی کے ہر شعبے کے متعلق اس انہماک سے انجام دیا ہو جس انہماک سے غالب نے انجام دیا ہے ۔ کوئی تعلیم ایسی نہیں ہے جو اچھی زندگی بسر کرنے کے لیے ضروری ہو ، اور غالب کے کلام میں نہ پائی جائے ۔ دنیا کا کوئی اور شاعر نہیں جس کا کلام معنی آفرینی سبق آموزی اور گہرائی (کذا) کے لحاظ سے اس پائے کا ہو

جیسا کہ غالب کا کلام ہے۔ غالب کا سارا کلام شاہد ہے کہ بلند خیالی، فلسفہ، اصلاح خلق، استدلال اور فن شاعری کی صلاحیتیں ان میں بدرجۂ اتم تھیں۔ دنیا کی تاریخ میں کوئی اور صاحب دماغ ایسا نہیں ہوا ہے جس کی ذات میں یہ سب [illegible] جمع ہو گئی ہوں۔ انھیں ماضی اور حال کے تمام فلاسفہ پر فوقیت حاصل ہے۔ ان کے نظریات اور طرز عمل میں ذرا بھی تفاوت نہ تھا۔ بلاشبہ ان کا سا عدیم المثال فلسفی اور شاعر نہ پیدا ہوا ہے نہ ہوگا... وہ دنیا کے سب سے بڑے شاعر کہلائے جانے کے مستحق ہیں اور دنیا کی اعلیٰ ترین ذہانت والی نمایاں ہستیوں کی صف اول میں جگہ پا جانے [illegible] .. وہ زندۂ جاوید ہو گئے ہیں"

میں نے یہ کتاب دیکھی تو سموئیل بٹلر کی NEW HAVEN کی یاد آئی۱؎۔ بٹلر نے یہ کتاب ایک فرضی شخص کے نام سے لکھی تھی اور اس نے اپنے اصلی عقائد کے بالکل خلاف یہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ حضرت عیسیٰ مصلوب ہونے کے بعد زندہ ہو گئے تھے۔ ساتھ ساتھ اس نے یہ بھی دکھایا تھا کہ اگر یہ ثابت ہے، تو عیسائی مذہب کا سچا ہونا قطعی طور پر ثابت ہے،

بعض جزئی باتیں غلط نکلیں تو اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ کتاب کے پڑھنے والوں میں بطور شاذ ہی کوئی ایسا شخص تھا جو یہ سمجھ سکا تھا کہ کتاب از ابتدا تا انتہا طنز ہے، اور بٹلر نے اسے دوسری بار اپنے نام سے شائع کیا، تو حقیقت لوگوں پر آشکارا ہوئی۔ میں نے کتاب کا شکریہ ادا کرتے ہوئے جناب مصنف سے دریافت کیا تھا کہ کہیں وہی معاملہ تو نہیں — انھوں نے جواب دیا کہ مطلقاً نہیں۔ میں نے جو کچھ لکھا ہے وہ واقعی میرا عقیدہ ہے۔ انھوں نے کتاب میں جو طریق کار اختیار کیا ہے، اس سے وہ جو چاہیں ثابت کر سکتے ہیں۔

۲- غالب، مکرم الدولہ بہادر بیگ خاں غالب جنگ بن نواب نیاز بیگ خاں تورانی یکی از سرداران ذی شوکت عہد نجف خاں (متوفی ۱۱۹۶ھ)۔ باپ کی موت کے بعد غالب نے بڑے عیش اور کامرانی کی زندگی گزاری اور کئی لاکھ روپے عیاشی میں صرف کیے۔ فتنۂ غلام قادر کے قبل یہ اپنے گھر میں مشاعرے منعقد کرتے تھے۔ جن میں شعرا کی ضیافت ہوتی، اور حاضرین کے لیے تماشائے رقص کا انتظام ہوتا تھا۔ سال وفات ۱۲۱۰ھ (تذکرہ سرور) یہ مرزا اسد اللہ خاں غالب کے لڑکپن ہی میں مر چکے تھے، اور غالب نے شاید انھیں دیکھا ہو۔ ان کی ایک ہفت بیتی غزل جس کا مطلع و مقطع درج ذیل ہے، اس اطلاع کے ساتھ کہ یہ غالب جنگ (طالب غلط، غالب صحیح) بن نیاز بیگ دہلوی کی ہے، دیوان جہاں مؤلفہ بینی نرائن میں درج ہے۔ یہ کتاب مأۃ سیزدہم کے عشرۂ سوم میں تالیف ہوئی تھی۔

کب رہا ہے اب ہمیں حور و بشر کا امتیاز
دیکھ کر جاتا رہا تجھ کو نظر کا امتیاز
آگے اپنے یار کے غالب ہمیں معیوب ہیں
ورنہ ہے کس کے اسے عیب و ہنر کا امتیاز

غزل مذکور ایک مجموعۂ اشعار چمن بے نظیر میں بھی شامل ہے، جس کا انتخاب غالب کے دوران حیات میں ہو چکا تھا اس پر [illegible] صرف تخلص غالب ہے، صاحب غزل کا نام نہیں۔ ڈاکٹر مختار الدین احمد نے اسے مرزا اسد اللہ خاں غالب کی طرف منسوب کر دیا (علی گڑھ میگزین، غالب نمبر، ۱۹۴۹ء) جناب ندیم سیتاپوری نے جناب مالک رام سے اس کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے جواب دیا: کلام کا رنگ اور اس کی کمزوری خود کہے دیتی ہے کہ یہ غالب سے منسوب نہیں کیا جا سکتا، لیکن اور سب باتوں کو چھوڑ کر تیسرے شعر کے مصرعۂ ثانی میں "میاں" کی موجودگی سے آپ کیا نتیجہ اخذ کریں گے؟ ... اس تخلص کے اور بزرگوار بھی گزرے ہیں۔

شعر ۳: نازکی جس نے رگ گل کی نہ دیکھی ہو کبھی
ہو میاں کیونکر اسے تیری کمر کا امتیاز

---

۱؎ یہ کتاب میری نظر سے نہیں گزری، مگر [illegible] نے جو کچھ اس کے بارے میں تحریر کیا ہے وہ میں نے دیکھا ہے۔

(غالب کے کلام میں الحاقی عناصر ص ۱۰۲) غالب اگر "تہمات کیوں نہ ٹوٹ گئے پیرزن کے پاؤں" کہہ سکتے تھے تو کوئی امر مانع نہیں کہ وہ اس شعر کے مصنف ہوں مگر ایسا سمجھنے کی کہ غزل غالب کی نہیں، اب کافی وجہ موجود ہے، اور دیوان جہاں میں اس کا شمول ہے۔

۴۔ ہوں ظہوری کے مقابل میں خفائی غالب
میرے دعوے پہ یہ حجت ہے کہ مشہور نہیں

جناب پرتھوی چند نے مرقع غالب ص ۴۳، پر اس مقطع کے متعلق یہ حاشیہ لکھا ہے "ظہوری اور خفائی فارسی کے بہت بڑے شاعر گزرے ہیں، ظہوری کے کلام کی عوام میں بہت شہرت تھی، خفائی اتنا مشہور نہیں تھا، لیکن خفائی کا کلام ظہوری کے کلام سے زیادہ بہتر تھا اور خواص میں مقبول۔ یہ حضرت غالب کا کمال کہ شاعروں کے نام سے بھی اپنا مفہوم ظاہر کر دیا" خفائی وجود خارجی سے محروم ہے، خفائی کا شاعر ہونا جناب جوش ملسیانی کی شرح دیوان غالب میں بھی ہے، مگر اس وقت یہ نہیں کہہ سکتا کہ ظہوری و خفائی کا بہت بڑا شاعر ہونا اس شرح میں ہے یا نہیں۔

۵۔ بحر لکھنوی: شیخ امداد علی بن شیخ امام بخش، ۶۵ برس کی عمر، لکھنؤ وطن ہے، اب اس میں یعنی ریاست رام پور کے وظیفہ خوار ہیں، اس سبب سے دار الریاست مسکن ہے۔ ناسخ کے شاگردوں میں نامور ہیں، کلیات ان کا چھپ گیا ہے اور ہند تک مشہور ہیں، یہ ان کے کلیات مطبوعہ کا انتخاب ہے" (انتخاب یادگار از امیر مینائی)۔ اس تذکرے میں جو اشعار ہیں ان میں ۲ قصیدوں کے بھی اشعار ہیں، اور یہ کلیات مطبوعہ سے غیر حاضر ہیں) جلوۂ خضر دیکھیے، بحر کا سال وفات ۱۳۰۰ھ درج ہے (اس وقت میں قطعی طور پر نہیں کہہ سکتا کہ یہ صحیح ہے یا غلط) بحر اصلاً فیض آبادی تھے۔ ریاض البحر کا ایک مقطع ہے:

پوچھنا بھی ہے عبث حال خرابی وطن
بحر ہی جب نہ رہے کیا فیض آباد

امیر لکھنوی معاصر بحر کا تعمد ہے جو اس پر شعر ہے

کہ ۱۲۹۵ھ میں بحر کی وفات ہوئی اور یہ مرجح ہے۔ بحر کے کلیات مطبوعہ کا نام ریاض البحر ہے جو ۱۲۰۵ھ اور اسے نواب سید محمد خاں رند نے مرتب کیا تھا۔

جامع اس دفتر کے ہیں سید محمد خاں رند
اس سراپا لطف کا یہ بحر پر احسان ہے

یہ رند کی وفات کے بہت بعد ۱۲۸۳ھ میں شائع ہوا تھا، یقین ہے کہ ۱۲۵۰ھ کے بعد کا کلام بھی اس میں شامل ہے۔ ان کا ایک دوسرا دیوان بھی ہے جو اب تک چھپا نہیں اس کا ایک نسخہ کتب خانہ خدا بخش پٹنہ میں موجود ہے۔ جلوۂ خضر ص ۱۰۰ میں صفیر بلگرامی نے دہلی جا کر غالب کا مہمان رہنے اور ان سے ملاقاتوں کا مفصل حال لکھا ہے۔ زبان اور اسلوب کے متعلق گفتگو تھی کہ غالب نے کہا:

"یاد رہے کہ مضمون دہلی کا اور زبان لکھنؤ کی مستند ہے۔ ایک شعر بحر صاحب فرماتے ہیں: "نہاتا ہے۔ میں کپڑے خود دھوتی ہے" یہ معشوق کی تعریف نہیں ہوئی بلکہ ایسا غریب معشوق ہے کہ کھڑے گھاٹ کپڑے دھلواتا ہے" اس طرح شعرائے لکھنؤ کے اور چند شعر پڑھے۔ میں نے عرض کی حضور یہ سب سچ۔۔ مگر اتنا تو خیال کیا جائے کہ شاعر کو مضمون مل جاتے اور باندھنے سے کام ہے۔ معشوق و عاشقی ان کی بلا جانے۔۔ شاعر کے خیال میں جو کچھ آ جائے اسے باندھ دینا چاہیے۔ کیا غریب معشوق نہیں ہو سکتا؟ ص ۲۳۲

پورا شعر دیوان مطبوعہ ص ۲۵۳ میں ہے اور یوں ہے:

کسی کا ہم نے یہ عالم نہیں دیکھا نہانے میں
نہاتا ہے وہ مہ دریا میں کپڑے خود دھوتی ہے

اس صورت میں غالب کی طرف جو اعتراض منسوب ہے وہ وارد ہی نہیں ہوتا۔ صفیر غالب سے ۱۲۸۲ھ میں ملے، اس وقت تک ریاض البحر طبع بھی نہیں ہوا تھا۔ سوال یہ ہے کہ غالب نے یہ شعر سنا یا اور وہ بھی غلط شکل میں کہاں دیکھا۔ میرا خیال ہے کہ غالب اور صفیر کی ملاقاتیں ضرور ہوئیں، لیکن صفیر نے بہت سی باتیں جو دراصل غالب نے نہیں کہی تھیں ان سے منسوب کر دی ہیں۔ غالب جیسا

زمانے میں رام پور گئے ہیں، بجز وہاں نہ تھے۔ دونوں میں کبھی ملاقات نہیں ہوئی اور اس کا ثبوت موجود نہیں کہ مراسلت ہوئی تھی۔

۶۔ بہارِ بے خزاں تذکرۂ شعرائے اردو مصنفہ احمد حسین سحر لکھنوی ۱۲۷۱ھ زمانۂ اتمام۔ غالب کا ذکر تحت تخلص اسد۔ مرزا نوشہ اسد اللہ خاں اسد تخلص از خاندان عالیست پیشتر غالب میکرد و حالا اسد کردہ۔ دریں زمانہ بہ شاہجہاں آباد سکہ بناشش میزند در اول بمقتضای طبع دشوار پسند بطرز بیدل وقت آفرینہا میکرد و آخر بداں طرز پشت پا زدہ پیرو نظیری طرز خاص ایجاد کردہ دیوان مختصر بعبارت ترتیب و تکمیل مرتب ساختہ اشعار قابل انتخاب منتخب کردہ بحضور والیس دو ملا لیشں بنزاکت جناں زانوی ادب تہ میکنند دریں زمانہ قدر سخن چوں آب گوہر ریختہ از مغتنمانست ۲۴ اشعار جن میں چکنی ڈلی والے قطعے کے ۲ شعر شامل ہیں۔ ذوق کے بارے میں ہے: شاعر والا رتبہ بلند پایگاہ کہنہ مشق است باستادی بادشاہ دہلی سرمایۂ اعزاز حاصل کردہ استادِ خوش عالی طبع است، ۱۰ شعر۔ مومن: امروز بہ شاہجہاں آباد جملہ سخن سنجان از گلچینیان بہار معنی او بودہ صفر و متنظر خوشہ چیں آبیاری لطافت طبعش رشک گلزار میکنند و لذت افشانیہای لطافت نالیش مداحان سخن طراز کبیر ریزہ مردم دہلی باستادیش مخر دارند در حقیقت مومن خان باعث مباہات شہر و شہریانست ۴۰ شعر۔ اس تذکرے میں آتش کے ۴۳۷ اور ناسخ کے ۱۹۸ اشعار ہیں۔ یہ تیسرے درجے کے تذکروں میں ہے۔

۷۔ خوشی جینے کی کیا مرنے کا غم کیا
ہماری زندگی کیا اور ہم کیا

مکاتیب امیر مینائی مرتبہ احسن اللہ خاں ثاقب میں امیر مینائی کے جو حالات ہیں، ان میں بحاشیہ ص ۲ طبع ثانی، ضمناً یہ بات آگئی ہے کہ حالی سے ثاقب کو معلوم ہوا کہ شیفتہ کہتے تھے کہ ایک دن غالب نے مطلع بالا سنایا، میں نے بہت تعریف کی تو غالب نے فرمایا کہ "بھیا میں تو یہ مطلع ناظم کو دے چکا"۔

۸۔ مکاتیب امیر مینائی مرتبۂ ثاقب میں جو امیر کے حالات ہیں ان میں مرقوم ہے۔ "مرزا غالب کبھی کبھی دو دو مہینے نواب کے مہمان رہتے تھے۔ ایک بار رام پور سے رخصت ہوئے، کہتے ہیں:

اب ہے دلی کی طرف کوچ ہمارا غالب
آج ہم حضرت نواب سے بھی مل آئے

اسی غزل کا یہ شعر ہے:

دیدۂ خونبار ہے مدت سے ولے آج ندیم
دل کے ٹکڑے بھی کئی اشک کے شامل آئے

یہ دو شعر اعلان کے ساتھ کے دیگر اشعار کسی دیوان میں جو غالب کی زندگی میں چھپے نہیں ہیں۔

۹۔ مکاتیب امیر مینائی مرتبۂ ثاقب طبع ۲ ص ۳۱۱ و ص ۳۱۲ میں ایک خط بنام قاسم احمد فردوسی نوشتہ ۲۰ نومبر ۱۸۹۲ء ہے اس میں یہ عبارت ملتی ہے "کتاب آپ نے بہت اچھی اور مفید نقل کی ہے۔ مرزا غالب مرحوم کا قادر نامہ بھی میری نظر سے گزرا ہے۔ آپ کے یہاں بہت سی باتیں بڑھی ہوئی ہیں۔"

---

تحریک، دہلی "غالب نمبر" اپریل ۱۹۷۴ء

# اشاریۂ تتمۂ جہان غالب

# تتمہ جہانِ غالب

(۲)

پہلے تتمہ کے بعد دستیاب یہ چند مزید مضامین
جنھیں تتمہ جہان غالب نمبر ۲ کے طور سے دیا جا رہا ہے،
ان کا اشاریہ بھی الگ سے دیا جا رہا ہے۔

**مختصرات** کے عنوان سے ماہنامہ تحریک (دہلی) کے تین شماروں (مارچ ۱۹۷۲، جون ۱۹۷۲، ۱۹۷۳ء) میں قاضی صاحب کا ایک سلسلہ مضامین کا شائع ہوا تھا جس میں چند اندراجات کے سوا باقی تمام غالب کے بارے میں تھے۔ اس کا نام تو جہانِ غالب نہیں تھا لیکن یہ تھا اسی قسم کا سلسلہ۔ اسی لیے **مختصرات** میں وہ اندراجات جو غالب سے متعلق تھے انھیں ہم نے یکجا کر دیا ہے (بقیہ اس موضوع پر تھے کہ اردو کے لیے اسکا اپنا رسم الخط ضروری ہے، وہ سب دوسرے متعلقہ مجلد میں دے دیے گئے ہیں)۔

ــــــ● ع ـ ر ب

# مختصرات

## (۱) فرہنگ معین میں قاضی صاحب کی 'غالب بحیثیت محقق' سے استفادہ

ڈاکٹر محمد معین دو تین سال سخت بیمار رہ کر سال گزشتہ وفات پاگئے، اور بہت سے اہم کام جو انھوں نے اپنے ذمے لیے تھے، ناتمام رہ گئے۔ ایران کے زبان شناسوں میں ان کا بڑا مرتبہ تھا، اور ان کی بے وقت موت سے ایرانی زبان شناسی کو بہت بڑا نقصان پہنچا ہے۔ انھوں نے برہان قاطع کو جدید اسلوب کے مطابق مرتب کرکے ۴ جلدوں (ضمیمہ ثانی ۵ جلدیں) میں شائع کرایا، تو کچھ دن میری ان کی مراسلت رہی۔ میں نے انھیں غالب بحیثیت محقق کا ایک نسخہ بھیجا تھا، جسے دیکھ کر انھوں نے اپنے ایک خط میں جو میرے پاس محفوظ ہے، مقالۂ مذکور میں غالب پر جو اعتراض ہوئے تھے، ان کی تائید کی تھی۔ میں نہیں جانتا کہ وہ اردو سے واقف تھے یا نہیں، اور نہ تھے تو وہ مقالے کے مطالب سے آگاہ کس طرح ہوئے۔ لیکن انھوں نے فرہنگ فارسی کی تالیف کی، جس کی ۲ جلدیں آقای ہاشم کوہ نشین، مستشار فرہنگی ایران نے مجھے عنایت کی ہیں، جس کے لیے میں ان کا بغایت ممنون ہوں۔ یہ قابل قدر فرہنگ ہے، اور اس میں بکثرت لغات برہان قاطع کے مطابق اور عقیدۂ غالب کے خلاف درج ہیں، از آں جملہ: آبچین، آب سیہ، آبیار، آبگاہ، آتشیرگ، آذر (نام ماہ و روز، غالب کے نزدیک نرے ہے)، آستینہ، آشفتن، آذریشا، آغاردن (غالب کے نزدیک غیر مسموع)، آکندن، آگندہ (بقول غالب سند طلب)، آلفتہ، آماذن، آوازہ شدن، امت، ام، اش، استر، ارژنگ، اسفندرنذ، الفختن، الغدرن، انبازوگی۔ یہ الفاظ نمونۃً ایک حرف کے ہیں۔ مرحوم نے کچھ الفاظ عقیدۂ غالب کے مطابق بھی لکھے ہیں، مگر ان کی تعداد کم ہے۔ کچھ الفاظ جو قاطع برہان میں ہیں، ان سے اس کتاب میں بحث ہی نہیں، بعض سے مادۃً اور معناً بحث رہی ہے۔ کچھ باتیں کسی خاص لفظ کے متعلق جزءً غالب اور جزءً برہان (مخص موافق برہان قاطع) کے مطابق ہیں اور ایسا بھی ہے کہ مرحوم دونوں کے خلاف ہیں۔

## (۲) غلام رسول مہر

غالب شناسوں کو مہر صاحب کی وفات کا رنج ضرور ہوگا۔ مجھے ان سے لاہور میں کئی بار ملنے کا اتفاق ہوا تھا۔ ان کی کتاب 'غالب' پاسداری کے ساتھ لکھی گئی ہے۔ مگر انھوں نے حالی کے بعض اغلاط کی بھی تصحیح کی ہے، اور ایسے معلومات پیش کیے ہیں جو یادگار غالب میں نہیں۔

## (۳) ابوالکلام آزاد اور غالب

غالب مرتبۂ مہر کو دیکھ کر ابوالکلام آزاد نے جو باتیں مصنف کو لکھی تھیں، ان میں سے کچھ قاطع برہان وغیرہ سے تعلق رکھتی ہیں:

"میری ۱۶ برس کی عمر تھی کہ ... جریدۂ ستارگان میں ..... یادگار غالب کا اشتہار دیکھا۔ کتاب منگائی۔ یہ میرے ادبی مطالعے کا بالکل آغاز تھا۔ قاطع برہان کے معرکے کا جب حال پڑھا تو شوق ہوا کہ یہ تمام کتابیں دیکھنی چاہئیں۔ چنانچہ قاطع برہان، درفش کاویانی، قاطع القاطع، ساطع برہان، محرق قاطع[۱]، مؤید برہان، تیغ تیز، شمشیر تیز تر[۲] وغیرہ[۳] تمام رسائل بھی جستجو کرکے جمع کیے۔ چونکہ اس زمانے میں فارسی ادب اور فارسی لغات کے مطالعہ و تحقیق کا بھی شوق تھا، اور تصحیح الفاظ کی بڑی کاوش رہتی تھی۔ اس لیے بڑی دلچسپی کے ساتھ مطالعے کا موقع ملا۔ واقعہ یہ ہے کہ میرزا غالب نے یہ چند اجزا لکھ کر لغت و تحقیق کی بڑی خدمت کی ہے۔ افسوس ہے کہ خواجہ حالی نے یادگار غالب میں اس بحث کو زیادہ تفصیل کے ساتھ نہیں لکھا۔ ضروری ہے کہ اس معاملے پر تفصیلی نظر ڈالی جائے۔ برہان قاطع کی جو خرافات انھوں نے نقل کی ہیں، انھیں پڑھ کر تعجب ہوتا ہے کہ کوئی صاحب بصیرت کیونکر ان کی تائید کرسکتا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ سارا معاملہ ایک طرح کا منطقی مصادرہ تھا، اعتراض ہندی لغت نویسوں پر تھا، اور ہندی لغت نویسوں ہی کا کلام دلیل میں پیش کیا گیا ہے۔ فرہنگ انجمن آرائے ناصری، تہران میں چھپ گئی ہے، اسے پیش نظر رکھنا چاہیے۔ اور اس معاملے پر سارا مباحث نقل کرکے پر تفصیل بحث کرنی چاہیے۔ فارسی لغت کے لیے صرف انھی لغت مستند [illegible]

---

[۱] صحیح محرق قاطع برہان [۲] صحیح شمشیر تیز تر [۳] کوئی صاحب بتائیں کہ وغیرہ میں کون کون سی کتابیں شامل ہیں۔

جاسکتی ہے۔ (غالب اور ابوالکلام سے منقول)

معلوم ہوتا ہے کہ لغات فارسی اور قاطع برہان وغیرہ سے ابوالکلام آزاد کی دلچسپی لڑکپن ہی تک رہی، ایک مدت کے بعد جب ان کے بارے میں اظہار رائے کی نوبت آئی، تو حافظے نے دھوکا دیا، اور کچھ ایسی باتیں ان کے قلم سے نکل گئیں، جنھیں دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں امور ذیل توجہ طلب ہیں:

(۴) غالب نے قاطع برہان کی اشاعت اول میں نہ یہ لکھا ہے کہ ہندیوں کے سواکسی نے فارسی لغت یا قواعد نہیں لکھی، نہ یہ کہ کوئی ہندی فرہنگ نگار قابل اعتماد نہیں۔ انھوں نے تو جا بجا فرہنگوں کی سند طلب کی ہے، اور یہ نہیں کہا کہ صرف ایرانی فرہنگوں کی سند چاہیے۔ غالب نے ایک ہندوستانی کی مولفہ فرہنگ شرفنامہ کی عبارتیں دو تین جگہ نقل کر کے ان سے استناد کیا ہے اور فرہنگ جہانگیری کے بعض مطالب کا ایک جگہ حوالہ دیا ہے۔ اس صورت میں اگر حامیان برہان ہندی فرہنگ نگاروں سے استناد کریں تو یہ "ایک طرح کا منطقی مصادرہ" کس طرح ہو گیا؟

(۵) ہندی فرہنگ نگار اگر کسی ایرانی کی صحیح سند پیش کرتے ہیں، اور ہندوستانی فرہنگوں میں بکثرت ایسے اسناد موجود ہیں، تو انھیں قبول نہ کرنے کی وجہ کیا ہے؟ ہاں، اگر عبارت نثر یا شعر جس ایرانی کی طرف منسوب ہے اس کا نہ ہو اور کسی ہندی کا ہو، تمن میں اس قسم کی غلطی ہو کہ اس سے استناد نہ ہو سکے یا عبارت یا شعر واقعی اثبات دعوی کے لیے کافی نہ ہو تو اور بات ہے۔

(۶) مخالفین غالب نے فرہنگ جہانگیری سے بکثرت کام لیا ہے، اس کا مولف ایرانی تھا، گو اس کا امکان ہے کہ وہ ہند میں پیدا ہوا ہو، اس کی کتاب اس میں شبہ نہیں کہ ہندوستان میں تالیف ہوئی۔ موید برہان میں بکثرت فرہنگ سروری سے بھی استناد کیا گیا ہے، اس کے مولف کا ایران میں پیدا ہونا اور اس کی کتاب کی روایت اول بار ایران میں لکھا جانا مسلمات سے ہے۔

## (۷) موید میں سراج سے استفادہ

موید برہان میں کئی جگہ بحوالہ سراج اللغۃ ایک ایرانی قوسی کی فرہنگ کی عبارتیں بھی منقول ہیں، یہ کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ صرف ہندوستانی فرہنگوں سے مخالفین غالب نے استناد کیا تھا؟

## (۸) غالب اور فرہنگ انجمن آرای ناصری

فرہنگ انجمن آرای ناصری کا مولف ہدایت فرہنگ نگار ہی نہیں، تذکرہ نگار، مورخ اور شاعر بھی تھا، لیکن، آج کل کوئی ایرانی محقق نہیں جو اس کی تحقیق کا قائل ہو۔ اس نے اپنی فرہنگ کے مقدمے میں ہندوستانیوں کی فارسی دانی کی تنقیص کی ہے، لیکن خود ان سے استفادہ کیا ہے۔ اس کے مقدمے میں ان مہمل اعتراضات کی تصدیق ہے جو برہان جامع کے دیباچے میں برہان قاطع پر ہوئے تھے، اور اس نے چند الفاظ کا ذکر کیا ہے جو اس کے نزدیک برہان میں غلط طور پر درج ہیں، ان میں سے کچھ حواشی برہان قاطع مطبوعہ نوشتہ روبک سے ماخوذ ہیں۔ اس نے اصل کتاب میں بھی اعتراضات کیے ہیں۔ میں نے چند سال قبل معاصر میں (تحت عنوان جہان غالب) اس فرہنگ سے بحث کی تھی، اور دکھایا تھا کہ اس میں ۸۰ فیصدی سے زیادہ متنازعہ فیہ الفاظ مسلک برہان کے مطابق ہیں۔ اس میں دو نمبر سنیں ایسے الفاظ کی تھیں جن پر غالب معترض ہوئے ہیں، ایک میں وہ الفاظ تھے جو برہان کے مطابق تھے، دوسری میں جس طرح قاطع برہان میں ہیں۔ میں نے یہ خیال بھی ظاہر کیا تھا کہ ہدایت کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ غالب اور ان کے اعتراضات سے واقف بھی نہ تھا۔ برہان جامع ایک ایرانی فرہنگ ہے جو قاطع برہان سے چند سال قبل چھپی تھی۔ اس کا مولف برہان کی تنقیص کرتا ہے۔ مگر متنازعہ فیہ الفاظ اس میں نوے فیصدی سے بھی زیادہ برہان قاطع کے مطابق ہیں۔

## (۹) گالی گلوت

گالی گلوت لطائف غیبی میں در گئی ہے، اور غلط نامے میں اس کی تصحیح نہیں ہوئی۔ یہ کتاب دلی میں غالب نے چھپوائی تھی، اور قرینہ ہے کہ غلط نامہ انھیں نے بنایا تھا۔ دلی میں مجھے کوئی شخص نہ ملا جو گالی گلوج کی اس شکل سے واقف ہو۔

## (۱۰) غالب اور دوسرے لغت نویس

غالب نے ملحقات قاطع برہان کے فائدۂ اول میں اس اعتراف کے بعد کہ "ہندوستانزا" ہیں، اور دوسرے ہندوستانزادوں کی فرہنگ نگاری اور شاعری کو تسلیم نہ کرتے، اور خود فارسی دانی کا علم بلند کرنے سے "خودنمائی" کی بو آتی ہے، لکھا ہے کہ میں ہرگز اپنے شمار ۱ - ۲ زبان" میں نہیں کرتا، میری زبان دانی" ...

---

[۱] غالب نے قاطع برہان کے آخر میں جو فوائد ہیں، انھیں ملحقات قاطع برہان کہا ہے۔

[۲] غالب نے "ہندوستان زایان دگر" لکھا ہے۔ یاد آتا ہے کہ میں نے کہیں غالب کی اس عبارت کا مطلب یہ قرار دیا ہے کہ وہ اپنے سوا کسی ہندوستانزا کی فارسی شاعری اور فرہنگ نگاری کو تسلیم نہیں کرتے، لیکن امکان ہے کہ اس جگہ صرف وہ "ہندوستانزا" غالب کے ذہن میں ہوں، جن پر برہان قاطع میں اعتراض ہوا ہے۔

"گوہر ازل آوردہ" کی ...... ہے۔ اول سلامت طبع کہ غلط کو قبول نہیں کرتی، اور جب تک حقیقت کو دریافت نہ کر لے مطمئن نہیں ہوتی۔ دوم، اس "طبع غلط پسند جز براستی نپوند" کی فارسی سے "مناسبت" و سوم تین سال "تیمسار ہرمزد"[1] سے "فراواں کمال و دانش" کا حصول۔ مزید یہ کہ میں نے "باستانی نامہ ہا"[2] کا مطالعہ کیا ہے، اور ان "شور انگیز شور نامہ ہا"[3] سے نشاط دوزی کی ہے۔ غالب نے قاطع برہان کی اشاعت اول میں صرف دو فرہنگوں کی نسبت اپنی رائے ظاہر کی ہے، اور کہا ہے کہ ان کے مولفوں کا مدار حل لغات میں اپنے قیاس پر ہے، اور ان کا قیاس کبھی صحیح نہیں ہوتا (بحث حل تنک) ظاہرا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ دونوں یکسر غلط ہیں۔ نامۂ غالب کا اقتباس ذیل کل فرہنگوں سے تعلق رکھتا ہے:

"رہے فرہنگ لکھنے والے، تمام ان کے تیرہ سے نکالے اشعار تنہا تم کو دھر لیے، اور اپنے قیاس کے مطابق معنی دیے۔ رہنما ہو تو راہ بتائے، استاد ہو تو شعر کے معنی سمجھائے۔ نہ آپ شیرازی، نہ استاد اصفہانی، نہ ہی رگ گردن، نہ ہی دعوئ زباندانی: میرا یہ قول تاص[4] ہے نہ عام ہے، مجموعۂ فرہنگ نویساں کا قیاس معنی لغات فارسی میں نہ سراسر غلط ہے، البتہ کمتر صحیح، اور بیشتر غلط ہے۔"

غرض یہ کہ غالب جو کچھ کہیں، وہ بے چون و چرا تسلیم کر لیا جائے۔ اگر کسی فرہنگ کی رائے ان کے خیال کے مطابق ہے تو ٹھیک ہے، خلاف ہے تو قطعاً ناقابل قبول ہے۔ غالب کے ہندوستانی معاصرین کو غالب کے استاد ہرمزد سا تنا استاد تو میسر ہو ہی نہیں سکتا تھا، کوئی قابل اعتماد فرہنگ بھی ہی نہیں۔ غالب نے جن لغات کی نسبت خود کچھ لکھ دیا ہے، انہیں تو وہ قبول کر کے راہ راست پر رہ سکتے، لیکن ہزاروں لغات جن کے بارے میں غالب کے اقوال موجود نہیں، ان کے لیے اس کے سوا چارہ نہ تھا، کہ ٹھوکریں کھاتے رہیں ــــ غالب کی "طبع غلط پسند جز براستی نپیوند" کیا قبول کرتی ہے، اور کیا رد، اس کے چند نمونے دیکھیے:

## (۱۱) زند و پازند

غالب بحوالۂ ہرمزد لکھتے ہیں کہ زند مطلقاً معدوم ہے، مگر پازند کے کچھ اجزا باقی ہیں۔ اس کے بعد غالب کا اعتراض ان فرہنگ نگاروں پر ہے، جو چند لغات و مصادر کے بارے میں مدعی ہیں کہ زند سے ماخوذ ہیں۔ زند ہے کہاں کہ اس سے کچھ ذکر پیش کیا جائے (لحقات قاطع برہان)۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ زند اس طرح معدوم ہوئی ہے کہ اس کا ایک لفظ بھی باقی نہیں رہا۔ حقیقت یہ ہے کہ غالب اگر دبستان مذاہب کو بھی غور سے دیکھتے تو زند غالب کے نزدیک اصل کتاب ہوتی۔

## (۱۲) اوستا

اوستا کا برائے نام ان کی کسی تحریر میں ذکر آ گیا ہے، اور وہ اس سے مطلقاً واقف نہیں کہ دونوں میں کیا علاقہ ہے (کو معدوم محض نہ کہتے۔ زند در کنار، خود اوستا کے بعض حصے موجود ہیں۔ واضح رہے کہ لطائف غیبی کی عبارت ذیل سے مترشح ہوتا ہے کہ زند دہی صحیفہ ہے جو دساتیر میں زردشت کے نام کو ہے (لطیفۂ ۱۱)۔

## (۱۳) دساتیر

غالب ہرمزد سے سوال کرتے ہیں کہ میں سمجھتا ہوں کہ زند و متن دساتیر کی زبان ایک ہے، آپ کیا فرماتے ہیں، اور ہرمزد سے اس کی تصدیق کراتے ہیں۔ متن دساتیر کی نسبت اس سے قبل ان کے قلم سے بحوالۂ ہرمزد یہ عبارت نکل چکی ہے:

"ہر صحیفہ کہ بہ یزدان وخشوران[5] پارس از آسمان فرود آمدہ است بہ آسمانی زبانست کہ آں را فرازین[6] نیاد گویند۔ آرش آں واژہ ہائی ذخیرہ و سخنہائی پاکیزۂ پیمبران را بہ میانجی سروش از فرگاہ[7] دادار پاک بہ دل فرو ریزد تا این روشن گہران آں را دلنشین بہرۂ وخشوران میکنند، تا آن راز ہائی سترگ را در زبان خود بند نگارش در آورند، چنانکہ پاکیزہ زند کہ بہ پازند مشہور است، و ہمچنیں ہمیشہ اندساتیر کہ ساسان پنجم بزبان دری نگاشتہ است" (لحقات قاطع برہان)

---

[1] مگر نامۂ غالب میں ہے "بندہ ہندی مولد و پارسی زبان ہے:

ہر چہ از دستگہ پارس بیغما بردند
تا بنالم ہم ازاں جملہ زبانم دادند"

[2] ہرمزد مراد از عبدالصمد جو ایک فرضی شخص تھا (رجوع بہ احوال غالب)۔ تیمسار = حضرت، دساتیری لفظ ہے، لیکن فارسی امروزی میں بعض صاحب منصبوں کے لیے مستعمل (رجوع بہ فرہنگ ڈاکٹر محمد معین)

[3] باستانی نامہ ہا = کتب قدما، مگر زبان دانی کے لیے صرف کتب قدما کا مطالعہ قطعاً ناکافی ہے، اور یہ متعین ہے کہ متاخرین کی کتابوں کا مطالعہ غالب نے نسبتہً زیادہ کیا تھا۔

[4] شور نامہ غلط طباعت نہیں، اس کی بحث لطائف غیبی میں بھی ہے یہ دراصل کوئی لفظ ہی نہیں، موید برہان میں جا اس پر اعتراض ہوا ہے غالب نے اس کا جواب نہیں دیا۔

[5] کہنا یہ چاہتے ہیں کہ تاص نہیں عام ہے، مگر جو لکھ گئے اس کا مطلب یہ ہے کہ میرا قول نہ عام ہے نہ خاص، جو ایک مہمل بات ہے۔

[1] وخشور = پیمبر [2] دساتیر [3] = معنی اوستاتیر [4] دساتیر

پہلی بات یہ ہے کہ ژند معدوم محض ہے، تو غالب یا کسی اور شخص کو معلوم کس طرح ہوا کہ ژند متن دساتیر کی زبان ایک ہے۔ دوسری یہ کہ ساسان پنجم ان کے قول کے خلیفہ زردشت، وخشور ٹھہرتا ہے، حالانکہ بموجب دساتیر وہ خود پیمبر ہے اور دساتیر میں ایک صحیفہ اس کے نام کا ہے۔ لطائف غیبی سے معلوم ہوتا ہے کہ غالب بھی اس کی پیغمبری کے مقر ہیں (لطیفہ ۱۱) تیسری یہ کہ ایک سر ے آورده زردشتی، ملا فیروز نے جو دساتیر کے ناشر ہیں اور جنہوں نے اس کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے، صراحتہً لکھا ہے کہ زبان متن دساتیر "اصلاً و قطعاً" زبان ژند و پہلوی و دری بلکہ اس زمانے کی کل مشہور زبانوں سے مناسبت نہیں رکھتی (دساتیر، خاتمہ از نسخہ ملا فیروز صفحہ ۲۰۷)۔ اس صورت میں اس قول کی مؤثر تردید کے بغیر یہ کہنا کیا کہ متن دساتیر اور ژند کی زبان ایک ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ متن ایک بالکل مصنوعی زبان میں ہے۔ چوتھی بات یہ کہ غالب بظاہر دساتیر کو واقعی کلام ایزدی سمجھتے ہیں۔ مسلمان رہ کر تو وہ یہ نہیں کر سکتے، وجہ یہ کہ دساتیر کا آخری پیمبر ساسان پنجم، پیغمبر اسلام کا معاصر ہے اور اسلام کی طرح دساتیری مذہب بھی عالمگیر مذہب ہے۔ کیا خدا ایک ہی زمانے میں دو پیغمبر جن کی تعلیم اس حد تک مختلف ہو جتنی قرآن و دساتیر کی ہے، بھیج سکتا ہے؟

قاطع برہان کی بحث ارزند میں ہے: "ساسان پنجم... اَرزَند را بمعنی چیزے آورده است که ہیچ چیز از خارج داخل آن تواند شد... غیر مرد... مگر بگویم در مکاتبات خود را ارزند بنده نوشتی۔ چون شد بیش وقت فرمود که ارزند بنده مضاف و مضاف الیہ معکوس است یعنی بندهٔ ارزند، بنده ترجمۂ عبد و ارزند ترجمۂ صمد" عبارات منسوب بہ ساسان پنجم میں کہیں ارزند بمعنی صمد نہیں آیا، دساتیر میں یہ لفظ کئی جگہ ملتا ہے، مگر دساتیر کی جو عبارت غالب کی غلط فہمی کا باعث ہوئی ہے، میرے نزدیک یہ ہے:

"ہمہ آنچہ نگرانند و بینند تو چیزی و نگسلند و نہ جدا شود از تو چیزی۔ پیمبر آید با یزدان ارزند گوہرا دست قند بیرون و جدا نیست"

# (۱۴) دساتیر سے غالب کی واقفیت

ملا فیروز کی فرہنگ دساتیر میں آروند: عین و خلاصہ و زبدۂ ہر چیز" ملا کے انگریزی ترجمے میں ارزند ESSENCE بمادہ۔ یہ ہے دساتیر سے غالب کی واقفیت جو ان کے قول کے مطابق ان کا ایمان حرز جاں تھی۔ دساتیر سے اچھی طرح واقف نہ ہونا اور باتوں سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ مگر وہ اس جگہ قلم انداز کی جاتی ہیں۔

---

لطه نو ترجمۂ دساتیر   سته : ترجمۂ دساتیر

# (۱۵) بر پروشاں

بر پروشاں برہان قاطع میں ... امت ہے۔ قاطع برہان کی اشاعت اول میں غالب نے لکھا کہ اقصائے دکن کے جنوں کی زبان ہے۔ ایں برساں بمعنی امت البتہ ہے، مگر یہ بغیر مضاف الیہ مستعمل نہیں۔ محرق قاطع برہان میں دقیقی کا شعر جس میں بر پروشاں تھا، دیکھا تو قاطع برہان کی اشاعت دوم سے جنوں والی بات ..... نکال دی، حالانکہ اس کے دیباچہ جدید میں بڑے ادعا سے لکھ چکے تھے کہ میں نے ہرگز اپنے سابق عقیدے سے کسی معاملے میں رجوع نہیں کیا، اور یہ اضافہ کیا: "ضرورت وزن نظم لغت را صورت دیگر نمی تواند بخشید... و تبدیل شین ... و سین.. با ہمہ گر اصلیت محکم در ضوابط زبان ایران است۔ لاجرم بر پروشاں ہماں برساں است باضافۂ حرفی چند در وسط و تبدیل سین... بشین..." اگر ضرورت وزن نظم سے ۳ حرفوں کا وسط میں اضافہ ہو سکتا ہے، تو برساں ہی پر کیا موقوف ہے، ہر لفظ میں ۳ یا اس سے کم و بیش حرف بڑھا سکتے ہیں، وسط کی قید بھی ٹھیک نہیں، جہاں جی چاہے بڑھا دیجیے۔ علی ہٰذا اگر سین و شین کا ایک دوسرے سے بدل جانا قاعدے کے مطابق ہے، تو نویس کو نویش نوشین کو خوسیں بولنے اور لکھنے میں تامل نہیں چاہیے۔ ضرورت وزن نظم سے کس قسم کا تصرف جائز ہے۔ اس کا عجیب تصور غالب کے ذہن میں ہے۔ غالب کا اعتراض اشاعت دوم میں یہ رہا کہ تصرف نے اسے ایک مستقل لغت نہیں بنا دیا۔ اس لیے فرہنگوں میں اس کا شمول روا نہیں۔ مگر بر پروشاں غلط خوانی سے پیدا ہوا ہے جیسا کہ معیار جمالی (ایرانی شاعر معاصر حافظ کی کتاب جس میں شاعر نے خود لغات کو منظوم کیا ہے) کے روسی مرتب نے لکھا تھا، یہ دراصل پروشتاں ہے۔ شعر دقیقی کا اصلی ماخذ فرہنگ اسدی ہے، اور مجھے یاد آتا ہے کہ اس کے کسی نسخے میں بر پروشاں ہی ہے۔ صاحب معیار جمالی نے یہ شعر اسی طرح دیکھا ہوگا، اور اس نے اسی طرح نظم کر دیا۔ غالب کی طبع غلط پسند انھیں صحیح راہ نہ دکھا سکی۔

# (۱۶) ابو سعید ابوالخیر کی رباعی اور غالب

ایک رباعی منسوب بہ ابو سعید ابوالخیر میں دو، دسره اند گنده و بیره بطور قوافی آئے ہیں، دسره اسم ہیں اور گنده و بیره فعل، غالب لکھتے ہیں کہ شاعر نے تصرف کر کے گندد اور بیرد کو گنده اور بیره بنا دیا، اور کسی کو "مجال گفت و گو" نہیں۔ (ملحقات قاطع برہان) مگر یہ تصرف نہیں، بول چال کی زبان ہے

---

له ابو سعید ابوالخیر کے پوتے کے پوتے نے اسرار التوحید میں اپنے دادا کی زبانی لکھا ہے کہ ابو سعید ابوالخیر نے عمر بھر میں ایک رباعی اور ایک فرد کہی ہے اس

اب بھی اس طرح بولتے ہیں۔ اور اشعار میں کبھی ہائے مختفی بجائے دال آئی ہے (رجوع بہ غالب بحیثیت محقق)۔

## (۱۷) بسمل

برہان قاطع میں ہے: "بسمل.. ہر چیز کہ آن را ذبح کنند باشند... و بشمشیر کشتہ شدہ را نیز گویند۔ وجہ تسمیہ آنست کہ وقت ذبح کردن بسم اللہ میگویند۔" غالب قاطع برہان میں فرماتے ہیں: لفظ بسمل فقہائے اہل اسلام کا مخترع نہیں، قدیم لفظ ہے، اور عقل گواہ ہے کہ یہ ظہور جلوۂ بسم اللہ سے قبل وضع ہوا تھا۔ آخر جانداز خستہ و گلو بریدہ کو کیومرث کے زمانے سے عہد یزدجرد تک کیا کہتے تھے؟ اگر کہا جائے کہ بسمل مستحدث ہے تو میں کہوں گا کہ مسلم، لیکن لفظ آفرینوں کو ہرگز یہ وجہ تسمیہ نہ سوجھی ہوگی — بسمل کا مستحدث ہونا غالب تسلیم کرتے ہیں، تو یہ کیوں کہا کہ قدیم لفظ ہے؟ وجہ تسمیہ وہ نہ تھی جو برہان قاطع میں تھی۔ تو غالب کو بتانا تھا کہ کیا ہے۔ فرہنگ ڈاکٹر محمد معین میں بسمل کے بارے میں ہے "وجہ تسمیہ اش آنست کہ ہر وقت ذبح کردن بسم اللہ الرحمن الرحیم گویند" اور اس پر کل ایرانیوں کا جنھوں نے اس لفظ سے بحث کی ہے اتفاق ہے غالب نے بسمل کے معنی "خستہ" بھی لکھے ہیں جو برہان قاطع میں ہیں۔ فرہنگ ڈاکٹر محمد معین میں خستہ کے معنی یہ درج ہیں: "مجروح، آزردہ، دردمند، درماندہ، فرسودہ و رنجیدہ از بسیاری کار" بسمل بہ خستہ کہیں اور نہیں ملتا۔

## (۱۸) افسوس/فسوس

برہان قاطع میں افسوس و فسوس کے معانی اس فرق کے سوا کہ فسوس ایک شہر کا نام بھی بتایا ہے، ایک دیے ہیں، جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ دونوں دراصل ایک ہیں، یا تو افسوس میں الف زائد ہے یا فسوس میں محذوف ہو گیا ہے۔ قاطع برہان اشاعت اول و دوم دونوں میں ہے۔" رہروان را آگہی باد کہ غول وادی گفتار طرفہ بانگی زدہ است، تازی و پہلوی را بہم پیوستہ، و برنگزار فتادہ شگرف نقشی بستہ۔ من این را انگیزارم و پردہ از روی کارش برمیدارم۔ افسوس بالف مفتوح و واو مجہول لفظ تازیست، بمعنی دریغ، چنانکہ تاسف و متاسف و وا اسفاہ ہمہ مستخرج از افسوس است، و فسوس بہر دو ضمہ و واو مجہول لغتیست فارسی ترجمۂ استہزا این بجز افسوس و فسوس را یکی دانستہ، و ہر گونہ معانی کہ در عربی بہر افسوس و در فارسی برای فسوس بود پارہ پارہ بہم دوخت۔" کئی باتیں محل نظر ہیں: غالب عربی میں واوِ مجہول کے وجود کے قائل نظر آتے ہیں افسوس بہ وزن فعلول ہے، جو عموماً مضموم الاول ہوتا ہے جیسے صندوق و جمہور و اسکوب۔ اگر یہ عربی ہے تو اسم جامد ہے اس سے تاسف وغیرہ کا مستخرج ہونا کیا؟ وا اسفاہ ایک سے زیادہ کلمات سے مرکب ہے اس کا کسی ایک کلمے سے نکلنا عجیب بات ہے۔ تاسف کا مادہ اسف ہے، اور متاسف اس کا اسم فاعل، وا اسفاہ میں بھی یہی اسف ہے۔ افسوس اگر اسم جامد نہ ہوتا اور اس کا مادہ افس ہوتا، جب بھی تاسف وغیرہ کا اس سے کچھ سروکار نہ ہوتا۔ غالب نے یہ نہیں کہا کہ عمل تقلیب واقع ہوا ہے، جس کے بعض مقامات میں نہ ہونے کی وجہ سے غالب نے برہان قاطع کے مؤلف کو سرزنش کی ہے۔ افسوس کو عربی کہنا غلط فاحش ہے، یہ پہلوی ہے، اور استہزا یا اس سے ملتے جلتے معانی کے لیے آیا ہے۔ تعجب کو دوسرے معانی پیدا ہوئے۔ افسوس و فسوس اصلاً ایک ہیں اور نام شہر سے قطع نظر، دونوں کے معانی ایک ہیں۔ غالب پر جب لے دے ہوئی تو انھوں نے لطائف غیبی میں اقرار کیا کہ افسوس کو عربی بتانے اور "اسف کے مشتقات کو افسوس کے مشتقات" (وا اسفاہ اب اسف کے مشتقات میں داخل ہو گیا!) قرار دینے میں سہو و غفلت سے غلطی ہو گئی، مگر اس سے ان کے مرتبہ علمی میں فرق نہیں آتا مثلاً تحفا زاہ صاحب متن کیدانی، جامی، سعدی، حافظ سے غلطیاں سرزد ہوئیں —

غالب کی عمر بھی ۶۰ سال کی تھی، سہو اس کا بھی تقاضا ہے۔ یہ سہو طبیعت ہے "جو ماہرین فن کے نزدیک.. جواز الزام و اعتراضات کی حجت نہیں ہو سکتا۔ اس بات پر کہ افسوس و فسوس مختلف الاصل و مختلف المعانی ہیں، غالب اس کتاب میں بھی قائم رہے۔ اس بحث کا خاتمہ ان الفاظ پر کیا: "دکنی کا بدستور حق ثابت رہا کہ اس نے افسوس و فسوس کا تفرقہ ملحوظ نہ رکھا۔" (لطیفہ ۵) غالب نے قاطع برہان کی اشاعت دوم میں جو اضافہ کیا اس کا آغاز اس سے ہوتا ہے: "افسوس بالفتح اگر عربی نباشد، گو مباش" اس کے بعد لکھا ہے کہ افسوس و فسوس مختلف المعانی ہیں ... فسوس کو پہلے بضمتین و واو مجہول کہا ہے، بعد کو اس کا ہم وزن عروس بتایا ہے۔ غالب نے صاحب برہان قاطع پر

---

کتاب میں موجود، اور رباعی غالب کی منقولہ رباعی سے مختلف) مگر وہ دو مردوں کے اشعار پڑھا کرتے تھے۔ لوگوں نے ان میں سے جسے چاہا ان سے منسوب کر دیا۔

۱۴ اس کی تصدیق کسی ایرانی سے بھی ہو سکتی ہے

۱۵ قاطع برہان کا آغاز شورش ۱۸۵۷ء کے کچھ ہی بعد ہوا، اس وقت ان کی عمر ۶۰ کی بہ نسبت ۷۰ سے قریب تر تھی

۱۶ وہ کون سے "ماہرین فن" ہیں جو اس قسم کی غلطی کو قابل درگزر قرار دیتے ہیں؟

اعتراض کیا ہے کہ وہ ہم وزن لاتے ہیں واؤ مجہول و معروف کا لحاظ نہیں کرتا، لیکن خود عروس کو جو عربی اور بہ واو معروف ہے افسوس کا ہم وزن کہتے ہیں۔ عروس بضمتین بھی نہیں آتا اس کا حرف اول مفتوح ہے۔ غالب نے جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے اشاعت دوم کے دیباچۂ جدید میں دعویٰ کیا تھا کہ میں نے کسی امر کے متعلق اپنے سابق عقیدے سے رجوع نہیں کیا۔ اب اگر کوئی شخص غالب کی روش سے واقف نہ ہو تو وہ یہ دیکھ کر سخت حیران ہوگا کہ پہلے جُزدِ وشعر نے افسوس کو عربی بتاتے ہیں اور پھر یہ فرماتے ہیں کہ عربی نہیں، تو نہ سہی۔

٥٥

( تحریک دہلی مارچ ۱۹۷۲ء )

## (۱۹) دیوانِ حافظ نسخۂ گوالیار مرتبۂ جان جاکوب پر غالب کی تقریظ

دیوانِ حافظ پہلی بار ہندوستان میں چھپا تھا یہ ۱۷۹۱ء کا واقعہ ہے۔ غالب کے ایک دوست جان جاکوب نے بھی دیوان اشاعت کے لیے مرتب کیا تھا جس پر غالب نے تقریظ لکھی تھی جو پنج آہنگ میں شامل ہے۔ غالباً یہ طبع بھی ہو گیا تھا گوالیار میں خطی یا مطبوعہ نسخہ ہو گا۔ اگر کسی صاحب کو اس کے متعلق کچھ علم ہو تو مطلع فرمائیں۔

## (۲۰) ناسخ و چندو لال اور غالب

(م) معلوم یہ ہوتا ہے کہ پہلے غالب نے ناسخ کو ایک خط لکھا جس میں استدعا کی کہ وہ اودھ سے کچھ دلوائیں۔ ناسخ نے معذوری ظاہر کی، اور یہ تحریک کی کہ چندو لال سے استمداد کی جائے۔ غالب کو یہ ناگوار گزرا، اس کا اظہار تو خلاف مصلحت نظر آیا۔ نزلہ بیچارے چندو لال پر گرا۔ مکتوب غالب کا یہ ٹکڑا قابل توجہ ہے۔

"اینکہ گفتی از سر تلطف بود و مدح شاہ اودھ سرودم، آوایش نیاز این تمنا بودہ۔ چوں کار ساختہ نشد، و زمزمہ من در ثنای بخت شاہان فرود شایستہ روی گرداندم، و بر خود دریغ خوردم۔"

## (۲۱) غالب کا مذہب

اس سے صاف ظاہر ہے کہ وقت تحریر تک کسی قصیدہ کا جائزہ کسی شاہ اودھ سے نہیں ملا تھا۔ غالب کا یہ قول کہ نصیر الدین حیدر نے ۵ ہزار روپے انعام دیے جانے کا حکم دیا تھا۔ دوسرے لوگ کھا گئے، افسانہ معلوم ہوتا ہے، اس سے کبھی اور بحث ہو گی۔ غالب کے مذہب کے متعلق کچھ شمارہ مارچ میں لکھا جا چکا ہے، اس سلسلے میں معظم زمانی بیگم عرف مجلا بیگم دختر نواب ضیاء الدین احمد خاں نیر و زوجہ باقر علی خاں کامل کا یہ قول ملاحظہ ہو، جو مذہب کے متعلق سید احمد خاں صاحب کے ایک سوال کے جواب میں ہے:۔

"ان (غالب) کے مذہب کا کیا ٹھکانا! جہاں بیٹھے اسی مذہب میں ہو گئے۔" (آئینۂ غالب ص۱)

## (۲۲) غالب اور فارسی گویان ہند

مذہب ہی پر موقوف نہیں اور معاملات میں بھی ان کا یہی حال ہے۔ مشہور ہے کہ غالب خسرو کے سوا کسی ہندوستانی فارسی گو کو نہیں مانتے لیکن خود ہندی کے ایک خط بنام شفق میں، شفق اور ۳ دوسرے ناقابل اعتنا فارسی گویان ہند کی نسبت ان کے قلم سے نکلا ہے۔

"خوشامد میرا شیوہ نہیں۔ ان غزلوں کی حقیقت سن لیجیے اور میری داد دینے کی داد دیجیے۔ مولانا قلق نے متقدمین یعنی امیر خسرو و سعدی و جامی کی روش کو سر حد کمال کو پہنچا دیا ہے، اور میرے قبلہ و کعبہ مولانا شفق اور مولانا ہاشمی اور مولانا عسکری ساخرین یعنی صائب و کلیم و قدسی کے انداز کو آسمان پر لے گئے ہیں اگر تکلف اور تملق سے کہتا ہوں، تو ایمان نصیب نہ ہو۔"

## (۲۳) غالب اور فرہنگ نگارانِ ہند

— فرہنگ نگاران ہند کے بارے میں غالب نے لطائف غیبی میں لکھا ہے: "نہ زباندان، نہ شعور اشعار الشعراء کو ماخذ ٹھہرا کر مطابق اپنے قیاس کے استنباط کرنے لگے۔ قیاس کمتر مطابق واقع، بیشتر غلط۔" نامۂ غالب میں ارشاد ہے: "رہے فرہنگ لکھنے والے خدا ان کے پیچ نکالے۔ اشعار قدما آگے دھر لیے اور اپنے قیاس کے مطابق حل دیئے، رہنما ہو تو راہ بتائے، استاد ہو تو شعر کے معنی کھائے۔ نہ آپ شیرازی نہ استاد اصفہانی۔ زہے رگ گردن۔ وحشی دعوئ زباندانی۔ مجموعۂ فرہنگ نگاران کے محقق ہونے میں کلام ہے۔ عبدالرشید کی کیا شیخی۔ اور میاں انجو میں کیا پیری ہے؟ قطب شاہ و جہانگیر کے عہد میں ہونا اگر ہنشار برتری ہے تو بیچارہ جعفر زٹلی بھی فرخ سیری ہے۔" غالب کے ایک معاصر نجف علی خاں تھے انہوں نے دساتیر کی شرح لکھی تھی اور غالب کی طرح دوسروں پر رعب جمانے کیلئے دساتیری الفاظ استعمال کیا کرتے تھے۔ انہوں نے ایک رسالہ دافع ہذیان محرق قاطع برہان کے رد میں تحریر کیا تھا اور اس طرح غالب ان کے احسانمند تھے۔ ان کی ایک کتاب دری کتابی ہے جس میں بکثرت فارسی الفاظ مذہب صاحب برہان قاطع کے مطابق مرقوم ہیں۔ غالب نے اس کے باوجود اس کتاب پر تقریظ لکھی تھی جو اس کتاب میں شامل ہے اور باغ دو در میں بھی موجود ہے۔ شرح دساتیر کی تقریظ بھی غالب کے قلم سے نکلی ہے اس میں شارح کے متعلق غالب نے لکھا ہے: "پہلوی زبان پہلوانی را در کارگاہ سخن پروری کار آوردہ اند کہ استادان استادان را گرچہ آموزگار است، جاماسپ شیٔہ ساسان نمایہ آذر کیوان پایہ۔" (شرح و باغ دو در) وہ اصحاب جو اس سے واقف ہیں کہ غالب جاماسپ و ساسان (پنجم) و آذر کیوان کا فاسد جانی میں کیا رتبہ سمجھتے تھے وہ مجھ سے اتفاق کریں گے کہ اس سے زیادہ تعریف غالب کے لیے ممکن نہ تھی۔ مولفین فرہنگ جہانگیری و فرہنگ رشیدی کی یہ تذلیل اور صاحب دافع ہذیان کی یہ تجلیل!

(تحریک دہلی جون ۱۹۷۲ء)

## (۲۴) غالب اور ہندو

تحریک مارچ ۱۹۷۲ء ص ۵۲ میں غالب کا جو فارسی خط نقل ہوا ہے (اس کے مکتوب الیہ نا معلوم ہیں) اور جس میں ہندو کے بارے میں نہایت بیہودہ الفاظ مستعمل ہوئے ہیں، وہ چندولال شاداں ہیں، جو شاہ نصیر کے علاوہ متعدد شعرائے اردو کے مربی تھے۔ یہ خط متفرقات غالب مرتبہ جناب سید مسعود حسن رضوی میں شامل ہے، مگر متفرقات میں "میرا حافظہ دھوکا نہیں دیتا، تو بہت سے مکروہ الفاظ جو تحریک میں چھپے ہیں، نہیں ہیں، "بجہنم میرسد" متفرقات کے منقول عنہ میں تھا، مگر مرتب نے اسے نکال دیا۔ یہ خط جس طرح متفرقات میں ہے، تحریک میں شایع کر دیا جائے تو مناسب ہوگا۔ یہ نہ سمجھا جائے کہ غالب واقعی ہندوؤں سے اتنا تعصب رکھتے تھے۔ جتنا اس خط سے ظاہر ہوتا ہے۔ بات یہ ہے کہ غالب میں ضبط نفس بالکل نہ تھا، جھنجھلاہٹ میں کوئی بات بھی ان کے قلم سے نکل سکتی تھی۔ بعض اوقات مصالح کی بنا پر وہ اپنے عقیدے کے خلاف بھی لکھ دیا کرتے تھے۔ غالب بہادر شاہ کے نوکر ہو چکے تھے کہ ان کے شیعی ہونے کا چرچا ہوا۔ غالب نے کئی رباعیاں لکھیں، جن میں سے ایک حالی نے یادگار غالب میں درج کی ہے۔ اس سلسلے میں حالی کے قلم سے جو کچھ نکلا ہے، صحیح نہیں، ایک معاصر اخبار میں یہ رباعیاں شایع ہوئی تھیں، اور مدیر نے لکھا تھا کہ مخالفین نے غالب کو بدنام کرنے کی کوشش کی تھی، غالب نے رباعیوں میں حقیقت ظاہر کر دی۔

## (۲۵) غالب کا مذہب

بہادر شاہ کی تبدیل مذہب کی شہرت ہوئی تو غالب نے ان کے حکم سے ایک فارسی مثنوی کہی، جس میں روافض کو بہت سخت و سست کہا۔ اگر بہادر شاہ انھیں شیعی سمجھے ہوتے تو یہ مثنوی ان سے نہ لکھواتے۔ ایک خط میں جو غمگین کے نام ہے، غالب نے تشیع و تسنن میں مصالحت کرنی چاہی ہے، فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان خلیفہ تھے، مگر امام نہ تھے، حضرت علی کی ذات میں خلافت و امامت دونوں کا اجتماع ہوا۔ بعض خطوط میں انھوں نے تبدیل مذہب کا اعتراف کیا ہے، اور اپنے کو اثنا عشری لکھا ہے۔

## (۲۶) شیعہ مسئلہ

لطائف غیبی یا سوالات عبدالکریم (ممکن ہے کہ ان دونوں میں ہو) میں غالب نے کہا ہے کہ شیعوں کے یہاں سب صحابہ واجب ہے۔ ایک خط میں جو علائی کے نام ہے، وہ ان تمام اصحاب کو جو نو مسلموں (مراد از حضرت ابو بکر وغیرہ) کو "ابو الائمہ" (مراد از حضرت علی) کا ہمسر سمجھتے ہیں، مشرک قرار دیا ہے، اور انھیں جہنم بھیجا ہے۔ علائی ممکن ہے کہ شیعہ ہو گئے ہوں لیکن ان کے بزرگ سب کے سب سنی تھے۔ سنی عام طور پر خلفائے ثلاثہ کو حضرت علی کا ہمسر نہیں، ان سے برتر مانتے ہیں، غالب کے حساب سے ان کی جگہ تو اسفل السافلین ہی ہونی چاہیے۔ ایک قطعہ میں جو باغ دو در میں ہے۔ غالب نے کسی مجہول الاسم شخص کو تین عیدوں کی مبارکباد دی ہے، ان میں سے ایک عید بابا شجاع (یعنی عید قتل عمر) ہے۔

۳۔ تحریک مارچ ۱۹۷۲ء ص ۵۳ میں ہے کہ لگو میں خندق کندک ہے۔ اصلی شکل اس لفظ کی پہلوی میں کندک ہی تھی، خندق اس کا معرب ہے، اور فارسی میں زیادہ استعمال اسی کا ہے۔ بکثرت پہلوی الفاظ جو کاف پر ختم ہوتے ہیں، فارسی میں کاف کی جگہ، ہائے مختفی پر ختم ہوتے ہیں، چنانچہ کندک کندہ ہو گیا ہے۔ غالب نے قاطع برہان طبع دوم میں خندق کو معرب کندہ بتایا ہے۔ یہ صحیح نہیں۔

غالب نے قاطع برہان میں توافق لسانین کے متعلق جو کچھ لکھا ہے، اس کی انھیں بڑی داد ملی ہے، مگر داد دینے والے ویسے اصحاب ہیں جو سنسکرت سے قطعاً نا آشنا، اور فارسی سے محض واجبی واقفیت رکھتے ہیں۔ غالب کی "طبع غلط پسند جزیاستی پیوند" نے اس سلسلے میں جدت پسندی کا بھی ثبوت دیا ہے، اور کچھ ایسی باتیں پیش کی ہیں، جو قاطع کے سوا کہیں اور نہیں ملیں گی۔ فرماتے ہیں۔

## (۲۷) منگل (= مریخ) اور غالب

منگل اسم مریخ دونوں زبانوں میں ہے۔ مگر پارسی میں یہ تسمیہ توجیہ طلب ہے۔ توجیہ یہ کہ "زبان دری" میں منگ بالفتح = قمار ہے، اور لہ باعلان ہا = شراب، چونکہ فسق و فجور منسبات مریخ سے ہے، مریخ کا نام منگل ہو گیا۔ فارسی میں منگ کے کئی معانی ہیں، جن میں سے ایک قمار بھی ہے (رجوع بہ فرہنگ محمد معین) لہ کے متعلق بھی غالب کا قول صحیح ہے (رجوع بہ ایضاً) مگر منگل ایران کی کسی زبان میں = مریخ نہ ہے اور نہ تھا۔ منگل کے بارے میں ڈاکٹر محمد معین نے لکھا ہے: "منگل (ا) ان کی فرہنگ میں گر بمعنوم: ۱۔ جائی کہ آب از بالا بدان ریزد و جمع گردد، و از سر پایین فرو ریزد۔ ۲۔ پشتہ گو" منگل دساتیر میں مطلق نہیں آیا، اور دساتیریوں کی کتابوں میں بھی، جہاں تک میں نے ان کا مطالعہ کیا ہے، نہیں ملتا۔ توجیہ سے قطع نظر، یہ بات ہی غالب کے ذہن میں کس طرح آئی کہ فارسی میں منگل = مریخ ہے۔

## (۲۸) شورامہ و شورابہ

ایک اور لفظ غالب نے فارسی میں داخل کیا ہے، فرماتے ہیں: "گذشتن برباستانی نامہ باد و نشاط ورزیدن از آن شور انگیز شورامہ ہا۔" (قاطع، فائدہ ۱)۔ محرق قاطع برہان میں مرقوم ہے کہ "شورامہ طعم دانستہ و ہم غوغاست" غالب لطائف غیبی کے لطیفہ ۲۴ میں رقمطراز ہیں "جس کو شورامہ و شورابہ میں تمیز نہ ہو، وہ متصدی فن تحریر ہو، اور تحریر میں بھی مقابلہ اس کا کہ جو آج .... ایک آیت ہے آیات الٰہی میں سے یعنی نواب معلی القاب .... اسد اللہ خان بہادر ...... اورامہ و شورامہ دو رمزے ہیں اہل پارس کے ...... جیسے ہندی میں ٹپا کبری" مؤید برہان میں یہ اعتراض ہوا کہ شورامہ کوئی لفظ نہیں، اس کے جواب میں غالب نے جو کتاب بنام تیغ تیز لکھی، اس میں اس کے متعلق انھوں نے بالکل خاموشی اختیار کی۔ میرا خیال تھا کہ غالب نے سہواً اورامہ کو شورامہ لکھ دیا ہوگا، مگر ان کے یہ فرمانے کے بعد کہ اورامہ اور شورامہ الگ ہیں، اس کی بھی گنجائش نہ رہی۔ یہ لفظ فارسی ہے نہ دساتیری، خدا جانے غالب نے اسے کس طرح استعمال کیا۔

(تحریک دہلی، ۱۹۷۳ء)

# تتمۂ جہان غالب کا اشاریہ

## (۲)

# GHALIB ENCYCLOPAEDIA

*by*

Qazi Abdul Wadood

(d.1984)

Khuda Bakhsh Oriental Public Library

Patna